خُطبات



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ ○ الذّٰريٰت:٥٥

اور نصیحت کرتے رہئیے کہ نصیحت مومنوں کو نفع دیتی ہے

خُطبات

وزارتِ مذہبی امور — حکومت پاکستان

اسلام آباد

فہرست موضوعات

پیش لفظ

الحمد للّٰہ رب العالمین، ونصلی علی رسولہ الکریم

علماء کرام اور خطاب عظام عامتہ المسلمین کو وعظ و تلقین کرنے اور ان کی رہنمائی کرنے کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں۔ ان حضرات کو ایسے موضوعات اور لوازمہ کی تلاش رہتی ہے جو موقع کے مناسب حال ہوں۔ اسی ضرورت کے پیش نظر یہ "خطبات" مدون کئے گئے ہیں۔ ان خطبات کی تیاری میں اس بات کا خاص طور پر خیال رکھا گیا ہے کہ ان کی زبان سادہ، عام فہم اور آسان ہو اور ان میں مستند واقعات واحادیث ہی پیش کی جائیں۔ اس بات کو بھی مدنظر رکھا گیا ہے کہ خطبات میں کسی قسم کا ایسا مواد نہ ہو جو کسی مسلمان کی دل آزاری کا باعث ہو، نہ کسی خاص مسلک کی تبلیغ ہو اور نہ ہی کسی کی تکفیر، بلکہ کوشش کی گئی ہے کہ وہ مباحث ہی ان خطبات میں شامل کئے جائیں جن پر تمام امت کا اتفاق ہے۔

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ ان خطبات کو پیش کرنے کا مقصد ائمہ کرام کی خدمت اور اس کار ثواب میں ان کی معاونت کرنا ہے، یہ پابندی عائد کرنا نہیں کہ من وعن یہی چیزیں عوام کے سامنے پیش فرمائیں۔ کیونکہ بسا اوقات دور دراز کے علاقوں سے تعلق رکھنے والے ائمہ حضرات خواہش اور کوشش کے باوجود ضروری کتب حاصل نہیں کر پاتے۔ یہ امر بھی ملحوظ رکھا گیا ہے کہ خطبوں کی ترتیب اسلامی کیلنڈر کے مطابق ہو۔ مثلاً سال کی ابتداء یعنی محرم کے مہینہ میں محرم سے متعلق موضوعات اور ربیع الاول کے مہینے میں سیرت النبیؐ سے متعلق موضوعات پر مشتمل خطبات شامل کئے گئے ہیں۔

ان خطبات کی تیاری میں مدد دینے پر میں وزارت مذہبی امور کی جانب سے ان تمام علماء و محققین کا شکر گذار ہوں جنہوں نے اس کار خیر میں تعاون فرمایا۔ اللہ تعالیٰ انہیں اجر عظیم عطا فرمائے۔ امید ہے کہ ان "خطبات" سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کیا جائے گا اور ہمارے علماء کرام ملک میں اتحاد و یکجہتی کی فضا قائم کرنے کی جن کوششوں میں مصروف ہیں ان میں مدد ملے گی۔

اللہ تعالیٰ ہماری ان مساعی کو شرف قبولیت بخشے۔ (آمین)

محمد زبیر قدوائی

معتمد

وزارت مذہبی امور، حکومت پاکستان

اسلام آباد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہجرت۔ اسلامی تقویم کی بنیاد

خطبہ مسنونہ:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اَحْمَدُہٗ وَاَسْتَعِیْنُہٗ وَاَسْتَغْفِرُہٗ وَاَسْتَھْدِیْہِ وَاُؤْمِنُ بِہٖ وَلَآ اَکْفُرُہٗ وَاُعَادِیْ مَنْ یَّکْفُرُہٗ، وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ، اَرْسَلَہٗ بِالْھُدٰی وَالنُّوْرِ وَالْمَوْعِظَۃِ عَلٰی فَتْرَۃٍ مِّنَ الرُّسُلِ وَقِلَّۃٍ مِّنَ الْعِلْمِ وَضَلَالَۃٍ مِّنَ النَّاسِ وَانْقِطَاعٍ مِّنَ الزَّمَانِ وَدُنُوٍّ مِّنَ السَّاعَۃِ وَقُرْبٍ مِّنَ الْاَجَلِ، مَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَقَدْ رَشَدَ وَمَنْ یَّعْصِھِمَا فَقَدْ غَوٰی وَفَرَّطَ وَضَلَّ ضَلَالًا بَعِیْدًا[1]..........

اما بعد! اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی:

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَھَاجَرُوْا وَجٰھَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۭ لَھُمْ مَّغْفِرَۃٌ وَّرِزْقٌ کَرِیْمٌ ﴿۷۴﴾

"جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے اللہ کی راہ میں گھر بار چھوڑے اور جد و جہد کی اور جنہوں نے پناہ دی اور مدد کی وہی سچے مومن ہیں' ان کے لئے خطاؤں سے درگزر ہے اور بہترین رزق ہے"۔

(الانفال ۸:۷۴)

---

[1] یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے پہلے جمعہ کے خطبہ کا ابتدائی حصہ ہے جو کہ مکہ معظمہ سے ہجرت کے بعد مدینہ منورہ پہنچ کر آپ نے بنی سالم بن عوف میں ارشاد فرمایا۔

(بحوالہ: رحمت للعالمین' جلد اول)

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۭ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ؀ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰي رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ؁

جو لوگ ظلم سہنے کے بعد اللہ کی خاطر ہجرت کر گئے ان کو ہم دنیا ہی میں اچھا ٹھکانہ دیں گے اور آخرت کا اجر تو بہت بڑا ہے۔ کاش جان لیں وہ مظلوم جنہوں نے صبر کیا ہے اور جو اپنے رب کے بھروسے پر کام کر رہے ہیں (کہ کیسا اچھا انجام ان کا منتظر ہے) (النحل ۱۶:۴۱۔۴۲)

اس مضمون کی مزید آیات

(۱) البقرہ آیت ۲۱۸۔ (۲) آل عمران آیت ۱۹۵
(۳) التوبہ آیت ۲۰۔ ۲۲۔ (۴) النساء آیت ۹۸۔ ۱۰۰
(۵) الحج آیت ۵۸۔۵۹

احادیث نبوی

(۱) قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، اَلْاَعْمَالُ بِالنِّيَّةِ فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ اِلَى دُنْيَا يُصِيْبُهَا اَوِامْرَاَةٍ يَتَزَوَّجُهَا فَهِجْرَتُهُ اِلَى مَا هَاجَرَ اِلَيْهِ وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ فَهِجْرَتُهُ اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ (بخاری۔ کتاب الانبیاء)۔

ترجمہ: "نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، اعمال کا دارومدار نیت پر ہے پس جس نے دنیا کے لئے ہجرت کی تو وہ اسی کو پائے گا یا کسی نے کسی عورت سے نکاح کرنے کے لئے ہجرت کی تو اس کی ہجرت اسی کے لئے ہو گی اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہجرت کی تو اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کے لئے شمار ہو گی"۔

(۲) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، لَا تَنْقَطِعُ الْهِجْرَةُ حَتّٰى تَنْقَطِعَ التَّوْبَةُ وَلَا تَنْقَطِعُ التَّوْبَةُ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا (ابو داؤد۔ دارمی۔ مسند احمد)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، ہجرت کا حکم اس وقت تک ختم نہ ہو گا جب تک توبہ کی قبولیت کا دروازہ بند نہ ہو گا اور توبہ کی قبولیت اس وقت تک بند نہ ہو گی جب تک سورج مشرق کے بجائے مغرب سے طلوع نہ کرے گا۔ (یعنی قیامت تک)۔

(۳) اَلْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ مَا نَهَى اللّٰهُ عَنْهُ (بخاری کتاب الایمان)

ترجمہ مہاجر وہ ہے جو ممنوعات شریعت کو ترک کرے۔

حضرات گرامی!

جو آیات کریمہ آپ کے سامنے تلاوت کی گئی ہیں ان میں ہجرت کے دنیاوی ثمرات اور آخرت میں اس پر اجر عظیم کا وعدہ فرمایا گیا ہے اور جو احادیث شریفہ بیان کی گئی ہیں ان سے ہجرت کے مفہوم پر روشنی پڑتی ہے۔ ہجرت کی عظمت کے پیش نظر ہن

ہجری کا آغاز ہوا اور اسلامی سال کے لئے واقعہ ہجرت کو نکتہ آغاز قرار دیا گیا۔ اسلام کے ظہور سے قبل تمام اقوام میں یہ رواج تھا کہ وہ اپنے سن کی ابتدا فتح و عروج کے کسی عظیم واقعے سے کرتی تھیں۔ لیکن اسلامی سال کا آغاز ایک ایسے واقعے سے ہوا جب مسلمانوں نے بے سروسامانی اور مظلومیت کے عالم میں اپنا وطن مالوف چھوڑا۔ قدیم سنوں میں سب سے زیادہ معروف بابلی' یہودی' رومی' مسیحی' ہندوستانی اور ایرانی سن ہیں۔ بابلی سن کی ابتداء بخت نصر اول کی پیدائش سے ہوئی۔ رومیوں کے سن کا سکندری سن سے آغاز ہوا۔ مسیحی سن جسے سن میلادی کہتے ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے شروع ہوا۔ ہندوستانی سن بکماجیت کی پیدائش سے شروع ہوا۔

اسلام سے پہلے عرب کے لوگ بھی کسی مشہور واقعہ کو سن کی بنیاد بنا لیتے تھے۔ مثال کے طور پر جاہلیت کے سنین میں ایک سن عام الفیل تھا جو ابرہہ کے بیت اللہ پر ہاتھیوں سے حملے کے نتیجے میں شروع ہوا۔ اسلامی سن کے آغاز کا پس منظر یوں ہے کہ ۱۷ھ میں حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک خط پیش ہوا جس پر شعبان تحریر تھا۔ آپ نے فرمایا کہ اس سے تو پتہ نہیں چلتا کہ یہ کس سال کا مہینہ ہے۔ آپ نے مجلس شوریٰ کا اجلاس طلب فرمایا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رائے دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت ربیع الاول کے مہینے میں کی تھی یعنی محرم جو سال کا پہلا مہینہ ہوتا ہے اس سے دو مہینے آٹھ دن گزر چکے تھے لیکن یہ طے پایا کہ تقویمی دستور کے مطابق سال کو محرم ہی سے شروع کیا جائے۔

سن ہجری قمری مہینوں سے وجود میں آتا ہے یہ واحد سن و سال ہے جو چاند کی تاریخوں سے وجود میں آنے والے بارہ مہینوں پر مشتمل ہے ورنہ تمام دنیا میں تمام قوموں کے سنین شمسی مہینوں سے وجود میں آتے ہیں۔ قرآن میں چاند کو وقت کا پیمانہ قرار دے دیا گیا ہے اور چاند کے حساب سے ہی مسلمانوں کی بہت سی عبادات مثلاً روزہ' حج وغیرہ بجا لائی جاتی ہیں۔ اسلام کی تمام عبادات سال کے بارہ مہینوں میں آنے والے موسموں کے اندر گردش کرتی رہتی ہیں۔ حج کبھی گرمیوں میں' کبھی سردیوں میں اور کبھی روزے گرمی میں اور کبھی سردی میں آتے ہیں۔

اسلامی سال کا آغاز کسی فتح و نصرت کے دن مثلاً غزوہ بدر یا فتح مکہ سے ہو سکتا تھا مگر ہجرت سے چونکہ تاریخ اسلامی ایک نئے دور میں داخل ہوئی اس لئے حضرت علیؓ کی رائے کو اہمیت دی گئی اور واقعہ ہجرت اسلامی سن کا آغاز قرار دیا گیا۔

اس اعتبار سے مسلمان دنیا میں ایسا منفرد نظریاتی گروہ ہے جس کی تقویم کا آغاز ایک انقلابی نظریاتی جد و جہد کے اہم اقدام سے ہوتا ہے یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعہ ہجرت مدینہ سے۔

مسلمان ہر سال اپنے سال نو کا آغاز واقعہ ہجرت سے کر کے اپنی تاریخ کی عظیم ترین جد و جہد کے ایسے مرحلے کی یاد تازہ کرتے ہیں جب وہ کسمپرسی اور جبر و تشدد کے ماحول سے نکل کر ایک اسلامی ریاست کے قیام کے مرحلے میں قدم رکھ رہے تھے اور یوں وہ ہر سال اپنے آپ کو ایک نظریاتی انقلابی گروہ کی حیثیت سے دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

ہجرت کا مفہوم

ہجرٌ اور ہجرٰان کے لغوی معنی ہیں چھوڑ دینا' ترک کر دینا اور مقاطعہ کر لینا۔ دین اسلام کی اصطلاح میں ہجرت ایک مخصوص عمل ہے اور اس سے مراد صرف ترک وطن ہی نہیں بلکہ دینی اور مذہبی وجوہ کی بنا پر دارا لکفر (جہاں مسلمانوں کا اپنے مذہب پر عمل کرنا ناممکن ہو) سے دارالاسلام کی طرف نقل مکانی ہے۔ اگر کسی وجہ سے اہل کفر مسلمانوں کو ان کے وطن سے نکال دیں تو اسے بھی ہجرت ہی کہا جاتا ہے (تفسیر معارف القرآن)۔

ہجرت کا بنیادی مقصد چونکہ اپنے دینی عقائد و نظریات کا تحفظ اور دفاع ہے اسی بنا پر قرآن و حدیث کی تعلیمات کے

مطابق حقیقی ہجرت تو یہ ہے کہ انسان وطن چھوڑنے کے ساتھ نفسانی خواہشات' اخلاق ذمیمہ اور بری عادت کو بھی ترک کر دے۔ قرآن کریم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس فرمان "اِنِّیْ مُهَاجِرٌ اِلٰی رَبِّیْ" (العنکبوت:۲۶) یعنی "میں اپنے رب کی طرف ہجرت کر رہا ہوں" کا یہی مفہوم ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان اَلْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ مَانَهَی اللّٰهُ عَنْهُ وَرَسُوْلُهُ یعنی حقیقی مہاجر وہ ہے جو ممنوعات شریعت کو ترک کر دے اور عربی زبان کے محاورہ هَاجِرُوْا وَلَا تَهْجُرُوْا یعنی صحیح طور سے مہاجر بنو محض زبانی کلامی مہاجر نہ بنو میں بھی اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

ہجرت کی اہمیت

حضرات محترم!

اسلامی دعوت کی تاریخ میں اللہ کے بھیجے ہوئے نبیوں اور رسولوں کو اللہ کے دین کی دعوت کے دوران بالعموم ہجرت کے مرحلے سے بھی گزرنا پڑا ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اپنے ملک و شہر سے ہجرت اور متعدد ملکوں اور علاقوں کا سفر' حضرت یوسف علیہ السلام کی کنعان سے مصر تک جبری ہجرت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مصر سے جبل طور اور جبل طور سے ارض مقدس تک ہجرت' حضرت لوط علیہ السلام کی وادی سدوم سے ہجرت' حضرت یونس علیہ السلام کا اپنے علاقے کو چھوڑ کر نکل جانا اور حضرت ہاجرہ علیہا السلام کی مصر سے وادی غیر ذی زرع (مکہ معظمہ) تک ہجرت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ تک ہجرت' اس ہجرت کی بہترین مثالیں ہیں۔ اس اعتبار سے ہجرت انبیاء علیہم السلام کی سنت' ملت اسلامیہ کی سنت اور ملت اسلامیہ کی اہم روایت ہے۔

اسلامی دعوت کے مختلف مراحل

اللہ کا دین اپنی کامیابی کے مراحل تک پہنچنے کے لئے دعوت و اصلاح کی جس عظیم الشان شاہراہ سے گزرتا ہے اس کے چار مرحلے ہیں۔

پہلا۔	فرد کی اصلاح اور تزکیہ کا مرحلہ
دوسرا۔	معاشرہ کی اصلاح و تزکیہ کا مرحلہ
تیسرا۔	ہجرت کا مرحلہ
چوتھا۔	جہاد اور فتح و کامرانی کا مرحلہ

ہجرت اسلامی دعوت کا ایسا ناگزیر مرحلہ ہے جس سے گزرے بغیر کوئی دینی دعوت کامیابی کی منزل میں قدم نہیں رکھ سکتی۔ دوسرے الفاظ میں ہجرت ہی کامیابی کا زینہ ہے۔

ہجرت مدینہ کا پس منظر

برادران اسلام!

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم ہجرت مدینہ کے تاریخی پس منظر کی یاد اپنے ذہنوں میں تازہ کر لیں۔ لیکن اس سے پہلے یہ بات اپنے ذہن میں تازہ کر لیجئے کہ ایک مسلمان کا مقصد زندگی کیا ہے؟ انسان بالخصوص مسلمان کی زندگی و حیات کا مقصد یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بندگی و اطاعت کرے اور اللہ تعالیٰ کی زمین میں اس کے احکام و قوانین کی ترویج و نفاذ کرے۔ اگر کسی وجہ سے قانون الہیہ کی ترویج و نفاذ میں دشواری پیدا ہو تو اللہ تعالیٰ کی ہدایت یہ ہے کہ مسلمان اس جگہ کو چھوڑ کر کسی اور جگہ چلے جائیں جہاں اللہ کے دین پر عمل کرنا آسان ہو' اگر وہ ایسا نہ کریں گے تو دنیا میں پستی و ذلت کی زندگی بسر کریں گے اور آخرت

میں بھی سزا کے مستحق ہوں گے۔
قرآن کریم کی سورہ النساء میں ارشاد الٰہی ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنتُمْ ۖ قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ ۚ قَالُوا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا فِيهَا ۚ فَأُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ﴿٩٧﴾

"جو لوگ اپنے نفس پر ظلم کر رہے تھے ان کی روحیں جب فرشتوں نے قبض کیں تو ان سے پوچھا کہ تم کس حال میں مبتلا تھے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم زمین میں کمزور و مجبور تھے۔ فرشتوں نے کہا کیا اللہ کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کرتے؟ یہ وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے"۔ (النساء ۴:۹۷)

ہجرت مدینہ کے واقعات

مکہ معظمہ میں مسلمانوں پر اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جو مظالم ڈھائے جا رہے تھے ان کا تقاضا تھا کہ مسلمان مکہ معظمہ سے ہجرت کر جائیں۔ حالت یہ تھی کہ اجتماعی طور پر تو کجا انفرادی طور پر بھی دین اسلام پر عمل کفار کے تخریبی ہتھکنڈوں نے مشکل تر بنا دیا تھا۔ کہیں حضرت بلالؓ کو تپتی ہوئی ریت پر لٹایا جا رہا تھا۔ کہیں حضرت سمیہؓ کو نیزے سے شہید کر دیا گیا' کہیں خبیبؓ کو سولی چڑھایا گیا' کہیں خباب ابن ارتؓ کو دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹایا گیا۔ علی ھذا القیاس مسلمانوں کی زندگی دوبھر کر دی گئی۔ خود سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر جو زیادتیاں ہوئیں ان کی داستان نہایت دل خراش ہے۔

ادھر یہ مظالم تھے اور ادھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی تبلیغ سے متاثر ہو کر لوگ مسلسل حلقہ اسلام میں داخل ہو رہے تھے۔ مسلمان کفار کے مظالم سہہ کر دین پر اپنی استقامت اور اپنے صبر و استقلال کا ثبوت دے رہے تھے۔

اس وقت مدینہ منورہ میں اشاعت اسلام کی کرنیں پھوٹ چکی تھیں۔ حضرت مصعب بن عمیرؓ کی کوششوں سے مسلمان ہونے والے حضرات پچھتر کی تعداد میں حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپؐ سے ملاقات کی اور مدینے کی طرف ہجرت کی دعوت دی۔ حضرت عباسؓ نے اہل مدینہ سے کہا "خوب اچھی طرح سوچ سمجھ لو اگر تم اپنا عہد و پیمان پورا نہیں کر سکتے تو یہ ذمہ داری قبول نہ کرو"۔ سب نے بیک زبان ہو کر کہا ہم حضورؐ اور صحابہ کرام کی حفاظت اپنے بال بچوں کی طرح کریں گے۔ لیکن ہمیں معاوضہ کیا ملے گا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جنت اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی"۔ اس پر سب نے آپؐ کو اپنی حمایت کا یقین دلایا۔

اس موقع پر حضرت سعدؓ بن زرارہ اور عبادہؓ بن نضلہ نے کہا بھائیو! اگر تم میں ہمت و قوت ہے کہ تم کفار سے ٹکر لے سکو تو ٹھیک ورنہ یہ ذمہ داری قبول کرتے وقت سوچ لو کہ اس ذمہ داری کے کیا تقاضے ہوں گے۔ تمام لوگوں نے سعدؓ بن زرارہ اور عبادہؓ بن نضلہ کی باتیں سننے کے بعد کہا "ہم اپنے اموال کی تباہی اور اشراف کی ہلاکت کا خطرہ مول لینے کو تیار ہیں۔ یہ سن کر حضور علیہ السلام نے ان لوگوں کی دعوت کو قبول فرما لیا۔ آخر میں ان میں سے چند صحابہؓ نے عرض کیا۔ آپؐ ہمیں چھوڑ تو نہیں

دیں گے؟ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' میرا مرنا اور جینا تمہارے ساتھ ہو گا۔ یہ سن کر یہ لوگ بہت خوش ہوئے اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہجرت کا فیصلہ قطعی ہو گیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو ہجرت کی اجازت فرمائی' چنانچہ مسلمان انفرادی اور اجتماعی طور پر مکہ مکرمہ چھوڑ کر مدینہ منورہ روانہ ہوئے۔ سب سے پہلے حضرت مصعبؓ بن عمیر اور ابن ام مکتومؓ نے ہجرت کی۔ پھر حضرت بلال' حضرت سعد' حضرت عمار بن یاسر' حضرت عمر' حضرت سلمان فارسی' حضرت عبیدہ بن الجراح رضوان اللہ علیھم اجمعین مکہ سے عازم مدینہ ہوئے۔

کفار کو یقین تھا کہ اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اچانک کسی دن ہجرت فرمائیں گے۔ چنانچہ ابوجہل نے یہ تجویز پیش کی کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رات کی تاریکی میں قریش کے ہر قبیلے کے جیالے نوجوان قتل کر دیں۔ اس طرح ہاشمیوں کا تمام قبائل سے لڑنا مشکل ہو گا۔ اس شیطانی تدبیر پر سب متفق ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم باذن اللہ تعالیٰ گھر سے نکلے۔ کفار نے گھر کا محاصرہ کیا ہوا تھا۔ لیکن آپ سورہ یٰسین کی آیات تلاوت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں ان کے نرغے سے نکل گئے۔ کفار نے پیچھا کیا۔ غار ثور تک جا پہنچے۔ وہاں بھی خداوند قدوس کی رحمت و قدرت حافظ و ناصر ہوئی اور آپ' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ' کی معیت میں مدینہ منورہ پہنچے۔

بعد ازاں ہجرت کرنا تمام مسلمانوں کے لئے لازمی قرار دیا گیا اور ساتھ ہی اجر عظیم کا وعدہ بھی ہوا۔ ہجرت کرنے والوں کو یہ خوشخبری دی گئی:

وَمَنْ يُهَاجِرْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يَجِدْ فِي الْأَرْضِ مُرَاغَمًا كَثِيرًا وَسَعَةً

"جو کوئی اللہ کی راہ میں ہجرت کرے گا وہ زمین میں پناہ لینے کے لئے بہت جگہ اور بسر اوقات کے لئے بڑی گنجائش پائے گا"۔ (النساء ۴:۱۰۰)

ہجرت مدینہ کے اہم فوائد و برکات

محترم سامعین!

مجموعی طور پر ہجرت مدینہ کے جو فوائد و برکات بعد کے ادوار میں ظاہر ہوئے وہ مختصراً یہ تھے:

۱) ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں دعوت دین کا ایک مرکز قائم ہو گیا۔ یہ گویا مستقبل میں قائم ہونے والی اسلامی ریاست کا صدر مقام تھا جس کا قیام عمل میں آیا۔

۲) اس اسلامی مرکز کے قیام کے ساتھ اسلام کے عروج کا دور شروع ہو گیا اور کفر و شرک کے زوال کا آغاز ہو گیا۔ اور مدینہ منورہ میں حکومت الٰہیہ قائم ہوئی۔

۳) ہجرت کے اقدام نے مسلمانوں کو ضعف سے قوت کے راستے پر ڈال دیا اور ان کی قوت سارے عرب اور بیرون عرب میں محسوس کی جانے لگی اور مخالفین کو واضح طور پر محسوس ہونے لگا کہ اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی تحریکِ اصلاح کو شکست دینا کوئی آسان کام نہیں۔ اور ہجرت کے بعد اسلام ایک قوت بن کر ابھرنے لگا۔

۴) ہجرت کے بعد ایک نئے اسلامی معاشرے کی اساس پڑی اور اسلام کے انقلابی اور اجتماعی دور کا آغاز ہوا۔

۵) ہجرت کے بعد کفار سے اس عملی کشمکش کا آغاز ہوا جو بالآخر کفار کی بالکلیہ شکست اور مسلمانوں کی کامل فتح پر منتج ہوئی۔

۶) ہجرت کے نتیجہ میں دعوت اسلام کی توسیع کے مواقع پیدا ہوئے اور دعوت و اقدام کا کھلا میدان فراہم ہوا۔

۷) یہ حقیقت ثابت ہو گئی کہ اللہ کی بندگی اور اطاعت تمام اطاعتوں پر فائق ہے۔

۸) ہجرت نے ایک ایسی عالمی برادری کی بنیاد رکھی جو خالص نظریاتی تھی جس میں کسی نسل، رنگ، زبان اور علاقہ کا کوئی امتیاز نہ تھا اور جس میں عدل و انصاف کی بنیاد پر ہر فرد کے حقوق برابر تھے۔

۹) مدینہ میں قائم ہونے والی اسلامی ریاست میں دین و دنیا کی کوئی تفریق نہ تھی اور نہ اس میں سیاست و مذہب جدا جدا تھے بلکہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم دینی تحریک کے قائد بھی تھے اور سربراہ مملکت بھی۔ غرض ہجرت نے اسلام کی ترقی کی راہیں کھول دیں یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے متفقہ طور پر اسلامی تقویم کا آغاز واقعہ ہجرت سے کیا۔ بقول سید ابوالحسن علی ندوی "اسلامی تقویم کا ہجرت سے آغاز کسی شخصیت یا جماعت کی یاد تازہ نہیں کرتا بلکہ ایک جدوجہد کی یاد تازہ کرتا ہے"۔

حضرات محترم!

آج کے پر آشوب دور میں بھی جس میں مسلمان ہر طرف ظلم و بربریت کا شکار ہیں اور امت مسلمہ لاچار و مجبور نظر آ رہی ہے۔ ہم ہجرت نبوی سے عزم و ہمت کا سبق حاصل کر سکتے ہیں یہ ہجرت ہی کی برکت ہے جس کے باعث رشد و ہدایت اور توحید الٰہی کا پیغام دنیا کے ایک بڑے حصے تک پہنچا مسلمان جہاں کہیں گئے وہ اس نور کو اپنے ساتھ لیتے گئے اور دنیا کو رشد و ہدایت کے نور سے بھر دیا۔ ہجرت ہی کے ذریعے اسلام کا پیغام وہاں بھی پہنچا جہاں بظاہر اس کا پہنچنا مشکل تھا۔ اور یہ اسی ہجرت ہی کا نتیجہ ہے کہ آج اسلام اپنے تشخص کے ساتھ دنیا میں ہر جگہ موجود ہے۔ اور اسلام کو سیاسی طور پر بھی تسلیم کیا جاتا ہے اور اقلیتی مذہب کی حیثیت سے بھی دنیا کے بعض ممالک میں موجود ہے۔ یہ ہجرت ہی کا جذبہ تھا جس کی بنا پر ہر دور میں اسلام کو ایسے جانباز ملتے رہے جنہوں نے اسلام کو سخت سے سخت حالات میں بھی اپنے سینے سے لگائے رکھا۔ یہ وہ حقیقت ہے جو کمیونسٹ روس کے پارہ پارہ ہونے کے بعد اور بھی نمایاں ہو کر سامنے آئی ہے روس کی جن ریاستوں کو کمیونزم نے اپنے استبدادی پنجہ میں جکڑ رکھا تھا وہ اب آزاد ہیں اور اسلام وہاں لوگوں کی زندگیوں میں اسی طرح موجود ہے جس طرح ان کے آباء و اجداد کی زندگیوں میں موجود تھا۔

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محرم الحرام کی اہمیت و فضیلت

خطبہ مسنونہ:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَھْلِ بَیْتِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ:

اَمَّا بَعْد! اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی:

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ یَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَاۤ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ؕ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ ۙ

"حقیقت یہ ہے کہ مہینوں کی تعداد جب سے اللہ نے زمین و آسمان کو پیدا کیا ہے اللہ کے نوشتے میں بارہ ہی ہے اور ان میں سے چار مہینے حرام ہیں یہی ٹھیک ضابطہ ہے"۔ (التوبہ ۹:۳۶)

عَنْ حَفْصَةَ قَالَتْ اَرْبَعٌ لَمْ یَکُنْ یَدَعُھُنَّ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صِیَامُ عَاشُوْرَاء وَالْعَشْرِ وَ ثَلَاثَةَ اَیَّامٍ مِنْ کُلِّ شَھْرٍ وَرَکْعَتَانِ قَبْلَ الْفَجْرِ (رواہ النسائی)

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ چار چیزیں وہ ہیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی نہیں چھوڑتے تھے (۱) عاشورہ کا روزہ (۲) عشرہ ذی الحجہ (یعنی یکم ذی الحجہ سے نویں ذی الحجہ کے روزے (۳) ہر مہینے کے تین روزے (۴) فجر (کے فرائض) سے پہلے دو رکعتیں۔

حضرات گرامی!

اسلامی سال کا پہلا مہینہ "محرم" ہے۔ یہ مہینہ اسلام سے پہلے بھی اور اسلام کے بعد بھی حرمت و عظمت کا مہینہ ہے۔ آپ کے سامنے جو آیت قرآنی تلاوت کی گئی ہے اس میں بھی جن چار قابل احترام مہینوں کا ذکر ہے ان میں سے ایک محرم الحرام بھی ہے اس کے علاوہ ذی القعدہ' ذی الحجہ اور رجب کے مہینے اس میں شامل ہیں۔

یوں تو اس ماہ محترم میں بہت سارے مبارک واقعات پیش آئے لیکن اس کی سب سے بڑی فضیلت جو ہمارے پیش نظر رہنی چاہئے وہ یہ ہے کہ یہ ماہ ہجرت ہے۔ یعنی اسی مہینہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ ہجرت تاریخ کا وہ اہم موڑ ہے جس کے بعد اسلام کی عظمت و عروج کا دور شروع ہوتا ہے۔ اور ہجرت کے اسلامی معاشرہ کے استحکام پر دور رس اثرات مرتب ہوئے۔

اس کے علاوہ یہ ماہ حرام اپنے آغاز میں دو عظیم شہادتوں کی یادگار کو بھی اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے یعنی اس ماہ کی یکم تاریخ کو خلیفہ دوم حضرت عمر فاروقؓ کی شہادت کا سانحہ پیش آیا اور امت مسلمہ اپنے عظیم خلیفہ اور رہبر سے محروم ہو گئی اور آپ کی شہادت کے بعد سے اسلامی معاشرہ میں فتنوں کا دروازہ کھل گیا اور امت بتدریج کمزور ہوتی چلی گئی اور اس ماہ کی دس تاریخ کو نواسۂ رسول حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا نہایت افسوسناک سانحہ بھی پیش آیا۔ آج ہم صرف اسی ایک واقعہ کی بنا پر ماہ محرم کی تعظیم کرتے ہیں اور اسلامی تاریخ کے دو دوسرے اہم واقعات کو ہم نے فراموش کر دیا ہے۔

حضرات گرامی!

۱۰ محرم کو تاریخ انسانی میں اور بھی بہت سے واقعات پیش آئے۔

اگر ہم تاریخ کے اوراق پر نظر ڈالیں اور معتبر روایات کی روشنی میں دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ اس کائنات میں جو اہم کام ہوا وہ اسی دن ہوا۔ چنانچہ مشیتِ حق سے قیامت برپا ہونے تک کے امور اسی دن طے پائے۔ جبرئیل اور تمام فرشتوں کی پیدائش' کرہ ارض کا پہلا دن' زمین پر بارش کا پہلا قطرہ' کم و بیش انبیاء علیہم السلام کو تکلیف سے رہائی یا کسی مرتبے پر فائز المرامی اسی دن وقوع پذیر ہوئی چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جناب موسیٰ علیہ السلام کو اور آپ کی قوم بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے اسی دن فرعون کی چیرہ دستیوں سے نجات ملی۔

اس دن زمین و آسمان کی پیدائش ہوئی۔ حضرت آدم علیہ السلام کی ولادت اور توبہ اسی دن قبول ہوئی۔ سفینۂ نوح کو طوفان سے نجات ملی' حضرت ابراہیم علیہ السلام پر نارِ نمرود گلزار ہوئی' حضرت یعقوب علیہ السلام کو بینائی ملی۔ حضرت ایوب علیہ السلام کو شفاء ملی۔ حضرت یونس علیہ السلام بطن ماہی سے باہر آئے' ہادی برحق صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے مدینہ منورہ میں حکومت الٰہیہ کی اساس ڈالی۔ توحید الٰہی وحدت انسانی اور اخوت و مساوات پر مبنی معاشرہ قائم فرمایا اور سب سے اہم کام جو اس دن سرانجام پائے گا وہ یوم قیامت ہے۔

اس دن کی فضیلت و اہمیت کے بارے میں مختلف روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یوم عاشورہ اسلام سے پہلے بھی ایک مہتم بالشان اور ذی وقار دن تھا جسے سابقہ امتوں میں مذہبی تہوار کی حیثیت حاصل تھی اور اسے مختلف طریقوں سے منایا جاتا تھا۔

موجودہ دور کی زندہ اقوام میں جن میں یہودی شامل ہیں' اب بھی عاشوراء کو تہوار کی حیثیت حاصل ہے۔ وہ اس دن کو نہایت تزک و احتشام سے مناتے ہیں۔ اپنے بچوں اور عورتوں اور مردوں کو نیا لباس پہننے کا حکم دیتے ہیں۔ وہ اسے بڑا متبرک اور مقدس دن سمجھ کر مناتے ہیں کیونکہ ان کے عقیدے کی رو سے اللہ تعالٰی نے فرعون کو اسی دن بحر قلزم میں غرق کیا تھا اور جناب موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو اس کے ظلم و ستم سے نجات ملی تھی۔ چنانچہ یہودیوں کے ہاں اس دن کو یوم تشکر کے طور پر منایا جاتا ہے۔

بخاری شریف میں منقول ہے کہ یوم عاشورہ کو یہودیوں نے یوم عید بنا لیا تھا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو یوم عاشورہ کی عزت و تکریم کا پتہ چلا تو آپؐ نے اس دن روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپؐ نے یہودیوں کو روزہ رکھتے دیکھا۔ آپؐ نے دریافت فرمایا یہ کیسا روزہ ہے؟ انہوں نے کہا یہ ایک ایسا نیک دن ہے جس میں اللہ تعالٰی نے جناب موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو دشمن سے نجات دی اس لئے موسیٰ علیہ السلام نے روزہ رکھا۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں تم سے موسیٰ علیہ السلام کا زیادہ حقدار ہوں۔ چنانچہ آپؐ نے روزہ رکھا اور صحابہ کرام نے بھی آپ کی تقلید میں روزہ رکھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا یا رسول اللہ رمضان المبارک کے روزوں کے بعد سب سے افضل روزہ کس مہینے کا ہے' تو آپؐ نے فرمایا۔ سب سے افضل روزہ اللہ تعالٰی کے مہینے محرم الحرام کا ہے۔

رمضان المبارک کے روزوں کی فرضیت کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عام اعلان فرمایا کہ یوم عاشورہ کا روزہ اختیاری ہے جس کا دل چاہے وہ رکھے جس کا دل چاہے نہ رکھے۔ غرضیکہ عاشورہ مسلمانوں کے ہاں ابتداء سے ہی اہم دن تھا۔ اس دن مسلمان روزہ رکھتے' صدقہ دیتے۔ نیک کام کرتے۔ لیکن اسلامی تاریخ کی پہلی صدی کے دوسرے نصف میں دسویں محرم الحرام ۶۱ھ کو ایک ایسا جاں گسل' دلگداز اور روح فرسا واقعہ پیش آیا جس نے مسلمانوں کو غم کی تصویر بنا دیا۔ یہ واقعہ جگر گوشہ بتول' ابن رسول حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے بہتر ۷۲ ساتھیوں کی شہادت کا واقعہ ہے۔ علامہ شیخ شہاب الدین ابن حجر المکی لکھتے ہیں:۔

"جان لیجئے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ پر یوم عاشورہ کو جو مصائب پیش آئے وہ درحقیقت ایسے مصائب تھے اور ایسی شہادت تھی جس سے اس دن کی عظمت اور درجات اللہ تعالٰی کے ہاں اور بڑھ گئے اور اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین کے درجات میں بے شمار اضافہ ہوا۔

سانحۂ کربلا

حضرات گرامی!

سانحۂ کربلا کا تاریخی پس منظر کچھ اس طرح ہے۔

یزید کی تخت نشینی کے بعد اکثر و بیشتر صحابہ کرام اور امت نے تو اس کی بیعت کر لی۔ لیکن امام ہمام سیدنا حضرت امام حسینؓ خاندان نبوت کے دوسرے چشم و چراغ اور عبدالرحمٰن بن ابی بکر' عبداللہ ابن عمر' اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنھم نے یزید کی بیعت سے انکار کر دیا۔

مولانا ابوالکلام آزاد نے نظام حکومت اسلامیہ کی توضیح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "بنی امیہ نے اسلام میں سب سے بڑی اور پہلی بدعت یہ رائج کی کہ نظام حکومت اسلامیہ کا یکسر تختہ الٹ دیا۔ اور خلافت راشدہ صحیحہ کی جگہ بادشاہت اور ملوکیت کی بنیاد ڈالی۔ یہ ایک ایسا شدید انقلاب تھا جس پر کسی کو راضی نہیں کیا جا سکتا تھا' صحابہ کرام ابھی موجود تھے۔ خلافت راشدہ کے واقعات بچے بچے کی زبان پر تھے' خلافت اسلامیہ کی روح ان میں موجود تھی۔ اس احساس خلافت کو مٹانے کے لئے جبر سے کام لیا گیا"۔

یہ وہ جذبہ تھا جس کی بناء پر حضرت حسینؓ یزید کو امام و خلیفہ ماننے کے لئے تیار نہ تھے وہ دیکھ رہے تھے کہ خلافت راشدہ جمہوریہ صحیحہ کی بجائے استبدادی سلطنت کی بنیاد پڑ گئی ہے۔ اگر حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو یہ احساس نہ ہوتا اور آپ یزید کے فسق و فجور کا مقابلہ نہ کرتے تو مجاہدین حق و حریت کی حوصلہ افزائی کے لئے اسلامی تاریخ میں کوئی نمونہ عمل موجود نہ ہوتا۔

حاضرین کرام!

حکیم الامت علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ جب مسلمانوں نے حریت شخصی جو اسلام کا خاص عطیہ ہے' کا خاتمہ کر دیا تو شہید کربلا نے اپنی اور اپنے اہل وعیال کی قربانی دے کر اس اصول پر مہر تصدیق ثبت کر دی کہ اسلام میں خلافت کوئی ذاتی ملکیت نہیں جو ورثہ کے طور پر باپ سے بیٹے کو منتقل ہو۔ چنانچہ یزید کی بیعت و اطاعت سے انکار کر کے حضرت امام عالی مقام نے اس حقیقت کو واضح کر دیا۔

ماسوای اللہ را مسلمان بندہ نیست — پیش فرعونے سرش افگندہ نیست
خون او تفسیر ایں اسرار کرد — ملت خوابیدہ رابیدار کرد
رمز قرآن از حسین آموختیم — ز آتش او شعلہ ہا اندوختیم

ترجمہ: مسلمان غیر اللہ کی بندگی و اطاعت ہرگز نہیں کر سکتا۔ اس کا سر کسی فرعون کے سامنے خم نہیں ہوتا۔ حضرت حسینؓ کے خون نے ان ہی رازوں کی تفسیر کی ہے اور سوئی ہوئی ملت کو بیدار کر دیا۔ ہم نے رمز قرآن حسینؓ سے ہی سیکھی ہے اور ان ہی کی لگائی ہوئی آگ سے شعلے پیدا کئے ہیں۔

رمز قرآن کیا ہے۔ یہی کہ جب اسلام کے بنیادی اصول خطرے میں پڑ جائیں اور مسلمان اجتماعی حیثیت سے بے راہ روی اختیار کر جائیں تو پھر اہل حق کو اسلام کی حفاظت و بقاء کے لئے اٹھ کھڑے ہونا چاہئے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی مکہ مکرمہ کو روانگی

مدینہ منورہ میں حالات مخدوش ہوئے تو آپ مکہ مکرمہ چلے آئے۔ یہاں عبداللہ ابن زبیرؓ بھی پہنچ چکے تھے۔ عبداللہ ابن زبیرؓ نے یزیدی سپہ سالار سے جنگ لڑی اور اسے شکست دے کر مروا ڈالا۔ اس جنگ میں حضرت امام عالی مقام نے شرکت نہ کی اور ایک علیحدہ مقام پر ٹھہرے رہے۔

عبداللہ بن زبیرؓ کی فتح و نصرت کی خبر سن کر کوفے والوں نے امام عالیمقام کو خط لکھا کہ آپ کی موجودگی میں کوئی مستحق خلافت نہیں ہم آپ کی مدد کو تیار ہیں۔ آیئے اور علم حق بلند کیجئے۔ اہل کوفہ کی عقیدت و عزم و ارادہ کی تحقیق کے لئے آپ

نے اپنے بھائی مسلم بن عقیل کو بھیجا۔ مسلم بن عقیل کوفے پہنچے اور ایک محب آل رسول کے گھر قیام کیا۔ لوگوں کو خبر ہوئی تو جوق در جوق آنے شروع ہوئے اور اپنے اخلاص اور عقیدتمندی کا اظہار کیا۔ بارہ ہزار کوفیوں نے بیعت کر لی۔ حضرت مسلم بن عقیل نے ان کی حق پرستی اور اخلاص پر اعتبار کر لیا۔ اور جناب امام حسینؓ کو لکھ دیا کہ آپ بلا تامل فوراً" تشریف لے آئیں۔ کوفی آپ کے منتظر ہیں اور حمایت کے لئے تیار ہیں۔

مسلم بن عقیل کا قتل

ابن زیاد اس وقت بصرہ میں تھا۔ حضرت امام کا قاصد بھی پہنچ چکا تھا۔ ابن زیاد نے گورنری ملنے پر سب سے پہلے قاصد کو قتل کرایا اور بعد میں حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کو بڑی بے رحمی و بے دردی سے شہید کر دیا۔

اب ذرا دیدۂ عبرت وا کر کے دیکھئے کہ دشت کربلا کا شہید' پرستاران حق کا سالار' صداقت کا علمبردار' روحانیت کا تاجدار' شریعت مطہرہ کا امین' ناموس رسالت کا محافظ' حریت کا پاسبان' ایثار کا شہنشاہ' صبر کا مالک' فرزند علی' جگرپارہ بتول' سیدا لشداء حسینؓ اللہ کی راہ میں گھر بار لٹا دینے اور اپنا سب کچھ قربان کر دینے کے لئے کوفے نہیں بلکہ کربلا کو جا رہا ہے اور اس طرح رخصت ہو رہا ہے کہ اب کسی کو اس لخت جگر رسول کی صورت دیکھنی نصیب نہ ہو گی۔ عاشقان نبیؐ کی آنکھوں سے ہمیشہ کے لئے راکب دوش نبی اوجھل ہو جائے گا۔ مکہ معظمہ میں ایک کہرام مچ گیا۔ ہر شخص مفارقتِ حسین سے تڑپا اور بے قرار ہوا۔ کعبہ سیاہ چادر اوڑھے دم بخود ہے۔ در و دیوار پر اندوہ کا عالم طاری ہے۔ ہر طرف حزن ملال کی افسردگیاں چھائی ہوئی ہیں۔ آسمان چپ اور زمین مبہوت ہے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ مدینے کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو گئے۔ بعد ادب و احترام عرض کی' نانا جان آپ کا لاڈلا حسین جا رہا ہے۔ نانا جان آپ کے نواسے کو تمنائے خلافت نہیں۔ تمنا ہے تو یہ کہ آپ کی امت کو صراط مستقیم پر دیکھوں۔ میں آپ کی امت کو راہ راست پر لانا اور خلافت راشدہ کے طریقے پر قائم رکھنا چاہتا ہوں' اور آپ کی نظر کرم اور خدا سے صبر و استقامت کا طلب گار ہوں۔

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو الوداعی سلام عرض کر کے سوئے کربلا روانہ ہوئے۔ بیعت میں پانچ اخیافی بھائی حضرت عثمان' حضرت عباس' حضرت محمد' عبداللہ اور جعفر۔ تین بھتیجے یعنی حضرت حسنؓ کے صاحبزادے قاسم' عبداللہ اور عمراور دو بھانجے یعنی حضرت عبداللہ بن جعفر طیار کے صاحبزادے' حضرت عون و محمد' تین عم زاد بھائی یعنی حضرت عقیل بن ابی طالب کے فرزند حضرت عبداللہ' عبدالرحمٰن اور جعفرؓ۔

عبداللہ ابن زیاد نے تمام راستوں پر ظالم طبع دستے متعین کر دیئے۔ جب مقام لاطف میں پہنچے تو وہیں بڑا پڑاؤ ڈالا۔ یہاں عمرو بن سعد آ پہنچا۔ اس نے آپ سے کہا اے حسین ابن علی "سلام علیک" میں جانتا ہوں کہ خلافت کے صحیح مستحق آپ ہی ہیں لیکن قدرت کو یہ منظور نہیں کہ آپ خلیفہ ہوں۔ آپ یزیدی لشکر کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ مناسب یہی ہے کہ آپ مقابلے سے احتراز کریں۔

یوم عاشورہ۔ معرکہ دین و دنیا

حضرت امام حسینؓ نے یزیدی لشکر کے سپہ سالار کے سامنے تین تجاویز پیش کیں۔

۱) مجھے یزید کے پاس پہنچا دیا جائے میں اس سے بات کر لوں گا۔

۲) مجھے اسلامی ملک کی سرحد پر بھیج دیا جائے۔

۳) مجھے یہاں سے واپس جانے دیا جائے۔

مگر یزیدی لشکر نے ان تینوں تجاویز کو مسترد کر دیا اور بیعت پر اصرار کیا اب وہ وقت آ پہنچا تھا کہ نواسۂ رسول اپنے پاکیزہ خون سے دین اسلام کی آبیاری کرے چنانچہ محرم الحرام کی دسویں تاریخ تھی۔ وہی ماہ محرم جس میں کفار جنگ و جدل سے احتراز کرتے تھے' جمعہ کا دن تھا کہ آفتاب عالمتاب کانپتا اور یزیدیوں کو قہرناک شعاعوں سے دیکھتا ہوا طلوع ہوا۔ آسمان دم بخود تھا۔ حضرت سیدنا امام حسینؓ نے سرشاران شوق شہادت کو مخاطب کر کے فرمایا:۔

"بلا شبہ تم نے حق رفاقت ادا کر دیا ہے۔ جسمانی تکالیف سہیں۔ اب جانی نقصان کی نوبت آ گئی ہے۔ مجھے چلتے وقت یہ گمان بھی نہ تھا کہ یہ وقت آئے گا۔ فوج اعداء بے شمار ہے اور تم گنتی کے چند افراد۔ جنگ کا نتیجہ ہمیشہ مقہوریت اور مظلومیت ہوتا ہے۔ میں تمہیں اپنی بیعت سے آزاد کرتا ہوں تم جدھر چاہو چلے جاؤ۔ دشمن تو میرا سر چاہتے ہیں وہ آج ان کو مل جائے گا۔ آپ کا ارشاد سن کر سب نے عرض کی یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ کو اس دیار الم میں موت کی خونیں پنجہ میں دے کر اپنی جانیں بچا لیں۔ ہم سب حق کی راہ میں آپ کے قدموں پر نثار ہوں گے۔

آپ گھوڑے سے اتر کر اونٹنی پر سوار ہوئے اور صف بندی کا حکم دیا۔ صف بندی کے بعد دشمنوں کو یوں خطاب کیا:

"تم جانتے ہو میں کون ہوں' نبی کا نواسہ ہوں' اس باپ کا بیٹا ہوں جو تمہارے رسول کا بھائی اور سابق الایمان ہے اس ماں کا بیٹا ہوں جو تمہارے رسول کی لخت جگر تھیں۔ سن لو! رسول اکرم فرمایا کرتے تھے کہ حسن و حسین جوانان جنت کے سردار ہیں"۔

لیکن یزیدی لشکر کو جاہ دنیوی نے اندھا اور بہرہ کر دیا تھا۔ اس لئے آپ کی باتوں کا ان پر ذرہ برابر اثر نہ ہوا۔ کسی نے کوئی جواب نہ دیا' پھر آپ نے اللہ تعالیٰ سے صبر و استقامت کی دعا کی اور اونٹنی سے اتر کر گھوڑے پر سوار ہوئے۔ صفیں درست کیں اور دشمن کے حملے کا انتظار کرنے لگے۔

دشمنوں نے حملہ کیا۔ معرکہ قتال شروع ہوا۔ حضرت حر مجاہدین حق کی صف سے نکل کر میدان میں آئے اور داد شجاعت دیتے ہوئے شہید ہوئے۔ اس کے بعد ایک ایک کر کے جانثار میدان میں آئے اور جام شہادت نوش فرمایا۔ جب سب رفیق بہشت بریں کو پہنچے تو از خود آپ کی اور بھائی بچوں کی نوبت آئی۔

حضرت سیدنا امام حسینؓ نے فرمایا۔ تمام رفقاء حق جانثاری ادا کر چکے ہیں اب میری باری ہے۔ حضرت علی اکبر آگے بڑھے جو ۱۸ سال کی عمر کے تھے اور کہا یہ کیسے ممکن ہے کہ ہماری موجودگی میں آپ میدان کارزار میں جائیں۔ آپ کے صاحبزادے علی اکبر نے برق خاطف کی طرح دشمن کی صفیں درہم برہم کر دیں۔ بالآخر جام شہادت نوش فرمایا' اس کے بعد عبداللہ بن مسلم' پھر جعفر بن عقیل سینکڑوں کے سر تن سے جدا کر کے شہید ہوئے۔ پانچوں بھائی شہید ہوئے۔ اب قاسم' علی اصغر اور علی اوسط کے سوا کوئی باقی نہ رہا۔ وہ بھی داد شجاعت دیتے ہوئے جان' جان آفریں کے حوالے کر گئے۔

بنی فاطمہ کا باغ دیکھتے ہی دیکھتے اجڑ گیا۔ تمام غنچے اور پھول مرجھا گئے تو شیر کربلا کی معرکہ آرائی کا وقت آیا۔ آپ نے میدان میں آ کر ظالموں کو للکارا۔ آپ کے للکارنے سے اشقیاء کے کلیجے کانپ گئے اور بدن پر لرزہ طاری ہو گیا۔ جنگ شروع ہوئی تو آپ پر تیروں کی بارش ہونے لگی۔ سیدنا امام حسینؓ شیر کی طرح صف اعداء میں گھس گئے اور دشمن کی میمنہ اور میسرہ کو الٹ کر رکھ دیا۔ تمام بدن لہو لہان تھا۔ زخموں کی کثرت اور جسم سے خون نکل جانے کے بعد زبان پر کانٹے پڑ گئے۔ ضعف محسوس ہونے لگا۔ اس ضعف کے عالم میں آپ پر سخت نزع ہوا۔ سنان بن انس نے سخت وار کیا اور آپ کا ہاتھ کٹ کر الگ ہو گیا۔ پھر نیزہ مارا جو سینے کو چیرتا ہوا پشت سے پار ہو گیا اور آپ کی روح انور قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

اے حافظ ناموس دین آپ پر سلام
اے لخت جگر رسول امین آپ پر سلام
اے نوردیدۂ رحمتہ للعالمین آپ پر سلام
اے راحت جان اشجع الا شجعین آپ پر سلام
اے صبا ایک پیک دور افتادگاں
اشک ما بر خاک پاک اور ساں

حضرات!

نواسۂ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اہل بیت اور دیگر جانثار ساتھیوں کے ہمراہ بے سرو سامانی کے عالم میں ظلم و استبداد پر کاربند فاسق و فاجر قوتوں کو للکارا تھا اور اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کر کے دین اسلام کو حیات نو بخشی تھی۔ آج اسلام انہی قربانیوں کی بنا پر زندہ ہے۔ سیدا لشہداء رضی اللہ عنہ کی شہادت کی یاد مناتے ہوئے ہمیں اپنے اندر نظم و ضبط اور ایثار و قربانی کا جذبہ پیدا کرنا چاہئے اور باہمی نفرتوں اور کدورتوں کو اور گروہ بندیوں سے پرہیز کرنا چاہئے۔ ہمیں چاہئے کہ دین اسلام کی سربلندی کے لئے شہدائے کربلا کی عظیم الشان قربانی کا لازوال مقصد ہمیشہ اپنے سامنے رکھیں۔ یہی وقت کا تقاضا اور یہی فلاح کا راستہ ہے۔

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سیرت و شہادت سیّدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

خطبہ مسنونہ:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰٓی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَھْلِ بَیْتِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ:

اما بعد! اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ٭ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی:

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْیَآءٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ (۱۵۴)

(ترجمہ) "اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں، انہیں مردہ نہ کہو ایسے لوگ تو حقیقت میں زندہ ہیں، مگر تمہیں ان کی زندگی کا شعور نہیں ہوتا۔ (البقرہ ۲:۱۵۴)

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَامِنْ اَحَدٍ مِنْ اَھْلِ الْجَنَّۃِ یَسُرُّہٗ اَنْ یَّرْجِعَ اِلَی الدُّنْیَا غَیْرَ الشَّھِیْدِ فَاِنَّہٗ یُحِبُّ اَنْ یَّرْجِعَ اِلَی الدُّنْیَا یَقُوْلُ

حَتّٰی اُقْتَلَ عَشْرَ مَرَّاتٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ مِمَّا یَرٰی مَا اَعْطَاہُ اللّٰہُ مِنَ الْکَرَامَۃِ
(ترمذی ابواب فضائل الجہاد)

ترجمہ:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی بھی جنتی دنیا کی طرف لوٹنا پسند نہیں کرے گا سوائے شہید۔ کہ وہ چاہے گا کہ اسے دنیا میں دوبارہ بھیجا جائے' وہ کہے گا کہ "یہاں تک کہ میں دس مرتبہ شہید کیا جاؤں" کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو عزت اسے عطا کی گئی ہو گی اسے دیکھ چکا ہو گا۔

حضرات گرامی!

حق کی راہ میں ہر دور میں اہل حق نے قربانیاں پیش کی ہیں۔ تاریخ انسانیت میں سب سے اول جناب ہابیل نے سچ کی خاطر اور اصول کی بحالی کے لئے جان دی۔ جناب نوح علیہ السلام نے حق و صداقت کی شمع روشن کرنے کے لئے ظالم لوگوں کے ظلم و ستم سہے۔ جناب ایوب علیہ السلام پر سخت آزمائش آئی۔ جناب شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کی سختیاں جھیلیں۔ حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا پرچم بلند کرنے کی پاداش میں شعلہ فشاں آگ میں ڈالا گیا اور پھر انہیں اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کے لئے حکم دیا گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون و ہامان کا سامنا کرنا پڑا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قوم یہود کا ہدف طعن بننا پڑا۔ سب سے آخر میں انبیاء علیہم السلام کے خاتم رحمتہ للعالمین جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی قوم سے واسطہ پڑا جو دنیا کی اخلاق باختہ اور معاشرتی لحاظ سے پست ترین قوم تھی۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے رسولؐ اور آپ کے صحابہؓ کو ایسی ایسی کربناک اور جاں گسل اذیتیں دیں جنہیں سن اور پڑھ کر دل دہل جاتے ہیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ حق پرستوں نے ہر دور میں اعلاء کلمتہ الحق کے لئے یہ تمام مصائب و آلام برداشت کئے مگر خدائے وحدہ لاشریک کے ماسوا کسی کے سامنے سر تسلیم خم نہ کیا' ان کا سر تن سے جدا تو ہو گیا مگر غیر اللہ کے سامنے جھکا نہیں اور واقعتاً" یہ لوگ اس آیت کریمہ کی حقیقی تفسیر تھے۔

"اور فرما دیجئے میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی اور میری موت محض اللہ رب العالمین کے لئے ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھے اسی چیز کا حکم دیا گیا ہے اور میں مسلمین یعنی سر تسلیم خم کرنے والوں میں سے ہوں"۔

حضرات محترم!

دین اسلام پر جب بھی باطل کی یلغار ہوئی مردان حق پرست نے اپنی جانیں نچھاور کر کے مالک حقیقی کا بندہ ہونے کا ثبوت فراہم کیا' حق پرستوں اور حق کے لئے جان دینے والوں کی صف میں شہید کربلا حضرت سیدنا امام حسینؓ کا اسم گرامی نام نامی خاص اہمیت کا حامل ہے۔ آپ نے اپنے بال بچوں' بھائیوں اور بھتیجوں کو خاک و خون میں لوٹتا ہوا دیکھا اور پھر کمال صبر و استقلال کے ساتھ جان دے دی۔ اور آپ کے ساتھیوں نے جس بہادری' شجاعت و جوانمردی' صبر و ضبط' ہمت و استقلال کا مظاہرہ کیا اس کی مثال تاریخ انسانی میں اور کہیں نہیں ملتی۔ آپ نے حق کی سربلندی باطل کی روسیاہی اور اصول پرستی کی خاطر جہاد فی سبیل اللہ کیا اور ایثار و قربانی کے وہ چراغ روشن کئے جس کو ظلم و جبر کی باد صرصر نہ بجھا سکی۔ اس طرح آپ نے نہ صرف حقوق العباد کی حفاظت و نگہداشت کی بلکہ حقوق اللہ کی مرجھائی ہوئی کھیتی کو اپنے خون سے سیراب کیا۔

غریب و سادہ و رنگین ہے داستان حرم
نہایت اس کی حسینؓ ابتداء ہے اسماعیل
(علامہ اقبال)

حضرت حسینؓ کے ذاتی اوصاف:-

حضرت حسینؓ کی ولادت مشہور روایت کے مطابق ۳ شعبان ۴ ھ (جنوری ۶۲۶ء) مدینہ منورہ میں ہوئی (دائرہ معارف اسلامیہ اردو ج ۸) آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سایۂ کریمہ میں پرورش پائی۔ آپ اپنے بھائی حضرت حسنؓ سے کچھ ہی چھوٹے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے دونوں نواسوں سے بڑی محبت تھی۔ آپ کی ذات و صفات کے مرتبے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہی کافی ہے کہ حُسَیْنٌ مِنِّی وَاَنَا مِنْ حُسَیْنٍ اَحَبَّ اللّٰہُ مَنْ اَحَبَّ حُسَیْنًا، حُسَیْنٌ سِبْطٌ مِنَ الْاَسْبَاطِ (ترمذی ابواب المناقب) "حسینؓ مجھ سے ہے اور میں حسینؓ سے یا اللہ جو حسینؓ کو محبوب رکھے تو اسے محبوب رکھ حسینؓ (ہماری) اولاد میں سے ایک (قابل قدر) فرزند ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے دونوں نواسوں سے کس قدر محبت تھی اس کا اندازہ اس روایت سے بھی لگا لیجئے کہ ایک مرتبہ آپؐ مسجد میں خطبہ ارشاد فرما رہے تھے اتنے میں حسنؓ اور حسینؓ وہاں آ گئے وہ سرخ رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے تھے (چھوٹے اور کمزور ہونے کی وجہ سے) گرتے پڑتے آ رہے تھے۔ انہیں دیکھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ منقطع فرما کر منبر سے نیچے تشریف لے آئے اور دونوں کو اٹھا کر اپنے سامنے بٹھا لیا پھر ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ کا ارشاد سچ ہے "انما اموالکم و اولادکم فتنۃ" "تمہارے مال اور تمہاری اولاد آزمائش ہے"۔ میں نے ان بچوں کو دیکھا کہ وہ گرتے پڑتے آ رہے ہیں تو میں صبر نہ کر سکا یہاں تک کہ میں نے اپنی بات کاٹ کر ان کو اٹھا لیا (ترمذی)۔

۲۱ رمضان ۴۰ھ کو جب حضرت علیؓ دنیا سے رخصت ہوئے تو حضرت حسینؓ کوفے میں موجود تھے اور والد بزرگوار کی تجہیز و تکفین میں اپنے بھائی حضرت حسنؓ کے ساتھ رہے۔ اس کے بعد تمام اہل بیت کے ساتھ مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔ بچپن ہی سے آپ بڑے شجاع اور دلیر تھے اور تعلیم اور اصلاح کی طرف رجحان رکھتے تھے۔ عبادت و ریاضت اور بکثرت نوافل کی ادائیگی آپ کا معمول تھا۔ روزے بکثرت رکھتے تھے۔ عمر بھر میں آپ نے پچیس حج کئے۔ (دائرہ معارف اسلامیہ اردو ج۸)

حسب و نسب کی کرامت و شرافت اور بلندی مرتبت کے باوجود آپ کی طبیعت میں حد درجے کا تواضع و انکسار پایا جاتا تھا۔ ایک مرتبہ کچھ غرباء راستے میں بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ انہوں نے آپ کو دیکھ کر اپنے ساتھ کھانے کی دعوت دی آپ سواری سے اترے اور فرمایا "ان اللہ لا یحب المتکبرین" (بے شک اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا) پھر آپ بے تکلفی سے ان کے ساتھ کھانے میں شریک ہو گئے۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے انہیں اپنے ہاں کھانے پر بلایا اور جو کچھ گھر میں تھا وہ انہیں پیش کیا۔

غلاموں کی لغزشوں کو معاف کر دینا، کنیزوں کی آزادی، فقراء سے حسن سلوک، نادار لوگوں کے گھروں پر کھانا پہنچانا اور قرضداروں کے قرضوں کی ادائیگی بھی آپ کا معمول تھا۔

سبق اور پیغام:-

حضرات گرامی!

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے ایک عظیم مقصد کی خاطر اپنا خون بہایا۔ آپ کی قربانی سے انسانیت کو ایک نیا درس

ملا۔ یعنی حق پسندی اور اصولوں کی خاطر اپنی جان تک قربان کر دینے کا درس اور باطل کے سامنے بے سروسامانی کی حالت میں بھی نہ جھکنے کا سبق!

امام حسینؓ نے دین اسلام کے ارتقاء کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا خلافت راشدہ کے جملہ واقعات ان کے سامنے پیش آئے تھے انہوں نے غور سے سب باتوں کو دیکھا اور مسلمانوں کے مختلف رجحانات کا جائزہ لیتے رہے۔ جب آپ نے دیکھا کہ اسلامی خلافت ملوکیت میں بدل رہی ہے اور اسلام کی جمہوری روح اور شورائیت ختم ہو رہی ہے تو آپ نے اپنے نانا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان پر عمل کرنے کا فیصلہ کیا کہ "تم میں سے جو شخص بھی کسی منکر (برائی) کو دیکھے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اس برائی کو اپنی مقدور بھر طاقت سے روک دے"۔

اسلامی نظام خلافت کا ملوکیت میں تبدیل کر دیا جانا کوئی معمولی واقعہ نہ تھا۔ یہ ایک عظیم فتنہ تھا جس کا بیج امت مسلمہ میں بویا جا رہا تھا۔ حضرت حسینؓ نے اس فتنہ کو بروقت محسوس کیا اور اپنی بساط کے مطابق اس کا سدباب کرنے کی کوشش کی۔

مولانا ابوالکلام آزاد اپنی کتاب "شہید اعظم" میں لکھتے ہیں۔

"اگر وہ تمام آنسو جمع کئے جائیں جو شہادت کے وقت سے لے کر اب تک اس واقعہ جان سوز پر بہائے گئے ہیں تو خون فشائے حسرت کا ایک نیا اوقیانوس سطح ارضی پر بہہ جائے گا۔ افسوس کہ دنیا نے امام پاک کی شہادت پر بہت ماتم برپا کئے مگر ان کی دعوت کے اندر جو حقیقی طلب تھی وہ اب بھی لبیک کے سچے استقبال سے محروم ہے۔ عرب و عجم میں اس وقت کہیں پر بھی خلافت نہیں ہے بلکہ انسان پر انسان کے بنائے ہوئے قانون لاگو ہیں۔ یہی وجہ ہے ایک جو قانون بناتا ہے دوسرا آ کر اسے مٹا دیتا ہے۔"

حضرات گرامی!

حسینؓ اگرچہ جسمانی طور پر شہید کر دیئے گئے مگر ان کا پیغام شہادت آج بھی زندہ ہے اور کرہ ارض کے مسلمانوں کے لئے مشعل راہ ہے۔ آپ کا اسوہ حسنہ یہ ہے کہ آپ نے اسلام کے بنیادی اصولوں کی پامالی برداشت نہ کی اور برائی کو اپنی استطاعت کے مطابق روکنے کی کوشش کی اور اس طرح رہتی دنیا تک اہل ایمان کو یہ عملی پیغام دیا کہ جب بھی دین حق پر کوئی مشکل وقت آئے یا اس کے اصول پامال کئے جائیں تو تمہارے ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ تم دین حق کی حمایت میں اپنا تن من دھن سب کچھ قربان کر دو۔

سامعین کرام!

حضرت حسینؓ کے واقعہ شہادت کو اول سے آخر تک دیکھئے' آپ کے خطوط اور خطبات کو غور سے پڑھئے تو آپ کو معلوم ہو گا کہ آپ کے اس جہاد عظیم کے مقاصد اور اسباق یہ تھے:

(۱) کتاب و سنت کے قانون کو صحیح طور پر رواج دینا
(۲) اسلام کے نظام عدل کو از سرنو قائم کرنا
(۳) اسلام میں خلافت نبوت کے بجائے ملوکیت و آمریت کی بدعت کے مقابلے میں مسلسل جہاد کرنا۔
(۴) حق کے مقابلے میں کسی بھی قوت سے مرعوب نہ ہونا
(۵) حق کے لئے اپنا جان و مال اور اولاد سب قربان کر دینا
(۶) خوف و ہراس اور مصیبت کے وقت نہ گھبرانا

(۷) ہر حال میں اللہ پر توکل رکھنا' اسی کو یاد کرنا اور اس کا شکر ادا کرنا

(شہید کربلا۔ مفتی محمد شفیع)

حضرات گرامی!

آج یوں تو امت مسلمہ کو بہت سے چیلنجوں کا سامنا ہے لیکن سب سے بڑا چیلنج جو اسے درپیش ہے کہ وہ یہ ہے کہ اسلام دشمن طاقتیں اس کے تشخص کو ختم کرنے پر تلی ہوئی ہیں۔

امام حسین رضی اللہ عنہ امت مسلمہ کے وہ متفقہ لیڈر ہیں جنھوں نے اپنی جان کی قربانی پیش کر کے امت کے سامنے یہ مثال پیش کی تھی کہ مسلمان کبھی اپنے دینی اصولوں پر سمجھوتہ نہیں کرتا اور ان کے اندر کسی تبدیلی کی اجازت نہیں دیتا ہے اور اگر ضرورت پڑے تو دینی اصولوں کو قائم کرنے کے لئے جہاد و قتال بھی کرتا ہے۔

آج جبکہ اسلام دشمن طاقتیں مختلف طریقوں سے مسلمانوں کو اس بات پر آمادہ و مجبور کرنے کی کوشش کر رہی ہیں کہ وہ اپنے دین کے سنہری اصولوں کو چھوڑ کر خلاف دین اور خلاف شرع طریقے اختیار کر لیں اور اپنا تشخص ختم کر دیں ضرورت اس بات کی ہے کہ امت بحیثیت مجموعی تمام فروعی اختلافات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اسلام کی سربلندی اور امت کے وقار کو قائم کرنے کے لئے اسوۂ حسینی پر عمل کرے اور دشمنوں پر ثابت کر دے کہ مسلمان صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھتا ہے اور اس کے عطا کردہ دین کو اپنا رہنما سمجھتا ہے اور اس کا معیار زندگی اس آیت قرآنی کی عملی تفسیر ہوتا ہے۔

قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۲﴾ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۶۳﴾

(ترجمہ) "کہو' میری نماز' میرے تمام مراسم عبودیت' میرا جینا اور میرا مرنا سب کچھ اللہ رب العالمین کے لئے ہے جس کا کوئی شریک نہیں اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور سب سے پہلے سر اطاعت جھکانے والا میں ہوں"۔ (الانعام ۶:۱۶۲-۱۶۳)

و آخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سیرت و شہادت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

خطبہ مسنونہ:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِيْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ يُّضْلِلْہُ فَلَا هَادِيَ لَہٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِيْكَ لَہٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَهْلِ بَيْتِہٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ:
اَمَّا بَعْدُ! اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِيْنَ مَعَہٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ

"محمدؐ اللہ کے رسول ہیں' اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار پر سخت اور آپس میں رحیم ہیں"۔
(الفتح ۲۹:۴۸)

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْہِ وَسَلَّمَ لَوْ كَانَ نَبِيٌّ بَعْدِيْ لَكَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ (ترمذی)

"عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میرے

بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمرؓ ہوتا"۔

وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَدْ کَانَ یَکُوْنُ فِی الْاُمَمِ مُحَدَّثُوْنَ فَاِنْ یَّکُ فِیْ اُمَّتِیْ اَحَدٌ فَعُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ (ترمذی)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگلی امتوں میں محدثین (دین کی کامل فہم رکھنے والے) ہوتے تھے۔ میری امت میں محدث ہے تو عمر بن الخطاب ہے"۔

حضرات گرامی!

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور تربیت سے جو شخصیات تاریخ اسلام میں ابھر کر نمایاں ہوئیں ان میں سے ایک جامع الصفات شخصیت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہے۔ بلاشبہ آپ اسلام اور پیغمبر اسلامؐ کے شاہکار ہیں۔ جس رخ سے بھی آپ کی شخصیت کا مطالعہ کیا جائے اسی رخ سے آپ کی ذات گرامی بے مثل صفات کی حامل نظر آتی ہے۔ تدبر و حکمت انصاف و توازن' دور اندیشی' سختی فی الدین' شجاعت و شہامت اور دینی غیرت و حمیت غرض کونسی خوبی تھی جو اس ہستی میں پوری شان کے ساتھ موجود نہ تھی۔

حضرات محترم!

آپ جب دار ارقم میں داخل ہو کر قبول اسلام کا اعلان کرتے ہیں تو اسلام کی تاریخ کروٹ لیتی ہے' کفر کے ایوانوں میں صف ماتم بچھ جاتی ہے' کمزور بے بس مسلمان اپنے آپ کو بھرپور' اور کفار کے شر سے بہت حد تک محفوظ سمجھنے لگتے ہیں۔ ہجرت کا موقع آتا ہے تو آپ گلے میں تلوار لٹکا کر کعبۃ اللہ میں جاتے ہیں اور باقاعدہ اپنی ہجرت کا اعلان کر کے مدینہ روانہ ہوتے ہیں اور کسی دشمن کو جراءت نہیں ہوتی کہ آپ کی مزاحمت کرے۔

محترم سامعین!

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی فضیلت کا اندازہ لگانے کے لئے یہی ایک بات کافی ہے کہ باقی تمام صحابہ کرام تو خود حلقہ بگوش اسلام ہوئے تھے مگر حضرت عمرؓ کے دائرہ اسلام میں شمولیت کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور خاص دعا فرمائی تھی اور آپ کی گوناں خوبیوں کے اعتراف کے طور پر ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا "کہ اگر میرے بعد اگر کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر بن خطاب ہوتا لیکن میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو گا"۔

جسمانی صحت و قوت کے اعتبار سے وہ قوی الجثہ' طویل قامت اور مضبوط جسم کے مالک تھے عام لوگوں کے ہجوم میں جب کوئی شخص باقی سب سے تین بالشت کے قریب دراز قامت نظر آتا تو کہنے والے کہتے یہ عمر ابن خطاب ہے۔ آپ کشتی' پہلوانی' تیر اندازی' شہ سواری اور سپہ گری میں بے مثال تھے۔ حضرت سیدنا صدیق اکبرؓ ان کی مہارت حربی کے معترف تھے۔ ذہنی اور ثقافتی پہلو سے آپ کی یہ شان تھی کہ وہ ان سترہ قریشیوں میں سرفہرست تھے جو زمانہ جاہلیت ہی سے لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ چنانچہ آپ کاتبان وحی میں شمار کئے جاتے ہیں۔

اسلام لانے کے بعد تمام تر تفاخر خاندانی اور غرور و نخوت جاتی رہی اور طبیعت میں انکساری و عاجزی' دین حق سے وفاداری' اسلام سے محبت' سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق' اشاعت اسلام میں جد و جہد' کفر و شرک کا قلع قمع عادت ثانیہ بن گئی۔ سادگی کا یہ عالم کہ اگر مسجد میں نیند آگئی تو وہیں محو خواب ہو گئے اور اگر ایک سایہ دار درخت کے نیچے جگہ پائی تو اینٹ کا تکیہ رکھ کر سو گئے۔ اگر کوئی آج اس محفل سے یہ سوال اٹھائے کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اور رسول اکرم صلی

اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے بڑا زاہد' عادل' فقیہ' فاتح' سیاستدان' مدبر اور مقبول کون شخصیت تھی تو جواب بلا تامل فاروق اعظم ہو گا۔ زاہد تو اور بھی ہوں گے لیکن وہ فاتح نہیں ہوں گے۔ اگر فاتح ہیں تو دیگر اوصاف سے خالی ہوں گے۔ ہماری تاریخ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہ شخصیت ہیں جو گوناگوں اوصاف حمیدہ کا حسین و جمیل امتزاج تھے۔ آپ کا خصوصی وصف حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق تھا اور یہ عشق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع و اطاعت کامل کی صورت میں جلوہ گر تھا۔

ایک مرتبہ قیصر روم کا سفیر وارد مدینہ ہوا اور کسی سے پوچھا کہ تمہارے بادشاہ کا محل کہاں ہے۔ اس نے کہا ہمارے ہاں کوئی بادشاہ ہوتا ہے نہ محل۔ البتہ ایک خادم ضرور ہے جسے ہم خلیفہ کہتے ہیں اور وہ اس وقت سامنے کی گلی میں گارا اٹھا رہے ہیں۔ سفیر نے جا کر دیکھا تو آپ کام کے بعد دیوار کے سائے میں ریت پر سوئے ہوئے ہیں۔ سفیر نے کہا!

"کیا یہ ہے وہ انسان جس کی ہیبت سے دنیا کے فرمانرواؤں کی نیند اڑ چکی ہے۔ اے عمرؓ! تو نے انصاف کیا اور تمہیں گرم ریت پر نیند آ گئی ہمارے بادشاہوں نے ظلم کیا اور انہیں سنگین حصاروں میں سمور اور کمخواب کے بستر پر بھی نیند نہیں آ سکتی"۔

عوام سے محبت:

حضرات محترم!

عامتہ الناس سے آپ کو بے پناہ محبت تھی۔ اخلاص کے ساتھ ان کی خدمت وہ اپنا فرض سمجھتے تھے لوگوں کے حالات معلوم کرنے کے لئے رات کا بڑا حصہ شہر اور مضافات کے گشت میں صرف کر دیتے اور بے سہارا اور مفلوک الحال لوگوں کی خود خدمت کرتے آپ نے بیواؤں' بوڑھوں حتیٰ کہ نوزائیدہ بچوں کے وظائف مقرر کر دیئے اور ایسی قانون سازی کی کہ پوری سلطنت میں کوئی بھوکا ننگا نہ رہے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ اگر دجلہ کے کنارے پر بکری کا بچہ بھی بھوکا مر گیا تو اس کی باز پرس عمرؓ سے ہو گی۔

عدل و انصاف:

حضرات گرامی!

انسانی احترام اور عدل و انصاف کے معاملے میں بھی سیدنا عمرؓ کے قائم کئے ہوئے معیارات بے مثل ہیں۔ آپ عدل و انصاف کے معاملے میں رو رعایت نہیں کرتے تھے چنانچہ آپ نے اپنے ایک بیٹے کو بھی ایک جرم میں سو کوڑوں کی سزا دی جس کے سبب وہ ہلاک ہو گیا۔ آپ نے خلافت کا منصب سنبھالنے کے بعد اعلان فرمایا تھا۔

"تمہارا ہر کمزور آدمی میرے نزدیک اس وقت تک قوی ہو گا جب تک میں اسے اس کا حق نہ دلا دوں اور ہر طاقتور اس وقت تک کمزور رہے گا جب تک میں اس سے حق وصول نہ کر لوں چنانچہ آپ نے اپنے اس قول کو ایک ایک موقع پر عملاً" صحیح ثابت کر دکھایا۔ کسی امیر کی مجال نہ ہوتی تھی کہ کسی کمزور پر زیادتی کر سکے۔ فاتح مصر حضرت عمرو بن العاصؓ کے بیٹے نے ایک قبطی کو کوڑوں سے مارا اور گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا آپ کو پتہ چلا تو آپ نے اسی قبطی سے گورنر کے بیٹے کو پٹوایا اور انسانی حقوق کے ضمن میں اسی موقع پر یہ تاریخی الفاظ آپ کی زبان مبارک سے ادا ہوئے۔

"ان کی ماؤں نے انہیں آزاد جنا ہے تم نے ان کو کب سے غلام بنا لیا ہے"۔

حضرت عمرؓ کی نگاہ میں عدل و انصاف کے معاملے میں حکومت کے عہدے دار اور عام شہری برابر تھے آپ نے اس اصول پر سختی سے عمل کیا۔ اگر کوئی شخص گورنر یا کسی اعلیٰ افسر کی شکایت کر دیتا تو انصاف کے تقاضے پورے کرنے کے لئے آپ اسے ایک عام شہری کے برابر کھڑا کر دیتے تھے اور اگر تحقیق سے وہ مجرم ثابت ہو جاتا تو پھر وہ سزا سے نہیں بچ سکتا تھا۔

ایک بار دربار خلافت میں حضرت سعدؓ بن وقاص فاتح قادسیہ و مدائن کی شکایت آئی۔ اس زمانے میں ایرانیوں نے نہاوند کے قریب ڈیڑھ لاکھ فوج لاکر ڈالی ہوئی تھی اور حالات بڑے پر خطر تھے آپ نے شکایت سن کر فرمایا "اگرچہ شکایت کے ازالے کے لئے وقت بہت تھوڑا اور حالات پرخطر ہیں تاہم میں انصاف میں تاخیر نہیں کروں گا۔ آپ نے فوری طور پر محمد بن مسلمہؓ کو کوفہ بھیجا۔ انہوں نے ایک ایک مسجد میں جا کر لوگوں سے اس مسئلہ کی تحقیق کی اور پھر حضرت سعدؓ کو لے کر حضرت عمرؓ کی خدمت میں مدینے حاضر ہوئے۔ حضرت سعدؓ جب پوری کارروائی میں بری ثابت ہوئے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا "محترم میرا خیال بھی یہی تھا مگر انصاف کا حق ادا ہو گیا جس کا ادا کرنا ضروری تھا"۔

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ بازار میں گشت کر رہے تھے کہ ایک شخص نے کہا "عمرؓ کیا عاملوں کے معاملے میں چند قواعد مقرر کرنے سے تم عذاب الٰہی سے بچ جاؤ گے؟ تم کو یہ خبر ہے کہ عیاضؓ بن غنم جو مصر کا والی ہے' باریک کپڑے پہنتا ہے اور اس کے دروازے پر دربان مقرر ہے۔ حضرت عمرؓ نے تحقیق کی تو بات درست نکلی۔ آپ نے اسی حال میں ان کو مدینہ طلب کر لیا اور باریک کپڑے اتروا کر کمبل کا کرتہ پہنایا اور بکریوں کا ایک گلہ منگوا کر حکم دیا کہ اسے جنگل میں لے جا کر چراؤ۔ عیاضؓ کچھ متامل ہوئے تو آپ نے فرمایا تجھے اس سے عار کیوں ہے تیرے باپ کا نام غنم اسی لئے پڑا تھا کہ وہ بکریاں چراتا تھا۔ عیاضؓ نے دل سے توبہ کی اور جب تک زندہ رہے اپنے فرائض نہایت خوبی سے سرانجام دیتے رہے۔

شورائیت

حضرت عمرؓ مسائل امارت اور انتظامی امور کو ہمیشہ مشورے سے طے کرتے۔ اس وجہ سے مدبرین صحابہؓ کو مدینے کے سوا کہیں سکونت کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ جب کوئی بڑی مہم درپیش ہوتی تو جلسہ عام بلا کر اس میں معاملات کو پیش کرتے۔ ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی بھی کوئی صحیح رائے دیتا تو بڑے آدمیوں اور بعض اوقات اپنی رائے پر بھی اس کو ترجیح دیتے۔ ایک بار ایسے ہی موقع پر آپؓ نے فرمایا "عورتوں کے مہر میں رفتہ رفتہ بہت اضافہ ہو گیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کے لئے کوئی حد مقرر کر دوں"۔ جلسے کے حصہ خواتین میں سے آواز آئی "اللہ تو فرماتا ہے کہ تم میں سے کوئی اپنی بیوی کو بہت سا مال دے دے پھر واپس نہ لے"۔ یہ سن کر کہا "میری بہن نے صحیح کہا۔ عمر غلطی پر تھا"۔ آپؓ تقریروں اور نجی ملاقاتوں میں اکثر فرماتے کہ "امت کے لئے جو خیر خواہی کی بات ہو' وہ مجھے بتاؤ۔ اگر میں کسی معاملے میں غلطی کروں تو مجھے صحیح راہ سمجھاؤ اور راہ حق پر چل رہا ہوں تو میری مدد کرو"۔ ایک بار مسجد میں ایسی ہی تقریر کی' جسے سن کر ایک شخص اٹھا اور میان سے تلوار کھینچ کر کہا "اگر آپ حق سے منہ موڑیں گے تو ہم اس کے ذریعے راہ راست پر لائیں گے"۔ یہ سن کر خوش ہوئے اور فرمایا "مجھے اطمینان ہے کہ بحمد اللہ میری قوم میں ایسے لوگ ہیں جو میرے کاموں پر نگاہ رکھتے ہیں اور اگر کج روی اختیار کروں تو مجھے سیدھا کرنے کے لئے مستعد ہیں"۔ مجلس میں ایک بار کسی شخص نے آپؓ کو بار بار مخاطب کر کے کہا "اتق اللہ یا عمر"۔ (اے عمر اللہ سے ڈر)۔ حاضرین میں سے ایک صاحب نے اس سے کہا "بس کر۔ بہت دفعہ تو کہہ دیا"۔ آپؓ نے سنا تو فرمایا "نہیں۔ کہنے دو۔ اگر یہ لوگ ضرورت کے وقت سچی بات نہ کہیں تو ان میں کوئی خیر نہیں اور ہم لوگ ان کی بات نہ مانیں تو ہم میں کوئی خیر نہیں۔

اہم اصلاحات

حضرات محترم!

غرض جس رخ سے بھی دیکھیں جناب فاروق اعظمؓ کی ذات گرامی یکتا و منفرد نظر آتی ہے۔ آپ نے دنیا کی پہلی باقاعدہ اور کامیاب رفاہی و فلاحی جمہوری ریاست قائم کی۔ جس میں مسلم غیر مسلم اور امیر و غریب کے بنیادی حقوق محفوظ تھے جس میں

ایک عام مرد و عورت جب چاہتے بے تکلفی سے خلیفہ کا محاسبہ کر سکتے تھے۔

آپ نے انسان کو احترام دیا اور اس کے حقوق کی جو حفاظت فرمائی وہ بے مثال ہے۔

آپ نے متعدد شہر بسائے، بہت سی نہریں کھدوائیں اور بیت المال اور عدلیہ کا نظام مستحکم کیا۔ اور متعدد صحابہ کو قاضی مقرر کیا۔

اسلامی تاریخ و سن کا نظام قائم کیا جو آج تک جاری ہے۔

آپ نے فوجی نظام کو باقاعدہ بنایا اور دفتری نظام بھی قائم کیا اور ساری مملکت میں مردم شماری کرائی۔

مقبوضہ ممالک کو صوبوں میں تقسیم کیا اور انتظامی و فلاحی اعتبار سے بے نظیر اصلاحات کیں محکمہ پولیس قائم کیا، ہر شہر میں سرائیں اور مہمان خانے بنوائے، درس گاہیں اور مدارس قائم کئے اور ان میں معلمین کی تقرری کی۔

ذاتی زندگی

علامہ ابن سعدؒ اپنی مشہور کتاب "طبقات" میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ بہت سادہ زندگی گزارتے تھے اور بیت المال سے اپنے ذاتی اخراجات کے لئے بہت کم رقم لیتے تھے۔ پہننے کے لئے کپڑوں کا جو جوڑا آپ بنواتے تھے وہ اس وقت تک پہنتے رہتے تھے جب تک وہ بوسیدہ ہو کر ٹکڑے ٹکڑے نہ ہو جائے اور سردی و گرمی میں ایک ہی قسم کے کپڑے پہنے رہتے تھے جس کی وجہ سے بعض اوقات موسمی تبدیلی کے باعث آپ کو سخت تکلیف بھی ہوتی تھی۔ آپ کی غذا بھی بہت معمولی ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ حضرت عثمانؓ اور حضرت زبیرؓ نے آپ کی صاحبزادی ام المومنین حضرت حفصہؓ کے ذریعے آپ سے کہلوایا کہ آپ بیت المال سے اپنے اہل و عیال کے لئے جو وظیفہ لیتے ہیں اس سے آپ کی ضروریات پوری نہیں ہوتیں لہٰذا اس میں کچھ اضافہ کر لیجئے آپ تک جب یہ پیغام پہنچا تو آپ نے فرمایا "یہ کون لوگ ہیں جو مجھے ایسے مشورے دے رہے ہیں؟ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فاقے نہیں کئے؟ پیوند لگے کپڑے نہیں پہنے، پھر جب آپ نے دنیا کی طرف توجہ نہیں کی تو مجھے اس قسم کے مشورے کیوں دیئے جاتے ہیں؟

شہادت

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کے پارسی غلام فیروز نے آپ سے شکایت کی کہ میرا مالک مجھ سے بھاری ٹیکس وصول کرتا ہے۔ شکایت صحیح نہ تھی اس لئے آپ نے اس پر کوئی توجہ نہ دی اس پر وہ ناراض ہو کر چلا گیا۔ ایک دن جب آپ فجر کی نماز پڑھانے کے لئے مسجد تشریف لائے اور جماعت کی صفیں درست کروا کر اللہ اکبر کہہ کر نیت باندھی تو اچانک اس غلام نے آکر خنجر سے حملہ کر دیا اور متواتر کئی وار کئے جس سے آپ زخمی ہو کر گر گئے آپ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو نماز پڑھانے کے لئے کہا انہوں نے مختصر نماز پڑھائی۔ زخم کاری تھا لہٰذا آپ جانبر نہ ہو سکے۔ آپ نے شہادت سے پہلے چھ ارکان کی ایک کمیٹی بنائی کہ ان میں سے پانچ ارکان جس پر متفق ہوں اسے خلیفہ مقرر کیا جائے۔

کمیٹی کے ارکان یہ تھے۔ حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت سعدؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ۔

اس کام سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے حضرت عائشہؓ سے اس بات کی اجازت چاہی کہ مجھے حضورؐ کے پہلو میں دفن ہونے دیا جائے حضرت عائشہؓ نے انہیں بخوشی اجازت دے دی۔ ۲۶ ذی الحجہ ۲۳ھ کو آپ پر حملہ ہوا اور یکم محرم الحرام ۲۴ھ کو

آپ نے وفات پائی۔ حضرت صہیب رومیؓ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ کروڑوں سلام فاروق اعظمؓ کی ذات گرامی اور روح اقدس پر۔

و آخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلام ۔ اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین

خطبۂ مسنونہ:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰٓی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَھْلِ بَیْتِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ:

اَمَّا بَعْد! اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی:

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ

وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْہُ ۚ وَھُوَ فِی الْاٰخِرَۃِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ﴿۸۵﴾

ترجمہ آیات کریمہ ۱۔ اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے۔ (آل عمران۔ ۳:۱۹)

۲۔ اور جو شخص اسلام کے سوا کسی دوسرے دین کا طالب ہو گا تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں ہو گا۔ (آل عمران ۳:۸۵)

وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْاَنْبِیَاءُ اِخْوَۃٌ مِّنْ عِلَّاتٍ اُمَّھٰتُھُمْ شَتّٰی وَدِیْنُھُمْ وَاحِدٌ (متفق علیہ)

ترجمہ حدیث نبوی...... تمام انبیاء کی (مثال) علاتی بھائیوں کی طرح ہے جن کی مائیں مختلف (شریعتیں جدا جدا) اور ان کا دین ایک ہے۔

حضرات محترم!

اللہ تعالیٰ کا یہ انتہائی فضل و کرم ہے کہ اس نے ہمیں اس دنیا میں زندگی بخشی اور انسان بنایا اور اپنی بہت سی مخلوقات پر اقتدار بھی عطا فرمایا۔ جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰي كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ۝۷۰

"ہم نے بنی آدم کو بزرگی دی اور انہیں خشکی اور تری میں سواریاں عطا کیں اور ان کو پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا اور بہت سی مخلوقات پر نمایاں فوقیت بخشی"۔ (بنی اسرائیل ۱۷:۷۰)

حضرات گرامی!

ان تمام نعمتوں کا شکر ادا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی بندگی و اطاعت ہماری فطرت کی پکار ہے۔ یعنی جس خالق نے ہمیں وجود بخشا' بہترین صلاحیتیں اور قوتیں عطا کیں اور جس نے ہماری خدمت کے لئے پوری کائنات کو لگا دیا ہم کیوں نہ اس کے بندے بنیں' کیوں نہ ہم اس کا شکر ادا کریں۔ اس کی محبت میں سرشار ہوں اور خود کو اس کی رضا میں گم کر دیں۔

ارشاد الٰہی ہے:

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۭ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۭ

ترجمہ: پس (اے نبیؐ اور نبیؐ کے پیروؤ) یکسو ہو کر اپنا رخ اس دین کی سمت میں جما دو' قائم ہو جاؤ اس فطرت پر جس پر اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا کیا ہے۔ (الروم ۳۰:۳۰)

حضرات محترم!

عربی زبان میں لفظ دین کے معنی ہیں "طریقہ اور روش" اور قرآن کی اصطلاح میں لفظ دین ان اصول و احکام کے لئے بولا جاتا ہے۔ جو حضرت آدم علیہ السلام سے خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک سب انبیاء کرام میں مشترک ہیں۔ اور "شریعت اور منہاج" وغیرہ کے الفاظ' ان احکام کے لئے بولے جاتے ہیں جو فروع کہلاتے ہیں اور جن کی بنیاد دین کے اصولی احکام ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے دین کا وہی طریقہ مقرر کیا ہے جس کا حکم اس نے نوحؑ کو دیا تھا' اور

جسے (اے محمدؐ) اب تمہاری طرف وحی کے ذریعہ سے بھیجا ہے"۔ (الشوریٰ ۴۲ : ۱۳)
اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دین سب انبیاء علیھم السلام کا ایک ہی تھا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات کے جامع کمالات اور تمام نقائص سے پاک ہونے اور اس کے سوا کسی کا لائق عبادت نہ ہونے پر دل سے ایمان اور زبان سے اقرار' روز قیامت اور اس میں حساب و کتاب' جزا و سزا اور جنت و دوزخ پر دل سے ایمان لانا اور زبان سے اقرار کرنا' اس کے بھیجے ہوئے ہر نبی و رسول اور اس کے لائے ہوئے احکام پر اسی طرح ایمان لانا' تمام انبیاء اور رسل کی تعلیمات کی بنیاد تھے۔ اور لفظ "اسلام" کے اصلی معنی ہیں اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کرنا' اور اس کے تابع فرمان ہونا' اس معنی کے اعتبار سے ہر نبی اور رسول کے زمانے میں جو لوگ ان پر ایمان لائے اور ان کے لائے ہوئے احکام میں ان کی اطاعت کی وہ سب مسلمان اور مسلم کہلانے کے مستحق تھے' اور ان کا دین' "دین اسلام" تھا۔ اسی معنی کے لحاظ سے حضرت نوحؑ نے فرمایا "وامرت ان اکون من المسلمین" (سورہ یونس ۱۰: ۷۲) اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں مسلم بن کر رہوں اور اسی لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے آپ کو اور اپنی امت کو امت مسلمہ فرمایا: رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُسْلِمَةً لَكَ (البقرہ ۱۲۸) اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریین نے اسی معنی کے اعتبار سے کہا تھا "وَاشْهَدْ بِأَنَّا مُسْلِمُونَ" (آل عمران' ۵۲)......... اور لفظ اسلام خصوصیت سے اس دین اور شریعت کے لئے بولا جاتا ہے' جو سب سے آخر میں خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے اور جس نے پچھلی تمام شریعتوں کو منسوخ کر دیا' اور جو قیامت تک باقی رہے گا' اس معنی کے اعتبار سے لفظ اسلام صرف دین محمدی اور "مسلم" اور "مسلمان" کے الفاظ "امت محمدیہ" کے لئے مخصوص ہو جاتے ہیں (مشہور حدیث جبرئیل میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی یہی خاص تفسیر بیان فرمائی ہے)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد دین اسلام کہلانے کا مستحق وہ دین ہے جو قرآن اور تعلیمات محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ہو اور وہی اللہ کے نزدیک مقبول اور پسندیدہ ہے۔ اس کے سوا کوئی دین مقبول اور ذریعہ نجات نہیں (ومن يبتغ غير الاسلام دينا فلن يقبل منه)...... اس وضاحت سے اس ملحدانہ نظریہ کی بھی نفی ہو جاتی ہے کہ دنیا کا ہر مذہب خواہ یہودیت و نصرانیت ہو یا بت پرستی ہر ایک ذریعہ نجات بن سکتا ہے۔ بشرطیکہ اعمال صالحہ اور اخلاق حسنہ کا پابند ہو۔ یہ نہایت گمراہ کن بات ہے جس طرح اجالا اور اندھیرا ایک نہیں ہو سکتے' یہ بات نہایت نامعقول اور ناممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنی نافرمانی اور بغاوت بھی ایسے ہی پسند ہو جیسے اطاعت و فرمانبرداری' جو شخص اصول اسلام میں سے کسی چیز کا منکر ہے وہ بلاشبہ خدا کا باغی اور اس کے رسولوں کا دشمن ہے۔ خواہ فروعی اعمال اور رسمی اخلاق میں وہ کتنا ہی اچھا نظر آئے۔ نجات آخرت کا مدار سب سے پہلے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت پر ہے۔ جو اس سے محروم رہا اس کے کسی عمل کا کوئی اعتبار نہیں۔ قرآن مجید میں ایسے لوگوں کے اعمال کے متعلق ارشاد ہے: فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا (ہم قیامت کے دن ان کے کسی عمل کا وزن قائم نہیں کریں گے) اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے پسندیدہ دین کی اخلاص کے ساتھ پیروی کی توفیق عنایت فرمائے۔ آمین!

حضرات گرامی!

آج تک انسانی عقل انسان کو انسان بنانے کا کوئی فارمولا دریافت نہ کر سکی۔ اس کے دل میں کوئی ایسا خوف نہ پیدا کر سکی جو اسے حدود انسانیت میں رکھے اور ہر حال میں ذمہ دار بنائے' کوئی نظام تربیت نہ دے سکی جو انسان کو باکردار اور انسانیت دوست بنا سکے جو بلا امتیاز نسل و رنگ و وطن سب انسانوں سے محبت کرنا سکھائے اور سب کی بے لوث خدمت پر اسے آمادہ

کرے۔ نتیجہ یہ ہے کہ آج بے پناہ سائنسی ترقی کے باوجود عالم انسانی دکھوں اور مصیبتوں سے کراہ رہا ہے انسان کی بہترین قوتیں اور بے شمار ذرائع و وسائل جنگ و جدل کی نذر ہو رہے ہیں اور انسانیت تباہی کے دہانے پر کھڑی ہے۔

اللہ کا دین' دین اسلام ہی انسان کو انسان بناتا ہے وہ انسان کے دل میں خدا کی عظمت و ہیبت بٹھاتا ہے اور اس کے سامنے اپنے اعمال کی جوابدہی کا تصور پیش کرتا ہے۔ وہ اسے نظام عبادات دیتا ہے جس سے اس کا تعلق اپنے رب کے ساتھ مضبوط ہوتا ہے۔ ایسے اخلاق کی تعلیم دیتا ہے جس سے تمام بنی نوع انسان کے ساتھ محبت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ اسلام سارے انسانوں کو ایک خدا کی مخلوق' ایک ماں باپ کی اولاد اور ایک خاندان اور کنبہ قرار دیتا ہے اور سب کی جان و مال اور عزت و آبرو کو محترم ٹھہراتا ہے۔ سب کو انصاف کا یکساں مستحق ٹھہراتا ہے۔

وہ بندوں کے حقوق کو غیر معمولی اہمیت دیتا ہے وہ بتاتا ہے کہ آخرت میں انسان کی ساری نیکیاں اور عبادت گزاریاں اکارت جائیں گی اگر اس نے بندوں کے حقوق پر ڈاکہ ڈالا ہو گا اور اللہ تعالیٰ کی عدالت میں بندے جب تک خود معاف نہ کریں گے بندوں کی حق تلفیاں معاف نہ ہوں گی۔

اسلام کی دعوت اور امت مسلمہ کے فرائض

یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے تیئس سالہ دور نبوت میں ان تھک جد و جہد کر کے دین حق کی دعوت لوگوں تک پہنچائی۔ اسلام کی دعوت پہنچانے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق آپ نے ان لوگوں کو جو آپ پر ایمان لائے تھے ایک امت اور جماعت کی شکل دی جس کا قرآنی یا اصطلاحی نام امت مسلمہ ہے۔ آپؐ نے اپنی زیر نگرانی اس جماعت کی اس طرح تربیت فرمائی کہ اس گروہ کے تمام افراد دین حق کے سچے داعی اور فدائی اور اسلام کا چلتا پھرتا نمونہ بن گئے۔ آپؐ نے دنیا سے رخصت ہونے سے پہلے اس جماعت یعنی جماعت صحابہؓ کو دین حق کو دنیا کے دوسرے لوگوں تک پہنچانے کی ذمہ داری سپرد کی۔ آپؐ نے حجۃ الوداع کے موقع پر صحابہؓ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا فلیبلغ الشاھد الغائب یہاں موجود ہر فرد غیر موجود تک میرا پیغام پہنچائے۔ ایک اور روایت میں آپؐ کا عمومی ارشاد ہے جس کے مخاطب تمام مسلمان ہیں بلغوا عنی ولو ایۃ میری بات اوروں تک پہنچاؤ خواہ ایک ہی آیت ہو۔

صحابہ کرام کی مقدس جماعت نے آپؐ کے ان ارشادات پر عمل کرتے ہوئے اپنی اپنی بساط کے مطابق دنیا کے اطراف و اکناف میں دین حق کا پیغام پہنچایا اور یہ انہی کی دعوت کا نتیجہ ہے کہ آج الحمد للہ دین اسلام پر ایمان رکھنے والے اور اس کی تعلیمات پر عمل کرنے والے لوگ دنیا کے ہر خطہ میں موجود ہیں۔

قرآن کریم میں بھی اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ کی اس ذمہ داری کا ذکر جابجا فرمایا ہے کہ دین حق پر خود ایمان رکھنے کے ساتھ ساتھ دنیا کے دوسرے لوگوں تک اس دین کو پہنچانا افراد امت کے فرائض منصبی میں شامل ہے۔

سورہ البقرہ میں ارشاد الٰہی ہے:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا

"اور اسی طرح ہم نے تم مسلمانوں کو ایک امت وسط بنایا تاکہ تم دنیا کے لوگوں پر گواہ ہو اور رسول تم پر گواہ ہو"۔ (البقرہ ۲:۱۴۳)

اسی طرح ایک دوسرے مقام پر اس فرض منصبی کا ذکر اس طرح فرمایا گیا ہے۔

"تم میں کچھ لوگ تو ایسے ضروری ہونے چاہئیں جو نیکی کی طرف بلائیں' بھلائی کا حکم دیں اور برائیوں سے روکتے رہیں۔ جو لوگ یہ کام کریں گے وہی فلاح پائیں گے۔ (آل عمران ۳:۱۰۴)

سورہ الحج میں امت مسلمہ کی انفرادی اور اجتماعی ذمہ داریوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم کو حق کی دعوت پہنچائی' اور اپنے اعلیٰ اور جامع کردار سے اسلام کا ہمہ جہتی نمونہ پیش کیا اسی طرح امت مسلمہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ دنیا کے انسانوں کے سامنے اپنے قول و عمل سے اسلام کی سچی گواہی دے۔ ارشاد الٰہی ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا وَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۩ ﴿٧٧﴾ وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ ۚ هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ ۚ مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ ۚ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ مِنْ قَبْلُ وَفِي هَٰذَا لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ ۚ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَاعْتَصِمُوا بِاللَّهِ هُوَ مَوْلَاكُمْ ۖ فَنِعْمَ الْمَوْلَىٰ وَنِعْمَ النَّصِيرُ ﴿٧٨﴾

ترجمہ: "اے لوگو جو ایمان لائے ہو' رکوع اور سجدہ کرو' اپنے رب کی بندگی کرو اور نیک کام کرو' اسی سے توقع کی جا سکتی ہے کہ تم کو فلاح نصیب ہو۔ اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے اس نے تم کو اپنے کام کے لئے چن لیا ہے اور دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی' قائم ہو جاؤ اپنے باپ ابراہیمؑ کی ملت پر' اللہ نے پہلے بھی تمہارا نام "مسلم" رکھا تھا اور اس (قرآن) میں بھی (تمہارا یہی نام ہے) تاکہ رسول تم پر گواہ ہو اور تم لوگوں پر گواہ' پس نماز قائم کرو' زکواۃ دو اور اللہ سے وابستہ ہو جاؤ وہ ہے تمہارا مولیٰ' بہت ہی اچھا ہے وہ مولی اور بہت ہی اچھا ہے وہ مددگار" (الحج ۲۲:۷۷'۷۸)

ان آیات سے امت مسلمہ کے بلند مقام اور اس کی عظیم ذمہ داری واضح ہوتی ہے یعنی یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد رہتی دنیا تک تمام اہل ایمان کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ دین حق کی تعلیمات کو بندگان خدا تک پہنچائیں اور اپنے قول و عمل سے ان کے سامنے اسلام کی سچی شہادت دیں۔

حضرات!

اسلام جو اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین ہے وہ انسانیت کی سب سے بڑی ضرورت ہے یہ دین اپنی کامل و مکمل صورت میں آج قرآن و حدیث اسوہ حسنہ اور اسوہ صحابہ کی شکل میں موجود ہے۔ ضرورت فقط اسے انفرادی و اجتماعی صورت میں اپنانے اور اس پر عمل کرنے کی ہے۔

تاریخ کے اوراق گواہ ہیں کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اسلام پر عمل کرنے کا حق ادا کیا تو وہ گوشہ گمنامی سے اٹھ کر متمدن دنیا کے بڑے حصے پر چھا گئے اور انہیں وہ تمام کامرانیاں و سربلندیاں حاصل ہوئیں جن کا اس دنیا میں تصور کیا جا سکتا تھا اور اس سلسلہ میں اللہ کا یہ وعدہ پورا ہوا۔

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا ۚ

"اللہ نے وعدہ فرمایا ہے تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں کہ وہ ان کو

اسی طرح زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح ان سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کو بنا چکا ہے' ان کے لئے ان کے دین کو مضبوط بنیادوں پر قائم کر دے گا جسے اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں پسند کیا ہے' اور ان کی موجودہ حالت خوف کو امن سے بدل دے گا" (النور ۲۴:۵۵)

ضرورت اس بات کی ہے کہ آج دین اسلام پر ایمان رکھنے والے تمام لوگ سچے دل کے ساتھ اسلام کے اصولوں پر عمل کریں اور اپنے آپ کو اللہ کے پسندیدہ دین کا صحیح پیروکار ثابت کریں اور اپنے قول و عمل سے شہادتِ حق کا وہ فریضہ ادا کریں جو بحیثیت مجموعی امت مسلمہ پر عائد ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔

و آخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

توحید، رسالت، آخرت

خطبہ مسنونہ:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَھْلِ بَیْتِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ:

اَمَّا بَعْدُ! اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی:

لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْھَکُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰکِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِکَۃِ وَالْکِتٰبِ وَالنَّبِیّٖنَ

(ترجمہ) نیکی یہ نہیں ہے کہ تم نے اپنے چہرے مشرق کی طرف کر لئے یا مغرب کی طرف، بلکہ نیکی یہ ہے کہ آدمی اللہ کو اور یوم آخر اور ملائکہ کو اور اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب اور اس کے پیغمبروں کو دل سے مانے۔ (البقرہ ۲:۱۷۷)

حاضرین کرام!

اس مختصر سی آیت میں اسلام کے مبادیات اور بنیادی عقائد بیان کئے گئے ہیں۔ جن کے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوتا۔ ایمان کے معنی ہیں جاننا اور ماننا۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی حقیقی صفات اور اس کے قانون اور اس کی جزا و سزا کو جانتا ہو اور دل سے اس پر یقین رکھتا ہو وہ مومن ہے۔ انسان کے تمام افعال و اعمال کا دارومدار اس کے خیالات پر ہوتا ہے۔ اور یہ خیالات چند پختہ، غیر متزلزل اور غیر مشکوک اصولی خیالات پر مبنی ہوتے ہیں۔ انہی اصولی خیالات کو عقائد کہتے ہیں۔

اسلامی عقائد

اسلام کے بنیادی عقائد پانچ ہیں:

۱) اللہ تعالیٰ پر ایمان (توحید)
۲) اللہ تعالیٰ کے فرشتوں پر ایمان
۳) اللہ تعالیٰ کے رسولوں پر ایمان (رسالت)
۴) اللہ تعالیٰ کی کتابوں پر ایمان
۵) اعمال کی جزا و سزا کے دن پر ایمان (آخرت)

آج کی اس مجلس میں ہم اسلام کے تین بنیادی عقائد توحید' رسالت اور آخرت پر گفتگو کریں گے۔

۱) توحید:

انسانی دنیا کے ہر حصے میں اللہ کا تصور پایا جاتا ہے۔ کہیں دیو قامت چٹانوں کی پوجا کی جاتی ہے۔ کہیں چاند اور ستاروں کی پرستش ہوتی ہے۔ کہیں جانوروں کے سامنے یہ اشرف المخلوقات سجدہ ریز نظر آتا ہے۔ اور کہیں خود انسان' انسان کا معبود بن بیٹھا ہے۔ گزشتہ اقوام بلکہ مشرکین میں بھی کسی نہ کسی انداز میں اللہ کا تصور موجود رہا ہے مگر اس اللہ کے اور ان گنت شریک گھڑ لئے گئے تھے' کسی نے کسی کو اللہ کا بیٹا سمجھ کر اس کی پرستش شروع کر دی' کسی نے کسی کو مظہر جلال الٰہی سمجھا اور ملجائے عقیدت بنا لیا۔ کوئی اللہ کے جمال کی صورت میں پرستش کے لائق ٹھہرا۔

دین اسلام کو حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے لے کر آج تک مختلف انبیاء کرام کے ذریعے بنی نوع انسان کے لئے ہدایت کا لائحہ عمل پیش کرتا تھا۔ اس نے گم کردہ انسان کو ہمیشہ یہی درس دیا کہ اس کائنات کا خلاق و مالک ایک ہے' وہ اپنی ذات میں بھی یکتا ہے اور اس کی صفات میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس جیسا کوئی نہیں۔ نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ اسے کسی نے جنا۔ عبادت کے لائق صرف وہی ہے۔ انسان کی جبین نیاز صرف اسی کے سامنے خم ہونی چاہئے۔ یہ کائنات مربوط و منظم غیر منقسم ہے اور یہی دلیل اللہ تعالیٰ اپنی وحدانیت کے ثبوت کے لئے پیش کرتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا۔

لَوْ كَانَ فِيهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا

ترجمہ "اگر زمین و آسمان میں ایک اللہ کے سوا دوسرے معبود بھی ہوتے تو (زمین و آسمان) دونوں کا نظام بگڑ جاتا"۔ (الانبیاء ۲۱:۲۲)

یعنی اگر اس کائنات میں ایک سے زیادہ خداؤں کی کارفرمائی ہوتی تو اس کا نظم و حسن تہہ و بالا ہو جاتا۔ یہ موسموں کا تغیر و تبدل' یہ اختلاف لیل و نہار' شمس و قمر کی ضوفشانیاں' الغرض کائنات کی یہ ساری نیرنگیاں وحدہ لاشریک کے وجود اور یکتائی کا واضح بیان ہے۔

جب انسان "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کہہ کر کفر کے تمام بندھنوں سے آزادی حاصل کر کے مشرف بہ اسلام ہوتا ہے تو اس کا منطقی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ ساری دنیا کے معبودوں سے روگردانی کر کے ایک الٰہ واحد پر یقین و اعتماد کا اظہار کرتا ہے۔ قرآن کریم کے الفاظ میں وہ یہ صدا بلند کرتا ہے۔

قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

(ترجمہ) "کہو' میری نماز' میرے تمام مراسم عبودیت' میرا جینا اور میرا مرنا سب کچھ اللہ رب العالمین کے لئے ہے"۔ (الانعام ۶:۱۶۲)

گویا وہ اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ میری ہر چیز کا مالک میرا رب ہے۔ میرا نفع و نقصان اسی کی رضا کے ساتھ وابستہ ہے۔ ارشاد ربانی ہے:۔

قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ

(ترجمہ) "اے نبی" ان سے کہو کہ میں اپنی ذات کے لئے کسی نفع و نقصان کا اختیار نہیں رکھتا' اللہ ہی جو کچھ چاہتا ہے وہ ہوتا ہے"۔ (الاعراف ۷:۱۸۸)

برگزیدہ ترین ہستیوں انبیائے کرام علیہم السلام پر جب بھی کبھی مصیبت یا پریشانی کا وقت آیا تو ان سب نے براہ راست اللہ تعالی سے دعا کی اس لئے کہ ان نفوس قدسیہ کو اللہ تعالی کا یہی حکم تھا اور وہ دنیا کو یہی تعلیم دینے آئے تھے کہ ماسوا اللہ دنیا کی کوئی طاقت نفع و نقصان کی مالک نہیں۔ اس کے سوا نہ کوئی فریاد رس ہے اور نہ ہی کوئی مشکل کشا۔ جب وہ کسی کو نوازنا چاہتا ہے تو اس کے ارادہ کو تبدیل کرنا بھی کسی کے بس میں نہیں اور جب وہ کسی پر غضب کھاتا ہے تو مغضوب کو ذلت و رسوائی سے نجات دلانا بھی کسی کے بس کی بات نہیں۔

حضرات گرامی!

ہر نبی نے اپنے اپنے زمانے میں اپنی قوم کو دعوت توحید دی اور فرمایا یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ "اے قوم اللہ کی بندگی اختیار کرو جس کے سوا تمہارے لئے کوئی دوسرا معبود نہیں"۔ اس لئے یہ وہ محور ہے جس کے گرد تمام عقائد و عبادات حرکت کرتے ہیں۔ ہم دیگر مبادیات پر ایمان اس لئے لائے ہیں کہ اللہ تعالی نے ان پر ایمان لانے کا حکم دیا اگر اس بنیادی عقیدہ میں خرابی پیدا ہو جائے توبقول شخصے "تا ثریا می رود دیوار کج" کی مانند کوئی عقیدہ بھی خالص نہیں رہے گا۔

وہ صوفیائے کرام' علمائے عظام اور مشائخ اعلام جو علم و عمل دونوں نعمتوں سے مالا مال ہوتے ہیں اور تقرب الی اللہ کے لئے اپنی زندگیوں کو وقف کئے ہوتے ہیں وہ بھی تصوف کی تمام منازل تک رسائی کے لئے اس عقیدہ کی پختگی کو بنیاد قرار دیتے ہیں۔

وہ لوگ جو اسلام کے اس بنیادی عقیدہ کی روح سے متصف ہوتے ہیں۔ ان کی زندگی یکسر بدل جاتی ہے۔ وہ ایک آزاد انسان کی حیثیت سے دنیا میں باعزت زندگی بسر کرتے ہیں۔ وہ ایک اللہ کے سامنے جھک کر ساری دنیا سے بے نیاز ہو جاتے ہیں۔

الغرض عقائد اسلام کا بنیادی عقیدہ توحید ہے۔ توحید ذات' توحید صفات اور توحید افعال پر ایمان لائے بغیر کوئی عمل اجر و ثواب کا مستحق نہیں اور کوئی دوسرا عقیدہ پائیدار نہیں۔

توحید کے انفرادی اور اجتماعی زندگی پر اثرات :

حضرات محترم!

توحید محض ایک علمی حقیقت ہی نہیں ہے بلکہ یہ نہایت اہم عملی حقیقت بھی ہے۔ اس سے انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی پر نہایت اہم اثرات پڑتے ہیں۔

۱) عقیدہ توحید انسان کو آزادی و حریت کا وہ بلند مقام بخشتا ہے جس کا وہ اشرف المخلوقات ہونے کی حیثیت سے مستحق ہے۔

۲) یہ عقیدہ رکھنے والا کبھی تنگ نظر نہیں ہوتا۔ اس کی محبت ہمدردی اور خدمت کسی خاص دائرے کی پابند نہیں ہوتی بالکل اسی طرح جس طرح کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت وسیع ہے۔

۳) اس عقیدہ کا حامل کبھی مایوس اور دل شکستہ نہیں ہوتا۔

۴) یہ عقیدہ انسان میں عزم حوصلہ اور صبر و توکل کی زبردست شان پیدا کر دیتا ہے۔ اور اسے قناعت پسند اور بے نیاز بناتا ہے اور حرص و ہوس اور رشک و حسد کے رکیک جذبات اس کے دل سے نکال دیتا ہے۔

۵) اجتماعی طور پر یہ عقیدہ دنیا کے تمام انسانوں میں کامل عدل اور صحیح مساوات کا تصور قائم کرتا ہے اور اس سے وحدت الٰہ اور وحدت آدم کے تصورات پیدا ہوتے ہیں۔ جن سے ہر طرح کے ظلم و ناانصافی کا ازالہ ہو جاتا ہے۔

رسالت

اسلام کا دوسرا بنیادی عقیدہ رسالت ہے۔ اس کے لفظی معنی سفارت کے ہیں اور جو برگزیدہ ہستی' خالق و مخلوق کے درمیان یہ فریضہ سرانجام دیتی ہے وہ پیغمبر' رسول یا نبی کہلاتی ہے۔

خالق کائنات نے بنی نوع انسان کو تخلیق فرمایا تو اس کے لئے ایک مقصد بھی متعین کیا اور وہ یہ تھا کہ انسان اپنے خالق کی رضا و خوشنودی کے لئے کام کرے۔ اسی کی عبادت کرے' اسی سے ڈرے اور اسی کو اپنا کارساز سمجھے۔ اس کے لئے خداوندکریم نے انبیاء و رسل کا سلسلہ جاری فرمایا اور ان کے انتخاب کے لئے کوئی خاص طریقہ اختیار نہیں کیا بلکہ قرآن کے الفاظ میں اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ (الانعام) اللہ زیادہ بہتر جانتا ہے کہ اسے اپنی پیغمبری کس کے سپرد کرنا چاہئے تھی۔

احکام الٰہی سے بنی نوع انسان کو آگاہ کرنے کے لئے ایک روایت کے مطابق کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر مبعوث فرمائے اور ہر قوم میں کوئی نہ کوئی پیغمبر مبعوث فرمایا گیا۔ ارشاد ربانی ہے:

وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِیْهَا نَذِیْرٌ ﴿۲۴﴾

(ترجمہ) اور کوئی امت ایسی نہیں گزری ہے جس میں کوئی متنبہ کرنے والا نہ آیا ہو۔ (فاطر ۳۵:۲۴)

انبیاء علیہم السلام کی اس ساری جماعت پر بلا تفریق ایمان لانا ضروری ہے۔ اللہ جل شانہ فرماتا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَیُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّفَرِّقُوْا بَیْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَیَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَّیُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَّخِذُوْا بَیْنَ ذٰلِكَ سَبِیْلًا ﴿۱۵۰﴾ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا

(ترجمہ) "جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں سے کفر کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں

کے درمیان تفریق کریں' اور کہتے ہیں کہ ہم کسی کو مانیں گے اور کسی کو نہ مانیں گے' اور کفر و ایمان کے بیچ میں ایک راہ نکالنے کا ارادہ رکھتے ہیں' وہ سب پکے کافر ہیں"۔ (النساء ۴:۱۵۰'۱۵۱)

الفاظ قرآنی پر غور فرمایئے' منشائے ایزدی' واضح ہے کہ تمام انبیاء پر ایمان لائے بغیر عقیدہ رسالت کا تقاضا پورا نہیں ہوتا۔ تمام انبیاء پر ایمان ہو سوائے ایک پیغمبر کے تو یہ گویا تمام انبیاء کا انکار ہو گا۔ اللہ کا رسول دنیا میں اللہ کا ترجمان ہوتا ہے۔ دین کے سلسلے میں جو کچھ بھی اس کی زبان حق بیان سے نکلتا ہے وہ منشائے ایزدی ہوتا ہے کیونکہ وہ جو کچھ کہتا ہے وہ وحی الٰہی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

نبی کی بعثت کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس کی کامل اتباع کی جائے۔ اس کے فرمان کو بے چون و چرا تسلیم کیا جائے۔ اس کے حکم کو خدائی حکم سمجھ کر سر تسلیم خم کیا جائے اور یہ تسلیم و اطاعت برضا و رغبت ہو۔ اس کی تعمیل کرتے وقت نہ دل میں کوئی ملال ہو اور نہ ماتھے پر شکن۔ چنانچہ ارشاد ہوا:

"اے نبی تمہارا رب گواہ ہے کہ لوگ مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ وہ اپنے آپس کے نزاعی معاملات میں تمہیں فیصلہ کرنے والا نہ بنائیں اور پھر تم جو کچھ فیصلہ کرو اس پر اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہ پائیں بلکہ اسے فوری آمادگی کے ساتھ قبول کریں"۔

یہ بلند ترین ہستیاں جو کائنات انسانی کو راہ ہدایت دکھانے کے لئے مامور ہوئیں۔ اپنی تمام عظمتوں کے باوجود ان کا تعلق بنی نوع انسان ہی سے تھا۔ کیونکہ انسان کے لئے نمونہ عمل صرف انسان ہی ہو سکتا ہے نہ فرشتہ نہ حیوان۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں انسانوں ہی میں سے بعض منتخب افراد کو نبی بنا کر مبعوث فرمایا۔ مگر چونکہ عقل انسانی ارتقا پذیر تھی' اس لئے ہر پیغمبر کسی خاص قوم یا قبیلے یا علاقے کے لئے مبعوث ہوا یا کسی خاص زمانے تک اس کا دائرہ کار محدود رہا۔ مگر جب ذہن انسانی بلوغت کو پہنچ گیا اور حاکم مطلق نے یہ سمجھا کہ اب وقت آگیا ہے کہ وہ دین کہ جس کی ابتداء حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی تھی پایہ تکمیل کو پہنچے اور نوع انسانی کو ایک ایسا لائحہ عمل عطا کیا جائے جو قیامت تک اس کے لئے کافی ہو تو نبی آخرالزمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ان تمام خوبیوں' اوصاف و کمالات کے ساتھ مبعوث فرمایا جو انبیائے سابقہ میں موجود تھیں۔ چنانچہ ارشاد ہوا۔

قُلْ يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا

"اے محمدؐ کہو کہ اے انسانو' میں تم سب کی طرف اللہ کا پیغمبر ہوں" (الاعراف ۷:۱۵۸)

اس ارشاد باری تعالیٰ کے مطابق حضور علیہ السلام ہر قوم' ہر قبیلہ' ہر نسل اور ہر زمانے کے لئے مبعوث فرمائے گئے۔ آپؐ کے بعد سلسلہ نبوت ہمیشہ کے لئے بند کر دیا گیا۔ اور انسانیت کی ہدایت کے لئے قرآن کریم کی شکل میں ہمیشہ کے لئے ایک صحیفہ ہدایت بھی عطا کر دیا گیا۔

آخرت

اسلام کا تیسرا بنیادی عقیدہ' آخرت پر ایمان ہے۔ اسلام کے مطابق انسان کی زندگی موت کے ساتھ ہی ختم نہیں ہو جاتی بلکہ اس کے بعد اسے ایک دوسری ابدی زندگی نصیب ہوتی ہے اور ایک دن ایسا آنے والا ہے جس میں اللہ تعالیٰ تمام انسانوں کو ازسرنو زندہ کر کے ان سے ان کے اعمال کا حساب لے گا۔ انسان جو کچھ اس دنیا میں بوئے گا اسے وہ آخرت میں کاٹے گا۔ اسی

بناء پر اس سے اس کے اعمال کا حساب کتاب لیا جائے گا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ یہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ ویسے بھی ہر عمل کا رد عمل ضرور ہوتا ہے یہ حقیقت عقل انسانی کے عین مطابق ہے۔ آج کا مادہ پرست انسان ہی نہیں بلکہ ہر دور کا مادہ پرست انسان تصور آخرت کو اپنے فکر کی پرواز سے ماوراء سمجھتا رہا ہے اور اس سے انکار کرتا رہا ہے۔ قرآن کریم اس قسم کے انسانوں کے خیالات کو ان الفاظ میں پیش کرتا ہے:

وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ

(ترجمہ) "یہ لوگ کہتے ہیں کہ زندگی بس یہی ہماری دنیا کی زندگی ہے یہیں ہمارا مرنا اور جینا ہے اور گردش ایام کے سوا کوئی چیز نہیں جو ہمیں ہلاک کرتی ہو"۔ (الجاثیہ ۲۴:۴۵)

اس کے برعکس قرآن کریم کا یہ فرمان ہے:

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۸﴾

(ترجمہ) تم لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کا رویہ کیسے اختیار کرتے ہو' حالانکہ تم بے جان تھے۔ اس نے تم کو زندگی عطا کی' پھر وہی تمہاری جان سلب کرے گا' پھر وہی تمہیں دوبارہ زندگی عطا کرے گا' پھر اسی کی طرف تمہیں پلٹ کر جانا ہے"۔ (البقرہ ۲۸:۲)

لیکن اس کے باوجود بعض مادہ پرست اور آخرت سے انکار کرنے والے لوگ اس بات پر مصر ہیں کہ وہ مرنے کے بعد خاک میں خلط ملط ہو جائیں گے۔ دوبارہ زندہ ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ایسے منکرین آخرت کو اللہ تعالیٰ جواب دیتا ہے:

يَآيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ

(ترجمہ)

لوگو! اگر تمہیں زندگی بعد موت کے بارے میں کچھ شک ہے تو تمہیں معلوم ہو کہ ہم نے تم کو مٹی سے پیدا کیا۔ (الحج ۵:۲۲)

ایک عام عقل و فہم کا حامل انسان بھی اس بات کا ادراک رکھتا ہے کہ کسی چیز کا پہلی مرتبہ وجود میں لانا مشکل ہوتا ہے۔ اس چیز کا دوبارہ بنایا جانا آسان تر ہوتا ہے۔ یہی وہ عام سی بات ہے جسے اللہ جل شانہ' منکرین آخرت کے سامنے پیش فرماتا ہے:

وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ

(ترجمہ) (اور وہی ہے جو تخلیق کی ابتدا کرتا ہے' پھر وہی اس کا اعادہ کرے گا اور یہ اس کے لئے آسان تر ہے"۔ (الروم ۲۷:۳۰)

اس اعتقاد کی پختگی کا منطقی تقاضا یہ ہے کہ انسان کا نقطہ نظر یکسر بدل جاتا ہے۔ انسان اپنے آپ کو ذمہ دار اور جوابدہ تصور

کرتا ہے۔ اسے یقین ہوتا ہے کہ آئندہ زندگی میں اسے اپنے تمام اعمال کا حساب دینا ہو گا۔ جو شخص اس اخروی زندگی پر مضبوط عقیدہ کا حامل ہو گا۔ اس کی نظر اپنے اعمال و افعال کے صرف انہی نتائج پر نہیں ہو گی جو اس دنیا میں مرتب ہوتے ہیں۔ بلکہ وہ جان لے گا کہ اس کے جو اعمال دنیا والوں کی آنکھوں سے اوجھل رہے' جن کے لئے اس دنیا میں اسے کوئی سزا نہیں ملی وہ علیم بذات صدور ان سب سے واقف ہے اور قیامت کے روز اس کا عدل سب پر حاوی ہو گا۔ جوابدہی کا یہ تصور انسانی زندگی کی کایا پلٹ دیتا ہے اور اس کا ہر قدم غور و فکر کے بعد اٹھتا ہے۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلامی تصور عبادت

خطبہ مسنونہ:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰٓی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَھْلِ بَیْتِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ:

اَمَّا بَعْدُ! اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی:

یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمُ

(ترجمہ) لوگو! بندگی اختیار کرو اپنے رب کی (البقرہ ۲:۲۱)

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾

(ترجمہ) میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔ (الذریات ۵۱:۵۶)

اَنِ اعْبُدُوا اللّٰہَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ

(ترجمہ) کہ اللہ کی بندگی کرو اور طاغوت کی بندگی سے بچو۔ (النحل ۱۶:۳۶)

وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِمُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ ھَلْ تَدْرِیْ مَا حَقُّ اللّٰہِ عَزَّ وَ جَلَّ عَلَی الْعِبَادِ قَالَ قُلْتُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ قَالَ فَاِنَّ حَقَّ اللّٰہِ عَلَی الْعِبَادِ اَنْ یَّعْبُدُوْہُ وَلَا یُشْرِکُوْا بِہٖ شَیْئًا (الحدیث)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ بن جبلؓ سے فرمایا "جانتے ہو اللہ کا بندوں پر کیا حق ہے؟ وہ کہتے ہیں میں نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسولؐ ہی زیادہ جانتے ہیں آپؐ نے ارشاد فرمایا بندوں پر اللہ کا حق یہ ہے کہ وہ صرف اسی کی عبادت کریں اور کسی کو اس کے ساتھ ذرہ برابر بھی شریک نہ کریں۔

حضرات گرامی!

آج کی اس نشست میں ہم اسلامی تصور عبادت پر گفتگو کریں گے۔ دین اسلام دراصل اللہ کی بندگی و عبادت کا دوسرا نام ہے اور اس کی ضرورت اور غرض و غایت صرف یہ ہے کہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کا ڈھنگ بتائے۔ عبادت ہی دراصل وہ چیز ہے جو انسانی روح کو پاکیزگی اور بلندی عطا کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور خوشنودی کا مستحق بناتی ہے اور عبادت ہی وہ مقصد ہے جس کے لئے انسان کو پیدا کیا گیا ہے اور انبیاء علیہم السلام کو بھی اسی غرض کے لئے مبعوث فرمایا گیا ہے کہ وہ انسانوں کو اپنے رب کی بندگی و عبادت کی دعوت دیں اور اسلام اپنے حقیقی مفہوم کے اعتبار سے عبادت اور بندگی کا ایک مکمل نظام ہے۔

حضرات محترم!

اسلام کے تصور عبادت کو سمجھنے کے لئے آیئے ہم سب سے پہلے یہ دیکھیں کہ عربی لغت کے اعتبار سے عبادت کا کیا مفہوم ہے۔ اہل لغت عبادت کے معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں عبادت کے معنی انتہائی حد تک پست ہونے اور بچھ جانے کے ہیں"۔ (مفردات امام راغب)

عبادت کے معنی اطاعت کے ہیں۔ اسی طرح "عَبْدٌ" غلام کو اور "طَرِیْقٌ مُّعَبَّدٌ" اس راستے کو کہتے ہیں جو آمد و رفت کی کثرت سے روند کر بالکل ہموار اور آسان گزار ہو گیا ہو (لسان العرب)

عبادت کا مفہوم قرآنی استعمالات کی روشنی میں

حضرات!

عبادت کا لغوی مفہوم سمجھنے کے بعد آیئے اب یہ دیکھیں کہ قرآن کریم میں عبادت کا لفظ کن کن معانی میں استعمال ہوا ہے۔

قرآن کریم کے مطالعہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ قرآن کریم میں عبادت کا لفظ مختلف صیغوں کی شکل میں بے شمار مواقع پر استعمال کیا گیا ہے۔ مثلاً اس سلسلہ کی بعض آیات یہ ہیں۔

مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِہٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّیْتُمُوْھَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُکُمْ

"تم لوگ اللہ کو چھوڑ کر بس ایسے کچھ (بے حقیقت) ناموں کی عبادت کر رہے ہو جن کو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے خود ہی ٹھہرا لیا ہے"۔ (یوسف ۱۲:۴۰)

قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ ﴿۷۱﴾

"انہوں نے کہا کچھ بت ہیں جن کی ہم پوجا کرتے ہیں، اور انہی کے سیوا میں ہم لگے رہتے ہیں"۔ (الشعراء ۲۶:۷۱)
ان آیات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ کسی کے ساتھ پرستش کا رویہ اختیار کرنا عبادت ہے کیونکہ مشرکین اپنے بتوں کے ساتھ جو کچھ کیا کرتے تھے اسے ان آیات میں عبادت قرار دیا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ مشرکوں کا تعلق اپنے بتوں سے پوجا پاٹ اور پرستش ہی کا ہوا کرتا تھا۔

وَالَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ يَّعْبُدُوْهَا وَاَنَابُوْٓا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى

"جن لوگوں نے طاغوت کی بندگی سے اجتناب کیا اور اللہ کی طرف رجوع کر لیا ان کے لئے خوشخبری ہے" (الزمر ۳۹ : ۱۷)
طاغوت کے معنی حد سے نکل جانے والے اور سرکش کے ہیں قرآن کریم کی اصطلاح میں ہر وہ مخلوق جو اللہ کی بندگی کی حد سے نکل گئی ہو وہ طاغوت ہے اور اپنے دل کی رضامندی اور ارادے کی آزادی سے کسی طاغوت کی اطاعت کرنا بھی "عبادت" ہے۔
(ج) اسی طرح قرآن کریم کے نزدیک وہ اطاعت بھی عبادت ہے جو بغیر دل کی آمادگی سے کی جائے۔

فَقَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ﴿۴۷﴾

"تو فرعونیوں نے کہا کہ ہم اپنے ہی جیسے دو آدمیوں کی بات مان لیں اور وہ بھی اس حال میں کہ ان کی قوم ہماری "عابد" ہے۔ (المومنون ۲۳:۴۷)
(د) کسی کی غیر شعوری اطاعت کاملہ بھی "عبادت" ہے ارشاد الٰہی ہے:

اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۶۰﴾

اے اولاد آدم کیا ہم نے تمہیں اس بات کی تاکید نہ کی تھی کہ شیطان کی عبادت نہ کرنا! یقیناً" وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ (یٰسین ۳۶:۶۰)
دنیا میں کوئی شخص نہ شیطان کی پرستش کرتا ہے اور نہ اسے اپنا آقا تسلیم کرتا ہے لیکن غیر شعوری طور پر جو عقائد و اعمال شیطان کی مرضی کے مطابق اختیار کئے جائیں ان کا شمار بھی عبادت ہی میں ہوتا ہے۔
ان آیات کے مطالعہ سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ قرآن کریم کے نزدیک عبادت کے مختلف رخ اور پہلو ہیں یعنی۔
۱) پرستش و پوجا پاٹ بھی عبادت ہے
۲) کسی کی شعوری اطاعت بھی عبادت ہے
۳) کسی کی غیر شعوری اطاعت بھی عبادت ہے
اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ عبادت کا مفہوم اس وقت مکمل ہوتا ہے جب پرستش اور اطاعت دونوں اکٹھی ہو جائیں۔ گویا اسلام میں عبادت الٰہی کا مفہوم پرستش اور اطاعت دونوں پر حاوی ہے اور اس اعتبار سے شریعت الٰہی کا کوئی نقطہ بھی ایسا نہیں ہے جو اس کے دائرے سے باہر ہو۔

حضرات!

صاحب نظر علماء نے بھی عبادت کی یہی تشریح کی ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ سے پوچھا گیا کہ آیت یَاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ میں عبادت کا جو حکم دیا گیا ہے اس کا مفہوم و مدعا کیا ہے۔ اس سوال کے جواب میں آپ نے لفظ "عبادت" کی وضاحت اس طرح فرمائی:

"عبادت ایک جامع لفظ ہے اس کے اندر وہ تمام ظاہری اور باطنی اعمال اور اقوال داخل ہیں جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں اور اس کی خوشنودی کا باعث بنتے ہیں مثلاً نماز' زکواۃ' روزہ' حج' سچ بولنا' امانت داری' صلہ رحمی' دیانت' اطاعت والدین' وفائے عہد' امر بالمعروف و نہی عن المنکر جہاد فی سبیل اللہ' پڑوسیوں' یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ نیک سلوک جانوروں کے ساتھ اچھا سلوک' دعا' ذکر الٰہی' تلاوت قرآن اور اسی قسم کے تمام اعمال صالحہ عبادت کے اجزاء ہیں۔ اسی طرح اللہ اور اس کے رسولؐ کی محبت' رحمت الٰہی کی امید' عذاب الٰہی کا خوف' اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع' اخلاص' صبر' شکر' توکل اور تسلیم و رضا وغیرہ ساری اچھی صفات عبادت کے اندر شامل ہیں"۔

سارے انبیاء علیہم السلام انسانوں کو اللہ کا دین سکھانے آئے تھے اور قرآن کریم کے بیان کے مطابق ہر نبی نے اپنے مخاطب لوگوں کو اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ (اللہ کی عبادت کرو جس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں) ہی کی ہدایت فرمائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ دین اور عبادت ایک ہی مدعا کی دو تعبیریں ہیں۔

اسلامی تصور عبادت:

عبادت کے جو مختلف رخ اس سے پہلے بیان کئے گئے ہیں اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اسلام میں عبادت کا تصور محض پوجا پاٹ کا نہیں بلکہ پوجا و پرستش کے ساتھ بندگی و اطاعت کا بھی ہے۔ اسلام کی نگاہ میں انسان اللہ وحدہ لاشریک کا بندہ ہے اور اس کا خالق رازق اور حاکم و مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس زمین پر اپنے خلیفہ کی حیثیت سے کچھ اختیارات عطا کئے ہیں اور کچھ ذمہ داریاں بھی اس کے سپرد کی ہیں۔ دنیا میں رہتے ہوئے اسے ظاہری طور پر بھی اللہ تعالیٰ کے حضور سر تسلیم خم کرنا ہے جس کی بہترین صورت نماز ہے جو ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض کی گئی ہے اور عملی طور پر بھی اسے اپنے ہر عمل کو اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی ان ہدایات کے مطابق بنانا ہے جن کا اصطلاحی نام دین و شریعت ہے۔

حضرات محترم!

اسلام کا تصور یہ ہے کہ انسان کی ساری زندگی اللہ تعالیٰ کی بندگی و اطاعت میں بسر ہو اور وہ اپنے آپ کو دائمی طور پر اللہ تعالیٰ کا عبد و غلام سمجھے وہ جو کچھ بھی کرے اللہ تعالیٰ کی شریعت کے مطابق کرے۔ اس کا سونا اور جاگنا' اس کا کھانا اور پینا' اس کا چلنا اور پھرنا اللہ تعالیٰ کے قانون شرعی کی پابندی میں ہو' وہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کو پوری طرح سے ادا کرے اور وہ ہر وقت' ہر کام میں اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی ذمہ داری کو محسوس کرے اور حتی الوسع اس کی نافرمانی سے بچتا رہے اور اسے یہ خیال رہے کہ ایک روز اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہو کر مجھے اپنی ایک ایک حرکت کا حساب دینا ہے۔ اس تصور کے مطابق اللہ تعالیٰ کی عبادت کر کے ہی انسان وہ مقصد پورا کر سکتا ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے اسے تخلیق فرمایا ہے۔ جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴿٥١﴾

(ترجمہ) "میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں" (الذاریات ۵۶:۵۱)

حضرات محترم!

کہنے کو تو یہ چھوٹی سی بات ہے اور بڑی آسانی سے زبان ہلا کر ادا کیا جا سکتا ہے مگر عملاً انسان کی پوری زندگی کا اپنے تمام گوشوں کے ساتھ عبادت بن جانا آسان کام نہیں ہے۔ اس کے لئے بڑی زبردست تربیت کی ضرورت ہے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ خاص طور پر ذہن کی تربیت کی جائے اور عملی کردار کو ایک خاص سانچے میں ڈھالا جائے۔ انسان کی اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اجتماعی نظام تجویز فرمایا ہے جسے اصطلاحاً" ارکان اسلام" کہا جاتا ہے۔ ارکان اسلام پانچ ہیں:

(ا) ایمان (۲) نماز (۳) روزہ (۴) زکوٰۃ (۵) حج

ایمان کے رسوخ اور پختگی سے اسلامی ذہنیت کی تعمیر ہوتی ہے۔ اور ایک مسلمان اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا ہادی اور رہنما تسلیم کر کے ان کے احکام کو خوش دلی سے قبول کرتا اور ان پر عمل کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ "نماز" ایک مسلمان کے ذہن میں دن رات میں پانچ وقت اللہ تعالیٰ کی یاد تازہ کرتی ہے۔ اس کا خوف دلاتی اور اس کی محبت پیدا کرتی ہے اور اس کی اطاعت کی مشق کراتی ہے۔ "زکوٰۃ" مسلم معاشرہ کے افراد میں مالی ایثار اور آپس کی ہمدردی اور تعاون کا جذبہ پیدا کرتی ہے۔ "روزہ" تقویٰ (اللہ تعالیٰ کا خوف' احساس ذمہ داری اور فرض شناسی) کی ہر سال پورے ایک ماہ تک اہل ایمان کو تربیت دیتا ہے اور حج اہل ایمان میں ایک عالمی برادری کا احساس اجاگر کرتا ہے۔ اور ایمان کی بنیاد پر ایک امت بن کر رہنے کا سبق دیتا ہے۔ اس طرح یہ ارکان اسلام ایمان اور عمل کے مختلف پہلو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہیں اور ان پر عمل پیرا ہونے سے اہل ایمان کی ذہنی تربیت بھی ہوتی ہے اور عملی تربیت بھی اور ان کی کما حقہ' ادائیگی ان کی پوری زندگی کو عبادت میں تبدیل کرنے میں مدد و معاون ثابت ہوتی ہے۔

حضرات گرامی!

عبادت کے بارے میں اسلام کا تصور و فلسفہ اس قدر جامع اور ہمہ گیر ہے کہ کسی بھی مذہب اور طریقہ زندگی میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ اس تصور میں معبودان باطل کی سرے سے کوئی گنجائش ہی نہیں ہے۔ اسی لئے حکم ہوا کہ

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶۲﴾ لَا شَرِیْکَ لَهٗ

کہو' میری نماز' میرے تمام مراسم عبودیت' میرا جینا اور میرا مرنا سب کچھ اللہ رب العالمین کے لئے ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔ (الانعام ۶:۱۶۲)

غرض اسلام نے قلب انسانی کو گداز کرنے کے لئے دل کے ساز اور روح کی صدا کے سوا کسی خارجی تدبیر کا سہارا نہیں لیا۔ اسلام کا تصور عبادت یہ ہے کہ آپ کی ساری زندگی اللہ کی بندگی میں بسر ہو۔ اس دنیا میں آپ جو کچھ بھی کریں اس کی بھیجی ہوئی شریعت کے مطابق کریں آپ کا سونا جاگنا اٹھنا بیٹھنا کھانا پینا غرض سب کچھ اللہ کے قانون کی پابندی میں ہو۔ پھر عبادت الٰہی کے لئے اسلام میں کسی جگہ اور مقام کی قید نہیں' بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق آپ کی امت کے لئے تمام روئے زمین کو مسجد بنا دیا گیا ہے۔ قبلہ ایسی سمت اور جہت ہے کہ دنیا کے کسی خطے کے مسلمان بھی اس کی طرف رخ کر سکتے ہیں۔

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ

(ترجمہ) مشرق اور مغرب سب اللہ کے ہیں۔ جس طرف بھی تم رخ کرو گے' اسی طرف اللہ کا رخ ہے (البقرہ ۲:۱۱۵)

اسلامی عبادات میں تصور رہبانیت نہیں ہے۔ زندگی میں ہر معاملے کو اسلام کے اصولوں کے مطابق اللہ کی خالقیت و ربوبیت کے اعتراف میں انجام دینا عبادت ہے۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مختصر سے فقرے میں تمام اعمال کا ایک پیمانہ مقرر فرمایا ہے یعنی انما الاعمال بالنیات بے شک اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اسلام نے عبادت کا جو تصور یا فلسفہ دیا ہے اس میں دل کی نیت اور اخلاص اساسی و بنیادی اہمیت کے حامل ہیں اس میں کسی خاص کام اور طرز و طریقہ کی تخصیص نہیں ہے بلکہ ہر وہ کام جس سے مقصود اللہ کی خوشنودی اور اطاعت ہو عبادت ہے۔

اسلام نے درحقیقت عبادت کو دل کی پاکیزگی' روح کی صفائی اور اخلاص عمل کی غرض و غایت بنادیا ہے اور عبادت کا ماحصل تقویٰ اور مقصود خوشنودی حق تعالیٰ ہے۔

و آخر دعونا اَنِ الحمد للّٰہ رب العالمین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلامی عبادات

خطبہ مسنونہ:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰٓی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَھْلِ بَیْتِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ:
اَمَّا بَعْد! اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ہ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ اِنَّہٗ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۲۰۸﴾

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو تم پورے کے پورے اسلام میں آ جاؤ اور شیطان کی پیروی نہ کرو کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے"۔ (البقرہ ۲:۲۰۸)

حضرات محترم!

اسلام کا تصور عبادت یہ ہے کہ مسلمان کی ساری زندگی اپنے رب کی بندگی میں بسر ہو اور اس کی زندگی کا ایک لمحہ بھی اس کی عبادت سے خالی نہ ہو۔ اس دنیا میں وہ جو کچھ بھی کرے خدا کی شریعت کے مطابق کرے' اس کا سونا جاگنا' اٹھنا بیٹھنا'

کھانا پینا غرض سب کچھ خدا کے قانون کی پابندی میں ہو اس نے جو خدمات اس کے سپرد کی ہیں اور زندگی کے جو فرائض اس پر عائد کئے ہیں ان کو نفس کی پوری رضامندی سے ادا کرے اور اس طریقے سے کرے جس طریقے سے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کے ذریعے اس کی طرف رہنمائی کی ہے۔

غرض اسلام انسان کی پوری دنیوی زندگی کو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں تبدیل کر دینا چاہتا ہے۔ اس کا مطالبہ ایک مسلمان سے یہ ہے کہ اس کا کوئی لمحہ بھی عبادت سے خالی نہ ہو۔ لا الہ الا اللہ کا اقرار کرنے کے بعد ہی ایک مسلمان پر یہ لازم ہو جاتا ہے کہ اس نے جس اللہ کو اپنا معبود تسلیم کیا ہے وہ اس کا عبد (بندہ) بن کر رہے۔ بندہ بن کر رہنے کا نام ہی دراصل عبادت ہے۔

حضرات گرامی!

انسان کی زندگی کے تمام گوشوں کا عبادت بن جانا کوئی آسان کام نہیں اس کے لئے بڑی زبردست تربیت کی ضرورت ہے ایسی تربیت جس کے ذریعے انسان اللہ تعالیٰ کا عبادت گزار بندہ بن جائے۔ اسی غرض کے لئے اسلام میں چند ایسی عبادتیں فرض کی گئی ہیں جو انسان کی پوری زندگی کو عبادت بنا دینے میں مددگار ثابت ہوتی ہیں انہیں شریعت کی اصطلاح میں ارکان دین یعنی دین کا ستون کہا گیا ہے۔ جس طرح ایک عمارت چند ستونوں پر قائم ہوتی ہے اسی طرح اسلامی زندگی کی عمارت بھی ان ستونوں پر قائم ہے۔ جو شخص ان ستونوں کو توڑے گا وہ اسلام کی عمارت کو گرا دے گا۔

یہ اسلامی فرائض (عبادات) چار ہیں۔

(۱) نماز (۲) روزہ
(۳) زکوٰۃ (۴) حج

(۱) نماز

یہ سب سے پہلا فرض ہے جو ہر مسلمان مرد و عورت (عاقل و بالغ) پر عائد کیا گیا ہے۔ یہ نماز کیا ہے؟ یہ دن میں پانچ مرتبہ اسی عہد کا اعادہ ہے جس کا اقرار ایک مسلمان اپنے ایمان میں کرتا ہے۔ صبح فجر طلوع ہونے سے لے کر رات سونے تک ایک مسلمان نماز کے ذریعے بار بار اللہ کے حضور حاضر ہو کر اپنی بندگی کے عہد کو تازہ کرتا ہے۔ نماز ہی وہ عمل ہے جو دن رات میں کم از کم پانچ دفعہ ایک مسلمان کے اسلام کی بنیاد کو مضبوط کرتی ہے اور اسے یاد دہانی کراتی ہے کہ وہ اللہ کا بندہ ہے اور اسے اس عہد کی بندگی کو ہر وقت یاد رکھنا اور اپنے ہر عمل میں اسے اختیار کرنا ہے۔ نماز کی اسی صفت کی بنا پر نماز کو قرآن کریم میں ذکر (یاد دہانی) قرار دیاگیا ہے ارشاد الٰہی ہے۔ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ اور میری یاد کے لئے نماز قائم کرو (سورہ طہٰ۔ ۱۴)

حضرات گرامی!

نماز کی یہ عبادت ایک بستی یا محلّہ کے لوگوں کو اجتماعی طور پر (باجماعت) ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس سے اس کے فوائد میں کئی گنا اضافہ ہو جاتا ہے۔ نماز کے چند اجتماعی فوائد یہ ہیں:

(۱) یہ مسلمانوں میں اتحاد اور برادری پیدا کرنے والی چیز ہے اور ان کو ملا کر ایک مضبوط جتھا اور جماعت بناتی ہے۔ جب وہ اس عبادت کو مل کر ادا کرتے ہیں۔ ایک ساتھ اٹھتے ہیں ایک ساتھ بیٹھتے ہیں اور ایک ساتھ اللہ کے حضور سجدہ ریز ہوتے ہیں تو

ان میں یہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ وہ سب بھائی بھائی ہیں

(۲) نماز مسلمانوں میں ایک سردار کی اطاعت کا جذبہ پیدا کرتی ہے اور ان کو باضابطہ اور منظم ہونے کا سبق دیتی ہے۔

(۳) نماز سے مسلمانوں میں ہمدردی' مساوات اور یگانگت پیدا ہوتی ہے۔ جب امیر و غریب' چھوٹے اور اعلیٰ عہدیدار سب ایک ساتھ کھڑے ہوتے ہیں تو ان میں اونچ نیچ کا فرق مٹ جاتا ہے۔

اس طرح نماز کا یہ فریضہ ایک مسلمان میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت و بندگی کا احساس بیدار رکھتا ہے اور مسلمانوں کو اجتماعی طور پر ایک منظم و مضبوط اور باہمی محبت و یگانگت رکھنے والا گروہ بن کر رہنے میں مدد و معاون ثابت ہوتا ہے۔ قرآن کریم اور حدیث نبوی میں نماز کے بے شمار فضائل و فوائد بیان کئے گئے ہیں جن سے عام طور پر ہر مسلمان آگاہ ہے۔

(۲) روزہ

یہ اسلام کا دوسرا بڑا رکن ہے۔ جس سبق کو نماز روزانہ پانچ وقت یاد دلاتی ہے اسے روزہ سال میں پورے ایک مہینہ تک ہر وقت یاد دلاتا ہے۔ رمضان کا مبارک مہینہ آتے ہی صبح سے شام تک مسلمان اپنا کھانا پینا بند کر دیتے ہیں۔ دن بھر انہیں کتنی ہی بھوک و پیاس کیوں نہ لگے وہ اپنا روزہ نہیں توڑتے۔ اور روزہ کی حالت میں وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی ہر نافرمانی سے اپنے آپ کو بچا کر رکھتے ہیں۔ اس ساری تکلیف و مشقت کی تہ میں اللہ تعالیٰ کا خوف اور اس کے حاضر و ناظر ہونے کا یقین اور آخرت کی زندگی اور اللہ تعالیٰ کی عدالت پر ایمان ہوتا ہے۔ روزہ صبر و مصائب کے مقابلہ کی مشق اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے مقابلہ میں خواہشات نفس کو روکنے اور دبانے کی طاقت کا نام ہے۔ سال بھر میں ایک مہینہ کی یہ تربیت انسان کو سچا اور پکا مسلمان بننے میں مدد دیتی ہے اور اس مشق کے ذریعے مسلمان اپنی پوری زندگی کو اللہ و رسول کی اطاعت میں گزارنے کی تربیت حاصل کرتے ہیں اور ان کے اندر یہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ بحیثیت مسلمان انہیں اپنی پوری زندگی میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہر قدم پر اور ہر عمل میں بجا لانی چاہئے۔

روزہ کی عبادت بھی نماز کی طرح اجتماعی طور پر ایک ہی مہینہ میں تمام مسلمانوں پر فرض کی گئی ہے جس کی وجہ سے اسلامی معاشرہ میں نیکی کا ایک عام ماحول پیدا ہو جاتا ہے۔ اور ہر شخص ذوق و شوق کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بندگی کرتا اور اس کی نافرمانی کا ارتکاب کرتے ہوئے شرماتا ہے اس عبادت کے ذریعے گویا سال میں ایک مرتبہ مسلم معاشرہ کی تطہیر ہو جاتی ہے اور اسلامی معاشرہ میں نیکی کے جذبات پروان چڑھتے ہیں اور برائی کے ارتکاب میں خاطر خواہ کمی واقع ہو جاتی ہے۔

(۳) زکواۃ

یہ اسلام کا تیسرا بڑا رکن ہے۔ اور ہر صاحب نصاب پر فرض ہے قرآن کریم میں زکواۃ کا ذکر عموماً نماز کے ساتھ کیا گیا ہے جس سے اس کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے۔ قرآن کریم میں جب ایک معیاری مومن کا تصور دلانا مقصود ہوتا ہے تو یہ ذکر ان کی نماز اور زکواۃ کی ادائیگی کے پہلو سے کیا جاتا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ

(ترجمہ) "جو لوگ ایمان لے آئیں اور نیک عمل کریں اور نماز قائم کریں اور زکواۃ دیں ان کا اجر ہے

شک ان کے رب کے پاس ہے"۔ (البقرہ ۲: ۲۷۷)

حضرات محترم!

وہ انسانی معاشرہ کبھی فلاح و بہبود سے ہمکنار نہیں ہو سکتا جس میں اقتصادی دولت کی تقسیم کا رواج ظالمانہ حد تک عدم مساوات پر مبنی ہو۔ جہاں دولت چند ہاتھوں میں جمع ہو گئی ہو۔ اکثریت دن بدن غریب سے غریب تر ہوتی جا رہی ہو۔ اس قسم کے معاشرے میں جہاں دولت مندوں کے دلوں میں قساوت و بے رحمی' خود غرضی و بخیلی گھر کر لیتی ہے۔ وہیں دوسری طرف معاشرہ کے نادار افراد میں بغض و کینہ اور حسد و عداوت کے امن سوز جذبات بھڑک اٹھتے ہیں اور آخر کار یہ بھڑکتی ہوئی آگ اس معاشرے کو بھسم کر کے رکھ دیتی ہے۔

اسلام کا نظام حیات جو ایک نظام فطرت ہے اور فلاح انسانیت کا ضامن ہے اس نے اس خطرے کے سدباب کے لئے اپنے نظام زکواۃ کو ایک نہایت ہی اہم رکن کی حیثیت دی ہے۔

زکواۃ کا مطلب یہ ہے کہ اسلامی حکومت مالدار مسلمانوں سے ان کی دولت کا ایک حصہ وصول کرے اور اس رقم کو معاشرے کے ضرورت مند افراد میں تقسیم کرے تاکہ دولت اس طرح گردش میں رہے اور اس گردشِ دولت سے معاشرہ کو اقتصادی استحکام نصیب ہو۔

زکواۃ حکومت کے عائد کردہ ٹیکسوں کی طرح کوئی ایک ٹیکس نہیں بلکہ اسلامی نظام حیات میں نماز' روزے کی طرح یہ بھی ایک فرض عبادت ہے جس کا اطلاق ہر صاحب حیثیت مسلمان پر ہوتا ہے۔ جو مسلمان زکواۃ ادا کرتا ہے وہ اس جذبے سے کرتا ہے کہ وہ اپنے رب کے حکم کی اطاعت کرتے ہوئے اپنی دولت کا ایک مقررہ حصہ معاشرے کی فلاح کے لئے دے رہا ہے۔ نہ وہ لینے والے پر احسان جتا سکتا ہے اور نہ اس سے توقع کر سکتا ہے کہ وہ اس کا دست نگر ہو کر رہے۔

زکواۃ ہر بالغ و عاقل مسلمان پر فرض ہے جو صاحب حیثیت ہو اور اس کا اطلاق ہر مال و دولت' نقدی سامانِ تجارت' مویشیوں یا چھوٹے چوپایوں' پھل اور دیگر زرعی پیداوار پر ہوتا ہے' بشرطیکہ ان کی مقدار ایک خاص حد یا نصاب سے زائد ہو اور وہ ادا کنندہ کی ملکیت میں مکمل ایک سال کا عرصہ رہے ہوں۔ سوائے زرعی پیداوار کے جس پر زکواۃ فصل کے موقع پر واجب الادا ہے۔ دین اسلام نے اس نصاب کی باقاعدہ حد مقرر کی ہے اور اس طرح مصارفِ زکواۃ اور مستحقین زکواۃ کی نشاندہی بھی کی گئی ہے۔

زکواۃ کے اہم فوائد و مقاصد!

کتاب و سنت میں زکواۃ کے تین اہم مقاصد و فوائد بیان کئے گئے ہیں۔

(۱) تزکیہ نفس (۲) امداد باہمی (۳) دین کی نصرت

(۱) تزکیہ نفس

زکواۃ کے لفظی معنی پاکیزگی اور نمو (بڑھوتری۔ اضافہ) کے ہیں۔ فریضۂ زکواۃ کا بنیادی اور اصل مقصد بھی یہی ہے کہ انسان کے دل اور نفس کا تزکیہ ہو جائے۔ یہ بات ہر شخص جانتا ہے کہ دنیا کی محبت ہی وہ چیز ہے جو انسان کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت

و فرمانبرداری سے روک دیتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "دنیا کی محبت تمام برائیوں کی جڑ ہے"۔ دنیا کی محبت مختلف شکلوں میں انسان کے دل میں پیدا ہوتی ہے۔ لیکن اس کی سب سے معروف اور خطرناک شکل مال کی محبت اور حرص ہے۔ اس لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں مال و دولت کے فتنے سے اپنی امت کو خبردار کیا ہے۔ آپؐ کا ارشاد ہے "میری امت کا (سب سے بڑا) فتنہ مال ہے"۔

زکواۃ کا ایک اہم مقصد یہ ہے کہ انسان کا دل مال و دولت کی حرص سے پاک ہو جائے اور اس کے اندر نیکی اور تقویٰ کے جذبات پروان چڑھیں اسی سلسلہ میں ارشاد الٰہی ہے

وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى ﴿١٧﴾ الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّى ﴿١٨﴾

(ترجمہ) اور اس (جہنم) سے دور رکھا جائے گا وہ نہایت پرہیزگار جو پاکیزہ ہونے کی خاطر اپنا مال دیتا ہے (الليل ۹۲: ۱۷، ۱۸)

(۲) امداد باہمی

زکواۃ کا دوسرا بڑا مقصد یہ ہے کہ اسلامی معاشرہ کے نادار افراد کی مدد کی جائے تاکہ ان کی بنیادی ضروریات بھی پوری ہوتی رہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ان اللّٰہ افترض علیھم صدقۃ توخذ من اغنیائھم فترد الی فقرائھم اللہ نے ان پر (اہل ایمان پر) زکواۃ فرض کی ہے کہ ان کے امراء سے لی جائے اور غرباء میں تقسیم کر دی جائے۔

اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ زکواۃ ایک فرض عبادت ہونے کے ساتھ ساتھ ایک معاشی پہلو بھی اپنے اندر رکھتی ہے۔ اس کے ذریعے سے اسلام نے معاشرہ کے نادار افراد کی کفالت کا بندوبست کیا ہے۔ اور اس سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ اسلام دین و دنیا کے امتزاج کا داعی ہے۔

(۳) دین کی نصرت

زکواۃ کا تیسرا اہم مقصد دین اسلام کی حفاظت و نصرت بھی ہے۔ قرآن کریم میں اہل ایمان سے جگہ جگہ یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ تم اللہ ہی کی راہ میں اپنی جانوں اور مالوں سے جہاد کرو۔ قرآن کریم میں ایک مقام پر اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا حکم اس طرح دیا گیا ہے۔

وَأَنفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ ۛ

(ترجمہ) "اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو" (البقرہ ۲: ۱۹۵)

اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ دین کی حفاظت و نصرت کے لئے مال خرچ کرنے سے جی چرانا ہلاکت مول لینا ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ واضح رہے کہ زکواۃ ادا کرنا تو ہر مالدار مسلمان پر فرض ہے یعنی قانونی طور پر ضروری ہے لیکن اہل ایمان کو اسلام کی اصل تلقین یہ ہے کہ وہ فی سبیل اللہ اپنے اموال خرچ کرنے میں صرف اسی قانونی حد پر ہی نہ اکتفا کر لیں بلکہ

رضاکارانہ طور پر حسب توفیق اور حسب ضرورت اللہ کی راہ میں اپنے مال خرچ کر کے اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور خوشنودی حاصل کریں اور اس احسان کا شکر ادا کریں جو اس نے مال و دولت کی صورت میں ان پر کیا ہے۔ اس رضاکارانہ خرچ کو قرآن کریم کی اصطلاح میں صدقہ یا انفاق فی سبیل اللہ کہا گیا ہے اور اہل ایمان کی یہ صفت بتائی گئی ہے کہ وہ اپنے مال اللہ کی راہ میں خوشی خوشی خرچ کرتے ہیں۔ ارشاد الٰہی ہے۔

وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝۳

(ترجمہ) اور وہ (متقی لوگ) جو رزق ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں (البقرہ ۲:۳)

(۴) حج

اسلام کسی خاص ملک و قوم یا کسی خاص نسلی اور لسانی گروہ کا دین نہیں بلکہ یہ ایک بین الاقوامی اور عالمگیر نظام کا داعی ہے۔ اس لئے ضروری تھا کہ کسی ایسے ادارہ کا انتظام کیا جائے جس کے ذریعہ تمام روئے زمین کے وہ انسان جو اس دین فطرت پر ایمان رکھتے ہوں ایک سلسلہ میں منسلک ہو جائیں۔ حج کی تقریب اسی ضرورت کو پورا کرتی ہے۔

حج اسلامی برادری کا ایک عالمگیر سالانہ اجتماع ہے جو مکہ مکرمہ میں منعقد ہوتا ہے۔ اس تقریب میں شرکت ہر اس مسلمان پر فرض ہے جس میں اتنی طاقت اور مالی استطاعت ہو کہ وہ اس تقریب میں شرکت کے اخراجات برداشت کر سکے۔ جونہی حج کا موسم آتا ہے۔ ہر اسلامی بستی اور دنیا کے ہر ملک سے اسلامی نظام حیات کے پیروکار اپنے رب کے گھر کی زیارت کے لئے گھروں سے نکل پڑتے ہیں۔ یہ سفر کسی دنیاوی فائدے یا سیرو تفریح کی خاطر اختیار نہیں کیا جاتا بلکہ صرف اپنے مالک و مولا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے کیا جاتا ہے۔

کتنا روح پرور اور ایمان افروز منظر ہوتا ہے جب مختلف رنگ و نسل اور مختلف خطہ ہائے زمین سے تعلق رکھنے والے افراد ایک ہی لباس اور ایک ہی انداز میں عجز و انکساری کا اظہار کرتے ہوئے اپنے شہنشاہ حقیقی کے دربار میں حاضر ہوتے ہیں۔ اس طرح یہ تقریب معاشرہ کے اسلامی افراد میں بین الاقوامیت اور عالمگیریت کا احساس پیدا کرتی ہے اور ہر قسم کے نسلی مدنی و ملی اور قومی تعصبات کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکتی ہے۔

حج کی فرضیت ہر صاحب استطاعت پر ہے اس کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ۭ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝۹۷

(ترجمہ) "لوگوں پر اللہ کا حق ہے کہ جو اس گھر تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو وہ اس کا حج کرے' اور جو کوئی اس حکم کی پیروی سے انکار کرے تو اسے معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ تمام دنیا والوں سے بے نیاز ہے"۔ (آل عمران ۳ : ۹۷)

حج کی فضیلت و اہمیت کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بے شمار مقامات پر احکامات دیئے ہیں۔ ابوہریرہؓ آنحضرتؐ سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

سمعت رسول اللہ یقول من حج للہ فلم یرفث ولم یفسق رجع کیوم ولدتہ امہ
میں نے رسول اللہؐ کو یہ فرماتے سنا کہ آپؐ فرماتے ہیں۔ جو شخص اللہ کے لئے حج کرے پھر کوئی فحش بات نہ کرے اور نہ گناہ کرے تو وہ گناہوں سے ایسا پاک و صاف ہو کر لوٹے گا جیسے اس دن تھا جس دن اس کی ماں نے جنا تھا۔ حضرت ابو ہریرہؓ ہی آپؐ کا یہ فرمان روایت کرتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہؐ نے:

الحاج والعمار وفد اللہ ان دعوہ اجابھم و ان استغفروہ غفر لہ
حج اور عمرہ کرنے والے اللہ کے مہمان ہیں اگر دعا مانگتے ہیں تو اللہ ان کی دعا قبول کرتا ہے اور اگر مغفرت چاہتے ہیں تو وہ ان کو بخش دیتا ہے۔

حج ایک جامع عبادت ہے:۔

حضرات گرامی!

حج کے مناسک پر غور کرنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ کہنے کو تو یہ عبادت ہے لیکن فی الواقع اس میں ہر عبادت اور ہر عمل خیر کی روح موجود ہے۔ مثلاً"

وہ نماز بھی ہے اس لئے (ا) نماز کی حقیقت ذکر یا یاددہانی ہے اور حج میں آدمی مسلسل زبان سے "لبیک الھم لبیک" "حاضر ہوں میں اے اللہ حاضر ہوں" کا ذکر کرتا رہتا ہے اور ان مقامات کی زیارت کرتا ہے جو اس کے احساس عبدیت کو ابھارتی ہیں۔

(۲) وہ روزہ بھی ہے اس لئے کہ اس میں جنسی خواہشات اور زیب و زینت وغیرہ پر بہت سی پابندیاں عائد ہو جاتی ہیں اس طرح نفس کی خواہشوں پر قابو پانے کی مشق جس طرح روزے میں ہوتی ہے اسی طرح حج میں بھی ہوتی ہے۔

(۳) وہ زکواۃ بھی ہے اس لئے کہ اس میں مال کی خاصی مقدار سفر خرچ اور دیگر ضروریات پر صرف کرنی پڑتی ہے اور زکواۃ کی حقیقت بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے اپنا مال صرف کیا جائے۔

حضرات محترم!

اسلامی عبادات کے انفرادی اور اجتماعی فوائد پر غور کرنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ان عبادات کی فرضیت کا اصل مقصد اسلام کا انسان مطلوب تیار کرنا ہے۔ ان عبادات کے ذریعہ انسان کی سیرت و کردار کی تعمیر بھی ہوتی ہے اور اس کی روحانی ترقی اور اخلاقی بالیدگی کی راہ بھی ہموار ہوتی ہے۔ ان عبادات سے انسان اپنے نفس کا تزکیہ کرکے ایک متقی اور باعمل مسلمان بن سکتا ہے۔ اس طرح یہ عبادات انسان کے انفرادی اور اجتماعی کردار کی تشکیل کرکے اسے معاشرہ کا بہترین فرد بننے میں ممد و معاون ثابت ہوتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ان عبادات کو ان کی صحیح روح کے ساتھ ادا کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین!

و اخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیغام رسالت

خطبہ مسنونہ:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَهْلِ بَيْتِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ:

اما بعد! اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا

(ترجمہ) "آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لئے مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور تمہارے لئے اسلام کو تمہارے دین کی حیثیت سے قبول کر لیا ہے"۔ (المائدہ ۵:۳)

حضرات گرامی!

قانون الٰہی اور سنت اللہ یہی ہے کہ جب ایک قوم گمراہی کے اندھیرے میں بھٹکنے لگتی ہے اللہ اور اس کی نازل کردہ تعلیمات سے منہ پھیر لیتی ہے تو اللہ تعالیٰ اتمام حجت کے لئے ان کی ہدایت کا انتظام کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک میں ہے وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ کوئی بستی ایسی نہیں جس میں اللہ کا بھیجا ہوا ڈرانے والا نہ آیا ہو۔ وہ ڈرانے والا

صرف ڈرانے کا کام نہیں کرتا بلکہ وہ اس قوم کے لئے زندگی کا ضابطہ بھی پیش کرتا ہے جو ان کی دنیاوی اور اخروی بھلائی پر مشتمل ہوتا ہے اور واضح الفاظ میں بار بار اعلان کرتا ہے کہ یہ اللہ کا بتایا ہوا راستہ ہے اگر اس پر گامزن رہو تو کامیابی سے ہمکنار ہو گے ورنہ دنیا اور آخرت دونوں میں ناکامی کا سامنا ہو گا اور خصوصی طور پر آخرت میں شدید عذاب میں مبتلا ہو گے۔

اللہ کا بھیجا ہوا رسول ان کو جو پیغام' زندگی گذارنے کے لئے دیتا ہے اس کو پیغام رسالت کہتے ہیں۔ اس پیغام میں عقائد کی درستی' اعمال کی اصلاح' عمل صالح کی پختہ عادت ڈالنے اور انسانوں کے آپس کے معاملات اسلامی اور فطری قانون کے مطابق نمٹانے کی رہنمائی ہوتی ہے۔ زندگی کے تمام شعبوں مثلاً" تجارت' زراعت' ملازمت ہر قسم کا پیشہ اختیار کرنے اور تمام احوال و کیفیات زندگی کے لئے ہدایت اس پیغام میں موجود ہوتی ہے گویا ایک مکمل نظام حیات اس پیغام رسالت کی شکل میں جھلکتا نظر آتا ہے۔

حضرات! شروع میں جو آیت تلاوت کی گئی یہ آیت حجۃ الوداع کے موقع پر نازل ہوئی' جس کے مطابق اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جس آخری پیغام' جامع منشور حیات اور کامل دین کے ساتھ بھیجا تھا وہ مقصد پورا ہو گیا۔ مگر آپ' کا لایا ہوا پیغام ہدایت ہماری راہنمائی کے لئے موجود ہے۔ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو دوام حاصل ہے اس لئے آپ' کا پیغام بھی عالمی ہے' پوری نوع انسانی کے لئے ہے' قیامت تک کے لئے ہے اور ہر شعبہ پر محیط ہے۔ یہ پیغام اپنی طوالت اور تفصیل کے باوجود اجمالی طور پر سات حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ یعنی

(۱) ایمانیات (۲) عبادات (۳) مناکحات (۴) معاملات (۵) تعزیرات (۶) اخلاق (۷) عمومی رہنما اصول

جہاں تک ایمانیات کا تعلق ہے اس سلسلے میں سورہ بقرہ میں ارشاد ہوا:

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۭ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۣ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۣ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ڭ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۝

(ترجمہ) "رسول اس ہدایت پر ایمان لایا ہے جو اس کے رب کی طرف سے اس پر نازل ہوئی ہے۔ اور جو لوگ اس رسول کے ماننے والے ہیں' انہوں نے بھی اس ہدایت کو دل سے تسلیم کر لیاہے۔ یہ سب اللہ اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں کو مانتے ہیں اور ان کا قول یہ ہے کہ ہم اللہ کے رسولوں کو' ایک دوسرے سے الگ نہیں کرتے' ہم نے حکم سنا اور اطاعت قبول کی۔ مالک' ہم تجھ سے خطا بخشی کے طالب ہیں اور ہمیں تیری ہی طرف پلٹنا ہے"۔ (سورۃالبقرۃ ۲:۲۸۵)

اس آیت کے مطابق ایمان یا اسلام کے پانچ بنیادی عقائد ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کو وحدہ لاشریک ماننا' فرشتوں کو اس کی فرماں بردار مخلوق تسلیم کرنا' اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی کتابوں کو ماننا' اس کے تمام رسولوں کو بلا استثناء تسلیم کرنا اور یوم قیامت پر یقین رکھنا۔ ان بنیادی عقائد کو قبول کرنے کے بعد ہر صاحب ایمان پر یہ لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو حکم پہنچے اس کے سامنے سر تسلیم خم کر دے۔

"ایمان باللہ" اسلامی عقائد کی وہ بنیاد ہے جس پر پوری حیات انسانی کی عمارت استوار ہوئی ہے جب خالق و مالک وہی ہے' معبود و مسجود وہی ہے رازق و حاکم وہی ہے اور پوری کائنات اسی کے دائرہ تصرف میں ہے تو اسی کی اطاعت بھی ہونی چاہئے۔

"ایمان بالملائکہ" درحقیقت غیب پر ایمان لانا ہے' کیونکہ ملائکہ کا ادراک اور ان تک رسائی حتمی طور پر ہدایت ربانی کے بغیر ممکن نہیں۔ اس لئے مومن کو اس بات پر اقرار کرنا پڑتا ہے کہ ملائکہ ربانی پیغام کو اس کے رسولوں تک پوری حفاظت و دیانت کے ساتھ پہنچاتے ہیں اور مختلف امور کو فرمان الٰہی کے مطابق سرانجام دیتے ہیں۔

"ایمان بالرسل اور ایمان بالکتب" سے مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وہ پیغام جو براہ راست یا فرشتوں کے ذریعے اس کے برگزیدہ رسولوں تک پہنچا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتب میں نوع انسانی کی ہدایت کے لئے موجود ہے۔ قرآن کریم چونکہ ان صحائف آسمانی میں سب سے آخری صحیفہ ہے اور اپنے روح و جوہر اور متن کے لحاظ سے بالکل صحیح صورت میں قائم ہے اس لئے اس پر پختہ یقین ضروری ہے۔

ان عقائد کا منطقی طور پر یہ تقاضا ہے کہ مومن بلا تامل اپنے خالق حقیقی کے ہر حکم پر لبیک کہے اور خندہ پیشانی کے ساتھ اس کی تعمیل کرے۔ پوری زندگی کو اوامر و نواہی کے تقاضوں کے مطابق ڈھال لے۔ خواہ نظام معاشرت ہو یا نظام معیشت' نظام تعلیم و تربیت ہو یا نظام اخلاق و قانون ہو۔

"ایمان بالیوم الآخر" کا تقاضا ہے کہ انسان کے حسن عمل پر جزاء اور انعام اور انحراف پر سزا اور عقوبت دی جائے۔ آخرت کا تصور چونکہ انسان کے اندر مسئولیت اور جواب دہی کے احساس کو ابھارتا ہے اس لئے اس سے احساس ذمہ داری پیدا ہوتا ہے۔ تصور عدل اجاگر ہوتا ہے۔ انسانی ضمیر کو بیدار رکھنے میں مدد دیتا ہے اور انسان کو اطاعت الٰہی کی طرف مائل کرتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موثر اور فکری پہلو کے بعد انسان کی عملی زندگی کے لئے سب سے پہلے نظام العبادات کا پیغام دیا ہے جسے عرف عام میں نماز' روزہ' حج اور زکوٰۃ کی مالی' بدنی اور روحانی عبادات کا نام دیا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ شہادت توحید و رسالت کے ذریعہ سے پوری انسانی زندگی کے جملہ امور میں اسلام کی سربلندی اور سرفرازی کو ملحوظ رکھنے کی تلقین کی گئی۔ یہ عبادات گویا عملی تربیت کا ذریعہ بنتی ہیں جس سے ایک طرف بندہ مومن اپنے آقا و مالک سے اپنی بندگی کے رشتے کو استوار رکھتا ہے تو دوسری طرف زندگی کے تمام شعبوں میں اللہ تعالیٰ کے احکام کو نافذ کرنے کی تحریک پاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں ارکان اسلام اور نظام العبادات سے روحانی اور اخلاقی فوائد کے ساتھ ساتھ بے شمار معاشرتی' معاشی' سیاسی اور ملی فوائد حاصل ہوتے ہیں جو حیات انسانی پر گہرے اثرات مرتب کرتے ہیں اور انسانی کردار کو نکھارتے ہیں۔

پیغام رسالت کے ان دونوں پہلوؤں..... ایمانیات اور عبادات کا انسانی اعمال پر گہرا اثر پڑتا ہے۔ عقیدہ توحید اور عمل صلوٰۃ ایک طرف انسان کو برائیوں سے روکتے ہیں تو دوسری طرف در در کی سجدہ ریزی سے منع کرتے ہیں اور قلوب و اذہان میں خوف الٰہی پیدا کر کے انسانی زندگی کو متوازی بناتے ہیں۔ عقیدہ رسالت کی وجہ سے انسانوں میں باہمی محبت و اخوت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ جبکہ عقیدہ آخرت اور دوسری عبادات' اعلیٰ اخلاق پیدا کرتی ہیں جن کی وجہ سے ایک صالح معاشرہ وجود میں آتا ہے۔

پیغام رسالت کی تیسری کڑی "مناکحات" ہے یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس سے انکار ممکن نہیں انسانی تمدن کا سنگ بنیاد "نکاح" ہے اس سے ایک خاندان وجود میں آتا ہے۔ خاندانوں پر مشتمل قبیلہ بنتا ہے' قبائل سے قوم اور اقوام سے انسانی معاشرہ تشکیل پاتا ہے۔ گویا نسل انسانی کی بقا اور نشو و نما اس ادارہ کی وجہ سے قائم ہے اس کی اہمیت اجاگر کرنے کے لئے حضور

صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد صحیحین میں موجود ہے۔

یا معشر الشباب من استطاع منکم الباءۃ فلیتزوج۔ فانہ اغض للبصر و احصن للفرج و من لم یستطع فعلیہ بالصوم' فانہ لہ وجاء

یعنی اے جوانوں کے گروہ تم میں سے جو بھی نکاح کی استطاعت رکھتا ہو تو وہ ضرور نکاح کرے کیونکہ نکاح نگاہوں کو جھکانے والا ہے اور عزت و ناموس کی حفاظت کے لئے بمنزلہ قلعہ ہے اور جو استطاعت نہ رکھے تو اسے چاہئے کہ وہ روزہ رکھے کیونکہ روزہ اس سلسلے میں ڈھال ہے۔

چونکہ نکاح کی خوشگواری پر خاندان کا استحکام اور خاندانوں کے استحکام پر انسانی معاشرے کا استحکام ہے' اس لئے دین فطرت اسلام میں عائلی اور خاندانی زندگی کو سازگار اور خوشگوار بنانے کے لئے متعدد آداب اور احکام بیان کئے گئے ہیں۔

نیز قرآن حکیم اور صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات گرامی میں عائلی زندگی کے مختلف پہلوؤں کے بارے میں صراحت اور وضاحت سے کام لیا گیا ہے۔ یہی نہیں بلکہ آپؐ کی ازدواجی زندگی کا پورا نقشہ ہمارے سامنے ہے جو آپؐ کے ماننے والوں سے اس بات کا متقاضی ہے کہ آپؐ کے اسوہ حسنہ پر عمل کرتے ہوئے اپنی عائلی زندگی کو خوشگوار بنایا جائے تاکہ اسلامی معاشرہ صحیح خد و خال پر قائم و دائم رہے۔

پیغام رسالت کا ایک اور اہم پہلو "معاملات" ہیں۔ یہ ناقابل تردید حقیقت ہے کہ انسانی تمدن اور معاشرت کا مدار افراد کے باہمی تعاون پر ہوتا ہے اور ماہرین عمرانیات کا یہ کہنا ہے کہ انسان مدنی الطبع ہے' اس لئے زندگی کے مختلف شعبوں میں ایک فرد کسی نہ کسی معاملے میں دوسرے کی مدد کی احتیاج رکھتا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ خالق حقیقی نے اپنی حکمت بالغہ سے مختلف لوگوں کو مختلف قسم کی ذہنی اور جسمانی صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ اس لئے حسن معاشرت کے لئے افراد کو لازماً" ایک دوسرے سے تعاون کی ضرورت ناگزیر طور پر پیش آتی ہے اس لئے کارگہ دہر میں قائدانہ صلاحیت ہوتی ہے تو دوسرا احکام کی تعمیل میں مستعد ہوتا ہے۔ صنعت' تجارت' ملازمت' زراعت غرضیکہ زندگی کا دائرہ جہاں تک وسیع ہوتا جائے۔ مثلاً" بین الاقوامی معاہدے' دوسرے مذاہب کے ماننے والوں سے سلوک ان سب معاملات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رہنما اصول دیئے ہیں۔ جو حقوق العباد کے ضمن میں آتے ہیں۔

یہ حقوق صرف مسلمانوں یا ہم وطن شہریوں تک ہی محدود نہیں بلکہ اسلامی معاشرے میں رہنے بسنے والے غیر مسلم حتی کہ بین الاقوامی سطح پر تمام انسان اس زمرے میں آتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلقات ہر سطح کے انسانی گروہوں کے ساتھ قائم ہوئے۔ مثلاً" یہود مکہ و خیبر' نجران کے عیسائی اور ریاست مدینہ سے ملحقہ حکومتیں۔ حیرہ'غسان' ایران' مصر اور شام وغیرہ کے ساتھ آپؐ نے سفارتی تعلقات بھی قائم کئے اور ان کی معاندانہ روش کی وجہ سے جنگ کی صورتحال بھی پیدا ہوئی۔ بنیادی طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام انسانی برادری کو صلح و امن کا پیغام دیا' لیکن مخاصمانہ اور جارحانہ عزائم کی صورت میں ان سے جنگ بھی کی۔ اس پیغام کا مطلب یہ ہے کہ اسلام غیر مسلموں کے ساتھ معاملات و تعلقات کے لئے بھی لائحہ عمل مرتب کرتا ہے جس کی روشنی میں ہم بیرونی دنیا سے بھی اپنے تعلقات استوار کر سکتے ہیں۔

پیغام رسالت کا ایک انتہائی اہم پہلو "اخلاق" ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل انسانی معاشرے کی اخلاقی حالت نہایت پست تھی حالانکہ اس زمانے میں وہ قومیں بھی آباد تھیں جو خود کو نہایت مہذب اور متمدن سمجھتی تھیں۔ ان میں معلمین اخلاق ہونے کے دعویدار بھی گزر چکے تھے۔ لیکن اس کے باوجود انسانی معاشرہ مختلف طبقات میں بٹا ہوا تھا جن میں سب

سے کمتر طبقہ کے افراد کی حالت نہایت ناگفتہ بہ تھی۔ ان کے لئے نہ کوئی اخلاق ضابطہ تھا نہ قانون۔ اعلیٰ طبقے کے لوگ بڑے بڑے جرائم کے مرتکب ہوتے تھے۔ خدا ترسی' عدل و انصاف جیسی اقدار مفقود تھیں۔ جب حضورؐ تشریف لائے تو آپؐ نے اپنی بعثت کا مقصد ہی مکارم اخلاق کی تکمیل بتایا:

بعثت لاتمم مکارم الاخلاق

خود قرآن کریم میں آپؐ کے بارے میں فرمایا گیا:

وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ ۝

(ترجمہ) اور بے شک تم اخلاق کے بڑے مرتبے پر ہو۔ (القلم ۶۸:۴)

آپؐ کی حیات طیبہ کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ عرب کے معاشرہ جاہلی میں جب اخلاق حسنہ کے بارے میں لوگ جانتے تک نہ تھے۔ آپؐ کو امین و صادق کے القابات سے نوازا گیا۔ اعلان نبوت کے بعد آپؐ کے اخلاقی جوہر روشن سے روشن تر ہو گئے۔ عدل' کظم الغیظ' عفو' احسان' رحم و کرم' ایفائے عہد' خوش گفتاری' قناعت' توکل' صبر' رضا وغیرہ جملہ اخلاق حسنہ سے آراستہ تھے۔ اور آپؐ کی سیرت پاک میں اوصاف اخلاق پورے طور پر تابناک نظر آتے ہیں۔ آپؐ کے پیغام رسالت اور فیضان نبوت ہی کا یہ خوشگوار اثر تاریخ کے اوراق میں ثبت ہے کہ درندہ صفات انسان فرشتہ سیرت بن گئے اور آپؐ کے صحابہ کرامؓ ساری دنیا کو اخلاق کا درس دیتے رہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور مدینہ منورہ میں جب ایک ریاست اسلامی وجود میں آئی تو آپؐ نے اسلامی معاشرے کے لئے ایسے قوانین نافذ فرمائے جن کے نفاذ سے صدر اسلام کا معاشرہ دنیا کے تمام ادوار کے معاشروں کے مقابلے میں بے مثال نظر آتا ہے۔ آپؐ کے پیغام اور تعلیمات کے مطابق مجرم کو سزا دینا اس کے اپنے حق میں بھی بہتر ہے اور معاشرے کے افراد کے لئے بھی رحمت ہے۔ ورنہ بربریت اور درندگی جنم لیتی ہے۔ اسی لئے قصاص کی اہمیت کو یوں اجاگر کیا گیا:

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝

(ترجمہ) عقل و خرد رکھنے والو' تمہارے لئے قصاص میں زندگی ہے' امید ہے کہ تم اس قانون کی خلاف ورزی سے پرہیز کرو گے۔ (البقرہ ۱۷۹:۲)

قرآن کریم میں دوسری جگہ تورات کے حوالے سے قصاص کے واضح احکام بیان کئے گئے ہیں۔

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنْفَ بِالْأَنْفِ
وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ

(ترجمہ) تورات میں ہم نے یہودیوں پر یہ حکم لکھ دیا تھا کہ جان کے بدلے جان' آنکھ کے بدلے آنکھ' ناک کے بدلے ناک' کان کے بدلے کان' دانت کے بدلے دانت' اور تمام زخموں کے لئے برابر کا بدلہ ہے۔ (المائدہ ۴۵:۵)

اور اسے قرآن میں عدل کہا گیا ہے یعنی ایک برائی کے مثل برائی عدل ہے۔ (السَّيِّئَةِ بِالسَّيِّئَةِ)(عدل) قرآن کریم

میں سنگین جرائم، چوری، ڈاکہ، زنا اور قذف کے لئے بھی سزائیں مقرر کی گئی ہیں۔ جو حدود کے زمرے میں آتی ہیں۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ مجرم کی اصلاح ہو اور عام لوگ اس سے عبرت حاصل کریں تاکہ معاشرے میں اصلاح ہو۔

ان کے علاوہ دیگر جرائم اور شرعی و قانونی خلاف ورزیوں پر اسلامی حکومت کے مقرر کردہ قاضی و منصف اپنی صوابدید کے مطابق سزائیں دے سکتے ہیں۔ جنہیں تعزیرات کہا جاتا ہے۔ گویا حدود و تعزیرات کا نظام، اخلاقی قدروں کو پامال ہونے سے بچانے اور جرائم کی روک تھام کے لئے نافذ کیا گیا۔

آخر میں پیغام رسالت میں سے چند انتہائی اہم اور عمومی رہنما اصولوں کا تذکرہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔ ان میں سے ایک اہم اصول اخوت ہے کہ تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں جس کا عملی مظاہرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت مدینہ کے فوراً بعد "مواخاۃ" کے ذریعے کیا۔ اور قرآن کریم میں ارشاد ہوا:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا۔

(ترجمہ) سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور تفرقہ میں نہ پڑو (آل عمران ۳:۱۰۳)

یعنی آپس میں اتفاق و اتحاد سے رہو۔ پیغام رسالت کا دوسرا عمومی اصول "مساوات" ہے اور قرآن کے حوالے سے حجتہ الوداع کے خطبے میں فرمایا۔ لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہیں قبائل و شعوب میں بانٹ دیا تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو بے شک اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محترم وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے نیز آپؐ نے فرمایا کہ تم سب آدمؑ کی اولاد ہو اور خالق کی نگاہ میں برابر ہو۔ کسی گورے کو کالے پر اور کسی عربی کو عجمی پر فضیلت نہیں۔

تیسرا اہم اصول عدل و انصاف کا قیام ہے:

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ

(ترجمہ) اللہ عدل اور احسان اور صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے اور بدی و بے حیائی اور ظلم و زیادتی سے منع کرتا ہے۔ (النحل ۱۶:۹۰)

یہ ایک روشن حقیقت ہے کہ حضور علیہ السلام کے پیغام رسالت میں اتنی جامعیت اور کاملیت ہے کہ زندگی کے ہر شعبہ اور ہر موڑ پر زریں اصول عطا کئے گئے ہیں۔ بے شک:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

(ترجمہ) درحقیقت تم لوگوں کے لئے اللہ کے رسولؐ میں ایک بہترین نمونہ ہے۔ (الاحزاب ۳۳:۲۱)

یقیناً تم لوگوں کے لئے اللہ کے رسول میں ایک بہترین نمونہ ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رحمتہ للعالمین

خطبہ مسنونہ:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰٓى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَهْلِ بَيْتِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ:

اَمَّا بَعْد! اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿١٠٧﴾

(ترجمہ) اے نبی! ہم نے تو تم کو دنیا والوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ (الانبیاء ۲۱:۱۰۷)

حضرات گرامی!

یہ آیت کریمہ اپنے معانی و مفاہیم کی رو سے اتنی جامع ہے کہ اس میں نبوت و رسالت کے علاوہ تشریع و عقائد کے بہت سے اہم نکات بھی آ گئے ہیں۔ اس میں رحمت کا تذکرہ رسالت و نبوت کے تعلق سے بھی ہے۔ اور رحمت کی عالمگیریت اور آفاقیت کا بیان بھی ہے۔ "رحمت" عربی زبان کا لفظ ہے جس کے بنیادی معنی نرم دلی اور محبت ہیں۔ اس کے اضافی معانی بھی بے شمار ہیں۔ بعض ماہرین لسانیات نے اس کے لغوی معنی رحم مادر سے اخذ کئے ہیں جس کی وجہ سے رحمت کے ایک معنی صلہ رحمی یعنی عزیزوں اور رشتہ داروں سے تعلق اور نیکی کے بھی بیان ہوئے ہیں۔ گویا رحمت دراصل اس جذبے اور احساس کا اظہار ہے

جو اپنی انتہائی شکل میں ماں اور بچے کے تعلق میں نظر آتا ہے۔ اسی جذبہ کے تحت انسان دوسرے کی تکلیف دکھ اور درد پر تڑپ اٹھتا ہے۔ جو رحم دلی اور ہمدردی پر منتج ہوتا ہے اسی رعایت سے لغت عرب میں رحمت کا لفظ اصطلاحی طور پر کئی ایسے معنوں میں استعمال ہوتا ہے جن میں یہ مفہوم پایا جاتا ہو قرآن کریم میں رحمت کالفظ مغفرت اور بخشش کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے اور لطف و احسان کے معنوں میں بھی۔ قرآن نے رزق' نبوت' ہدایت اور علم وغیرہ کو بھی "رحمت" کے نام سے پکارا ہے۔ قرآن مجید خود رحمت ہے بقول امام راغب' رحمت ایسی نرمی اور رقت کو کہتے ہیں جس سے کسی دوسرے کے لئے احسان اور شفقت کے جذبات پیدا ہوں۔ ان تصریحات کو سامنے رکھتے ہوئے زیر بحث آیت پر غور کریں تو بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس جگہ لفظ "رحمت" اپنے معانی کے دونوں پہلوؤں کے ساتھ استعمال ہوا ہے۔ چونکہ حضورؐ کو اللہ تعالیٰ نے رحمت کا لقب عطا فرمایا' اس لئے اللہ تعالیٰ کی صفات احسان و لطف آپؐ کی ذات گرامی میں اپنے مکمل معانی کے ساتھ جلوہ گر ہیں۔ نیز نرم دلی' محبت' شفقت اور اسی قسم کے دوسرے رحیمانہ اور کریمانہ اوصاف آپؐ کی سیرت طیبہ کا خاصا ہیں۔ جو آپؐ کے خلق عظیم کی نشاندہی کرتے ہیں۔ اب لفظ "رحمت" کو اس آیت کے سیاق و سباق کے ساتھ بغور دیکھیں تو رسول اللہؐ کی صفت "رحمت للعالمین" اللہ تعالیٰ کی صفت "رب العالمین" کی طرح تمام کائنات کے تمام طبقات پر محیط ہے خواہ ان کا تعلق عالم جنات سے ہو یا عالم ملکوت سے' عالم حیوانات سے ہو۔ یا عالم نباتات سے' یا پھر انسانوں میں خواہ ان کا تعلق اسلام سے ہے یا کسی اور مذہب مسلک یا کیش سے نہیں۔ علمائے تفسیر کے ہاں اگرچہ اس بات پر اختلاف رہا ہے کہ آیا آپ کی ذات کریمانہ روئے زمین کے تمام انسانوں کے لئے بلا استثناء رحمت ہے یا نہیں اس بحث میں پڑنے کی ضرورت اس لئے نہیں کہ جب ہم اللہ تعالیٰ کی صفت ربوبیت کا اطلاق سب جہانوں اور انسانوں پر یکساں دیکھتے ہیں تو پھر حضور علیہ السلام کی صفت رحمت میں عمومیت کیوں نہیں ہے اس ضمن میں حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی توجیہہ بھی پیش کی جا سکتی ہے جو فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو رحمت بنا کر مبعوث کیا تو اس میں مومن بھی شامل ہیں اور کافر بھی۔ مومنوں کے لئے رحمت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ انہیں آپؐ کے ذریعے صراط مستقیم نصیب ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ نازل ہوا اس پر ایمان اور عمل کی وجہ سے جنت کا استحقاق میسر ہوا۔ جبکہ کافروں کے لئے رحمت ہونے کا مطلب ہے کہ ان پر سے وہ عذاب ہٹا دیتے ہیں جو آپؐ سے قبل امتوں پر ان کے رسولوں کو جھٹلانے پر مسلط ہوتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿١٦٤﴾

(ترجمہ) "درحقیقت اہل ایمان پر تو اللہ نے یہ بہت بڑا احسان کیا ہے کہ ان کے درمیان خود ان ہی میں سے ایک ایسا پیغمبر اٹھایا جو اس کی آیات انہیں سناتا ہے' ان کی زندگیوں کو سنوارتا ہے اور ان کو کتاب اور دانائی کی تعلیم دیتا ہے حالانکہ اس سے پہلے یہی لوگ صریح سے گمراہیوں میں پڑے ہوئے تھے۔

(آل عمران ۳:۱۶۴)

باالفاظ دیگر رسول رحمت کا وجود مومنوں کے لئے احسان عظیم ہے اس لئے کہ ایمان لانے سے قبل وہ کھلی گمراہی میں تھے۔ گویا کہ یہ احسان کافروں کے لئے نہیں۔ کیونکہ وہ گمراہی سے باز نہیں آئے۔ البتہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ رحمت میں ضرور ہیں کہ ان پر امم سابقہ کی طرح آزمائشیں اور عذاب نہیں بھیجے گئے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت رحمت کے جملہ پہلوؤں کو دیکھنا ہو تو آپؐ کی سیرت طیبہ کا مطالعہ کیجئے۔ ایک صاحب نے آپؐ سے کسی پر بددعا کرنے کی درخواست کی تو آپؐ نے غضبناک ہو کر فرمایا۔ میں دنیا میں لعنت کے لئے نہیں رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں اس لئے آپؐ نے اپنے ماننے والوں کو یہ تعلیم دی کہ ایک دوسرے پر بغض و حسد نہ کرو' ایک دوسرے سے منہ نہ پھیرو اور اے خدا کے بندو! آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ۔ ایک اور حدیث میں حکم فرمایا! لوگوں کے لئے وہی چاہو جو اپنے لئے چاہتے ہو۔ تب مسلمان ہو گے۔

حضرت انسؓ بن مالک سے مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ لوگوں کے لئے وہی محبوب نہ رکھے جو اپنے لئے رکھتا ہو جب تک وہ دوسرں سے بے غرض صرف خدا کے لئے پیار نہ کرے۔ ایک شخص مسجد نبویؐ میں داخل ہوا اور اس نے دعا مانگی! خدایا (مجھ کو اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو مغفرت عطا فرما۔ آپؐ نے فرمایا خدا کی رحمت کو تم نے تنگ کر دیا۔ ایک اور روایت ہے کہ ایک اعرابی مسجد نبوی میں آیا اور آپؐ کے پیچھے نماز پڑھی۔ اپنے اونٹ پر سوار ہوا اور بولا خداوندا! مجھ پر اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر رحمت بھیج اور ہماری رحمت میں کسی اور کو شریک نہ کر' آپؐ نے صحابہؓ کو خطاب کر کے فرمایا بتاؤ یہ زیادہ بھولا ہوا ہے یا اس کا اونٹ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہایت درجہ رحیم اور رقیق القلب تھے۔ حضرت زینبؓ کا بچہ مرنے لگا تو انہوں نے حضور علیہ السلام کو بلا بھیجا' آپؐ تشریف لے گئے' حضرت سعد بن عبادہؓ معاذ بن جبلؓ ابی ابن کعبؓ زید بن ثابتؓ بھی ساتھ تھے' لوگ بچے کو ہاتھ میں لے کر سامنے آئے تو وہ دم توڑ رہا تھا۔ بے اختیار آپؐ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے حضرت سعدؓ کو تعجب ہوا کہ یا رسول اللہ یہ کیا؟ آپؐ نے فرمایا خدا ان بندوں پر ہی رحم کرتا ہے جو اوروں پر رحم کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم آپؐ کی صفت رحمت کی گواہی دیتے ہوئے کہتا ہے

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ "

(ترجمہ) (اے پیغمبرؐ) یہ اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ تم ان لوگوں کے لئے بہت نرم مزاج واقع ہوئے ہو۔ ورنہ اگر کہیں تم تند خو اور سنگدل ہوتے تو یہ سب تمہارے گرد و پیش سے چھٹ جاتے (آل عمران ۳:۱۵۹)

آپؐ کی رقیق القلبی کی شہادت قرآن دے رہا ہے کہ مومنین کو کسی طرح کی کوئی تکلیف پہنچے تو آپؐ پر انتہائی شاق گذرتی ہے۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾

(ترجمہ) دیکھو! تم لوگوں کے پاس ایک رسول آیا ہے جو خود تم ہی میں سے ہے' تمہارا نقصان میں پڑنا اس پر شاق ہے' تمہاری فلاح کا وہ حریص ہے' ایمان لانے والوں کے لئے وہ شفیق اور رحیم ہے۔ (التوبہ ۹:۱۲۸)

آپؐ کی یہ شفقت اور مہربانی دوست' دشمن' اپنے بیگانے' مسلم و کافر' بوڑھے بچے' عورت مرد' آقا غلام سب پر برابر تھی۔

ایک دفعہ ایک نہایت غریب عورت حضرت عائشہؓ کے پاس آئی اس کے ہمراہ دو چھوٹی چھوٹی بچیاں بھی تھیں۔ اس وقت حضرت عائشہؓ کے پاس کچھ نہ تھا ایک کھجور تھی وہی اٹھا کر انہوں نے اس کو دے دی۔ عورت نے کھجور کے دو ٹکڑے کئے اور دونوں بچیوں میں برابر تقسیم کر دیئے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے یہ واقعہ آپؐ کو سنایا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا' اللہ تعالیٰ جس کو اولاد کی آزمائش میں ڈالے اور وہ ان کا حق بجا لائے وہ دوزخ سے محفوظ رہے گا۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں نماز شروع کرتا ہوں' ارادہ ہوتا ہے کہ دیر میں ختم کروں۔ دفعتاً صف سے کسی بچے کے رونے کی آواز آتی ہے اور میں نماز مختصر کر دیتا ہوں کہ اس کی ماں کو تکلیف ہو گی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ محبت اور شفقت صرف مسلمان بچوں تک محدود نہ تھی بلکہ مشرکین کے بچوں پر بھی آپؐ اسی طرح لطف فرماتے تھے۔ ایک دفعہ ایک غزوہ میں چند بچے جھپٹ میں آ کر مارے گئے۔ آپؐ کو خبر ہوئی تو نہایت آزردہ ہوئے ایک صحابی نے کہا رسول اللہ وہ مشرکین کے بچے تھے۔ آپؐ نے فرمایا' مشرکین کے بچے بھی تم سے بہتر ہیں۔ خبردار بچوں کو قتل نہ کرو' ہر جان خدا ہی کی فطرت پر پیدا ہوتی ہے۔

معمول تھا کہ جب فصل کا نیا میوہ کوئی خدمت اقدس میں پیش کرتا تو حاضرین میں سے جو سب سے کم عمر بچہ ہوتا اس کو عنایت فرماتے' اس کو چومتے اور پیار کرتے۔ حضور صلی علیہ السلام غلاموں پر خصوصیت کے ساتھ شفقت فرماتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ غلام تمہارے بھائی ہیں۔ جو خود کھاتے ہو ان کو کھلاؤ۔ جو خود پہنتے ہو ان کو پہناؤ جو غلام بھی حضورؐ کی خدمت میں پیش کیا جاتا آپ اسے فوراً آزاد کر دیتے۔ دوسرے مسلمانوں کو بھی اسی عمل کی تاکید فرماتے تھے۔

غلاموں کی لوگ شادیاں کر دیتے تھے پھر جب چاہتے تھے جبراً ان میں تفریق کر دیتے تھے۔ چنانچہ ایک شخص نے اپنی لونڈی سے اپنے غلام کا عقد کیا اور پھر ان میں علیحدگی کرنا چاہی۔ غلام نے خدمت نبویؐ میں حاضر ہو کر شکایت کی آپؐ نے منبر پر خطبہ دیا اور فرمایا کہ نکاح و طلاق کا حق صرف شوہر کو ہے اس کے آقا و مالک کو نہیں۔

اسی رحمت و شفقت کا اثر تھا کہ کافروں اور مشرکوں کے غلام بھاگ بھاگ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور غلامی کی زنجیروں سے رہائی پاتے تھے۔ مال غنیمت جب تقسیم ہوتا تو آپؐ اس میں غلاموں کو بھی حصہ دیتے تھے۔

حضورؐ نے اسلامی معاشرے میں اپنے ارشاد و احکام سے خواتین کے حقوق قائم کئے۔ آپؐ نے نرم برتاؤ اور رحمت و شفقت نے طبقہ نسواں کے وقار کو پہلی بار بلند و ارفع کیا۔

حضرات محترم!

آپؐ کے رحمۃ للعالمین ہونے کا عظیم مظاہرہ ہمیں طائف میں نظر آتا ہے۔ جب آپؐ کی تبلیغ کے جواب میں اہل طائف

نے آپؐ پر پتھر برسائے جس سے آپؐ لہولہان ہو گئے۔ طائف سے باہر نکل کر ایک باغ میں آئے۔ آپؐ نے خدا کے حضور ہاتھ اٹھائے جس میں اپنی کمزوری اور دشمنوں کے غلبے کا تذکرہ تھا۔ اس پر فرشتہ خدمت اقدس میں حاضر ہو گیا اور عرض کیا یا رسول اللہ اجازت ہو تو طائف کی اردگرد کی پہاڑیوں کو آپس میں ملا دوں جس سے آپؐ پر مظالم ڈھانے والے پس جائیں۔ آپؐ نے فرمایا: یہ نہیں ہو سکتا ہے شاید ان کی اولاد میں سے کوئی مسلمان ہو جائے۔

حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ آپؐ سے عرض کیا گیا کہ مشرکین کے لئے بددعا کیجئے۔ "آپؐ نے فرمایا۔ میں اس لئے نہیں بھیجا گیا کہ لوگوں پر لعنت بھیجوں۔ میں تو رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں"۔

نبی کریمؐ نے مکہ فتح کیا تو "لا تثریب" کا عام اعلان کر دیا۔ پھر بھی چند لوگ تھے جنہوں نے یہ امان قبول نہ کی۔ اور مسلمانوں کے خلاف تلوار اٹھائی۔ ان میں سے ایک عکرمہ تھے جو مسلمانوں کے خلاف جنگوں میں ہمیشہ پیش پیش رہتے تھے۔ کچھ مدت بعد ڈرتے ڈرتے بارگاہ رسالت میں آئے۔ آپؐ نے عام اعلان معافی کر دیا تھا۔ اس کو بھی معاف فرمایا۔ وہ ایمان لے آئے۔ انہی سے روایت ہے کہ انہوں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ آپؐ کو اتنی اذیتیں دی گئیں لیکن آپؐ نے کسی پر کبھی لعنت نہ کی آپؐ نے فرمایا میں لعنت نہیں رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

آپؐ انسانوں کے مختلف طبقات کے علاوہ حیوانات پر بھی نہایت رحم فرماتے تھے' بے زبانوں پر جو ظلم مدت سے چلے آ رہے تھے۔ آپؐ نے موقوف کردیئے' اونٹوں کے گلے میں قلادہ ڈالنے کا عام رواج تھا۔ اس کو روک دیا زندہ جانوروں کے جسم سے گوشت کا لوتھڑا کاٹ لیتے تھے۔ آپؐ نے منع فرمایا جانوروں کی دم اور ایال کاٹنے سے بھی منع فرمایا۔ جانوروں کو دیر تک ساز میں کھڑا رکھنے کی بھی ممانعت فرمائی۔ جانوروں کو باہم لڑانا بھی ناجائز قرار دیا۔ ایک گدھا نظر آیا جس کا چہرہ داغدار تھا۔ فرمایا جس نے اس کا چہرہ داغدار کیا اس پر خدا کی لعنت۔ ایک بار آپؐ کسی سفر میں جا رہے تھے لوگ ایک جگہ ٹھہرے وہاں ایک چڑیا نے انڈا دیا۔ ایک صحابی نے انڈا اٹھا لیا۔ چڑیا بے قرار ہو گئی۔ آپؐ نے فرمایا جس نے اس کا انڈا اٹھایا ہے وہیں رکھ دے۔ ایک بار راستے میں ایک اونٹ نظر سے گزرا۔ جس کے پیٹ اور پیٹھ گرسنگی سے ایک ہو گئے تھے۔ آپؐ نے فرمایا ان بے زبانوں کے متعلق خدا سے ڈرو ایک دفعہ ایک انصاری کے باغ میں تشریف لے گئے۔ ایک گرسنہ اونٹ نظر پڑا آپؐ کو دیکھ کر بلبلایا۔ آپؐ نے شفقت سے اس پر ہاتھ پھیرا پھر لوگوں سے اس کے مالک کا نام پوچھا پھر اس انصاری سے کہا۔ اس جانور کے معاملے میں تم خدا سے نہیں ڈرتے؟

آپؐ کی اس بیکراں رحمت' نرم دلی' شفقت اور بے پایاں محبت کے واقعات پڑھ کر یہ گمان ہونے لگتا ہے کہ آپؐ کی ہستی مافوق البشر تھی۔ آپؐ نفرت' غصہ' اندھا انتقام کے جذبات سے آگاہ نہ تھے۔ نہیں۔ ہرگز نہیں یہ آپؐ کی شان رحمت کی تنقیص ہو گی۔ جس کو غصہ پر قدرت نہ ہو وہ اس سے فروتر ہے جو غصہ رکھتے ہوئے بھی غصہ کو ضبط کرنے کا مظاہرہ کرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ جذبات موجود تھے۔ مگر آپؐ کو ان پر قدرت حاصل تھی اور یہی آپؐ کی شان رحمت تھی۔

ذاتی زندگی میں آپؐ کی رحمت و شفقت زیر بحث آیت کا صرف ایک رخ ہے۔ اس کا دوسرا رخ یہ ہے کہ آپؐ رسالت و تعلیمات کی بنا پر بھی رحمت اللعالمین تھے اور ہیں جس کا اجمالی خلاصہ یہ ہے کہ حضورؐ سے قبل مذہب کے دعویداروں نے خدائی پیغام میں تصرفات کر کے دین اور عبادات کو رسم و رواج کی شکل دے دی تھی۔ قواعد و ضوابط اور عبادت و عقائد کی پیچیدگیاں اتنی بڑھ گئیں تھیں کہ دین و مذہب کی روح فنا ہو گئی تھی۔ دین کا انسانی معاشرے کی فلاح سے کوئی تعلق نہ تھا۔ اسے روحانیت اور مابعد الطبیعات کے پردوں میں اتنا لپیٹ دیا تھا کہ عام آدمی کی اس تک دسترس نہ تھی۔ جس کے نتیجے میں رہبانیت اور قطعہ

تعلق عام ہو گئی تھی۔ رحمت عالمؐ نے دین کے مفہوم پر ان تمام جالوں کو صاف کیا۔ رہبانیت کو ختم کیا۔ دنیا کی بے مقصدیت کے تصور کی نفی کی، کاروباری معیشت میں حصہ لینے کو فضل و رحمت قرار دیا دنیا میں عائلی اور معاشرتی ذمہ داریوں کو پورا کرنے پر زور دیا بلکہ مادی دنیا کو روحانی دنیا تک پہنچنے کا زینہ قرار دیا۔

حضرات محترم!

دین کا یہی فطری تصور تھا جس نے تاریخ عالم میں ایک نئے دور کا آغاز کیا ماورائی قوتوں کے انتقام کے خوف پر مبنی سیادتیں ختم ہوئیں ایک ایسا فلاحی اور متوازن معاشرہ وجود میں آیا جس میں اخوت، مساوات، مروت، محبت، عدالت، امانت، صداقت کی خوبیاں ابھر کر نکلیں۔ پھر علم کے حصول کی طرف توجہ دی۔ جس کی وجہ سے علم کا شوق عام ہوا۔ فکر و تحقیق کے میدان میں وسعت ہوئی اس کا نتیجہ یہ تھا کہ اسلام کا پیغام بڑی برق رفتاری کے ساتھ ساری دنیا میں پھیلا اور علم کی شمع سے تمام جہان میں نور پھیلا یورپ کی تہذیب کو اسی چراغ مصطفوی سے روشنی ملی اور وہ قرون وسطی کی تاریکیوں سے نکل کر دور جدید میں داخل ہوا۔ جو دراصل نتیجہ تھا رحمت عالمؐ کی تعلیمات کتاب و حکمت کا اور آپؐ کی شان رحمت و رافت کا۔

رسول اکرمؐ کی صفت رحمت اللعالمینی آپؐ کے ماننے والوں سے تقاضا کرتی ہے کہ وہ اشرف المخلوقات ہونے کے ناطے اللہ تعالیٰ کی مخلوق سے رحمت و شفقت کا سلوک کریں۔ یہی وجہ ہے کہ آپؐ کے وصال کے بعد مسلمانوں کے اخلاقی اوصاف کی وجہ سے اسلام نہایت برق رفتاری اور سرعت کے ساتھ پھیلا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس عقیدہ رحمت پر انسان کا جتنا ایمان، و ایقان ہو گا اتنا ہی اس کی زندگی پر یہ عنصر غالب نظر آئے گا۔ اگر اسلامی معاشرے کے تمام افراد اپنی مختلف حیثیتوں میں اس صفت کا مظاہرہ کریں تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ نہ صرف اسلامی معاشرے کو متوازن اور فعال بنانے میں ممد و معاون ثابت ہوں گے اور یہ مسلمان گھرانہ جنت کا نمونہ نظر آئے گا بلکہ تمام روئے زمین کے انسانوں میں امن و سلامتی کا دور دورہ بھی ہو گا۔ جو آج کے انسان کے لئے ناگزیر ہے۔ آخر میں ایک اور بات کی وضاحت کر دی جائے کہ جس طرح صحت مند جسم میں ناسور کو ختم کرنے کے لئے نشتر لگانا ضروری ہوتا ہے۔ اسی طرح معاشرے میں باغیانہ اور مفسدانہ عناصر کی اصلاح کے لئے عفو و کرم اور عدل و رحم کی بجائے سختی کرنی پڑتی ہے۔ یہ سختی بھی اصل میں صفت رحم کا ہی حصہ ہے کیونکہ اس کی وجہ سے فرد کی اصلاح بھی ہوتی ہے اور معاشرے کی بھلائی بھی۔ جیسا کہ نبی کریمؐ نے فرمایا۔

انصر اخاک ظالما او مظلوما

یعنی اپنے بھائیوں کی ہر حال میں مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم

اس پر صحابہ کرامؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظالم کی مدد کس طرح کی جا سکتی ہے آپؐ نے فرمایا اس کا ہاتھ روک کر بالفاظ دیگر ظالم کے خلاف مظلوم کی حمایت اور ظالم کے خلاف سختی کے نتیجے میں عدل ظاہر ہوتا ہے جب دو افراد یا دو گروہوں کے درمیان مسئلہ ہو تو عدل ہی صفت رحم ہے لیکن جب دو افراد کا باہمی معاملہ ہو تو عدل کی بجائے عفو و احسان کرنا چاہئے اور یہ دونوں صفات رحمت کا حصہ ہیں۔ گویا حالات کے تحت ظالم اور مفسد کے خلاف سختی فریقین کے درمیان عدل و باہمی تعلقات میں عفو و کرم اور احسان و مروت سب رحمت کے اجزائے ترکیبی ہیں۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بدرجہ اتم موجود تھے۔ اور آپؐ کے ماننے والوں پر اثر انداز ہو کر تعمیر کردار تعمیر سیرت اور تعمیر انسانیت کرتے ہیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ختم نبوت

خطبہ مسنونہ:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ
عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ
يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ
لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ
رَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَهْلِ بَيْتِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ:
اَمَّا بَعْد! اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ
النَّبِيّٖنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿۴۰﴾

(ترجمہ) (لوگو) محمدؐ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، مگر وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبین ہیں اور اللہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔ (الاحزاب ۳۳:۴۰)

محترم سامعین!

ہماری آج کی گفتگو کا موضوع ختم نبوت ہے یہ ایک اہم موضوع ہے جس پر دین محمدی کی اساس قائم ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے انسانیت کے آغاز ہی سے بنی نوع انسان کی ہدایت کے لئے پیغمبر بھیجنے شروع کر دیئے۔ اور یہ سلسلہ اخیر تک جاری رہا۔ ہر پیغمبر کے دور کے بعد دوسرے پیغمبر بھیجنے کی ضرورت اس لئے محسوس ہوتی کہ زمانہ ترقی کر جاتا نئے نئے مسائل پیدا ہو جاتے یا

حالات تبدیل ہو کر نئی اور متبادل شکل اختیار کر لیتے۔ انہی پیدا شدہ مسائل کے حل کے لئے یا بدلے ہوئے حالات میں انسانوں کی ہدایت کے لئے نئے پیغمبر کی ضرورت پڑ جاتی اور اللہ تبارک و تعالیٰ جو رحیم و کریم ہے۔ اور اپنے بندوں پر ماں باپ سے بھی زیادہ مہربان ہے۔ اپنا ایک برگزیدہ پیغمبر بھیج کر ان مسائل کا حل ان کے ذریعے پیش کرتا۔ اسی طرح مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ حالات بدلتے گئے اور نئے نئے مسائل پیدا ہوتے رہے۔ اور مختلف ادوار میں اللہ رب العزت اپنے بندوں کی رہنمائی کے لئے پیغمبر بھیجتے رہے۔ یہاں تک کہ اللہ کی رحمت جوش میں آئی اور اس ذات بے ہمتا نے انسانوں کی مکمل رہنمائی کے لئے اور زندگی کے تمام شعبوں میں انسانوں کی ہدایت کے لئے ایک مکمل دین اور کامل ضابطہ حیات کے ساتھ جناب محمد بن عبداللہ کو اپنا رسول بنا کر بھیجا۔ ان پر قرآن عظیم نازل فرمایا اور قرآن و سنت کے سائے میں دین اسلام تمام اقوام عالم کے لئے اور تمام زمانہ کے لئے تا قیامت ایک مکمل دستور العمل بن کے سامنے آیا۔ ساتھ ساتھ قرآن نے ایسے اصول اور بنیادی قواعد وضع کر دیئے جن کی روشنی میں انسانیت کے آئندہ ادوار میں جتنے ممکنہ مسائل سامنے آنے والے ہیں' سب کا حل معلوم کیا جا سکتا ہے۔ قرآن سنت اور ان کے قائم کردہ بنیادی اصول سے نت نئے مسائل کا حل معلوم کرنا علمائے مجتہدین امت کی ذمہ داری قرار دی اور فرمایا لعلمہ الذین یستنبطونہ اور جب یہ سارا انتظام مکمل ہو گیا تو اعلان فرمایا گیا کہ

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا

(ترجمہ) آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لئے مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور تمہارے لئے اسلام کو تمہارے دین کی حیثیت سے قبول کر لیا ہے (المائدہ ۵:۳)

اور اس حقیقت کو اقوام عالم کے سلیم العقل طبقے نے تسلیم کیا۔

اس دور میں قیام پاکستان کے اوائل میں ایک مشہور مقدمہ جو بہاولپور کی عدالت میں سماعت ہوا اور اس عدالت نے فیصلہ دیا کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے جو نبوت کا دعویٰ کیا وہ باطل اور لغو ہے۔ حضور کے بعد کوئی نبی ظلی یا بروزی کی شکل میں نہیں آ سکتا۔ اور جو شخص یہ عقیدہ رکھے اس کو خارج از اسلام سمجھا جائے۔ یہ "مقدمہ بہاولپور" کے نام سے مشہور ہے۔

اس طرح نائیجیریا کی بین الاقوامی عدالت نے بھی قادیانیوں کے خلاف فیصلہ سنا کر بین الاقوامی عدالتی نظام میں بھی اس امر کا اعتراف کیا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے آخری نبی ہیں ان کا دین مکمل ہے۔ اس کے بعد کسی نبی کے آنے کی ضرورت نہیں۔

محترم سامعین!

جو آیت کریمہ شروع میں تلاوت کی گئی۔ اس کی روشنی میں لفظ "ختم" کی تشریح پیش کی جاتی ہے۔

ختم کے معنی ہیں مہر لگانا' بند کر دینا آخر تک پہنچ جانا یا کسی کام کو پورا کر کے فارغ ہو جانا۔ اور نبوت کا مطلب ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی کو بذریعہ وحی خبریں یا احکام ملنا۔ یعنی نبی ہونا۔ اس طرح ختم نبوت کے لفظی معنی ہوئے نبوت کا ملنا بند ہو جانا۔ سب سے آخری نبی کا پہنچ جانا۔ اور آئندہ کسی نبی کے ہونے کے امکانات یکسر ختم ہو جانا۔

اصطلاحی معنوں کے لحاظ سے اب ختم نبوت کا مطلب یہ عقیدہ رکھنا ہے کہ ہمارے آقا و مولا رسالتماب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے آخری نبی اور رسول ہیں۔ اور یہ کہ آپ کے بعد اب قیامت تک کوئی اور کسی قسم کا نبی نہیں آئے گا۔

آنحضورؐ کے بعد نبوت کے دروازے کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بند تسلیم کرنے پر ہر زمانے میں تمام مسلمانوں کے ہر مسلک' ہر مکتب فکر اور ہر ایک فرقے کا اتفاق رہا ہے کہ جو شخص محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد رسول یا نبی یا صاحب وحی ہونے کا دعویٰ کرے وہ اور جو کوئی اس کے دعویٰ کو مانے وہ بھی دائرہ اسلام سے خارج ہے "ختم نبوت" وحدت ملت کی مضبوط اساس بلکہ ضمانت ہے۔ کسی مدعی نبوت کے دعویٰ کی صورت میں اس اساس پر ضرب لگانے والے کو ہمیشہ صرف باغی ہی نہیں بلکہ مرتد' کافر اور بدترین دشمن ملت قرار دے کر اسے سزائے موت کا مستحق گردانا گیا ہے۔ عقیدہ ختم نبوت ایسے قوی اور ناقابل تردید دلائل سے ثابت ہے کہ یہ مسلمانوں کے ہاں مسلمات میں شمار ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ محض عوام کو سمجھانے اور خبردار کرنے کے لئے ان دلائل کو یکجا کرنے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی گئی۔ لیکن انیسویں صدی عیسوی میں جب برطانوی استعمار کے زیر سایہ پروان چڑھنے والی "نبوت" کے فتنہ عظیم کے مرکزی کرداروں نے مسلمانوں کی علمی بے خبری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے کچھ ایسے دلائل بھی گھڑ لیے جن کے ذریعے لوگوں کو بہکایا اور الجھایا جا سکتا ہے تو ختم نبوت کے لئے اصلی اور عقلی دلائل کو جمع کرنے کی بھی کوشش کی گئی۔ جس کی ترجیحی ترتیب یوں ہے قرآن' حدیث' اجماع صحابہؓ' اجماع امت اور دیگر عقلی دلائل۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ ان مصادر میں سے ہر ایک میں واضح اور دو ٹوک دلائل موجود ہیں لہٰذا سب سے پہلے قرآن مجید کو لیجئے۔ قرآن کریم کی متعدد آیات میں سے دو آیات اس مسئلہ پر ایسی واضح اور قطعی دلالت کرتی ہیں کہ اس کے بعد کسی اور دلیل کی ضرورت ہی نہیں رہ جاتی۔ الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا' آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو بطور دین کے پسند کر لیا۔ یہ اتمام نعمت اس دین کی تکمیل سے ہوا۔ اس کے بعد دین میں کسی ترمیم تصرف یا اضافہ کی گنجائش نہ رہی اور نہ کسی نبی کی بعثت کی حاجت رہ گئی۔ اگرچہ تکمیل دین کا یہ اعلان بھی صرف قرآن اور اسلام ہی کی خصوصیت ہے ادیان عالم کی کتب مقدسہ میں اس قسم کے اعلان کی کہیں مثال نہیں ملتی اور یہ اعلان خود ختم نبوت کو مستلزم ہے۔ لیکن اس غرض سے کہ آئندہ کسی شخص کے لئے دعویٰ نبوت کی ادنیٰ گنجائش بھی باقی نہ رہے قرآن کریم نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم **النبیین** ہونے کی تصریح کر دی اور بتایا کہ نبوت آپؐ پر ختم ہو گئی۔ چنانچہ فرمایا ماکان محمد ابا احد من رجالکم و لکن رسول اللہ و خاتم النبیین محمدؐ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں البتہ اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں کے ختم پر ہیں۔ لفظ خاتم اور خاتم دونوں کے معنی لغت میں آخر کے ہیں۔ اور اس معنی کے لحاظ سے آیت زیر بحث میں خاتم **النبیین** کے معنی نبیوں میں سب سے آخر آنے والا' سلسلہ نبوت کو ختم کرنے والا اور آخری نبی بھی ہیں قرآن کریم کی کسی دور اور کسی ملک میں لکھی گئی تفسیر اٹھا کر دیکھ لیجئے سب میں اس آیت کے تحت ہر جگہ نہ صرف خاتم **النبیین** کے معنی آخری نبی آخر الانبیاء اور لا نبی بعدہ لکھے ہیں بلکہ ہر جگہ آپ کو ساتھ ہی یہ تصریح بھی ملے گی کہ اب ہر مدعی نبوت بلا تفریق' زندیق' مرتد' دشمن اسلام اور واجب القتل ہے اور یہ خیال رہے کہ خاتم **النبیین** کے معنی آخری نبی کسی دور از کار تاویل یا لغت سے محروم استدلال کا نتیجہ نہیں ہے۔ بلکہ لغت اور سنت ہر دو سے ثابت معنی یہی اور صرف یہی ہیں خاتم النبین کے معنی سب سے افضل و بہتر لینا ایک مغالطہ بھی ہے اور جہالت بھی۔

اب ذرا سنت رسول کی طرف آیئے تو ہمیں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور اقوال میں اتنا زیادہ اور اتنا واضح مواد ملتا ہے جو ختم نبوت کے بارے میں ہر طرح کے شک و شبہ کو بالکل دور کر دیتا ہے۔ چند اہم احادیث حق طلب لوگوں کے غور و فکر کے لئے پیش کی جاتی ہیں۔

۱) آنحضورؐ نے فرمایا۔ میرے اور انبیاء کی مثال ایک محل کی ہے جو اچھی طرح تعمیر کیا گیا مگر ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی گئی۔ دیکھنے والے اسے گھوم پھر کر دیکھتے اس کی شاندار تعمیر (عمارت) سے حیران رہ جاتے مگر یہ اینٹ والی جگہ (کھٹکتی تھی) پس میں نے آکر اس آخری اینٹ والی جگہ کو بند کر دیا۔ میرے ذریعے عمارت تکمیل کو پہنچ گئی اور میرے (آنے کے) ساتھ پیغمبروں کا سلسلہ ختم کر دیا گیا۔ دوسری روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں۔ میں ہی وہ آخری اینٹ ہوں اور میں ہی انبیاء میں سب سے آخری ہوں اس مضمون کی احادیث الفاظ کے تھوڑے تھوڑے فرق کے ساتھ حضرت ابو ہریرہؓ حضرت ابی بن کعبؓ حضرت جابرؓ اور حضرت ابو سعیدؓ کی روایت کردہ احادیث بخاری و مسلم کے علاوہ مسند احمد اور ترمذی میں بھی موجود ہیں۔

۲) ایک اور موقع پر آپؐ نے فرمایا مجھے سب انبیاء پر چھ باتوں میں فضیلت دی گئی ہے مجھے کلمات جامع عطا کئے گئے۔ مجھے رعب سے مدد دی گئی۔ میرے لئے مال غنیمت حلال کیا گیا۔ روئے زمین کو میرے لئے مسجد اور ذریعہ طہارت بنایا گیا۔ مجھے تمام مخلوق کے لئے رسول بنا کر بھیجا گیا اور میری ذات پر انبیاء کا خاتمہ ہو گیا۔ یہ حدیث مسلم احمد ترمذی میں آئی ہے اور اس میں ختم نبی النبیون کے الفاظ بالکل واضح ہیں کہ آپؐ پر نبوت ختم ہو گئی۔

۳) بخاری مسلم اور مسند احمد میں حضرت جبیرؓ بن مطعم اور حضرت ابو موسیٰ الاشعریؓ کی روایت کردہ احادیث میں یہ مضمون آیا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے سامنے خود اپنے ذاتی اور عرض صفاتی اسماء مبارکہ بیان فرمایا کرتے تھے ان میں سے الماحی' الحاشر' العاقب اور المقفی کا مطلب آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی یہ ثابت ہے کہ الذی لیس بعدہ نبی جس کے بعد کوئی نبی نہیں ہے اور آخر الانبیاء' نبیوں میں سب سے آخری نبی۔

۴) عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے جو کہ ترمذی نے بیان کی ہے کہ ایک دفعہ آپؐ نے فرمایا۔ لوکان بعدی نبی لکان عمر بن الخطاب "اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا ہوتا تو عمر بن خطابؓ ہوتے۔

۵) آنحضورؐ نے صرف اپنے آخری نبی ہونے کی وضاحت بار بار "لا نبی بعدی" اور لیس بعدی نبی اور انقطعت النبوہ جیسے واضح لفظوں میں فرمائی بلکہ بعض جھوٹے نبیوں کے ظہور پذیر ہونے کے بارے میں خبردار بھی کیا۔

قرآن کریم کے ارشادات اور احادیث نبویؐ کی تصریحات کے بعد کسی اور ماخذ یا مصدر سے کسی مزید ثبوت کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی تاہم اس سلسلے میں ہر قسم کے شکوک و شبہات کو رفع کرنے کے لئے اس مسئلہ پر صحابہ کرام کا اجماع موجود ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر کے آخری حصے میں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے فوراً بعد عرب میں جھوٹے مدعیان نبوت پیدا ہوئے۔ ان میں مسیلمہ کذاب خاص طور پر قابل ذکر ہے کیونکہ وہ دوسرے مدعیان نبوت کی نسبت زیادہ قوی بھی تھا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار بھی کرتا تھا' اس کے باوجود تمام صحابہ کرام نے اس کے خلاف جہاد کیا اور اس کے ساتھ اسیران جنگ اور مال غنیمت کے بارے میں باقی مسلمانوں کے بجائے کافروں کے ساتھ جنگ والے احکام پیش نظر رکھے گئے۔ کسی ایک صحابیؓ نے بھی یہ موقف اختیار نہیں کیا کہ اس کے دعویٰ نبوت کی حقیقت اور صداقت کو پرکھ لو۔ کیونکہ انہیں اس بات کا یقین تھا کہ حضورؐ کے بعد اب اور کوئی نبی نہیں آئے گا۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے ایسے تمام فریبی انسانوں کے ساتھ جنگ روا رکھی اور دارالسلام سے اس فتنہ کا قلع قمع کر دیا اس رویے کو امت مسلمہ نے بعد کے تمام ادوار میں اختیار کیا اور آئندہ بھی جب کوئی شخص ایسا دعویٰ کرے گا نہ صرف یہ کہ اس کی تکذیب کی جائے گی بلکہ اس کا رد بھی کیا جائے گا اور اگر ایسا کوئی شخص اسلامی حکومت میں ہو گا اس کے خلاف جنگ بھی کی جائے گی۔ قرآن و سنت اور اجماع صحابہ رضوان اللہ اجمعین کے علاوہ اس مسئلہ پر گذشتہ چودہ سو سال سے جمہور فقہا' مفسرین' متکلمین اور محدثین کا اتفاق رہا ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ

صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے بعد کسی قسم کی نبوت' **ظلی** یا بروزی تشریعی یا غیر تشریعی کی ضرورت باقی نہیں رہتی ان حقائق و شواہد کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مختلف اوقات اور مختلف مقامات میں متعدد جھوٹے نبیوں اور مہدیوں نے دعوے کیے جن میں سے اکثر کا سختی کے ساتھ رد کیا گیا اور ان کا انجام بہت برا ہوا۔ البتہ ان میں سے تین جماعتوں کو خاصی پذیرائی ملی اور وہ آج تک اپنا تشخص قائم رکھنے میں کامیاب ہیں۔ ہماری مراد بہائیوں' ذکریوں اور قادیانیوں سے ہے۔ بہائی مذہب اپنے بانی بہاؤاللہ کے نام کی نسبت سے گیارہویں صدی ہجری میں ایران میں رونما ہوا۔ یہ مذہب اس عقیدہ کی پیداوار ہے کہ ہر ہزار سال کے بعد پرانی شریعت منسوخ ہوگی' اور امت اسلامیہ میں ایک مجدد پیدا ہوگا جو نئی شریعت لائے گا اس کا آغاز تو محمد علی باب نے کیا جس نے مہدی ہونے کا دعویٰ کیا اور ساتھ ہی اس بات کا اظہار کیا کہ میرے بعد مسیح رونما ہوگا۔ جس کا فائدہ مرزا حامد حسین الملقب بہاؤ اللہ نے اٹھایا اور نبوت کا داعی ہوا۔ ختم نبوت کے علاوہ اس جماعت نے بنیادی عقائد اسلام سے لئے البتہ احکام شریعت میں اور بہت سی تحریفات کر دیں۔ مثلاً" نماز صرف ایک ہے مہینہ صرف انیس روز کا ہوتا ہے اسی لئے رمضان کے روزوں کی تعداد بھی انیس ہے۔ خانہ کعبہ کے بجائے نماز میں مکہ کی طرف رخ کرتے ہیں عالمی برادری کے تصور کی وجہ سے تمام مذاہب کے ساتھ مناکحت کی اجازت ہے عورت کے لئے پردے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ ان کی تمام فلاسفی "اصل پرستی" پر مبنی ہے اس سلسلہ میں ان کے بانی کا قول ہے۔ مذہب باید کہ بمطابق سائنس باشد دوسرے گروہ کی بنیاد تصور مہدیت پر ہے۔ جس کا بانی مہدی جونپوری تھا جس نے اپنے دعویٰ مہدیت کا آغاز بیکراں سے کیا اور چند شعبدے دکھا کر سادہ دل عوام کو گمراہ کیا اور ساری اسلامی شریعت کو پامال کیا۔ ان کا کعبہ تربت (بیکراں) کے قریب کوہ مراد کے دامن میں ہے جہاں تمام ذکری سال کے خاص ایام میں جمع ہو کر حج کرتے ہیں۔ نماز کی بجائے اپنی عبادت گاہ میں جمع ہو کر ذکر کرتے ہیں اس نسبت سے ذکری کہلاتے ہیں۔ ان کی تعداد زیادہ تمیں ساحل مکران اور کہیں کہیں خلیج کے علاقوں میں بود و باند رکھتے ہیں۔ ان کی تعداد میں روز بروز کمی واقع ہو رہی ہے۔ ان میں سے تیسری جماعت میں شامل لوگ اپنے بانی مذہب کے نام مرزا غلام احمد کی نسبت سے مرزائی اور احمدی کہلاتے ہیں اور اس کی جائے ولادت قادیان کی نسبت سے قادیانی کہلاتے ہیں۔ یہ مذہب اسلام کے لئے سب سے زیادہ خطرناک ہے۔ کیونکہ ان کے تمام بنیادی عقائد بظاہر وہی ہیں جو اسلام کا طرۂ امتیاز ہیں لیکن اس کے باوجود مرزا صاحب نے نبوت کا اعلان کیا اور اس کے ماننے والے اسے نبی سمجھتے ہیں۔ وہ "تجلیات الہیہ" میں اس بات کا دعویٰ یوں کرتے ہیں۔

میرے نزدیک نبی اس کو کہتے ہیں جس پر خدا کا کلام یقینی و قطعی بکثرت نازل ہو جو غیب پر مشتمل ہو۔ اس لئے خدا نے میرا نام نبی رکھا۔

ایک اور جگہ ان کا دعویٰ اس طرح ہے۔ میں رسول اور نبی ہوں۔ یعنی باعتبار ظلیت کاملہ کے میں وہ آئینہ ہوں جس میں محمدی شکل اور محمدی نبوت کا کامل انعکاس ہے ایک مقام پر انہوں نے فرمایا:

منم مسیح الزماں و منم کلیم خدا
منم محمد و احمد کہ مجتبیٰ باشد

یعنی "میں ہی مسیح زماں ہوں' میں کلیم اللہ ہوں' میں ہی محمد و احمد ہوں جو مقبول ہوا"۔ غرضیکہ انہوں نے اپنی نبوت' مسیحیت اور مہدیت سے متعلق دعوے کئے اور اپنے نئے مذہب کا پرچار شروع کیا۔ انگریز کے سایہ عاطفت میں اسے خاصی مقبولیت بھی ہوئی۔ اس کے ماننے والوں کی تعداد میں دن بدن اضافہ ہوتا رہا ہے اور آج برصغیر پاک و ہند کے علاوہ دنیا کے اکثر ممالک میں

اس کے ماننے والے موجود ہیں۔

ان تینوں جماعتوں کے بانیوں کے دعووں کے سامنے اکیلے قرآن کریم کی آیت الیوم اکملت لکم دینکم پر غور فرمایئے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر دین اپنے کمال کو پہنچ گیا تو پھر کسی اور نبی کی ضرورت کیسے باقی رہ جاتی ہے۔ نبی کسی بگڑی ہوئی قوم کی اصلاح ہی کی غرض سے نہیں آتا بلکہ اس لئے مقرر ہوتا تھا کہ وحی الٰہی کے ذریعے گذشتہ پیغام کی تکمیل کرے یا نیا پیغام دے یا پھر اس پیغام کو تحریفات سے پاک کرے قرآن کریم کی موجودگی کی وجہ سے وحی الٰہی کی ممکنہ ضرورتیں ختم ہو جاتی ہیں۔ اس لئے اصلاح کی غرض سے انبیاء کی ضرورت نہیں رہی۔ اس لئے یہ بات قابل غور ہے کہ جو لوگ حضور علیہ السلام کے خاتم النبیین ہونے کے باوجود کسی بھی شخص کے دعوئی نبوت کو تسلیم کرتے ہیں۔ انہیں دائرہ اسلام سے کیوں خارج نہ سمجھا جائے اور ایسے مدعیان نبوت کو حضور علیہ السلام کی حدیث مبارک کی روشنی میں ان تیس جھوٹے نبیوں میں کیوں شمار نہ کیا جائے جن کے متعلق آپؐ نے فرمایا! میری امت میں تیس جھوٹے نبی پیدا ہوں گے جن میں سے ہر ایک یہی کہے گا کہ میں نبی ہوں۔ حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں اور میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔

لہٰذا علی محمد باب ہو یا بہاؤ اللہ مہدی جونپوری ہو یا مرزا غلام احمد قادیانی یا ان کے علاوہ کوئی اور جو بھی نبوت کا دعوٰی کرے گا وہ کاذب اور مرتد ہے۔

و اخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسوہ حسنہ

خطبہ مسنونہ:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰٓی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَھْلِ بَیْتِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ:
اَمَّا بَعْدُ! اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی:

لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ لِّمَنْ کَانَ یَرْجُوا اللّٰہَ وَالْیَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَکَرَ اللّٰہَ کَثِیْرًا ﴿۲۱﴾

(ترجمہ) "درحقیقت تم لوگوں کے لئے اللہ کے رسولؐ کی ذات میں بہترین نمونہ ہے ہر اس شخص کے لئے جو اللہ اور یوم آخر کا امیدوار ہو اور کثرت سے اللہ کو یاد کرے"۔ (الاحزاب ۳۳:۲۱)

اس آیت کریمہ میں لفظ "اسوہ" پر زور دیا گیا ہے۔ اسوہ کے لغوی معنی نمونہ کے ہیں۔ علامہ ابن منظور صاحب لسان العرب لکھتے ہیں: اَلْاُسْوَۃُ وَالْاَسْوَۃُ اَلْقُدْوَۃُ یعنی پیشوا، رہنما اور امام اور دوسرے معنی یہ لکھے ہیں اَلْاُسْوَۃُ وَالْاِسْوَۃُ وَ ھُوَ مَا یَتَأَسّٰی بِہِ الْحَزِیْنَ اَیْ یَتَعَزّٰی بِہٖ یعنی جس سے کوئی غمزدہ اور دل شکستہ دل تسلی حاصل کر سکے۔
پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے صرف "اسوہ" کا تنہا کلمہ استعمال نہیں فرمایا بلکہ اس کی صفت حسنہ بھی ساتھ بیان فرمائی۔ جبکہ

اسوہ کی اور صفات بھی آ سکتی تھیں جیسے اسوہ کاملہ' اسوہ عالیہ اور اسوہ فاضلہ وغیرہ لیکن ان تمام صفات کو چھوڑ کر حسنہ (بہترین اور حسین ترین) صفت بیان کی۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ بہترین' پیاری حسین ترین دلپسند اور محبوب ترین نمونہ ہے۔ ایسا نمونہ ہے جو مومن کے لئے دلپسند ہے' جسے مومن خوشدلی' محبت اور چاہت سے اختیار کرتا ہے اور اسے اسی انداز و اطوار سے اختیار کرنا بھی چاہئے اور یہی ایمان بالرسول کا تقاضا ہے۔

حضرات گرامی!

انسان اپنی عملی و اخلاقی زندگی میں' اپنے روزمرہ کے معاملات میں' اور اپنی زندگی کے وظائف میں کسی نہ کسی نمونے کا طالب رہتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ میں جو کام کروں اور جو کارنامہ سرانجام دوں اس میں میرے لئے کوئی بہترین نمونہ سامنے ہو تاکہ اسے دیکھ کر' اسے سامنے رکھ کر' اسے مثال بنا کر وہ کام کروں۔ چنانچہ جاہلیت کے معاشروں میں ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ اپنے باپ دادا اور بڑوں کو اپنے لئے نمونہ بناتے ہیں اور ان کے نقش قدم پر چلتے ہیں۔ البتہ مسلمانوں کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نمونہ بنایا گیا ہے۔ چنانچہ آپؐ مومنوں کے لئے زندگی کے تمام معاملات میں چاہے یہ زندگی کے کسی گوشہ سے اور انفرادی و اجتماعی زندگی کے کسی پہلو سے تعلق رکھتے ہوں' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نمونہ بنانے اور آپؐ کی پوری طرح پیروی کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور اس میں کمی بیشی کرنے اور افراط و تفریط برتنے سے منع کیا گیا ہے۔

پھر اسلام ایک عملی و پریکٹیکل نظام ہے اور صرف نظری اور علمی نہیں ہے۔ اس لئے کہ نظریات جب تک صرف نظریات ہوں اس وقت تک نہ ان کے حسن و قبح کا صحیح اندازہ لگایا جا سکتا ہے اور نہ ان میں یہ کشش اور جاذبیت پائی جا سکتی ہے کہ وہ کسی کو عمل پر ابھار سکیں۔ دلائل کے آپ انبار لگا دیجئے' فصاحت و بلاغت کے دریا بہا دیجئے۔ لوگ تحسین و آفرین ضرور کریں گے' لیکن ان نظریات کو اپنانے' اور انہیں اپنانے کی جو ذمہ داریاں ہیں اور ان ذمہ داریوں کو نباہنے کی راہ میں جو خطرات ہیں ان کو وہ اٹھانے کے لئے آمادہ نہیں ہوں گے۔ اسلام فلسفیانہ نظریات کا مجموعہ نہیں ہے کہ آپ اپنے ڈرائنگ روم میں آرام دہ صوفوں پر بیٹھ کر انہیں موضوع بحث بنائیں۔ مجلس مذاکرہ منعقد کر کے مقالے پڑھیں اور پھر یہ سمجھیں کہ ہم نے اپنا فرض ادا کر دیا۔ بلکہ یہ تو ایک نظام حیات ہے جو زندگی کے ہر موڑ پر راہنمائی کرتا ہے اور ہر گوشہ زندگی کے لئے ہدایات دیتا ہے اور ہر مرحلے پر پیغام دیتا ہے۔ اس پر عمل کرنا اور اس کی تعلیمات پر کاربند ہونا اس وقت تک آسان نہیں ہے جب تک عملی نمونہ ہمارے پاس نہ ہو۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کے لئے صرف قرآن نازل کرنے پر اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ اس کی تبلیغ کرنے کے لئے اپنے رسولؐ کو منتخب فرمایا۔ تاکہ وہ ارشادات خداوندی پر خود عمل کر کے دکھائے اور ان پر عمل کرنے سے زندگی میں جو زیبائش اور نکھار پیدا ہوتا ہے اس کا عملی نمونہ پیش کرے تاکہ جو حق کے متلاشی ہیں وہ قرآنی تعلیمات کی عملی تصویر دیکھ کر اس کو اپنے سینے سے لگالیں اور اس پر یکسوئی اور خوشدلی سے عمل پیرا ہو جائیں۔

محترم سامعین!

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا ہر ورق کھلی ہوئی کتاب کی طرح روشن و عیاں ہے جہاں سے ہر شعبہ حیات سے متعلق انسان اپنی ذہنی و قلبی تسکین کر سکتا ہے اور اپنی عملی زندگی کو اعمال حسنہ سے مزین کر سکتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا یہ نمونہ جتنا خوبصورت اور دلکش ہے اسی قدر وسیع اور کشادہ بھی ہے۔ انسانی زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس کے لئے اس میں پروگرام نہ ہو۔ انسانیت کا کوئی روگ ایسا نہیں جس کے لئے اس میں تریاق نہیں۔ اس کی برکت سے آلائشیں دور ہوتی ہیں' روح کو پاکیزگی' دل کو طہارت اور ذہن کو صفائی ملتی ہے اور سیرت و کردار میں

وہ استواری اور استقلال نمایاں ہوتا ہے جسے کوئی طاقت اپنی جگہ سے ہلا نہیں سکتی۔

حضورؐ کے اسوہ حسنہ کے تمام پہلوؤں کا اختصار سے بھی جائزہ لیا جائے تو کئی دفتر درکار ہوں گے۔ اس لئے نمنا" صرف چند گوشوں کو ہی اجاگر کیا جا سکتا ہے۔

کردار کی بلندی:

باکمال شخص کے لئے ضروری ہے کہ وہ تمام اوصاف عالیہ سے' متصف ہو اور اس کا کردار بے داغ ہو' دوست تو دوست دشمن بھی اس کے کردار پر شک و شبہ نہ کر سکیں۔ اس رخ سے جب ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی پر نظر ڈالتے ہیں تو آپؐ کا کردار آئینہ کی طرح شفاف نظر آتا ہے۔ دشمنوں کو یہ جراءت نہیں ہوتی تھی کہ آپ پر انگشت نمائی کر سکیں۔ ابھی تو حضورؐ کا زمانہ شباب ہی تھا اور آپؐ نے اعلان نبوت بھی نہیں فرمایا تھا کہ اہل مکہ آپؐ کو الامین اور الصادق کے القاب سے پکارتے تھے۔ اعلان نبوت کے بعد بھی آپؐ کے دشمن آپؐ کے اوصاف کے معترف تھے اور آپؐ پر اتنا اعتماد کرتے تھے کہ اپنی امانتیں آپؐ ہی کے پاس جمع کراتے تھے۔

اعلیٰ اخلاق:

آپؐ کے اخلاق عالیہ کا خود قرآن گواہ ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے "اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ" "بیشک آپؐ تو اخلاق عظیم کے مرتبہ پر فائز ہیں" اور خود آپؐ کا ارشاد ہے "وَانما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق" اور مجھے تو اخلاق کریمانہ کے اتمام کے لئے مبعوث کیا گیا ہے۔ اور آپؐ نے جس طرح اخلاق کریمانہ کی تکمیل کی وہ سب پر واضح ہے۔ آپؐ نے قرآن کریم پر حرف بحرف عمل پیرا ہو کر ہمارے لئے ایک بہترین نمونہ چھوڑا ہے۔ اسی لئے جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آپؐ کے اخلاق کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: کَانَ خُلُقُہُ الْقُرْآنُ "آپؐ کا اخلاق تو قرآن ہے"۔

استقامت و استقلال:

حضرات!

کوئی بھی معاشرتی اور اصلاحی و مذہبی تحریک یا دعوت' اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتی جب تک کہ اس کے داعی کے بے داغ کردار کے علاوہ اس میں صدق و اخلاص' عزم و استقلال اور استقامت نہ ہو۔ اس تناظر میں جب ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کردار و سیرت کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ملتی ہے کہ آپؐ تمام عمر اپنے موقف پر ڈٹے رہے۔ آپؐ عمر بھر مخالفتوں میں گھرے رہے' اعلان حق کے بعد' قریش کی مخالفت کرنا' آپؐ پر دباؤ ڈالنا' آپؐ کو کاہن اور جادوگر کہنا' آپؐ کو اپنے خاندان سمیت شعب ابی طالب میں محصور کرنا' طائف کی گلیوں میں مجروح کرنا' آپؐ کے راستے پر کانٹوں کا بچھانا' آپؐ پر گندگی کا پھینکنا' آپؐ اور آپؐ کے رفقاء پر ظلم و تشدد کرنا' آپؐ کو ترک وطن پر مجبور کرنا اور پھر وہاں بھی چین سے نہ بیٹھنے دینا اور مدینہ کے یہودیوں کے ساتھ سازشیں کر کے مسلمانوں کو ختم کر دینے کے درپے رہنا۔ ان تمام باتوں کے باوجود آپ کا اپنے ارادے اور عزم و صدق و اخلاص کے ساتھ مضبوط چٹان کی طرح قائم رہنا۔ آپؐ کے اعلیٰ کردار اور سیرت کا بہترین نمونہ ہے۔ اس سیرت و کردار کے نمونے کو سامنے رکھ کر عمل پیرا ہونے سے اسلام اور مسلمانوں کو وہی مقام اور رتبہ حاصل ہو سکتا ہے جو قرون اولیٰ کی مسلم سوسائٹی کا طرۂ امتیاز ہے۔

معاشرتی زندگی

عمومی اسوہ صرف یہی نہیں' آپؐ کے اخلاق و سیرت کے لاتعداد نمونے ہمارے لئے مشعل راہ ہیں۔ اگر کسی کو مثالی باپ

کا نمونہ دیکھنا ہو تو سیدہ فاطمۃ الزھرۃؓ کے والد کو دیکھیے جو اپنی بیٹی کی آمد پر اپنی نشست سے اٹھ کر اپنی بیٹی کے لئے جگہ دیتا ہے۔ اگر کسی کو ایک شوہر کا کردار دیکھنا ہے تو سیدہ خدیجۃ الکبریٰ کے شوہر کو دیکھے کہ وہ اپنی رفیقہ حیات کے ساتھ کس قدر مروت' محبت اور حسن سلوک کے ساتھ پیش آتے تھے۔ اگر مثالی تاجر کا نمونہ درکار ہو تو سیدہ خدیجۃ الکبریٰ کے مال تجارت کے امین اور ان کے منافع میں اضافہ کرنے والے کی سیرت کو ملاحظہ کرے' جن کے کردار سے متاثر ہو کر مکہ کی شریف ترین اور امیر ترین خاتون آپؐ کو شادی کا پیغام بھیجنے میں فخر محسوس کرتی ہے۔ اگر ایک مزدور کی زندگی دیکھنا ہو تو مسجد نبویؐ کی تعمیر اور میدان خندق کے واقعات کو یاد کیجئے' جب نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھ میں کدال لے کر اپنے صحابہؓ کے ساتھ کبھی پتھریلی زمین کھود رہے ہیں اور کبھی مٹی سے بھری ہوئی ٹوکری اپنے سراپا سعادت سر پر اٹھا کر باہر پھینک رہے ہیں۔

اگر فوجی قیادت سپہ سالار اور سپاہی کی زندگی کا جائزہ لینا ہو تو غزوات نبویؐ کا مطالعہ کیجئے۔ آپؐ کے سامنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عسکری زندگی کے بارے میں مکمل تفصیل آ جائے گی۔ کہیں آپؐ صفوں کی ترتیب درست کرتے ہوئے نظر آتے ہیں' کہیں میدان جنگ میں لشکر گاہ کے لئے جگہ کا انتخاب فرما رہے ہیں۔ کہیں جنگی حکمت عملی کا مظاہرہ فرما رہے ہیں۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میدان جنگ میں آپؐ سب سے آگے ہوتے تھے اور ہمیں جب کہیں پناہ لینے کی ضرورت ہوتی تو آپؐ ہی کے پاس آ جاتے تھے۔ غزوہ بدر میں آپؐ نے مٹھی بھر ساتھیوں کے ساتھ ایک بڑے لشکر کے ساتھ نبرد آزما ہونے کے بعد اسے شکست فاش دی۔ غزوہ احد میں آپؐ صرف چند جانثاروں کے ساتھ میدان جنگ میں رہ گئے تھے۔ مگر آپؐ اپنی جگہ سے نہیں ہٹے۔ حتیٰ کہ آپؐ کے دندان مبارک شہید ہوئے اور آپؐ زخمی ہو گئے۔

غزوہ حنین میں جب لشکر اسلامی کو ہزیمت اٹھانا پڑی تو آپؐ میدان جنگ میں تن تنہا ڈٹے رہے اور یہ رجز پڑھتے رہے:

انا النبی لا کذب　　　　انا ابن عبدالمطلب

آخر کار ثابت قدمی' اولوالعزمی' استقامت نے مسلمانوں کی شکست کو فتح میں بدل دیا اور دشمن بری طرح شکست سے دوچار ہوا۔

اسی جنگ کا ایک دوسرا رخ بھی ہے' فتح کے نتیجے میں آپ کے پاس دشمن کے اسیروں کی بڑی تعداد قبضہ میں آئی جن میں بنو ہوازن کی مستورات بھی تھیں۔ دوسرے روز مفتوحین میں سے کچھ لوگ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ ان اسیروں میں تمہاری خالائیں' پھوپھیاں اور ان کی اولاد بھی ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آپؐ نے اسی قبیلہ کی ایک خاتون حضرت حلیمہ سعدیہؓ کا دودھ پیا تھا۔ آپؐ نے ان سے فرمایا کہ مجھے اپنے حصے کے اسیروں پر حق حاصل ہے میں انہیں آزاد کر سکتا ہوں' باقی تعداد کے لئے دوسرے مجاہدین کی مرضی ہے۔ تاہم تم لوگ ظہر کی نماز کے فوراً بعد آ جانا پھر کچھ نہ کچھ انتظام ہو جائے گا۔ حسب وعدہ وہ سب بروقت آ گئے' آپؐ نے سب کے سامنے اپنے حصہ کے قیدیوں کی رہائی کا حکم صادر فرما دیا اور دوسرے لوگوں سے ان کی مرضی دریافت کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں تمام انصار اور مہاجرین نے اپنے اپنے حصے کے قیدیوں کو آزاد کر دیا۔ اس طرح حضور علیہ السلام کے ذریعے قیدیوں کی ایک کثیر تعداد نے رہائی حاصل کی۔

سربراہ مملکت:

مدینہ منورہ میں آمد کے بعد آپؐ کی حیثیت ایک سربراہ مملکت کی بھی تھی۔ اس حیثیت میں آپؐ کی ذات گرامی دنیا بھر کے حکمرانوں' سربراہوں اور بادشاہوں کے لئے ایک مکمل نمونہ تھی۔ آپؐ نے جس طرح مقننہ' عدلیہ اور انتظامیہ کا اہتمام فرمایا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین سے جس طرح مشاورت کی' اہل معاہدہ سے معاہدوں کی پابندی کی' سفارتوں کا بندوبست کیا' ریاست مدینہ کے خد و خال متعین فرمائے اور بیرونی سفارتوں کے لئے اصول و قوانین وضع فرمائے اس سے آج کی مہذب دنیا

کے ترقی یافتہ حکمران بہت کچھ حاصل کر سکتے ہیں۔

ذاتی زندگی:

آپؐ کی ذاتی زندگی میں سخاوت و ایثار' ایفائے عہد' زہد و قناعت' عفو و حلم' شرم و حیاء' شفقت و رحمت اور خوش طبعی کے لئے بے شمار مثالیں ہیں۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے آپؐ سے سواری کے لئے کچھ طلب کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ میں تمہیں اونٹنی کے بچے پر سوار کرا کر بھیج دوں گا۔ اس پر اس شخص نے عرض کیا' یا رسول اللہ! وہ بچہ میرا بوجھ کیونکر سہار سکے گا؟ آپؐ نے فرمایا کہ آخر بڑا اونٹ بھی تو اونٹنی کا بچہ ہی ہوتا ہے۔

ایک مرتبہ ایک بوڑھی عورت نے عرض کیا کہ میرے لئے جنت کی دعا فرمایئے۔ آپؐ نے فرمایا کہ بوڑھی عورتیں جنت میں داخل نہیں ہوں گی۔ اس پر وہ بوڑھیا رونے لگی۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ اس سے کہو کہ جنت میں بوڑھیوں کو بھی جوان بنا کر داخل کیا جائے گا اور تم بھی جوان ہو جاؤ گی۔

ان دو مختصر سے واقعات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آپؐ خوش طبعی میں بھی سنجیدگی اور وقار کا لحاظ رکھتے تھے۔

حضرات محترم!

حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی عملی زندگی کی یہی **دلفریبیاں** تھیں' جنہوں نے عرب کے بدوؤں کو اسلام کا گرویدہ بنا دیا تھا۔ آج بھی اگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ اسلام کی دعوت کی پذیرائی ہو اور یہ پیغام حق دلوں کی دنیا میں ہلچل پیدا کر دے تو اس کی صرف یہی صورت ہے کہ قرآن کی تعلیمات کے حسین خد و خال کو سیرت مصطفوی کے شفاف آئینہ میں دکھایا جائے تاکہ جمال حق کو وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں اور اس کی فطرت کے آگے سر تسلیم خم کر لیں۔ جب تک ہم حضور کے اسوہ حسنہ کے مختلف پہلوؤں کو لوگوں کے سامنے اجاگر نہیں کریں گے اور خود اس پر عمل پیرا نہیں ہوں گے اور عملی شکل میں اسے پیش نہیں کریں گے اس وقت تک ہم نہ اپنے فریضہ تبلیغ سے عہدہ برآ ہو سکتے ہیں اور نہ اپنی بات کو لوگوں سے منوا سکتے ہیں۔ نوع انسانی کو دین اسلام کی جس قدر آج ضرورت ہے اتنی شاید پہلے کبھی نہ تھی۔ ترقی یافتہ قومیں اپنے تمدن اور ثقافت سے مایوس ہو چکی ہیں۔ انہیں ضرورت ہے کہ وہ اسلام کے چشمہ شیریں سے اپنی پیاس بجھائیں۔ اس لئے ہر وہ شخص جس کے دل میں انسانیت کے لئے درد ہے۔ جو اپنے بھائیوں کی ضلالت و گمراہی پر پیچ و تاب کھاتا رہتا ہے' جس کو حضور علیہ السلام کی نبوت اور دعوت کے کامل و مکمل ہونے کا یقین محکم ہے۔ اس کا یہ خوشگوار فریضہ ہے کہ اندھیروں میں بھٹکنے والی مخلوق کی رہنمائی کے لئے حضورؐ کے اسوہ حسنہ کو بڑے مدلل اور دلکش انداز میں پیش کرے اور عملی نمونہ ان کے سامنے رکھے۔

یاد رکھئے! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا اعجاز آپؐ کا پاکیزگی کردار تھا۔ چنانچہ جب کفار مکہ نے آپؐ سے آپؐ کی نبوت کی دلیل چاہی تو آپؐ نے بلا تامل جو جواب دیا۔ اسے قرآن مجید نے ان الفاظ میں بیان کر کے آپؐ کی پاکیزگی کردار پر مہر تصدیق ثبت فرما دی:

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّن قَبْلِهِ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿١٦﴾

(ترجمہ) آخر اس سے پہلے میں ایک عمر تمہارے درمیان گزار چکا ہوں' کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟
(یونس ۱۰:۱۶)

میرا بچپن' میری جوانی' میری ساری عمر تمہاری آنکھوں کے سامنے گزری ہے تمہیں کبھی اس میں کوئی لغزش دکھائی دی ہے؟ ظاہر ہے کہ اس سوال کا جواب کفار کے پاس سوائے خاموشی کے کچھ نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ خالق کائنات نے بنی نوع

انسان کے لئے آپ کی حیات طیبہ کو نمونہ عمل قرار دیا اور ارشاد فرمایا: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

الغرض آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے امتیوں پر لازم ہے کہ زندگی کے تمام انفرادی و اجتماعی افعال و اعمال اور معاملات جیسے عقائد و عبادات' مناکحات و معاملات معیشت و معاشرت' اخلاق و کردار' تمدن و تہذیب اور حکومت و سیاست ہر بات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور اسوہ حسنہ کو اپنے لئے نمونہ بنائیں اور ان پر عمل پیرا ہوں تاکہ کامل مسلمان بن کر دنیا و آخرت کی کامیابی حاصل کریں۔ خداوند کریم ہمیں ان باتوں پر عمل پیرا ہونے کی توفیق دے۔ آمین۔

و صلی اللّٰہ تعالیٰ علی الرسول خیر خلقہ محمد و الہ اصحابہ اجمعین برحمتک یا ارحم الرحمین۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

خطبہ مسنونہ:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰٓی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَھْلِ بَیْتِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ:

اَمَّا بَعْد! اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ہ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی:

اِلَّا تَنْصُرُوْہُ فَقَدْ نَصَرَہُ اللّٰہُ اِذْ اَخْرَجَہُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْ ھُمَا فِی الْغَارِ اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِہٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا فَاَنْزَلَ اللّٰہُ سَکِیْنَتَہٗ عَلَیْہِ وَاَیَّدَہٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْھَا وَجَعَلَ کَلِمَۃَ الَّذِیْنَ کَفَرُوا السُّفْلٰی وَکَلِمَۃُ اللّٰہِ ھِیَ الْعُلْیَا وَاللّٰہُ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ ﴿۴۰﴾

(ترجمہ) "تم نے اگر نبی کی مدد نہ کی تو کچھ پروا نہیں' اللہ اس کی مدد اس وقت کر چکا ہے جب کافروں نے اسے نکال دیا تھا' جب وہ صرف دو میں کا دوسرا تھا' جب وہ دونوں غار میں تھے' جب وہ اپنے ساتھی سے کہہ

رہا تھا کہ "غم نہ کر اللہ ہمارے ساتھ ہے" اس وقت اللہ نے اس پر اپنی طرف سے سکون قلب نازل کیا اور اس کی مدد ایسے لشکروں سے کی جو تم کو نظر نہ آتے تھے اور کافروں کا بول نیچا کر دیا اور اللہ کا بول تو اونچا ہی ہے' اللہ زبردست اور دانا و بینا ہے"۔ (التوبہ ۹:۴۰)

حاضرین کرام!

آج اس ہستی کا تذکرہ کیا جا رہا ہے جو اسلام کے السابقون الاولون کے سرخیل' اسلام کے سب سے بڑے محسن' اسرار نبوی کے بڑے محرم' آپؐ کے سفر و حضر' بچپن و جوانی کے ساتھی' خلیفہ اول اور پہلے امیرالمومنین سیدنا ابوبکر الصدیق رضی اللہ تعالی عنہ ہیں۔

حضرت ابو بکر کا نام عبداللہ کنیت ابوبکر اور لقب صدیق و عتیق تھا۔ صدیق لقب آپ کو اس وقت ملا جب آپ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعہ معراج کی خبر سنتے ہی دل سے تصدیق کی اور برسرعام معراج کی حقانیت و صداقت کا اعلان کیا۔ عتیق کے بارے میں روایت ہے کہ حضور اکرمؐ نے فرمایا "ابو بکر عتیق اللہ من النار "یعنی ابوبکر اللہ کی طرف سے دوزخ کی آگ سے آزاد ہیں"۔ آپ کا تعلق قبیلہ بنو تیم سے تھا اور چھٹی پشت میں سلسلہ نسب حضور علیہ السلام سے مل جاتا ہے۔ ان کے والد کا نام عثمان بن عامر اور کنیت ابو قحافہ تھی۔ والدہ محترمہ کا نام سلمٰی اور کنیت ام الخیر تھی۔ آپ کے گھرانے میں چار پشتوں کو شرف صحابیت کا حاصل ہے۔ یہ شرف اور کسی گھرانے کو حاصل نہیں ہوا یعنی ان کے والد' وہ خود' ان کے بیٹے اور پوتے سب کو صحابیت کی سعادت ملی۔ حضرت ابوبکرؓ عام الفیل سے دو سال بعد پیدا ہوئے۔ جوان ہوئے تو تجارت کا پیشہ اختیار کیا۔ حسن معاملہ کے باعث اکثر لوگ ان کے پاس آتے۔ قریش کے انساب کا بھی بہت علم رکھتے تھے۔ خلیق اور نرم دل تھے اور ہر ایک سے نیک سلوک کرتے تھے۔ زمانہ جاہلیت میں بھی گمراہ کن اعتقادات و رسوم' شراب نوشی اور دیگر اخلاقی خرابیوں سے بالکل الگ تھلگ رہتے تھے۔

حضرت ابو بکرؓ کو بچپن ہی سے حضور علیہ السلام کے ساتھ انس تھا اور دونوں کی اکثر ملاقات رہتی تھی۔ اسلام لانے کے بعد یہ تعلق اور مضبوط ہو گیا۔ حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ کوئی دن ایسا نہیں گزرا' جب حضورؐ ہمارے ہاں تشریف نہ لائے ہوں۔ جب پہلی وحی آئی اور حضور اکرمؐ نے حضرت ابوبکرؓ کو دعوت اسلام دی تو انہوں نے بلا جھجک اس پر لبیک کہا اور دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ اس ضمن میں آپؐ کا ارشاد ہے کہ میں نے جس کسی کو بھی اسلام کی دعوت دی' اس کے قبول کرنے میں اسے ایک طرح کا تامل' تاخیر اور سوچ و بچار تھا بجز ابن ابی قحافہ کے کہ جب میں نے اس سے ذکر کیا تو اس نے تردد اور پس و پیش نہیں کی۔

اسلام کا ابتدائی زمانہ تھا کہ مسلمان اسلام کا علانیہ اظہار نہ کرتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اجازت طلب کی کہ اب کھل کر اظہار کیا جائے۔ ان کے اصرار پر حضورؐ رضامند ہو گئے اور مسلمان دار ارقم سے نکل کر حرم شریف میں بیٹھ گئے اور حضرت ابوبکرؓ انہیں خطاب کرنے لگے۔ کفار کو پتہ چلا تو انہوں نے وہیں آ کر سب کو زد و کوب کرنا شروع کیا۔ عتبہ بن ربیع نے حضرت ابوبکر پر ظلم کی انتہا کر دی اور اتنا مارا کہ چہرہ لہو لہان ہو گیا اور بے ہوش ہو گئے۔ ان کے قبیلہ کے لوگ انہیں گھر لائے۔ جونہی ذرا ہوش آیا تو اپنی والدہ سے دریافت کیا کہ حضور اکرمؐ کیسے ہیں؟ اور جب انہیں معلوم ہوا کہ خیریت سے ہیں تو زخموں سے چور ہونے کے باوجود والدہ کے سہارے دار ارقم کا رخ کیا اور حضور کا رخ انور دیکھ کر مطمئن و شادکام ہوئے۔ آپ کی تبلیغ اسلام کے نتیجہ میں جن مقتدر اصحاب نے اسلام قبول کیا ان میں سے پانچ کا شمار عشرہ مبشرہ میں ہوتا ہے۔ یعنی عثمانؓ بن

عفانؓ، زبیرؓ بن العوام، عبدالرحمٰنؓ بن عوف، سعدؓ بن ابی وقاص اور طلحہؓ بن عبید اللہ رضوان اللہ اجمعین۔

جب مکے میں کفار کا ظلم و ستم انتہا کو پہنچ گیا اور حضور علیہ السلام نے مسلمانوں کو ہجرت حبشہ کا حکم دیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے بھی رخت سفر باندھا اور حبشہ کی جانب روانہ ہوئے کہ راستہ میں ابن الدغنہ سے ملاقات ہوئی تو اس نے سفر کرنے کا سبب پوچھا تو انہوں نے کہا کہ تمہاری قوم مجھے اپنے رب کی عبادت کرنے، قرآن پڑھنے اور مکے میں رہنے نہیں دیتی۔ اللہ کی زمین کشادہ ہے لہٰذا مکہ چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ اس پر ابن الدغنہ نے جو باتیں کہیں وہ ان کے اخلاق و کردار اور شخصیت کی ایک جھلک دکھاتی ہیں۔ مثلک لایخرج ولایخرج لانک لتصل الرحم و تحمل الکل و تکسب المعدوم و تقری الضیف و تعین علی نوائب الحق "آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، بے سہارا لوگوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، غریبوں کو کما کر کھلاتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں اور حق کی راہ کی تکالیف میں لوگوں کی مدد کرتے ہیں سو آپ جیسے انسان کو نہ تو (مکے سے) نکلنا چاہئے اور نہ نکالا جانا چاہئے"۔ یہی صفات عالیہ ام المومنین خدیجہ رضی اللہ عنہا نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی گنائی ہیں۔ آخر کار ابن الدغنہ انہیں اپنی پناہ میں لے کر واپس لے آیا اور اہل مکہ سے کہا کہ ابوبکرؓ میری امان میں ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں تمہاری یہ امان اس شرط پر منظور ہے کہ ابوبکرؓ اپنے گھر میں چھپ کر عبادت کریں۔ حضرت ابوبکرؓ کچھ عرصہ تو پوشیدہ طور پر عبادت کرتے رہے لیکن جلد ہی اپنے گھر کے صحن میں ایک جگہ عبادت کے لئے مخصوص کر لی اور نہایت اہتمام کے ساتھ قرآن کریم کی آیات کی تلاوت کرتے رہتے۔ آپ چونکہ نرم دل تھے سو جب سوز سے قرآن پڑھتے تو آپ پر گریہ طاری ہو جاتا اور آنسوؤں کی جھڑی لگ جاتی جس کی وجہ سے محلّے کے لڑکے اور عورتیں ان کے ارد گرد جمع ہو جاتیں۔ قریش نے ابن الدغنہ سے شکایت کی۔ اس نے حضرت ابوبکرؓ سے بات کی تو انہوں نے فرمایا: "میں اسے ترک نہیں کر سکتا، مجھے تمہاری امان کی ضرورت نہیں۔ میرے لئے اللہ اور اس کا رسولؐ کافی ہیں"۔

ابتداء میں جو لوگ مسلمان ہوئے ان میں خاصی بڑی تعداد کنیزوں اور غلاموں کی تھی۔ ان کے مشرک آقا دعوت حق قبول کر لینے کے جرم میں انہیں شدید ظلم و ستم کا نشانہ بناتے۔ حضرت ابوبکرؓ نے اپنی فطری نیکی اور اسلام سے گہری محبت کی وجہ سے ایسے کئی غلاموں کو خرید کر آزاد کیا۔ ابن حجر نے ان کی تعداد پانچ غلام اور دو لونڈیاں بتائی ہے۔ جن میں حضرت بلالؓ، حضرت عامر بن فہیرہؓ اور ام عنبر کے نام شامل ہیں۔ اس کے علاوہ بھی حضرت ابوبکرؓ انفاق فی سبیل اللہ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ صاحب اصابہ لکھتے ہیں کہ جب حضرت ابوبکرؓ ایمان کی دولت سے مالا مال ہوئے۔ تو اس وقت ان کے پاس چالیس ہزار درہم تھے۔ لیکن جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے تو صرف پانچ ہزار درہم باقی تھے۔

حضرت ابوبکرؓ نے ہر موقع پر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور حضور علیہ السلام کی رسالت پر ایمان کامل کا ثبوت دیا اور جو کچھ بھی حضورؐ کی زبان مبارک سے نکلا اس کی نہ صرف تصدیق کی بلکہ دل و جان سے اس کا عملی ثبوت بھی فراہم کیا۔ جب حضورؐ نے اہل مکہ کے سامنے واقعہ معراج کا تذکرہ کیا کہ اللہ تعالیٰ مجھے راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا اور پھر مجھے آسمانوں کی سیر کرائی تو آپؐ کا مذاق اڑایا گیا۔ لیکن جب کسی نے اس کا تذکرہ حضرت ابوبکرؓ کے سامنے کیا تو اسی وقت مسجد حرام میں پہنچے، اس وقت حضورؐ مسجد اقصیٰ کی کیفیت بیان فرما رہے تھے۔ اس پر حضرت ابوبکرؓ نے بے ساختہ عرض کیا۔ یا رسول اللہ! آپ سچ فرما رہے ہیں۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا "وانت صدیق" "حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کی زبان سے حضرت ابوبکرؓ کا نام صدیقؓ رکھا۔ کیونکہ انہوں نے حضور اکرمؐ کی تصدیق کرنے میں جلدی کی اور ہمیشہ سچ کو لازم پکڑا۔

بیعت عقبہ اولیٰ اور عقبہ ثانیہ کے بعد جب یثرب (مدینہ) میں اسلام کی اشاعت ہونے لگی اور مکہ میں کفار کے مظالم کی رفتار بڑھنے لگی تو حضورؐ نے اپنے صحابہؓ کو ہجرت کی اجازت دے دی۔ صدیق اکبرؓ نے بھی اجازت چاہی تو حضورؐ نے فرمایا: "ابھی ایسا نہ کرو۔ شاید اللہ تعالیٰ تمہارا کوئی ساتھی پیدا کر دے"۔

اس واقعہ کو چار ماہ گزر گئے تو ایک روز حضور علیہ السلام صدیق اکبرؓ کے گھر تشریف لے گئے اور فرمایا جو لوگ اس وقت موجود ہوں انہیں ہٹا دو۔ صدیق اکبرؓ نے عرض کیا: میرے ماں باپ آپؐ پر فدا ہوں' صرف میری بیٹیاں ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ہجرت کا حکم دے دیا ہے۔ صدیق اکبرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا مجھے رفاقت کی سعادت حاصل ہو گی۔ حضورؐ نے فرمایا "ہاں" رات کا ایک حصہ گزر جانے کے بعد آپؐ نے حضرت علیؓ کو اپنے بستر پر استراحت کا حکم دیا اور خود نگرانی کرنے والے مشرکین کے آنکھوں کے سامنے سے گزرتے ہوئے صدیق اکبرؓ کے گھر تشریف لائے۔ وہاں سے پا پیادہ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ راستہ میں زبردست چڑھائی تھی۔ صدیق اکبرؓ نے حضورؐ کو اپنے شانوں پر سوار کرا کے منزل طے کی اور مکے سے تین کوس کے فاصلہ پر غار ثور تک پہنچے۔ پہلے خود داخل ہوئے' اسے درست کیا۔ جتنے سوراخ نظر آئے بند کئے اور پھر حضورؐ سے اندر آنے کی درخواست کی۔ آپؐ رفیق غار کے زانوؤں پر سر رکھ کر محو استراحت ہو گئے۔ اس رفاقت کے سبب صدیق اکبرؓ کو "قرآن کریم میں ثانی اثنین" کا خطاب عطا ہوا۔ سفر ہجرت کو کامیابی تک پہنچانے میں صدیق اکبرؓ کے گھر کے تمام افراد نے مقدور بھر حصہ لیا۔

۱) حضرت عبداللہ بن ابوبکرؓ غار ثور میں قیام کے دوران میں ہر روز اہل مکہ کی جملہ سرگرمیوں کے بارے میں تفصیلی خبریں پہنچاتے تھے۔

۲) صدیق اکبرؓ کے غلام عامر بن فہیرہ اس علاقہ میں بکریاں چراتے ہوئے حضرت عبداللہ بن ابوبکرؓ کے قدموں کے نشان مٹانے پر مامور تھے۔

۳) سفر ہجرت کے لئے اونٹنیوں کا بندوبست صدیق اکبرؓ نے کر رکھا تھا جس کی قیمت باصرار نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے ادا فرمائی۔

۴) غار ثور میں قیام کے دوران میں طعام کا اہتمام صدیق اکبرؓ کے اہل خانہ کے ذمہ تھا۔

۵) عبداللہ بن ار یقط کو معقول معاوضہ دے کر راستہ بتلانے کے لئے خود صدیق اکبرؓ نے مقرر کیا۔

غرضیکہ ان نازک ترین لمحات میں صدیق اکبرؓ اور ان کے اہل خاندان' بیوی' بیٹیاں' غلام اور بیٹا سب برابر کے شریک تھے۔

جب تین راتیں خیریت سے گزر گئیں اور خدشہ کی کوئی بات نہ رہی تو ہجرت کی تمام منزلیں طے کرتے ہوئے سرکار رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رفیق سفر صدیق اکبرؓ کے ہمراہ پہلے مقام قبا پہنچے اور پھر کچھ روز وہاں قیام کرنے کے بعد مدینہ منورہ تشریف لائے۔

مدینہ منورہ پہنچ کر مسلمانوں کو آزادی کا سانس لینا نصیب ہوا تو اجتماعی طور معبود حقیقی کی عبادت کا خیال آیا۔ حضور علیہ السلام نے فوراً" مسجد کی ضرورت محسوس کی۔ اس کے لئے آپؐ نے جو زمین منتخب کی وہ سہل اور سہیل نامی دو یتیم بچوں کی تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایماء پر صدیق اکبرؓ نے اس زمین کی قیمت ادا کر کے مسجد کے لئے زمین وقف کر دی۔

حضور علیہ السلام صدیق اکبرؓ کو بہت عزیز جانتے تھے۔ ان سے محبت کے رشتہ کو مزید استحکام بخشنے کے لئے آپؐ نے ان کی

صاحبزادی سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی' جن کی رخصتی مدینہ پہنچ کر ہوئی۔

مدینہ منورہ میں جب ایک مثالی ریاست وجود میں آئی تو اس کے تحفظ اور بقاء کے لئے مسلمانوں کو متعدد جنگیں کرنا پڑیں۔ حضرت ابوبکرؓ ان تمام غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سپاہی اور ایک مشیر کی حیثیت سے شریک رہے۔ غزوہ بدر میں جب حضور مصروف دعا تھے تو صدیق اکبرؓ آپ کی حفاظت کے لئے تلوار لئے کھڑے رہے۔ فتح کے بعد جب ستر قیدی ہاتھ لگے تو صدیق اکبرؓ کی رائے ہی سے انہیں فدیہ لے کر آزاد کر دیا گیا۔ غزوہ احد میں بعض مجاہدین کی غلطی کی وجہ سے فتح' شکست میں بدل گئی تو صدیق اکبرؓ آخری وقت تک ثابت قدم رہے۔ غزوہ خندق' بیعت رضوان' غزوہ خیبر' فتح مکہ' غزوہ حنین' غرضیکہ سب جنگوں میں فعال کردار ادا کیا۔ غزوہ تبوک کے زمانے میں خشک سالی کے سبب مسلمانوں کے مالی حالات اچھے نہ تھے۔ حضورؐ نے جنگی اخراجات کے لئے صحابہ کرام رضوان اللہ سے کہا تو صدیق اکبرؓ نے اپنا سارا اثاثہ رسول اللہ کے قدموں میں لا کر ڈال دیا۔ اور جب آپؐ نے دریافت فرمایا کہ تم نے اہل و عیال کے لئے بھی کچھ چھوڑا تو علامہ اقبالؒ کی زبان میں انہوں نے فرمایا:

پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس
صدیقؓ کے لئے ہے خدا کا رسولؐ بس

اس جنگ میں حضورؐ نے انہیں اپنا بڑا پرچم بھی عطا فرمایا۔ اسی سال حضور علیہ السلام نے صدیق اکبرؓ کو امیر حج بھی مقرر فرمایا۔

۱۰ ہجری میں حج سے واپس تشریف لانے کے بعد حضورؐ علالت کے سبب صاحب فراش ہو گئے۔ حتی کہ آپؐ مسجد میں تشریف لانے سے بھی معذور ہو گئے۔ چنانچہ آپؐ نے ارشاد فرمایا: کہ صدیق اکبرؓ امامت کے فرائض ادا کریں۔ وہ حسب ارشاد نبویؐ اس دوران میں امامت کی ذمہ داریاں پوری کرتے رہے۔ ایک روز جب وہ نماز پڑھا رہے تھے تو حضورؐ تشریف لائے۔ انہوں نے پیچھے ہٹنا چاہا تو آپؐ نے اشارہ سے منع فرمایا اور ان کے دائیں پہلو میں بیٹھ کر نماز ادا کی۔ صدیق اکبرؓ نے حضورؐ کی زندگی میں سترہ نمازیں پڑھائیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال پر تمام مسلمان اضطراب کا شکار تھے۔ حتی کہ عمر فاروقؓ جیسا ثابت قدم انسان عالم وارفتگی میں یہ کہہ رہا تھا کہ اگر کسی نے کہا کہ حضورؐ وفات فرما گئے تو اسے تلوار سے قتل کر دیا جائے گا۔ ایسے موقعہ پر جس صبر و تحمل اور ضبط کا مظاہرہ صدیق اکبرؓ نے کیا وہ انہی کا حصہ تھا۔ انہوں نے فرمایا جو لوگ محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی عبادت کرتے تھے انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ آپؐ کا انتقال ہو چکا ہے اور جو لوگ خدا کی عبادت کرتے تھے تو سمجھ لیں کہ خدا حی و قیوم ہے۔ اس کے بعد یہ آیت پڑھی:

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ

"محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو ایک رسول ہیں۔ اور بلا شبہ ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔ اگر وہ وفات پا جائیں یا قتل کر دیئے جائیں تو کیا تم اپنی ایڑیوں پر پھر جاؤ گے؟ (یعنی مرتد ہو جاؤ گے)
(آل عمران ۳: ۱۴۴)

یہ خطاب اس قدر موثر ثابت ہوا کہ ہر شخص مطمئن ہو گیا اور امت ایک بڑے خطرے اور انتشار سے بچ گئی۔ اس کے بعد سقیفہ بنو ساعدہ میں جس طرح انہوں نے حالات پر قابو پایا اور مسئلہ خلافت کو حل کیا اور مسلمانوں کو متفق اور متحد کیا' انعقاد خلافت کے بعد جیش اسامہؓ کی روانگی اور ان کی فتح' جھوٹے مدعیان نبوت کا استیصال' مانعین زکواۃ کا قتال اور باغیوں کی سرکوبی کی۔ یہ ان کی اسلام کے لئے خدمات بھی ہیں اور کارنامے بھی۔

صدیق اکبرؓ کا دور خلافت نہایت مختصر تھا۔ لیکن اس قلیل مدت میں انہوں نے اندرونی حالات پر قابو پا کر' لشکر اسلامی کو عرب کے سرحدی علاقوں کی طرف اس غرض سے روانہ کیا تاکہ ریاست اسلامی کا دفاع بھی ہو جائے اور سرحدوں پر امن و امان کی حالت بھی قائم ہو۔ لیکن جب اہل حیرہ اور غسانہ نے اپنی روش تبدیل نہ کی تو لشکر اسلام فتوحات کے جھنڈے لہراتا ہوا' قیصر و کسریٰ کی علاقوں کی طرف گامزن ہوا۔ صدیق اکبرؓ نے ایسی عسکری منصوبہ بندی کی جو بعد میں فاروق اعظمؓ کے دور میں یرموک' قادسیہ جیسی عظیم جنگوں کو جیتنے کے قابل ہوئی اور مستقل فتوحات کا ایسا دور شروع ہوا جس کی وجہ سے قیصر و کسریٰ کا شان و شکوہ کا خاتمہ ہوا اور اسلامی پرچم نہ صرف ہلال زرخیز پر لہرانے لگا بلکہ ایک صدی کے اندر اندر ماور النہر' سندھ' اندلس اور چین کی سرحدوں تک سایہ فگن ہو گیا۔

جمادی الثانی میں آپ بیمار ہوئے اور چند روز بیمار رہنے کے بعد جب محسوس کیا کہ اب آخری وقت ہے تو انہوں نے چند قیمتی وصیتیں کیں جن میں سے حضرت عمرؓ کو خلیفہ بنانا' بیت المال کا قرض ادا کر دینا' بیت المال کی جو چیزیں ہیں واپس کر دینا اور پرانے کپڑوں میں غسل دینا ہے آپ نے ۲۱ جمادی الثانی ۱۳ھ مطابق ۲۳ اگست ۶۳۴ء میں انتقال کیا۔ وصیت کے مطابق گھر والوں نے غسل دیا' حضرت عمرؓ نے نماز جنازہ پڑھائی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں دفن کئے گئے۔

صدیق اکبرؓ اپنی ذاتی زندگی میں نہایت سادگی پسند تھے' ایک جلیل القدر خلیفہ ہونے کے باوجود معمولی کپڑے زیب تن فرماتے۔ وہی کھانا کھاتے جو عام مسلمانوں کو میسر تھا۔ بیت المال سے صرف اسی قدر وظیفہ لیتے جو ان کے لئے کافی تھا۔ غریبوں' مسکینوں اور یتیموں کی خبر گیری کرتے ان پر بہت خرچ کرتے۔ اصابت رائے اور معاملہ فہمی کا یہ حال تھا کہ جو رائے دی وہی درست ثابت ہوئی۔ صدیق اکبرؓ کا شمار حفاظ قرآن میں ہوتا ہے۔ ان سے ۴۲ احادیث مروی ہیں۔ تدوین قرآن ان کا سب سے بڑا کارنامہ ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق دے۔ آمین۔

و اخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سیرت و شہادت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

خطبہ مسنونہ:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰٓی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَھْلِ بَیْتِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ:
اَمَّا بَعْدُ! اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ؕ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ تَرٰىھُمْ رُکَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانًا ۫ سِیْمَاھُمْ فِیْ وُجُوْھِھِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِکَ مَثَلُھُمْ فِی التَّوْرٰىۃِ ۚۖۛ وَمَثَلُھُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ ۚ۟ۛ کَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔہٗ فَاٰزَرَہٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰی عَلٰی سُوْقِہٖ یُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِیَغِیْظَ بِھِمُ الْکُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْھُمْ مَّغْفِرَۃً وَّاَجْرًا عَظِیْمًا ﴿۲۹﴾

"محمد اللہ کے رسول ہیں' اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار پر سخت اور آپس میں رحیم ہیں۔ تم جب دیکھو گے انہیں رکوع و سجود' اور اللہ کے فضل اور اس کی خوشنودی کی طلب میں مشغول پاؤ گے۔ سجود کے

اثرات ان کے چہروں پر موجود ہیں۔ جن سے وہ الگ پہچانے جاتے ہیں۔ یہ ہے ان کی صفت توراۃ میں۔ اور انجیل میں ان کی مثال یوں دی گئی ہے کہ گویا ایک کھیتی ہے جس نے پہلے کونپل نکالی' پھر اس کو تقویت دی' پھر وہ گدرائی' پھر اپنے تنے پر کھڑی ہو گئی۔ کاشت کرنے والوں کو وہ خوش کرتی ہے تاکہ کفار ان کے پھلنے پھولنے پر جلیں۔ اس گروہ کے لوگ جو ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے نیک عمل کئے ہیں اللہ نے ان سے مغفرت اور بڑے اجر کا وعدہ فرمایا ہے"۔ (الفتح ۲۹:۴۸)

قرآن کریم کی ان آیات میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جن ساتھیوں کا تذکرہ کیا گیا ہے ان میں سے ایک پیکر شرم و حیا' مجسم جود و سخا' ذی الہجرتین' ذوالنورین' داماد رسول' خلیفہ سوم راشد وھادی سیدنا امیر المومنین عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

قرآن کریم کے مفسرین فرماتے ہیں کہ تیسرے خلیفہ راشد حضرت عثمان غنی رحماء بینھم کی صفت کامل کے مظہر تھے۔ رحم و کرم اور عفو و درگزر کی خوبیاں ان میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھیں۔ رحمدلی و شفقت ان کے وصف خاص تھے۔ آپ کا شمار اسلام قبول کرنے والے السابقون الاولون میں ہوتا ہے۔ آپ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی دعوت پر اسلام قبول کیا اور پھر ذہنی و جسمانی اور مالی لحاظ سے اسلام کے ہو کر رہ گئے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یکے بعد دیگرے اپنی دو صاحبزادیوں' حضرت رقیہؓ اور حضرت ام کلثومؓ کا نکاح ان سے کیا جس کی وجہ سے آپ ذوالنورین (دو نوروں والے) کہلائے۔

حضرت عثمانؓ قریش کی مشہور شاخ بنی امیہ سے تھے اور پانچویں پشت پر آپ کا نسب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے۔ بنی امیہ کا خاندان زمانہ جاہلیت سے نہایت معزز و مقتدر چلا آتا تھا۔ قریش کے خانوادوں میں بنی ہاشم کے سوا کوئی ان کا مد مقابل نہ تھا۔ حضرت عثمان کے مورث اعلیٰ امیہ بن عبد شمس قریش کے بڑے دبدبے و شکوہ والے رئیس تھے۔ زمانہ جاہلیت میں قریش کا قومی علم' عقاب' جنگ کے وقت اس خاندان کے سپرد ہوتا تھا۔ حضرت عثمان ہجرت سے سینتالیس سال قبل عام الفیل کے چھ سال بعد ۵۷۶ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کے بچپن کے حالات پردہ اخفا میں ہیں لہٰذا ان کی تفصیل نہیں ملتی۔

والد ماجد کا نام عفان تھا اور والدہ ماجدہ کا نام اروی بنت کریز ام الحکیم تھا۔ ام الحکیم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب کی بیٹی تھیں۔ اس نسبت سے حضرت عثمان کی والدہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن تھیں اور حضرت عثمانؓ کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھانجے کا رشتہ تھا۔ آپ بچپن ہی سے باعزت' ایماندار اور اخلاق عالیہ کے مالک تھے۔ اس وقت عرب میں تعلیم بالکل نہیں تھی اور صرف گنے چنے چند افراد پڑھے لکھے تھے جن میں سے ایک آپ تھے۔ آپ نے تجارت کا پیشہ اختیار کیا اور اپنی ایمانداری' سچائی اور اخلاق کی بدولت کامیاب و کامران تاجر بن گئے مگر آپ کی شہرت سخاوت کی وجہ سے ہوئی۔ قبول اسلام سے قبل بھی حضرت عثمان کا دامن ہر برائی سے پاک و صاف تھا۔

آپ کی عمر کا چونتیسواں سال تھا کہ اسلام کا ظہور ہوا۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عثمان کے نہایت گہرے تعلقات و روابط تھے۔ صدیق اکبرؓ کی تبلیغ نے انہیں اسلام کی طرف مائل کر لیا اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست حق پرست پر مشرف باسلام ہو گئے۔ آپ کا خاندان یعنی بنی امیہ اسلام اور مسلمانوں کا سخت دشمن تھا۔ ان کا غصہ غریب مسلمانوں پر ٹوٹتا تھا۔ خود حضرت عثمان کے چچا حکم اسلام کے بڑے دشمنوں میں سے تھے۔ انہوں نے اسلام کے جرم میں بھتیجے کو باندھ کر مارا' تمام اعزہ نے منہ موڑ لیا' لیکن آپ ان کی زیادتیاں برداشت کرتے رہے۔ پھر اذن ہجرت کے بعد اپنی اہلیہ حضرت رقیہؓ کو لے کر حبشہ چلے گئے اور ہجرت اولیٰ میں شمولیت کا شرف حاصل کیا۔ چند سال کے بعد قریش کے اسلام قبول کرنے کی خبر پا کر کے واپس آئے

لیکن یہ خبر غلط نکلنے پر ان کے اور ساتھی تو پھر حبشہ لوٹ گئے مگر یہ مکے میں مقیم ہو گئے۔ بعد میں ہجرت کر کے مدینے گئے اور ذوالہجرتین کہلائے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابراہیم اور حضرت لوط علیہما السلام کے بعد ایک ساتھ شوہر بیوی کا ہجرت کرنے والا یہ پہلا جوڑا ہے۔ آپ کا شمار عشرہ مبشرہ میں ہوتا ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو زندگی ہی میں جنت کی بشارت دے دی تھی۔ شرم و حیا آپ کا ایک خاص جوہر تھا۔ آپ مسلمانوں میں کامل الحیاء والایمان کے لقب سے مشہور ہیں۔ آپ اس قدر باحیا تھے کہ خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی حیا کا خاص طور پر خیال فرماتے تھے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: الا استحی من رجل تستحی الملائکۃ منہ "میں اس آدمی سے حیا کس طرح نہ کروں جس سے ملا کہ حیا کرتے ہیں"۔ (مسلم)۔ حضرت عثمان کے لئے جنت کی خوشخبری دیتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لکل نبی رفیق و رفیقی یعنی فی الجنہ عثمان "ہر نبی کا ایک ساتھی ہوتا ہے اور میرا ساتھی جنت میں عثمانؓ ہے" (ترمذی)۔ دیگر متعدد احادیث ہیں جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمانؓ کے لئے جنت کی بشارتیں دی ہیں۔

حضرت عثمان نے اسلام اور اہل اسلام کی ضرورت کے وقت دل کھول کر مالی مدد کی ہے جس کی وجہ سے اسلام کے مالی معاونین میں ان کا مقام بہت بلند و بالا ہے۔ مثال کے طور پر دو اہم واقعات کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

مسلمان جب مدینہ منورہ پہنچے تو وسط مدینے میں میٹھے پانی کا صرف ایک کنواں رومہ نامی تھا جو ایک یہودی کی ملکیت تھا۔ اس نے اس کو معاش کا ذریعہ بنا رکھا تھا اور مہنگے داموں اس کا پانی فروخت کرتا تھا۔ چنانچہ غریب مسلمانوں کو پانی کی سخت تکلیف تھی۔ حضرت عثمانؓ نے اسے آٹھ ہزار درہم میں خرید کر لوگوں کے لئے وقف کر دیا۔

غزوہ تبوک کے زمانے میں عرب میں سخت قحط سالی تھی۔ عین اس حالت میں غزوہ تبوک پیش آیا۔ تمام صاحب قدرت صحابہ نے جنگی اخراجات کے لئے دل کھول کر مالی مدد دی۔ حضرت عثمان نے آدھی یا تہائی فوج کے اخراجات اپنے ذمے لے لئے۔ اس کے علاوہ ایک ہزار اونٹ، ستر گھوڑے اور ایک ہزار دینار نقد بطور سامان رسد پیش کئے۔ حضرت عثمان کی اس خدمت کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اتنا اثر ہوا کہ آپ ان کی دی ہوئی اشرفیوں کو اچھالتے تھے اور فرماتے تھے کہ "آج کے بعد عثمان کو ان کا کوئی عمل نقصان نہیں پہنچا سکتا" (احمد)۔ الغرض عثمان غنی کی جان اور ان کی ساری دولت اسلام کے لئے وقف تھی۔ جب بھی اسلام اور مسلمانوں کو مالی معاونت کی ضرورت ہوتی تو آپ پیش پیش رہتے اور دل کھول کر مدد کرتے۔ اس طرح اپنا مال رفاہی کاموں پر بے دریغ خرچ کرتے رہتے۔

حضرت عثمان غنی عہد نبوی کے تمام غزوات میں شامل رہے۔ غزوہ بدر کے موقع پر ان کی زوجہ حضرت رقیہؓ علیل تھیں۔ حضور اکرمؐ نے انہیں ان کے پاس ہی ٹھہرنے کے لئے کہا اور فرمایا کہ تمہیں اس جنگ میں شریک لوگوں ایسا اجر اور مال غنیمت ملے گا۔ اسی لئے غزوہ بدر میں شامل مجاہدین کی جو فہرست بخاری میں موجود ہے اس میں آپ کا نام درج ہے۔ غزوہ ذات الرقاع اور غزوہ بنی غطفان دونوں مواقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنا قائم مقام مقرر فرمایا۔

حضرت عثمان کی زندگی کا ایک اہم واقعہ وہ ہے جب حدیبیہ کے مقام پر آپؐ نے انہیں ذوالقعدہ ۶ ہجری میں اہل مکہ کی طرف اپنا سفیر بنا کر بھیجا تھا۔ اس کے نتیجے میں بیعت رضوان اور صلح حدیبیہ کے واقعات پیش آئے اور اس موقع پر جب حضرت عثمانؓ کی شہادت کی افواہ پھیلی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بیعت لی تھی اسے بیعت رضوان کہا جاتا ہے۔ اس موقع پر آپؐ نے اپنا ایک ہاتھ اپنے دوسرے ہاتھ میں دیا اور ایک ہاتھ کو عثمانؓ کا ہاتھ شمار کیا اور ان کی طرف سے بیعت کی جو ان کے لئے

بڑا اعزاز ہے۔

حضرت عثمان خلیفہ اول حضرت ابوبکرؓ کے عہد خلافت میں ان کے مشیر تھے اور بعض دیگر صحابہ کے ساتھ افتاء کی خدمت بھی انہی کے سپرد تھی اور کاتب (سیکرٹری) کی حیثیت سے بھی فرائض انجام دیئے تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ کے زمانے میں وہ مجلس شوریٰ کے ممتاز ارکان میں شامل رہے۔ حضرت عثمان کی فضیلت و درجہ صحابہ کرام میں تسلیم شدہ ہیں۔ نافع نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ "ہم رسول اللہ کی زندگی میں اثنائے گفتگو میں نام لیتے وقت یہ ترتیب اختیار کیا کرتے تھے ابوبکر و عمر و عثمانؓ۔ اس سے ان حضرات کا درجہ فضیلت مد نظر تھا"۔

سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پہلے خلیفہ منتخب ہوئے۔ انہوں نے اپنی وفات سے پہلے حضرت عمر فاروقؓ کو خلیفہ ثانی اور اپنا جانشین چن کر خلافت کا مسئلہ بہترین طور پر حل فرما دیا تھا۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا جب آخری وقت آیا تو لوگوں نے ان سے گذارش کی کہ وہ بھی اپنا جانشین مقرر فرما دیں۔ لیکن انہوں نے معذرت کی اور چھ بزرگ صحابہ کی ایک کمیٹی قائم کی۔ اس کمیٹی میں یہ مقتدر اور عظیم صحابہ شامل تھے۔

(ا) حضرت علی (۲) حضرت عثمان (۳) حضرت زبیر (۴) حضرت عبداللہ بن عمر (۵) حضرت سعد بن وقاص (۶) حضرت عبدالرحمن بن عوف (رضوان اللہ عنہم اجمعین)۔ ان میں حضرت عمرؓ کے صاحبزادے عبداللہ بن عمر بھی شامل تھے لیکن صرف مشورہ کے لئے۔ جناب حضرت عمرؓ کی شہادت کے بعد یہ اصحاب سر جوڑ کر بیٹھے اور آپس میں خوب صلاح مشورے ہوئے۔ آخر کار حضرت عثمانؓ کو خلیفہ مقرر کیا گیا۔ خلافت کے بعد آپ نے ہر لحاظ سے اس کا حق ادا کیا۔ قرآن و حدیث اور شیخین کے اقوال کی روشنی میں امور خلافت سرانجام دیتے رہے۔ حضرت عثمان کی مدت خلافت لگ بھگ بارہ سال ہے اور یہ عرصہ اسلامی فتوحات کے سلسلے میں ایک عظیم الشان عہد ہے جس کی مثال اس سے قبل اسلامی تاریخ میں نہیں ہے۔ ان فتوحات کا سہرا عثمانی عہد کے سپہ سالاروں ولیدؓ بن عقبہ' سعیدؓ بن العاص' عبداللہؓ بن عامر اور حضرت معاویہؓ کے سر تھا۔ اس زمانے میں اسلامی جغرافیائی حدود میں بہت وسعت ہوئی۔ اس کی حدود سندھ سے اندلس تک جا پہنچیں۔ اسلامی افواج نے اسی زمانے میں بحری قوت کو بھی منظم کیا اور قبرص اور روڈس کے جزائر فتح کئے۔ ایک عظیم بحری بیڑہ تیار کیا گیا۔ حالانکہ اس سے قبل ان کے پاس ایک کشتی بھی نہیں تھی۔ حضرت معاویہؓ تو سمندری راستے سے اتنے دور نکل گئے کہ ۳۲ھ میں آبنائے قسطنطنیہ (باسفورس) تک جا پہنچے۔ اس لحاظ سے خلافت عثمان کا یہ دور اسلام میں فتح و کامرانی و کامیابی کا باب ثابت ہوا۔ اس عہد میں دو طرح کی فتوحات ہوئیں۔ ایک تو وہ ممالک جو حضرت عمرؓ کے عہد میں ہی فتح ہو گئے تھے' لیکن رومیوں اور ایرانیوں کی شہ پا کر باغی ہو گئے تھے' حضرت عثمان کے عہد میں انہیں دوبارہ زیر اطاعت لایا گیا۔ ان میں اسکندریہ کی بغاوت آذر بائیجان اور آرمینیہ کی بغاوتیں مشہور ہیں۔

دوم وہ ممالک جو پہلی بار عہد ثانی میں حلقہ اطاعت میں آئے۔ ان ممالک میں افریقہ کے طرابلس' تونس' الجزائر' مراکش اور مشرقی افریقہ کی فتوحات ہیں۔ شمال مشرق میں خراسان' طبرستان' کابل و بجستان اور نیشا پور کے علاقے ہیں۔ اسی عہد میں مسلمانوں نے ہندوستان کی طرف توجہ کی اور گجرات کے ساحلی علاقوں تک پہنچے۔ عہد عثمانی میں مسلمانوں نے تقریباً" پچاس بحری لڑائیاں لڑیں۔ بحری قوت کا انتظام اسی عہد کا زریں کارنامہ ہے۔

ان کے عہد میں تہذیب و تمدن' صنعت و حرفت' تجارت اور علوم و فنون کو بھی ترقی ہوئی۔ دولت اور فارغ البالی و خوشحالی کا دور دورہ ہوا۔ صحابہ کرام نے مدینہ منورہ اور قرب و جوار میں اچھی عمارتیں تعمیر کروائیں۔

حضرت عثمان کی اہم اسلامی خدمات میں مسجد الحرام کی توسیع ہے۔ جو ۲۶ھ میں کی گئی اور مسجد نبوی کی توسیع ۲۹ھ میں کرائی گئی۔ آپ کا ایک بڑا کارنامہ جو آپ کے ہاتھوں سرانجام پایا وہ عالم اسلام کو ایک مصحف اور ایک قراءت (قریش کے لہجے) پر جمع کرنا ہے۔ قرآن مجید کو لکھوا کر تمام ممالک اسلامیہ میں شائع کرنا اور ایک ہی لہجہ پر تمام عالم اسلام کو متفق کرنا حضرت عثمان کا بہت بڑا کارنامہ ہے اور اسی وجہ سے امت میں ان کا لقب جامع القرآن مشہور ہوا۔

آپ کے عہد کے آخر میں بہت سے فتنوں نے سر نکالا اور سازشوں نے زور پکڑا۔ ان سازشوں اور فتنوں میں بہت سے عناصر کا ہاتھ تھا کچھ عرب قبائل کی باہمی چپقلش' کچھ غیر مسلم اقوام اور علاقوں کا حلقہ اسلام میں آنا اور کچھ غیر مسلموں یعنی یہودیوں اور عیسائیوں کی سازشیں تھیں۔ کسی قدر حضرت عثمان کے مزاج میں جو تحمل و بردباری اور فطری نرم دلی تھی اس کی وجہ سے یہ سازشی دلیر بن گئے۔ لیکن آپ نے بڑے حوصلے اور بردباری سے کام لیا۔ مگر سازشیوں اور فتنہ پردازوں نے آپ کی نرمی سے ناجائز فائدہ اٹھایا جو آپ کی شہادت کا سبب بنا۔ شہادت کی بشارت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخین نے آپ کو بذریعہ خواب دے دی تھی۔

جمعہ مبارک کا دن تھا۔ آپ روزہ سے تھے کہ چار فتنہ پرداز دیوار پھاند کر گھر میں گھس آئے۔ ایک نے نہایت گستاخی سے آپ کی ریش مبارک کو پکڑ کر کھینچا۔ آپ نے اسے پہچان لیا اور فرمایا۔ واللہ اگر آج تیرا باپ زندہ ہوتا تو ہرگز برداشت نہ کرتا۔ وہ نادم ہو کر پیچھے ہٹا تو دوسرے نے پیشانی مبارک پر سلاخ ماری' قرآن کریم آپ کے سامنے کھلا تھا۔ سورہ البقرہ کی اس آیت:

فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ

ترجمہ: اللہ تمہاری حمایت کے لئے کافی ہے۔ (البقرہ ۲: ۱۳۷)

پر خون کا چھینٹا پڑا۔ آپ اللہ کا نام لیتے ہوئے زمین پر گر گئے۔ تیسرے شورش پسند نے حضرت عثمانؓ کے کمزور جسم پر نیزہ مارا۔ چوتھے دشمن نے تلوار سے وار کیا۔ آپ کی وفا شعار بیوی بی بی حضرت نائلہؓ نے بچاؤ کیا تو ان کی تین انگلیاں کٹ گئیں۔ اس طرح جمعہ کے روز ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ مطابق ۳۱ مئی ۶۵۵ء قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہوئے جام شہادت نوش کر کے اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

اس وقت آپ کی عمر مبارک ۸۰ سال تھی۔ آپ کی میت کو چند صحابہ نے جن میں علیؓ' طلحہؓ' زبیرؓ' کعبؓ' شامل تھے اٹھایا اور بقیع کے قبرستان میں دفن کیا۔ افسوس! فتنہ پردازوں' ناعاقبت اندیشوں اور شورش پسندوں نے وقت کے بہترین انسان کی زندگی کا چراغ بجھا دیا۔ جو حضور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب صحابی آپؐ کے دوہرے داماد' حیا کی تصویر' غنا کی تنویر اور رحماء بینھم کے مظہر جمیل تھے۔ جنھوں نے دوبار گھربار چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت کی تھی۔ جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں بڑھ چڑھ کر مال خرچ کرنے والے تھے۔ جو مسجد نبوی کی توسیع کرنے والے اور مسلمانوں کے لئے رومہ کنواں خرید کر وقف کرنے والے تھے اور جن کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے خالق کی خوشنودی حاصل تھی۔

آپ کی شہادت نہایت دردناک اور غم آفرین ہے۔ آپ کی شہادت سے امت میں اختلاف و انتشار کا ایسا دروازہ کھلا جو آج تک بند نہ ہو سکا۔ اللہ تعالیٰ ہم پر رحم فرمائے' ہمیں اختلاف و انتشار سے بچائے اور اتحاد و اتفاق کی دولت عطا فرمائے (آمین)۔

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سیرت و شہادت سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

خطبہ مسنونہ:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَهْلِ بَيْتِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ:

اما بعد! اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا

ترجمہ: "محمد اللہ کے رسول ہیں' اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار پر سخت اور آپس میں رحیم ہیں۔ تم جب دیکھو گے انہیں رکوع و سجود اور اللہ کے فضل اور اس کی خوشنودی کی طلب میں مشغول پاؤ گے"۔

(الفتح ۴۸:۲۹)

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے میں سرور عالم فخر آدم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اصحابی کالنجوم فبایھم اقتدیتم اھتدیتم

"میرے صحابی ستاروں کے مانند ہیں پس ان میں سے جس کی اقتداء و پیروی کرو گے ہدایت پالو گے"۔

حضرات گرامی!

دنیا کی ان درخشندہ و تابندہ ہستیوں میں سے ایک سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ جنھوں نے اپنے علم و فضل، شجاعت و سخاوت اور جذبہ حب رسول سے دین اسلام کی خدمت کے لئے نمایاں کارنامے سرانجام دے کر رہتی دنیا تک کے لئے نمایت اعلیٰ مثالیں قائم کیں اور تاریخ اسلام میں نمایاں نام پایا۔

حضرت علیؓ کا اسم گرامی علی، کنیت ابوالحسن، لقب ابوتراب اور حیدر ہے۔ آپ کی ولادت باسعادت ۱۳ رجب المرجب سنہ ۲۳ قبل ہجری کعبتہ اللہ کے نزدیک ہوئی۔ آپ کے والد گرامی جناب ابو طالب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے۔ آپ کی والدہ ماجدہ کا نام فاطمہ تھا۔ جناب ابو طالب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ عم محترم ہیں جنھوں نے آپؐ کا بچپن سے لے کر نبوت تک بلکہ اپنی زندگی کے آخری لمحات تک خوب ساتھ دیا تھا۔ اس لئے حضور اکرمؐ کو بھی اپنے چچا سے محبت تھی۔ اسی طرح آپ کی چچی فاطمہ (والدہ علیؓ) بھی آپ پر بڑی شفقت کرتی تھیں۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاندان ابو طالب سے خاص انس و محبت تھی۔ چونکہ ابو طالب کی مالی حالت اچھی نہیں تھی، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا کا بار ہلکا کرنے کے لئے حضرت علیؓ کو بچپن ہی سے اپنے دامن پرورش میں لے لیا۔ اس طرح حضرت علی نے بچپن سے آغوش نبوت میں پرورش پائی۔ اس پرورش کا اثر تھا کہ آپ کی پیشانی کو اللہ تعالیٰ نے بت پرستی سے داغدار نہ ہونے دیا۔

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نزول وحی کے بعد خاص خاص لوگوں کو اسلام کی دعوت دی تو عورتوں میں سب سے پہلے حضرت خدیجہ نے لبیک کہا، مردوں میں سب سے پہلے یہ سعادت حضرت ابوبکرؓ کے حصے میں آئی اور بچوں میں سب سے اول حضرت علیؓ نے لبیک کہا۔ اس وقت آپ کی عمر تقریباً" دس سال تھی۔

قبول اسلام کے بعد حضرت علیؓ وعظ و پند کے محفلوں اور تبلیغ اسلام کے جلسوں اور اجتماعات میں ہر وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے۔ بعثت کے چوتھے سال جب آپؐ پر قریبی اعزہ کو عذاب الٰہی سے ڈرانے کا حکم نازل ہوا تو آپؐ نے اس کی تعمیل کے لئے اپنے خاندان والوں کو جمع کیا اور ان سے فرمایا کہ "اے بنی مطلب، میں تمھارے سامنے دنیا و آخرت کی بہترین نعمت پیش کرتا ہوں، تم میں سے کون میرا ساتھ دیتا ہے اور کون میرا معاون و مددگار بنتا ہے؟" تو اس کے جواب میں صرف ایک آواز آئی کہ "گو میں عمر میں چھوٹا ہوں اور میری ٹانگیں کمزور ہیں تاہم میں آپ کا معاون و مددگار اور قوت بازو بنوں گا"۔ یہ آواز علی بن ابی طالب کی تھی۔ آنحضرتؐ نے تین مرتبہ اس سوال کو دہرایا۔ اس کے جواب میں ہر مرتبہ حضرت علی ہی کی آواز آئی۔ اس صلے میں آپؐ نے فرمایا "تم میرے وارث اور بھائی ہو" حضرت علی کا وعدہ محض زبانی دعویٰ نہ تھا بلکہ عمل کچھ اس سے بڑھ کر ہی تھا۔

حضرات محترم!

احادیث مبارکہ میں حضرت علیؓ کے بڑے فضائل بیان ہوئے ہیں۔ انھیں بیان کرنے کے لئے بڑا وقت چاہئے۔ البتہ نمونہ کے طور پر چند ایک واقعات بیان کئے جاتے ہیں۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک کے لئے تشریف لے جا رہے تھے تب حضرت علیؓ کو مدینے میں اپنا نائب بنایا۔ اس پر حضرت علیؓ نے کہا کہ آپ مجھے عورتوں اور بچوں میں چھوڑ رہے ہیں تو آپ نے فرمایا: انت منی بمنزلہ ھارون من موسی الا انہ لا نبی بعدی (متفق علیہ) "تم میرے لئے ایسے ہو جیسے ہارون" موسیٰ" کے لئے تھے مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے"۔ یعنی جبل طور پر جاتے وقت جس طرح موسیٰ علیہ السلام نے ہارون علیہ السلام کو اپنا نائب بنایا تھا اس طرح

میں تمہیں بھی اپنا نائب بنا رہا ہوں۔

زر بن حبیش روایت کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے کہا کہ "مجھے قسم ہے اس ذات کی جس نے دانہ اگایا اور جانداروں میں جان ڈالی' نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے عہد کیا تھا کہ مجھ سے مومن ہی محبت کرے گا اور منافق ہی بغض رکھے گا"۔

حضرت علی ہی سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں علم کا گھر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے"۔ (الترمذی) بعض راویوں نے دار (گھر) کی جگہ مدینہ (شہر) کا لفظ بیان کیا ہے۔

چونکہ حضرت علیؓ پروردہ آغوش رسالتماب' تھے۔ اس لئے تمام صحابہ کرام آپ کے تفقہ فی الدین' علم و عرفان' قوت فیصلہ' اور استنباط مسائل کے قائل تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ' فرمایا کرتے تھے کہ ہم میں سے سب سے زیادہ قوت فیصلہ کے مالک حضرت علی ابن ابی طالب ہیں۔ چنانچہ جب کسی معاملہ میں پیچیدگی کا سامنا ہوتا تو اس کو حضرت علیؓ کے سامنے پیش کرتے۔ ایک مرتبہ امیرالمومنین حضرت عمرؓ کی خلافت میں ایک اہم معاملہ پیش آیا۔ حضرت عمر اس پر غور کرتے رہے لیکن اس کا عمدہ حل نہ نکال سکے اور اس کا فیصلہ کرنے میں پریشان تھے۔ چنانچہ حضرت علیؓ کے سامنے رکھا تو انہوں نے اس کا بہترین حل پیش کیا' اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا لولا علی لھلک عمر "اگر آج علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا" یعنی صحیح حل پیش نہ کرنے سے مجھے نقصان پہنچتا۔ حضرت سیدنا علی المرتضٰی کے محاسن' اوصاف اور خوبیاں بہت زیادہ ہیں تمام صحابہ ان خوبیوں کا اعتراف کرتے ہیں۔ تا جی بزرگ ان کے اوصاف کے قائل ہیں اور اہل سنت آپ کے فضائل پر پختہ یقین رکھتے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ' نے اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر میدان میں خدمت کی۔ چنانچہ میدان جنگ ہو یا میدان علم وفقہ اور قضا آپ ہمیشہ پیش پیش رہے۔ جنگ بدر میں اپنی شجاعت کا لوہا منوایا۔ جنگ احد میں دشمنان اسلام کے دلوں پر اسلام کی دھاک بٹھائی۔ خیبر کے قلعے چیر دیئے لیکن آپ کا سب سے بڑا وصف جس کے سبب وہ اپنے زمانہ کے فقہائے اسلام میں ممتاز تھے وہ یہ تھا کہ انہوں نے دینی مسائل کو اپنے غور و فکر کا موضوع بنایا اور انہیں صرف عبادات و احکام کے افتاء اور اجراء تک محدود نہیں رکھا۔ ان کے زمانے میں اگرچہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ' ایسے فقہاء موجود تھے۔ جو اپنی جد و جہد دینی عبادات کی صحت پر مرکوز اور احکام و قضایا کے استنباط میں قرآن و سنت کی رائے ملحوظ رکھتے تھے لیکن حضرت سیدنا علی المرتضٰی کا امتیاز یہ تھا کہ انہوں نے تفقہ کو خالص تحقیق و تدقیق کے سانچے میں ڈھال دیا اور احکام و مسائل کی گہرائی میں جا کر خالص علمی طریق پر جسے آج کی زبان میں فلسفیانہ طریق تحقیق کہتے ہیں' مطالعہ کیا۔

حضرت سیدنا علی المرتضٰیؓ ایک بلند پایہ ادیب' مفکر' شاعر' فقیہ' خطیب' مفتی' حکیم' مجاہد اور مشیر ہونے کے علاوہ مجتہد تھے' وہ حتی الوسع مسائل میں اجتہاد سے کام لیتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے متعدد امور و مسائل میں قیاس و اجتہاد سے کام لیا۔ آپ نے اپنے صاحبزادے حضرت حسنؓ کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا۔

"بیٹا میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ خدا سے ڈرو اور فرائض بجا لاؤ۔ وہی راہ عمل اختیار کرو جو تمہارے پیش روؤں اور صالحین خاندان نے اختیار کی تھی۔ کیونکہ وہ لوگ بھی تمہاری طرح فکر و نظر رکھتے تھے لیکن اگر کوئی ایسا مسئلہ پیش آ جائے جس کے بارے میں اگلوں کی اختیار کردہ رائے پر تمہارا دل مطمئن نہ ہو تو عالمانہ غور و فکر سے کام لو۔ شکوک و شبہات سے دور رہو اور خدا پر بھروسہ رکھو۔ پھر اگر تمہیں یقین ہو جائے کہ تمہارا ذہن صاف ہو گیا ہے اور دل جم گیا ہے تو یک سو ہو کر کام شروع کر دو۔ میں نے جو باتیں کہی ہیں انہیں دھیان میں رکھو"۔

آپ جب تک لوگوں کی دینی خدمت کا فریضہ ادا نہ کر لیتے مطمئن نہ ہوتے۔ چنانچہ فقراء و مساکین کو رات کا کھانا

کھلاتے۔ ضرورت مندوں اور مستحقوں کو تلاش کر کے ان کو سوال سے بے نیاز کر دیتے۔ رات کو تنہائی میں اپنے معمولات اور عبادات میں مشغول ہو جاتے۔ تہجد کی نماز ادا کرتے۔ صبح اندھیرے اندھیرے مسجد میں تشریف لاتے اور فرماتے نماز' نماز' اللہ کے بندو نماز۔ اس طرح سونے والوں کو بیدار کرتے۔

مدینہ منورہ آنے کے بعد ۲ھ میں آنحضرت نے حضرت علیؓ کو دامادی کا شرف بخشا۔ ہجرت مدینہ کے بعد غزوات کا سلسلہ شروع ہوا۔ حضرت علیؓ ان تمام غزوات یعنی بدر' احد' خندق' بنی قریظہ اور حنین وغیرہ میں آنحضرت کے ہمرکاب رہے اور بہادری و جوانمردی کے سنہری کارنامے سرانجام دیئے۔ خندق میں آپ کو خصوصی طور پر حملہ کرنے کا حکم دیا گیا اور فتح خیبر کا سہرا ان کے حصے میں آیا۔ متعدد سرایا آپ کی رہنمائی میں بھیجے گئے جنہیں آپ نے کامیابی کے ساتھ انجام دیا۔ آنحضرت کی آخری خدمت یعنی آپ کے غسل اور تجہیز و تکفین کی سعادت بھی آپ ہی کے حصے میں آئی۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد تین دن تک مسند خلافت خالی رہی۔ مدینہ میں قیامت کا شور بپا تھا۔ ہر طرف باغی پھیلے ہوئے تھے لیکن خلافت کا انتظام کرنا بہرحال ضروری تھا۔ اس وقت اکابر صحابہ میں حضرت علی ہی کی ذات ایسی تھی جس پر سب کو اتفاق ہو سکتا تھا۔ چنانچہ مہاجرین اور انصار نے جن میں حضرت طلحؓ اور حضرت زبیرؓ بھی تھے' آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ خلیفہ کا انتخاب بہت ضروری ہے۔ حضرت علی نے اشارہ سمجھ کر فرمایا کہ مجھ کو اس کی حاجت نہیں ہے جسے تم منتخب کرو گے میں بھی اسے قبول کر لوں گا۔ انہوں نے عرض کیا کہ آپ کے ہوتے ہوئے کوئی دوسرا شخص اس کا مستحق نہیں ہے۔ اس لئے آپ کے علاوہ کسی دوسرے کو منتخب نہیں کر سکتے۔ حضرت علی نے پھر عذر کیا اور فرمایا امیر ہونے کی نسبت مجھے وزیر ہونا زیادہ پسند ہے۔ آخر میں لوگوں نے پھر عرض کیا کہ ہم لوگ آپ ہی کے ہاتھ پر بیعت کریں گے۔ غرض مسلمانوں کے اصرار سے مجبور ہو کر اور امت اسلامیہ کے مفاد کا لحاظ کر کے آپ نے قبول کیا اور مجمع عام میں مسلمانوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اس بیعت میں مدینے کے تمام صحابہ شریک تھے۔ بیعت کے بعد ۲۱ ذی الحجہ ۳۵ھ میں آپ نے مسند خلافت سنبھالا۔ آپ نے مسند خلافت جن حالات میں سنبھالا تھا وہ امت مسلمہ کے لئے بڑے پریشان کن اور گمبھیر تھے۔ سبائی فتنہ پردازوں' نو مسلم عجمیوں اور مفاد پرست لوگوں نے امت کو انتشار' تفرقے اور خانہ جنگی کے میدان میں لا کر کھڑا کیا تھا۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت اور مدینہ منورہ (دارالخلافہ) میں بدامنی' انارکی اور افراتفری کی وجہ سے پوری اسلامی سلطنت بے یقینی کی حالت اور انتشار میں مبتلا تھی۔ یہ حالات دن بدن بگڑتے رہے۔ اور مسلمانوں کی خانہ جنگی کی طرف بڑھتے رہے حتیٰ کہ آپ کو ان حالات کی اصلاح کے لئے جنگیں کرنی پڑیں۔ ان جنگوں کو بھڑکانے کے لئے سبائیوں' منافقوں' اسلام دشمنوں نے مسلمانوں میں باہمی غلط فہمیاں پیدا کیں' افواہیں پھیلائیں اور مسلمانوں کو ایک دوسرے کے خلاف لا کھڑا کیا' جس کی وجہ سے امت خانہ جنگی میں مبتلا ہوئی۔

حضرت علیؓ نے ان پریشان کن گمبھیر حالات میں بھی عدل و انصاف' اسلامی اصولوں کی پاسداری' احترام مسلم' تقویٰ و دیانت' صدق و خلوص اور تمام اسلامی احکام کی پابندی کو اپنے لئے حرز جان بنایا اور اپنے ساتھیوں کو ان باتوں کی تلقین کرتے رہے۔

خانہ جنگیوں اور اندرونی جھگڑوں کے باوجود آپ نے اسلامی حکومت کی سرحدوں پر نظر رکھی اور سیستان اور کابل میں بعض فتوحات حاصل کیں اور ۳۸ھ میں بحری راستے سے کوکن پر حملہ کرایا۔ مسلمانوں کی خانہ جنگی سے فائدہ اٹھا کر سرزمین عجم میں جا بجا بغاوتیں پیدا ہو گئی تھیں۔ چنانچہ کرمان اور فارس کے صوبے باغی ہو گئے تھے اور بعض دوسرے علاقوں میں بغاوت کے

آثار تھے۔ آپ نے اندرونی دشواریوں کے باوجود زیاد بن ابیہ کو مامور کیا جس نے بغاوتیں فرو کر کے باغی علاقوں کو قابو میں کیا۔ حضرت علیؓ نے نظام خلافت، صیغہ فوج اور صیغہ مال میں اصلاحات کیں۔ عمال کی اخلاقی نگرانی کے نظام کا اہتمام کیا، بیت المال کی حفاظت سخت کی، ذمیوں سے نرمی اختیار کی اور عدل و مساوات کو عام کیا۔

شہادت

آپ کے دور کی خانہ جنگیوں اور امت کے انتشار سے ایک نیا فرقہ وجود میں آیا جسے تاریخ خوارج کے نام سے یاد کرتی ہے۔ خوارج نہ صرف آپ کے سخت مخالف ہو گئے بلکہ اس دور میں امت کے جو بڑے زعماء اور حکمران تھے سب کے مخالف ہو گئے۔ ان کا خیال یہ تھا کہ ان بتوں کو ختم کر دیا جائے تو امت کی اصلاح ہو جائے گی چنانچہ سیدنا علی المرتضیٰ امت کے مسائل کو حل کرنے اور صلح کی کوششوں میں مصروف تھے کہ خوارج نے آپ کو شہید کرنے کی سازش کی۔ خارجیوں کے گروہ ہی سے ایک نوجوان عبدالرحمٰن ابن ملجم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ یہ شخص قبیلہ مراد کا حلیف تھا۔ حجاج بن عبداللہ صریمی نے جو بنی تمیم سے تعلق رکھتا تھا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کے لئے اپنا نام پیش کیا اور عمرو بن بکر نے حضرت عمرو بن العاص کو تہہ تیغ کرنے کے لئے اپنے عزم کا اظہار کیا۔

امیر معاویہؓ کا حملہ آور مقررہ وقت پر جائے واردات پر پہنچ گیا۔ لیکن وہ انہیں قتل کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ اسے پکڑ کر قتل کر دیا گیا۔ عمرو بن العاص بیماری کی وجہ سے نماز پڑھانے کے لئے نہ آ سکے۔ ان کی جگہ ان کا محافظ افسر خارجہ مارا گیا۔ اب رہا ابن ملجم سو وہ کوفہ میں مقیم رہا اور تاریخ مقررہ کا انتظار کرنے لگا۔ وقت قریب آنے پر رات کی تاریکی میں اپنے ایک ساتھی کی معیت میں موقع پر پہنچ گیا۔ آپ گھر سے نکلے اور مسجد تک لوگوں کو نماز کے لئے بلاتے گئے۔ مسجد میں داخل ہوئے تو یہ دونوں دشمنان اسلام موقع کی تلاش میں تھے۔ دونوں نے تلواروں سے حضرت علی پر حملہ کر دیا۔ ابن ملجم کا وار پیشانی سے ہوتا دماغ تک جا پہنچا وار لگتے ہی امیرالمومنین زمین پر گر گئے اور فرمایا۔ فزت برب الکعبہ "رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہوا"۔ قاتلانہ حملہ کے وقت حضرت علیؓ کی زبان پر الصلوٰۃ یا عباد اللہ الصلوٰۃ اللہ کے بندو! نماز، نماز کے الفاظ تھے۔ یہ واقعہ بروز جمعہ ۲۱ رمضان المبارک ۴۰ھ کو ہوا۔ ۲۱ رمضان المبارک مطابق ۸ جنوری ۶۶۱ء کو علم و فضل کا یہ آفتاب درخشاں، فقہ و تہور کا ماہتاب تاباں، پروردہ آغوش سید انام، امت محمدیہ کا امام اور خلیفہ راشد و رابع اپنے خالق و مالک کے حضور پیش ہوا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، آپ کا دور خلافت ۴ سال ۹ ماہ ہے آپ کوفہ میں دفن کئے گئے۔

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقویٰ

خطبہ مسنونہ:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰٓی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَھْلِ بَیْتِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ:

اما بعد! اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۱۱۹﴾

۱۔ اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ سے ڈرو اور سچے لوگوں کا ساتھ دو۔ (التوبہ ۹:۱۱۹)

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ ﴿۴﴾

۲۔ اللہ متقیوں ہی کو پسند کرتا ہے۔ (التوبہ ۹:۴)

اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّنَعِیْمٍ ﴿۱۷﴾

۳۔ متقی لوگ وہاں باغوں اور نعمتوں میں ہوں گے۔ (طور ۵۲:۱۷)

اِنَّ لِلْمُتَّقِیْنَ مَفَازًا ﴿۳۱﴾

۴۔ یقیناً متقیوں کے لئے کامرانی کا ایک مقام ہے۔ (النبا ۷۸:۳۱)

حضرات محترم!

آج ہماری گفتگو کا موضوع تقویٰ ہے۔

تقویٰ کے لفظی معنی بچنے، پرہیز کرنے اور محفوظ رہنے کے ہیں۔ لیکن شریعت اسلامی میں تقویٰ دل کی اس کیفیت کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہمیشہ حاضر و ناظر ہونے کا یقین پیدا کر کے نیکی اور برائی میں فرق کرنے کی صلاحیت پیدا کرتی ہے۔ اور نیکی کی طرف رغبت اور بدی سے نفرت کے جذبہ کو بیدار کرتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں اسے یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ تقویٰ ضمیر کے اس احساس کا نام ہے جس کی بنا پر ہر کام میں خدا کے حکم کے مطابق عمل کرنے کی شدید رغبت اور اس کی نافرمانی کرنے سے سخت نفرت پیدا ہوتی ہے۔

تقویٰ اتنا جامع لفظ ہے اور اس کے معنی اتنے وسیع ہیں کہ اگر ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام تعلیمات اور شریعت اسلامی کے تمام احکام کا خلاصہ صرف ایک لفظ میں ادا کرنا چاہیں تو ہم اس کو "تقویٰ" سے ادا کر سکتے ہیں اس لئے کہ اسلام کی ہر تعلیم کا بنیادی اور اصلی مقصد یہی ہے کہ انسان جو بھی عمل کرے اس میں تقویٰ کی روح ضرور پیدا ہو۔ قرآن پاک نے اپنی ابتدائی آیات ہی میں یہ اعلان کیا ہے کہ اس کی تعلیم سے وہی فائدہ اٹھا سکتے ہیں جو تقویٰ والے ہیں:

هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝

ترجمہ: ہدایت ہے پرہیزگار لوگوں کے لئے۔ (البقرہ ۲:۲)

دین اسلام کی ساری عبادتوں کا منشا اسی تقویٰ کا حصول ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ

ترجمہ: لوگو بندگی اختیار کرو اپنے اس رب کی جو تمہارا خالق ہے۔ (البقرہ ۲:۲۱)

ہمارے زیب و زینت کا سامان ظاہری لباس سے بڑھ کر تقویٰ کا لباس ہے۔

وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ ؕ

ترجمہ: اور بہترین لباس تقویٰ کا لباس ہے۔ (الاعراف ۷:۲۶)

اسی طرح اسلام کا اخلاقی نظام بھی اسی تقویٰ کی بنیاد پر قائم ہے۔

وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ؕ

ترجمہ: اور تم نرمی سے کام لو تو یہ تقویٰ سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔ (البقرہ ۲:۲۳۷)

اِعْدِلُوْا ۟ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۬

ترجمہ: عدل کرو، یہ خدا ترسی سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔ (المائدہ ۵:۸)

وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۸۶﴾

ترجمہ: اگر تم صبر اور خدا ترسی کی روش پر قائم رہو گے تو یہ بڑے حوصلہ کا کام ہے۔ (آل عمران ۳:۱۸۶)

اور پھر قرآن کریم کے مطابق جنت اور آخرت کی تمام نعمتوں کے مستحق بھی اہل تقویٰ ہی ہیں (جیسا کہ شروع میں بیان کردہ آیات کریمہ سے واضح ہے) اور انجام کار کامیابی و کامرانی بھی تقویٰ والوں ہی کے حصے میں آئے گی۔

حضرات گرامی!

یہ جان لینے کے بعد کہ تقویٰ ہی اسلامی تعلیمات کا مقصد اور اس کی روح ہے اور دین و دنیا کی تمام نعمتیں اہل تقویٰ ہی

کے لئے ہیں یہ دیکھنا ہے کہ تقویٰ والے کون لوگ ہیں۔
ارشاد ربانی ہے:

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖۤ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۳۳﴾

ترجمہ: اور جو شخص سچائی لے کر آیا' اور جنہوں نے اس کو سچ مانا وہی عذاب سے بچنے والے ہیں۔ (الزمر ۳۳:۳۹)

روزہ کا بھی یہی مقصد ہے:

كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۳﴾

ترجمہ: تم پر روزے فرض کر دیئے گئے جس طرح تم سے پہلے انبیاء کے پیروؤں پر فرض کئے گئے تھے اس سے توقع ہے کہ تم میں تقویٰ کی صفت پیدا ہو گی۔ (البقرہ ۱۸۳:۲)

حج کی غرض و غایت بھی یہی ہے

وَمَنْ یُّعَظِّمْ شَعَآىِٕرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ

ترجمہ: اور جو اللہ کے مقرر کردہ شعائر کا احترام کرے تو یہ دلوں کے تقویٰ سے ہے۔ (الحج ۳۲:۲۲)

قربانی بھی اسی غرض سے ہے:

لَنْ یَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ یَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ

ترجمہ: نہ ان کے گوشت اللہ کو پہنچتے ہیں' نہ خون' مگر اسے تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔ (الحج ۲۲:۳۷)

ایک مسلمان کی پیشانی جس جگہ خدا کے سامنے جھکتی ہے اس کی بنیاد بھی تقویٰ پر ہونی چاہئے۔

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى

ترجمہ: جو مسجد اول روز سے تقویٰ پر قائم کی گئی۔ (التوبہ ۱۰۸:۹)

یعنی تقویٰ والا وہ ہے جو اپنی زندگی کے ہر شعبہ اور کام کے ہر پہلو میں سچائی لے کر آئے اور اس ابدی سچائی کو سچ مانے۔ اس کی نظر ظاہری فائدے اور نقصان پر نہ ہو بلکہ صرف اور صرف سچائی پر ہو۔ ایک دوسرے مقام پر (سورہ بقرہ میں) تقویٰ والوں کا پورا حال اور حلیہ یوں بیان کیا گیا ہے۔

وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓىِٕكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِیّٖنَ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِی الْقُرْبٰى وَالْیَتٰمٰى وَالْمَسٰكِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ وَالسَّآىِٕلِیْنَ وَفِی الرِّقَابِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا وَالصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِیْنَ الْبَاْسِ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾

ترجمہ: بلکہ نیکی یہ ہے کہ آدمی اللہ کو اور یوم آخر کو اور ملائکہ کو اور اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب اور اس کے پیغمبروں کو دل سے مانے اور اللہ کی محبت میں اپنا دل پسند مال رشتہ داروں اور یتیموں پر' مسکینوں اور مسافروں پر' مدد کے لئے ہاتھ پھیلانے والوں پر اور غلاموں کی رہائی پر خرچ کرے' نماز قائم کرے اور زکواۃ دے۔ اور نیک وہ لوگ ہیں کہ جب عہد کریں تو اسے وفا کریں اور تنگی و مصیبت کے وقت میں اور حق و باطل کی جنگ میں صبر کریں۔ یہ ہیں راست باز لوگ اور یہی لوگ متقی ہیں۔ (البقرہ:۱۷۷)

حضرت معاذ بن جبلؓ فرماتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا متقی کون لوگ ہیں۔ ارشاد ہوا "وہ لوگ جو شرک اور بت پرستی سے اپنے آپ کو بچا کر رکھتے ہیں اور نہایت اخلاص کے ساتھ صرف اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو جنت میں داخل ہوں گے"۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ تقویٰ والے وہ خوش نصیب لوگ ہیں۔ جو اللہ سے ڈرتے' اس کی سزا سے لرزتے' ہدایت کی التجائیں کرتے اور اللہ کی رحمت کی امید رکھتے ہیں۔

حضرت عمر فاروقؓ نے ایک مرتبہ حضرت ابی بن کعبؓ سے پوچھا "تقویٰ کیا ہے؟ انہوں نے جواباً" حضرت عمرؓ سے سوال کیا۔ کیا آپ کبھی ایسے راستے سے گزرے جس کے دونوں طرف کانٹے اور خاردار جھاڑیاں ہوں؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ جی ہاں۔ بارہا ایسا موقع پیش آیا۔ حضرت ابی بن کعبؓ نے پوچھا تو ایسے موقع پر کانٹوں سے بچنے کے لئے آپ کیا کرتے ہیں؟ حضرت عمرؓ نے جواب دیا۔ میں ایسے موقع پر اپنے کپڑے سمیٹ لیتا ہوں اور بڑی احتیاط سے چلتا ہوں کہ کہیں کانٹوں میں نہ الجھ جاؤں۔ حضرت ابی بن کعبؓ نے فرمایا فذالک التقوی' بس یہی تقویٰ ہے۔

مطلب یہ ہے کہ جس طرح انسان کانٹوں والے راستے سے پوری احتیاط اور کپڑے سنبھال سنبھال کر چلتا ہے۔ اسی طرح وہ زندگی کے خاردار راستے پر کامل احتیاط سے چلے کہ کہیں وہ گناہوں اور خواہشات نفسانی کے کانٹوں میں الجھ نہ جائے۔ اور ایسا تب ہی ممکن ہے کہ جب انسان کا دل تقویٰ کی دولت سے مالا مال ہو۔ ضمیر بیدار ہو' خیر و شر کی تمیز ہو۔ سزا و جزا کا یقین ہو' نیکی کی طرف رغبت ہو اور برائی اور اپنے خالق و مالک کی نافرمانی سے شدید نفرت ہو۔ اللہ تعالیٰ ہمیں یہ تمام خوبیاں نصیب فرمائے۔

حضرات محترم!

عملی زندگی میں تقویٰ اختیار کرنے کے لئے دو باتوں پر عمل کرنا لازم ہے۔ ایک اپنے ہر کام اور سرگرمی میں اللہ تعالیٰ کی مکمل اطاعت اور دوسرے اعمال کا محاسبہ کرتے ہوئے مزید نیکی کرنے کی مسلسل کوشش۔

غرض اسلام میں تمام اعمال کی بنیاد خدا کے خوف پر رکھی گئی ہے اور یہ خوف جب انسان اپنی پوری زندگی پر محیط کر لیتا ہے اور جب وہ ہر قدم اٹھانے سے پہلے یہ سوچتا ہے کہ کہیں یہ خدا کو ناپسند تو نہیں تو اس کا یہ وصف تقویٰ کہلاتا ہے اور اس وصف کا حامل شخص متقی بن جاتا ہے اور متقی لوگوں ہی کے لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں آخرت کی فوز و فلاح کی خوشخبریاں سنائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں تقویٰ کا وصف اپنے اندر پیدا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حقوق اللہ

خطبہ مسنونہ:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَھْلِ بَیْتِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ:

اما بعد! اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی:

یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۲۱﴾

۱) لوگو! بندگی اختیار کرو اپنے اس رب کی' جو تمہارا اور تم سے پہلے جو لوگ ہو گزرے ہیں ان سب کا خالق ہے تمہارے بچنے کی توقع اسی صورت سے ہو سکتی ہے۔ (البقرہ ۲:۲۱)

وَاِلٰھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۶۳﴾

۲) تمہارا خدا ایک ہی خدا ہے' اس رحمن اور رحیم کے سوا اور کوئی خدا نہیں ہے۔ (البقرہ ۲:۱۶۳)

بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنّٰی یَکُوْنُ لَہٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَکُنْ لَّہٗ صَاحِبَۃٌ وَخَلَقَ کُلَّ شَیْءٍ وَھُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۱۰۱﴾ ذٰلِکُمُ اللّٰہُ رَبُّکُمْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ فَاعْبُدُوْہُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ وَّکِیْلٌ ﴿۱۰۲﴾

۳) وہ تو آسمانوں اور زمین کا موجد ہے۔ اس کا کوئی بیٹا کیسے ہو سکتا ہے جب کہ کوئی اس کا شریک زندگی

ہی نہیں ہے۔ اس نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور وہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔ یہ ہے اللہ تمہارا رب۔ کوئی خدا اس کے سوا نہیں ہے' ہر چیز کا خالق' لہٰذا تم اسی کی بندگی کرو اور وہ ہر چیز کا نگران ہے۔

(الانعام ۶:۱۰۲-۱۰۱)

وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ﴿۹۹﴾

۴) اور اس آخری گھڑی تک اپنے رب کی بندگی کرتے رہو جس کا آنا یقینی ہے۔ (الحجر ۱۵:۹۹)

اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۶۴﴾

۵) حقیقت یہ ہے کہ اللہ ہی میرا رب بھی ہے اور تمہارا رب بھی۔ اسی کی تم عبادت کرو۔ یہی سیدھا راستہ ہے۔ (الزخرف ۴۳:۶۴)

حضرات گرامی!

ان تمام آیات کریمہ اور اس طرح کی دوسری کئی آیات میں انسان کو اپنے خالق و مالک کی بندگی اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی یہی بندگی اور اطاعت جو انسان کی پیدائش و تخلیق کا اصل مقصد ہے "حقوق اللہ" کہلاتی ہے۔

شریعت کی رو سے ہر انسان پر چار قسم کے حقوق عائد ہوتے ہیں۔

(۱) اللہ کے حقوق

(۲) نفس اور جسم کے حقوق

(۳) بندوں کے حقوق

(۴) ان چیزوں کے حقوق جن انسان کے اختیار میں دیا ہے تاکہ ان سے کام لے۔

حضرات محترم!

حقوق اللہ اور دیگر حقوق کی تقسیم صرف ان حقوق کی ادائیگی کا رخ متعین کرنے کے لئے کی گئی ہے' ورنہ ظاہر ہے کہ دوسرے انسان یا دیگر مخلوقات اپنے کسی ذاتی حق' کسی دعوے' کسی جد و جہد یا کوشش کی وجہ سے کوئی استحقاق نہیں رکھتیں بلکہ ان سب کے حقوق کی بنیاد بھی صرف اور صرف امر ربی ہے۔ اسی نے ہر ایک کے حقوق کا تعین فرمایا ہے اور ان میں ترجیحات طے کی ہیں۔ اس لحاظ سے بندوں کے حقوق ہوں یا دوسری مخلوقات کے حقوق ان سب میں اللہ تعالیٰ کا حق بھی پایا جاتا ہے اور اسی طرح وہ حقوق جنہیں اللہ تعالیٰ کے حقوق سے موسوم کیا جاتا ہے' اس کے تمام فوائد بھی رب کریم کی بے نیازی و رحیمی سے بندوں ہی کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ علامہ شاطبیؒ فرماتے ہیں "حقوق کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) حقوق اللہ اور (۲) حقوق العباد۔ جو حقوق العباد ہیں دراصل ان میں اللہ کا حق بھی پایا جاتا ہے۔ اور جن کو ہم حقوق اللہ کا نام دیتے ہیں' ان کے تمام فوائد بھی بندوں پر پہنچتے ہیں۔

تاہم اس تقسیم کے تحت ایک بندے کے ذمے اس کے خالق و مالک کے حسب ذیل خاص حقوق ہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ کا انسان پر پہلا اور اولین حق یہ ہے کہ وہ صرف اسی کو معبود مانے اور اس کی ذات و صفات میں کسی کو شریک نہ کرے۔ یہ حق کلمہ لا الہ الا اللہ پر ایمان لانے سے ادا ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ کے بارے میں ایک مسلمان کے عقائد یہ ہونے چاہئیں۔

اللہ ایک ہے' وہ کسی کا محتاج نہیں نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ وہ کسی سے جنا گیا۔ کوئی اس کے مقابل کا نہیں۔
وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ کوئی چیز اس کے مانند نہیں اور وہ سب سے نرالا ہے۔ وہ زندہ ہے۔ ہر چیز پر اس کی قدرت ہے کوئی چیز اس کے علم سے پوشیدہ نہیں وہ سب کچھ دیکھتا ہے اور سنتا ہے۔ وہ جو چاہے کرتا ہے' کلام فرماتا ہے' وہ عبادت کے لائق ہے' اس کا کوئی ساجھی نہیں۔ اپنے بندوں پر مہربان ہے۔ بادشاہ ہے۔ تمام عیوب سے پاک ہے۔ وہی اپنے بندوں کو سب آفتوں سے بچاتا ہے۔ وہی عزت والا ہے' بڑائی والا ہے۔ پیدا کرنے والا ہے۔ گناہوں کے بخشنے والا ہے۔ بہت دینے والا ہے' زبردست ہے۔ روزی پہنچانے والا ہے۔ جسے چاہے عزت دے جسے چاہے ذلت دے۔ انصاف والا ہے' بردبار ہے۔ اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔ وہ سب کے کام بنانے والا ہے۔ اسی نے سب کو پیدا کیا' وہی قیامت میں دوبارہ پیدا کرے گا۔ وہی جلاتا ہے وہی مارتا ہے۔ اس کو نشانیوں اور صفتوں سے سب جانتے ہیں۔ اس کی ذات کی باریکی کوئی نہیں جانتا گناہ گاروں کی توبہ قبول کرتا ہے۔ جو سزا کے قابل ہے اسے سزا دیتا ہے۔ وہی ہدایت کرتا ہے۔ نہ وہ سوتا ہے نہ وہ اونگھتا ہے اور تمام عالم کی حفاظت سے تھکتا نہیں' وہی سب چیزوں کو تھامے ہوئے ہے اور کمال کی تمام صفتیں اس کو حاصل ہیں۔
مخلوق کی تمام صفات سے پاک ہے۔ عالم میں جو کچھ اچھا برا ہوتا ہے اسے اس سب کا پہلے سے علم ہے۔ اس نے اپنے بندوں کو کسی ایسے کام کا حکم نہیں دیا جو ان سے نہ ہو سکے...... اور یہ کہ کوئی چیز خدا کے ذمہ لازم نہیں وہ جو کچھ مہربانی کرے اس کا فضل ہے۔

دوسرا حق اللہ تعالیٰ کا بندوں کے ذمے یہ ہے کہ جو ہدایت اس کی طرف سے آئے بندہ اس کو سچے دل سے تسلیم کرے یہ حق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور آپ کی تعلیمات پر عمل کرنے سے ادا ہوتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "تم میں سے کوئی اس وقت تک کامل مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنی خواہشات کو اس دین کے تابع نہ کر دے جسے میں لے کر آیا ہوں۔"

تیسرا حق اللہ تعالیٰ کا یہ ہے کہ اس کی رضا و محبت کو سب کی رضا و محبت پر مقدم رکھے۔ اور اسی کی فرمانبرداری اختیار کرے یہ حق اس قانون کی پیروی سے ادا ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی کتاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں بیان ہوا ہے۔ اور چوتھا حق یہ ہے کہ اس کی عبادت کی جائے اسی حق کو ادا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے نماز' روزہ' زکوٰۃ اور حج کی صورت میں مختلف عبادتیں بندوں پر فرض کی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو زندگی گزارنے کا جو نظام دیا ہے اس کا نام اسلام ہے۔ جس کے لفظی معنی ہیں اپنے آپ کو سپرد کر دینا۔ درحقیقت ایک مسلمان کی پوری زندگی اللہ تعالیٰ کے لئے سپردگی کی زندگی ہے یعنی اس کے جذبات' خواہشات اور اختیارات سب اللہ کے سپرد اور رضائے الٰہی کے تابع ہوتے ہیں۔ اسلامیت اسی کا نام ہے اور مسلم کے یہی معنی ہیں۔
اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اپنے حقوق اور اس حوالہ سے جو دوسرے حقوق ہم پر عائد ہوتے ہیں انہیں کما حقہ ادا کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین۔

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حقوق العباد

خطبہ مسنونہ:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَھْلِ بَیْتِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ:

اَمَّا بَعْدُ! اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی:

فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّہٗ وَالْمِسْکِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ

ترجمہ: پس رشتہ دار کو اس کا حق دے اور مسکین و مسافر کو (اس کا حق) (الروم ۳۰:۳۸)

وَفِیْٓ اَمْوَالِھِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ﴿۱۹﴾

اور ان کے اموال میں سائل اور محروم کا حق شامل ہے۔ (الذاریات ۵۱:۱۹)

حضرات گرامی!

ان ارشادات میں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنے اور ان کے حقوق کو ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔ حق کے لفظی معنی' سچائی' لازم' واجب اور مقرر شدہ حصہ کے ہیں۔ پھر قرآن مجید نے حق اور باطل کو ایک دوسرے کے مقابل چیزیں قرار دیا ہے۔ گویا قرآن کے نزدیک ہر اچھی بات حق ہے اور ہر بری بات باطل' اس طرح حق اپنے وسیع معنوں میں یہ ہے

کہ مسلمان اپنی عملی زندگی میں ہر شخص سے نیک سلوک کرے۔ لوگوں کی خیر خواہی چاہے' ہمدردی اور تعاون کا رویہ رکھے اور ہر چیز کا استعمال اللہ کی ہدایت کے مطابق کرے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا

ترجمہ: وہی تو ہے جس نے تمہارے لئے زمین کی ساری چیزیں پیدا کیں۔ (البقرہ ۲:۲۹)

اس لئے انسان کو دنیا کی ہر اس چیز سے جس سے اس کے نفع کا تعلق ہے۔ ایک گونہ لگاؤ ہے۔ اس لگاؤ کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی ترقی و حفاظت میں کوشش کی جائے۔ اس چیز سے وہی نفع اٹھایا جائے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے اسے پیدا کیا ہے اور ان موقعوں پر اسے خرچ کیا جائے' جہاں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور اس چیز کو ہر اس پہلو سے بچایا جائے جس سے اس کی نفع رسانی کو نقصان پہنچے۔ اسی ذمہ داری کا نام حق ہے اور جب انسان کا تعلق کائنات ارضی کی ایک ایک چیز سے ہے تو ظاہر ہے اس کی یہ ذمہ داری بھی ہر چیز سے متعلق ہے۔ جمادات سے بھی کہ ان کو بے موقع نہ صرف کیا جائے' نباتات سے بھی کہ ان کو نشو و نما کا موقع دیا جائے۔ حیوانات سے بھی کہ ان کو بے سبب تکلیف نہ پہنچائی جائے اور ان کے آرام کا خیال رکھا جائے اور انسانوں سے بھی کہ ان کی ہر ضرورت میں ان کی مدد کی جائے اور ان کے فریضہ محبت کو ادا کیا جائے اور خود انسان کا اپنے اوپر بھی حق ہے کہ اس کا ہر عضو جس غرض کے لئے پیدا کیا گیا اس سے مناسب طور سے وہ کام لے۔ اس لحاظ سے حقوق کا دائرہ بہت وسیع ہو جاتا ہے اور انسانوں کے علاوہ کائنات کی دوسری جاندار اور بے جان چیزوں تک پھیل جاتا ہے۔

مگر ان تمام حقوق کی ادائیگی میں اسلام نے ایک خاص ترتیب ملحوظ رکھی ہے جس میں انسانی تعلقات کی تدریجی ترتیب کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ یعنی تعلقات کی کمی بیشی اور دوری نزدیکی کے لحاظ سے ہر ایک کا درجہ الگ الگ مقرر کر دیا ہے۔ مثلاً ایک حیوان کے مقابلے میں ایک انسان کی مدد' ایک اجنبی شخص کے مقابلے میں ایک دوست کی' غیروں اور بیگانوں کے مقابلے میں ایک عزیز کی اور پھر ان عزیزوں میں بھی قرابت کی دوری و نزدیکی کو مدنظر رکھا گیا ہے۔ جو تعلق میں جتنا قریب تر ہے اس کے حقوق اتنے ہی اہم اور زیادہ ہیں اور ان کی ادائیگی کی اتنی ہی تاکید ہے۔ اور یہ صرف دین اسلام کا امتیاز ہے' جس نے تفصیلی طور پر انسانی حقوق کو درجہ وار پیش کیا۔ دوسرے مذاہب میں نہ صرف یہ کہ ایسی کوئی درجہ وار تفصیل نہیں بلکہ انسان اور حیوان کے درمیان بھی خط فاصل نہیں قائم کیا گیا۔ مثلاً بدھ مت کی اخلاقی تعلیمات میں انسان اور حیوان کے پھر انسانوں میں قوم' قبیلہ اور خاندان کی کوئی تمیز نہیں بلکہ سرے سے رشتہ اور قرابت دار کی اس میں کوئی دفعہ نظر نہیں آتی' یہودیت اور عیسائیت میں تمام قرابت داروں کو چھوڑ کر صرف ماں باپ کا ذکر کیا گیا ہے اور صرف ان کے حق اطاعت کو تسلیم کیا گیا ہے لیکن اسلام نے اس مسئلہ میں پوری تفصیل سے کام لیا ہے۔

حقوق والدین

انسانی تعلق اور لگاؤ کے اعتبار سے دنیوی رشتوں میں انسان سے قریب تر اس کے والدین ہیں اس لئے ان کا درجہ سب سے زیادہ ہے اور ان کے حقوق کی ادائیگی کی سب سے زیادہ تاکید کی گئی ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے

وَ وَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْهِ حُسْنًا

ترجمہ: اور ہم نے انسان کو ہدایت کی کہ اپنے والدین کے ساتھ نیک سلوک کرے۔ (العنکبوت ۲۹:۸)

نیز بیشتر مقامات پر والدین کے ساتھ حسن سلوک کو توحید الٰہی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا

ترجمہ: اور تم سب اللہ کی بندگی کرو' اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ اور ماں باپ کے ساتھ نیک برتاؤ کرو۔ (النساء ۴:۳۶)

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا

ترجمہ: تیرے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم لوگ کسی کی عبادت نہ کرو مگر صرف اس کی اور والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو۔ (بنی اسرائیل ۱۷:۲۳)

ا) وہ اپنے پروردگار کی شکر گزاری کے ساتھ ساتھ اپنے والدین کے بھی شکر گزار رہیں۔ سورۃ لقمان میں ارشاد ہے ان اشکرلی ولوالدیک (لقمان ۳۱:۱۴) میرا شکر کر اور اپنے والدین کا شکر بجالا۔

ب) والدین سے ہمیشہ ادب سے پیش آئیں اور ان سے نرمی کے ساتھ گفتگو کریں

فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ﴿۲۳﴾

ترجمہ: انہیں اف تک نہ کہو' نہ انہیں جھڑک کر جواب دو بلکہ ان سے احترام کے ساتھ بات کرو۔ (بنی اسرائیل ۱۷:۲۳)

ج) والدین سے عاجزی سے پیش آئیں

وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ

ترجمہ: اور نرمی اور رحم کے ساتھ ان کے سامنے جھک کر رہو۔ (بنی اسرائیل ۱۷:۲۴)

ج) اطاعت بالمعروف: قرآن کریم نے جہاں والدین کی اطاعت کا حکم دیا ہے وہاں یہ وضاحت بھی کر دی کہ صرف خیر اور جائز امور میں والدین کی اطاعت لازم ہے۔ شر اور ناجائز کاموں میں نہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ۭ وَاِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ۭ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۸﴾

ترجمہ: ہم نے انسان کو ہدایت کی کہ اپنے والدین کے ساتھ نیک سلوک کرے۔ لیکن اگر وہ تجھ پر زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ کسی ایسے (معبود) کو شریک ٹھہرائے جسے تو (میرے شریک کی حیثیت سے) نہیں جانتا تو ان کی اطاعت نہ کر۔ (العنکبوت ۲۹:۸)

اسی طرح والدین کی اندھی تقلید کو بھی جہالت قرار دیا گیا

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا ۗ أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا

ترجمہ ان سے جب کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو احکام نازل کئے ہیں ان کی پیروی کرو تو جواب دیتے ہیں کہ ہم تو اسی طریقے کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔ اچھا اگر ان کے باپ دادا نے عقل سے کچھ بھی کام نہ لیا ہو تو کیا پھر بھی یہ ان کی پیروی کئے چلے جائیں گے۔ (البقرہ ۲:۱۷۰)

ھ) پھر والدین کے اوپر خرچ کرنے کا بھی حکم دیا گیا ہے۔

قُلْ مَا أَنفَقْتُم مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ

ترجمہ: کہو جو مال بھی تم خرچ کرو اپنے والدین پر، رشتے داروں پر، یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں پر خرچ کرو۔ (البقرہ ۲:۲۱۵)

اور یہ بھی حکم دیا گیا کہ اولاد اپنے والدین کے لئے ان کی زندگی اور موت دونوں میں ان کے لئے دعا کرتی رہے۔

وَقُل رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا ﴿٢٤﴾

ترجمہ: اور دعا کیا کرو کہ پروردگار، ان پر رحم فرما جس طرح انہوں نے رحمت و شفقت کے ساتھ مجھے بچپن میں پالا تھا (بنی اسرائیل ۱۷:۲۴)

اولاد کے حقوق

جس طرح والدین کے حقوق اولاد پر واجب ہیں اسی طرح کچھ حقوق اولاد کے والدین پر بھی عائد ہوتے ہیں۔

والدین پر اولاد کا پہلا حق یہ ہے کہ وہ بلا تفریق محبت و شفقت سے اولاد کی پرورش کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جس شخص کے ہاں ایک بیٹی ہو اور اس پر لڑکوں کو ترجیح نہ دی گئی ہو (یعنی سلوک و محبت میں) تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کرے گا۔ (ابو داؤد)

زمانہ جاہلیت میں عرب کے بعض قبائل اپنی بیٹیوں کو باعث ننگ و عار سمجھ کر یا افلاس کے ڈر سے قتل یا زندہ دفن کر دیتے تھے۔ یہ ایک بہت بڑا ظلم تھا۔ اسلام نے اس ظلم کا قلع قمع کیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ ۖ نَّحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ ۚ إِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْئًا كَبِيرًا ﴿٣١﴾

ترجمہ: اپنی اولاد کو افلاس کے اندیشے سے قتل نہ کرو، ہم انہیں بھی رزق دیں گے اور تمہیں بھی۔ درحقیقت ان کا قتل ایک بڑی خطا ہے۔ (بنی اسرائیل ۱۷:۳۱)

اولاد کی تربیت

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَارًا

ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو' بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو آگ سے۔ (التحریم ۶:۶۶)

مفسرین کرام نے اس سے مراد اولاد کی صحیح تربیت اور تعلیم لی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کسی باپ نے اپنی اولاد کو نیک ادب سے افضل کوئی عطیہ نہیں دیا (ترمذی)

ایک دوسری حدیث میں ہے "ایک آدمی کا اپنی اولاد کو ادب سکھانا ایک صاع خیرات کرنے سے افضل ہے (ترمذی) اس کے ساتھ ساتھ والدین کو یہ بھی حکم ہے کہ وہ اولاد کا (جبکہ وہ بلوغت کو پہنچ جائیں) نکاح کر دیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس کے ہاں لڑکا پیدا ہوا' اسے چاہئے کہ اس کا اچھا نام رکھے' جب بالغ ہو جائے تو اس کی شادی کرے۔ اگر ایسا نہ کیا تو وہ جو بھی گناہ کرے گا وہ باپ کے سر ہے۔

اس کے علاوہ دیگر عزیز و اقارب اور رشتہ داروں کے حقوق ہیں کہ ان کے ساتھ بھی حسن سلوک اور حسن خلق سے پیش آئے۔ کسی کو کوئی ضرر اور نقصان یا تکلیف نہ پہنچائے' معاملات میں عدل و انصاف برتے اور جو بات اپنے لئے پسند کرتا ہے وہی دوسروں کے لئے بھی پسند کرے۔

پڑوسی کے حقوق

معاشرہ میں پڑوسی کا بہت اہم مقام ہے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ بڑا معاشرہ جو تمام انسانی ضروریات کا ضامن ہوتا ہے پڑوس ہی سے تشکیل پاتا ہے۔ یہی معاشرہ تکافل اجتماعی کا متحمل ہوتا ہے۔ اور تمام پڑوسی آپس میں مل کر اپنے اپنے کردار ادا کرتے ہوئے اس معاشرے کو مضبوط بناتے ہیں اسی انسانی بنیادی اجتماعی ضرورت اور معاشرتی اہم قدر کو پیش نظر رکھ کر اسلام نے پڑوسی کے حقوق متعین کر دیئے ہیں اور ان کو ادا کرنے پر زور دیا ہے۔ اسلام کی رو سے ایک پڑوسی کے ایک مسلمان پر یہ حقوق ہیں کہ اس کو خندہ پیشانی سے ملے' اس کی اور اس کے اہل و عیال کی بیمار پرسی کرے' اس کی حاجت کو پورا کرے' اگر گھر میں سالن تیار کرتا ہو تو اس میں پڑوسی کے حصے کا خیال رکھے۔ جب کبھی اپنے بچوں کے لئے پھل لائے تو اس میں پڑوسی کے بچوں کا حصہ رکھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ما امن بی من بات وجارہ جائع کہ مجھ پر وہ کامل ایمان نہیں لیا جو خود مزے سے رات گزارے اور اس کا پڑوسی بھوکا ہو۔ دوسری حدیث میں ہے کہ من کان منکم یومن باللہ والیوم الاخر فلیکرم جارہ تم میں سے جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر یقین رکھتا ہو اس کے لئے ضروری ہے کہ اپنے پڑوسی کا اکرام و احترام کرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جبریلؑ بار بار پڑوسی کے حق کے بارے میں وحی لاتا رہا اور زور دیتا رہا۔ یہاں تک کہ مجھے شک ہوا کہ شاید پڑوسی کو اپنے پڑوسی کے میراث کا حقدار بنا دے گا۔ قرآن پاک میں تکافل اجتماعی کا ذکر کرتے ہوئے پڑوسی کو عطیات کا مستحق قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَالْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی وَالْجَارِ الْجُنُبِ پڑوسی چاہے رشتہ دار ہو یا نہ ہو تمہاری مدد کا مستحق ہے۔ پڑوسی کے درجات کے بارے میں احادیث اور کتب دینی میں تفصیلات موجود ہیں سب سے قریبی پڑوسی تمہارے ساتھ گھر میں رہنے والا ملازم یا خادم ہے۔ عشیر کا لفظ ان کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ جس کا لفظی معنی پڑوسی ہے۔ اس کے بعد بعض احادیث میں مذکور ہے کہ تمہارے گھر سے دائیں طرف چالیس گھروں تک اور

بائیں طرف بھی چالیس گھروں تک آپ کے پڑوس میں شامل ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ چالیس کے لگ بھگ گھروں میں آپس میں مکمل تعاون ہو اور شرعی احکام کی پابندی کرتے ہوئے وہ ایک دوسرے کے دکھ میں شریک ہوں ایک دوسرے کی حاجات کا لحاظ رکھتے ہوئے غمی شادی میں شریک کار ہوں تو ایسا پرسکون اور اطمینان بخش معاشرہ وجود میں آجاتا ہے جو ایک فلاحی سوسائٹی اور امن و آشتی کا گہوارہ ہوتا ہے مگر مقام افسوس ہے کہ آج کل مسلمان اللہ تعالیٰ اور رسولؐ کے احکام پس پشت ڈالے ہوئے ہیں۔ اور اس نافرمانی کے نتیجے میں باہمی نزاع اور آئے دن جھگڑوں کا شکار ہوتے ہیں بلکہ اب تو نوبت قتل و غارت خونریزی اور فساد فی الارض تک پہنچ چکی ہے۔

ان حقوق کے علاوہ بہت سارے حقوق ہیں جن کی بے انتہاء اہمیت ہے اور جن کی ادائیگی اور پورے کرنے کے بغیر معاشرہ مکمل نہیں ہو سکتا مثلاً شوہر کے حقوق بیوی پر اور بیوی کے حقوق شوہر پر۔ مہمانوں کے حقوق۔ پڑوس سے آگے بڑھ کر عام معاشرے کے حقوق ہر ایک فرد پر، ممالک کے آپس میں بین الاقوامی حقوق۔ حکومت کے حقوق رعایا پر اور رعایا کے حقوق حکومت پر اور اس قسم کے انسانی بہت سارے حقوق ہیں جن کو اسلامی قانون نے تحفظ فراہم کیا ہے۔ اور اگر اس دنیا میں صحیح اسلامی نظام نافذ ہو جائے تو یہ دنیا ان تمام حقوق کے محفوظ ہونے پر ایک جنت بن جائے گی اور ساری مخلوق خدا امن اور سکون کی زندگی گزارے گی۔ اللہ ہمیں بھی اسلامی نظام نصیب فرمائے۔ آمین۔

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

والدین کے حقوق اور ان کا مقام

خطبہ مسنونہ:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَھْلِ بَیْتِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ:

اَمَّا بَعْدُ! اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی:

وَقَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاہُ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَکَ الْکِبَرَ اَحَدُھُمَآ اَوْ کِلٰھُمَا فَلَا تَقُلْ لَّھُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْھَرْھُمَا وَقُلْ لَّھُمَا قَوْلًا کَرِیْمًا ﴿۲۳﴾ وَاخْفِضْ لَھُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَۃِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْھُمَا کَمَا رَبَّیٰنِیْ صَغِیْرًا ﴿۲۴﴾

ترجمہ: تیرے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ: تم لوگ کسی کی عبادت نہ کرو' مگر صرف اس کی۔ والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو' اگر تمہارے پاس ان میں سے کوئی ایک یا دونوں بوڑھے ہو کر رہیں تو انہیں اف تک نہ کہو' نہ انہیں جھڑک کر جواب دو' بلکہ ان سے احترام کے ساتھ بات کرو' اور نرمی اور رحم کے ساتھ ان کے سامنے جھک کر رہو اور دعا کیا کرو کہ پروردگار ان پر رحم فرما جس طرح انہوں نے رحمت و

شفقت کے ساتھ مجھے بچپن میں پالا تھا۔ (بنی اسرائیل ۲۳،۲۴)

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ما من ولد بار ینظر الی والدیہ نظرۃ الا کتب اللہ لہ بکل نظرۃ حجۃ مبرورۃ و ان نظر کل یوم مائۃ مرۃ (مشکوۃ)

حدیث مبارکہ کا ترجمہ:

"کوئی بھی نیکو کار بچہ ایسا نہیں جو اپنے والدین پر پیار و خلوص کی نگاہ ڈالتا ہو اور اللہ تبارک و تعالیٰ اس کی ہر ایک نظر کے بدلہ میں اسے ایک حج مقبول کا ثواب نہ عطا فرماتے ہوں۔ چاہے وہ ایک دن میں سو مرتبہ ہی نظر ڈالے۔

انسانی فطرت کا تقاضا ہے کہ وہ مل جل کر رہے۔ اس لئے کہ ایک شخص اکیلا اپنی زندگی کی تمام ضروریات اپنے لئے پوری نہیں کر سکتا۔ رہائش کھانے اور اوڑھنے بچھونے کا انتظام اگر بمشکل کر سکے تو وہی شخص جو تنہا ہے تعلیم و تربیت، علاج یا دوسری ضروریات میں دوسروں کا دست نگر ہوتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے انسانی معاشرہ کو فطری طور پر ایسا تشکیل دیا ہے کہ ہر شخص کوئی نہ کوئی کام یا پیشہ کرتا ہے۔ جو اپنے لئے بھی کرتا ہے اور دوسروں کے لئے بھی۔ اور جب انسان ایسا کرتا ہے تو وہ مل جل کر رہنے پر مجبور ہوتا ہے۔ اور یہیں سے حقوق کے تحفظ کا مسئلہ پیدا ہو جاتا ہے۔ حقوق کو تحفظ نہ ملے اور ہر انسان کو اپنے لئے ضروریات فراہم کرنے کے سلسلے میں آزاد چھوڑ دیا جائے۔ تو جس کی لاٹھی اس کی بھینس والا سلسلہ شروع ہو گا اور اس دنیا میں جنگل کا قانون برپا ہو گا۔ جس سے ظلم، بربریت اور فساد فی الارض کے سوا کچھ حاصل نہ ہو گا۔

اسلام ایک ایسا مذہب ہے جس نے نوع انسانی کے تمام افراد و اشخاص کے حقوق درجہ بدرجہ فطری اصول کے مطابق متعین کر کے ان کی حفاظت کا قانون اور تشریعی انتظام کیا ہے۔ اور ساتھ ساتھ معاشرہ اور سوسائٹی کے حقوق کو فرد کے حقوق پر ترجیح دے کر فلاحی مملکت قائم کرنے کی راہ انسانوں کے لئے ہموار کر دی ہے۔

افراد کے حقوق کے تحفظ کے سلسلہ میں یہ خیال رکھا گیا ہے کہ انسانی معاشرہ کی تشکیل اور صالح افراد کی تربیت کے سلسلے میں جس کا کردار زیادہ مضبوط ہے اس کو زیادہ حقوق دیئے ہیں اور اس طرح ان کو اس کے اہم کردار کے لئے تحفظ کا سامان فراہم کر کے اس کی حوصلہ افزائی کی ہے۔ والدین کا کردار ایک فرد کی تربیت اور اس کی کردار سازی میں کوئی مخفی بات نہیں اور اس کی اہمیت سے کوئی عقل سلیم کا مالک انکار نہیں کر سکتا۔ بلکہ ایک چھوٹا معاشرہ جس کو کنبہ یا خاندان کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس کی تربیت اور تشکیل میں تقریباً" تمام تر کردار والدین ہی کا ہوتا ہے۔ والدین ہی جس راہ پر بچے کو ڈالیں وہ اسی راہ پر چلتا ہے۔ وہی تو بچپن میں اس کی تمام ضروریات کی ذمہ داری رضا و رغبت اور خوشی سے سنبھالے ہوئے ہوتے ہیں۔ گویا انسانی معاشرہ کی داغ بیل والدین ڈال دیتے اور اسے پروان چڑھاتے ہیں اور چونکہ مختلف کنبے ہی مل کر ایک بڑے معاشرہ کو بناتے ہیں۔ اسی لئے اسلام نے والدین کے حقوق کا تعین ان کی اہمیت اور معاشرہ سازی میں ان کی اساسی حیثیت کو پیش نظر رکھ کر کیا ہے۔ اور اس کی ادائیگی کو لازم اور ایک معاشرتی عمل قرار دے کر اس کی بار بار تاکید کی ہے۔

ابتداء میں تلاوت کی گئی آیت میں اللہ تعالیٰ کی توحید و عبادت اور والدین کی اطاعت و فرمانبرداری اور ان کے ساتھ حسن سلوک کو ساتھ ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ گویا یہ ایک ہی حکم کے دو حصے ہیں۔ اور اللہ کے نزدیک توحید و عبادت خداوندی کے بعد سب سے زیادہ اہمیت والدین کے ساتھ حسن سلوک کی ہے نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ کے حقوق میں سب سے مقدم توحید الٰہی

ہے۔ اور بندوں کے حقوق میں سب سے مقدم اور اہم ماں باپ کے ساتھ احسان کرنا اور ان کی خدمت کرنا ہے۔

مشہور مفسر امام رازیؒ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ان دونوں مضمونوں کو یکجا کرنے کی حکمت یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ اپنے انعامات پر اپنے بندوں سے کوئی معاوضہ نہیں لیتا اور اس کا انعام محض منعم حقیقی کے طور پر ہوتا ہے اسی طرح کی کچھ شان والدین کے اس انعام میں بھی ہے جو وہ اپنی اولاد پر' پرورش کے ضمن میں کرتے ہیں نیز اللہ تعالیٰ بندوں کی نافرمانی کے باوجود اپنا انعام قطع نہیں کرتا' کچھ ایسا ہی حال والدین کا بھی ہوتا ہے کہ اولاد کی برائیوں کے باوجود بھی وہ اپنی استطاعت کے مطابق احسانات کا سلسلہ جاری رکھتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ والدین سے حسن سلوک سے پیش آنے کے ساتھ ساتھ انتہائی تواضع کا حکم دیا گیا' اور اولاد کو اس بات کا پابند بنایا گیا کہ وہ ماں باپ کی شان میں کسی قسم کا بھی توہین آمیز رویہ اختیار نہ کریں نہ کسی قسم کی ایذا پہنچائیں حتیٰ کہ انہیں اف تک بھی نہ کہیں چونکہ بڑھاپے کی وجہ سے انسان کے مزاج میں کچھ تیزی آ جاتی ہے اور قوت برداشت میں ضعف آ جاتا ہے تو ایسی صورت میں حکم دیا کہ والدین کی طرف سے کسی قسم کی بے اعتدالی پیش آ جانے پر صبر و تحمل اور برداشت سے کام لیا جائے۔ اور اولاد کی زبان پر کوئی ایسا لفظ نہ آنے پائے کہ جس سے ماں باپ کی دل شکنی ہوتی ہو بلکہ فرمایا کہ ایسے حالات میں اولاد کا طرز عمل یہ ہونا چاہئے کہ وہ اپنی خلوتوں اور جلوتوں میں ماں باپ کے لئے ان کے جیتے جی اور وفات کے بعد اللہ تعالیٰ سے رحمت و عافیت کی دعا مانگتے رہے کہ:

وَقُل رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا ﴿٢٤﴾

ترجمہ: اے پروردگار ان پر رحم فرما کہ ان دونوں نے بچپن میں رحمت اور شفقت کے ساتھ میری تربیت کی اور پرورش فرمائی:۔ (بنی اسرائیل ۱۷:۲۴)

پھر ایسی اولاد کا رب العزت کے ہاں بڑا رتبہ اور درجہ ہے۔ جیسا کہ شروع میں بیان کی گئی حدیث مبارکہ سے ظاہر ہے۔ فرمایا کہ ایک صالح اور نیکو کار بچہ کا اپنے والدین کی طرف صرف پیار و خلوص کی نظر سے دیکھنا بھی اس قدر قیمتی ہے کہ دیکھنے والے کو ایک نظر پر ایک حج مقبول کا ثواب حاصل ہوتا ہے۔ اب اندازہ کیجئے کہ محبت اور ہمدردی سے ان کی خدمت پر بارگاہ ایزدی سے کیا کچھ عطا ہو گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"رضى الرب فى رضى الوالد وسخط الرب فى سخط الوالد" (جامع ترمذی)

اللہ کی رضامندی والد کی رضامندی میں ہے اور اللہ کی ناراضی والد کی ناراضی میں ہے۔

نیز فرمایا کہ "بدنصیب ہے وہ شخص جسے والدین میں سے کسی ایک یا دونوں کا بڑھاپا ملا اور پھر بھی وہ جنت میں داخل نہ ہوا"۔

اس فرمان نبوی کا مفہوم یہ ہے کہ جنت حاصل کرنے کا آسان طریقہ بوڑھے والدین کی خدمت گزاری ہے۔ لہٰذا وہ شخص بڑا بدنصیب ہے جسے یہ موقع تو ملا لیکن اس نے اس سے کوئی فائدہ حاصل نہ کیا اور اس طرح جنت میں جانے کا سامان گنوا دیا۔

اسلام اپنے ماننے والوں کو والدین کی اطاعت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کی بہت زیادہ تاکید کرتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "فرض نماز کے بعد خدمت والدین کا درجہ ہے اور اس کے بعد جہاد کا" (ریاض الصالحین)۔ نیز فرمایا کہ "والد کا حق کبھی نہیں چکایا جا سکتا الا یہ کہ والد کسی کے غلام ہوں اور انہیں خرید کر آزاد کر دیا جائے۔ (مسلم)

اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ والدین بے لوث محبت' جانی و مالی ایثار اور سخت محنت و مشقت برداشت کر کے اولاد کے آرام و آسائش اور تربیت و ترقی کی خاطر سرگرداں و کوشاں رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ اولاد کی خوشی ان کی خوشی اور اولاد کا غم ان کا غم

بن جاتا ہے۔

حضرت امامہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والدین کا اولاد پر کیا حق ہے؟ آپؐ نے فرمایا "وہ تیرے لئے جنت بھی ہیں اور دوزخ بھی" (ابن ماجہ)۔ اس سلسلے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک عملی نمونہ ہمارے لئے مشعل راہ ہے۔ آپ کا حال تو یہ تھا کہ خود یتیم تھے' والدین بچپن میں ہی وفات پا گئے تھے۔ تاہم آپؐ اپنی اس کنیز کی بھی بے انتہا عزت افزائی فرماتے۔ جس نے آپؐ کی والدہ کی وفات کے بعد ماں بن کر آپؐ کی پرورش کی تھی۔ اس لئے آپؐ جب بھی ام ایمن کو دیکھتے تو امی کہہ کر پکارتے اور فرماتے یہ میرے گھرانے کا بقیہ ہیں۔ نیز فرماتے کہ میری والدہ کے بعد ام ایمن ہی میری والدہ ہیں۔

ایک بار حضرت ام ایمنؓ نے آپؐ کو دیکھا کہ آپؐ پانی پی رہے ہیں۔ عرض کیا کہ مجھے بھی پانی پلایئے۔ حضرت عائشہؓ بول اٹھیں کہ کیا تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا کہتی ہو۔ ام ایمن نے کہا کہ تم نے مجھ سے بڑھ کر حضور کی خدمت نہیں کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ سچ کہتی ہیں' اس پر آپؐ خود پانی لائے اور حضرت ام ایمن کو پلایا۔ (البدایہ والنہایہ)

ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی والدہ حضرت حلیمہ سعدیہ تشریف لائیں تو حضورؐ نے ان کے بیٹھنے کے لئے اپنی چادر بچھا دی۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ کے مطابق ماں کے حقوق نسبتاً زیادہ ہیں۔ کیونکہ وہ نہ صرف اولاد کی پرورش میں زیادہ جانفشانی اور ایثار سے کام لیتی ہے بلکہ اولاد کی خاطر اس وقت سے مشقت برداشت کرتی ہے جبکہ بچہ شکم مادر میں ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا

ترجمہ: ہم نے انسان کو ہدایت کی کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ نیک برتاؤ کرے۔ اس کی ماں نے مشقت اٹھا کر اسے پیٹ میں رکھا اور مشقت اٹھا کر ہی اسے جنا۔ (الاحقاف ۴۶:۱۵)

چنانچہ ایک صحابیؓ نے آپؐ سے جہاد میں شمولیت کی اجازت چاہی۔ آپؐ نے پوچھا کیا تیری والدہ زندہ ہے؟ جواب دیا: جی ہاں! فرمایا: "جاؤ اپنی والدہ کی خدمت کرو کہ جنت اسی کے قدموں میں ہے"۔

یاد رکھئے جس طرح والدین کی خدمت بہت بڑی سعادت ہے اور مصائب و آلام سے نجات کا باعث ہے۔ اسی طرح ان کی نافرمانی اور گستاخی بہت بڑی بدبختی اور شقاوت کی دلیل ہے اور دنیا و آخرت میں مصیبتوں کا پیش خیمہ۔ یہی وجہ ہے کہ والدین کی نافرمانی کو گناہ کبیرہ میں شمار کیا جاتا ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ والدین کی نافرمانی کی سزا انسان کو اسی زندگی میں گھیر لیتی ہے"۔ (بیہقی)

اس لئے ہم سب کو چاہئے کہ ہم والدین کی نافرمانی سے بچیں اور زندگی بھر ان کو ناراض نہ ہونے دیں' کہیں ایسا نہ ہو کہ تنگ آکر کوئی بددعا ان کے منہ سے نکل جائے اور پھر ہمارا کوئی ٹھکانا نہ رہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تین دعائیں بلاشبہ قبول ہوتی ہیں۔

(۱) مظلوم کی دعا (۲) مسافر کی دعا اور والدہ کی دعا اپنی اولاد کے لئے۔ مطلب یہ ہوا کہ والدین کی دعا ہو یا بددعا ہر حال میں اپنا اثر

ضرور دکھاتی ہے۔ لہٰذا ان کی خدمت کر کے دعا لینی چاہیئے۔
اللہ تعالیٰ ہمیں والدین کی خدمت کرنے اور ان کی عزت و تکریم کا خاص خیال رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔
وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسلام کا معاشی نظام

خطبہ مسنونہ:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَھْلِ بَیْتِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ:

اَمَّا بَعْدُ! اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی:

ولقد مکنّٰکم فی الارض وجعلنا لکم فیھا معایش

ترجمہ: اور بے شک ہم نے ہی تم کو زمین پر رہنے کی جگہ دی اور اس میں تمہارے لئے سامان معاش پیدا کئے۔ (الاعراف ۷:۱۰)

فاذا قضیت الصلوٰۃ فانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل اللہ واذکروا اللہ کثیرا لعلکم

پھر جب نماز (جمعہ) ختم ہو جائے تو تم زمین پر پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو اور اللہ کا ذکر کثرت کے ساتھ کرتے رہو تاکہ تم فلاح پاؤ۔ (الجمعہ ۶۲:۱۰)

احادیث نبوی:

۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "رزق کا دروازہ عرش تک کھلا ہوا ہے اور اسباب معیشت غیر محدود ہیں" (کنوز الحقائق)

۲) جو شخص دنیا کو جائز طریقے سے حاصل کرتا ہے تاکہ سوال سے بچے اور اہل و عیال کی کفالت کرے اور ہمسائے کی مدد کرے تو قیامت کے دن جب وہ اٹھے گا تو اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن ہو گا۔ (ابو نعیم فی الحلیہ)

۳) امانت دار تاجر قیامت کے دن صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ اٹھائے جائیں گے۔ (ترمذی)

حضرات گرامی!

اسلام انسانیت کے لئے ایک ایسا دین (کامل و مکمل ضابطہ حیات) ہے جو انسانی زندگی کے ہر گوشے کے لئے الگ الگ نظام تجویز کرتا ہے جس کے تحت اس کی انفرادی اور اجتماعی زندگی تشکیل پاتی ہے۔ اسلام جس طرح مسلمانوں کے لئے اخلاقی' روحانی' معاشرتی اور سیاسی نظام وضع کرتا ہے۔ اسی طرح ان کے لئے جامع معاشی نظام بھی پیش کرتا ہے۔ اسلام نے جو متوسط معاشی نظریہ اختیار کیا ہے اس پر ایک نظام کی عمارت اٹھانے کے لئے وہ سب سے پہلے فرد اور معاشرے میں چند ایسی اخلاقی اور عملی بنیادیں قائم کرتا ہے جو اس عمارت کو مضبوطی کے ساتھ سنبھال سکیں۔ وہ انفرادی آزادی پر چند حدود عائد کرتا ہے تاکہ وہ اجتماعی مفاد کے لئے مثبت طور پر مفید و معاون ثابت ہو سکے۔ اور دوسری طرف وہ معاشرے میں کچھ ایسے قواعد مقرر کرتا ہے جو معاشی زندگی کو خراب کرنے والے اسباب کا سدباب کر دیتے ہیں۔

اسلام کے معاشی اصول:

حضرات محترم!

اسلام جو معاشی نظام پیش کرتا ہے وہ مختصراً" ان اصولوں پر مشتمل ہے۔

ا۔ معاشیات اور اخلاق و مذہب

سب سے پہلے وہ فرد اور جماعت دونوں کے ذہن سے اس باطل نظریہ کو ختم کرتا ہے کہ اخلاق اور مذہب کا تعلق معاشی زندگی سے نہیں اور "تجارت تو بس تجارت ہے!" قرآن پاک بڑے بلیغ انداز میں معیشت اور اخلاق کا تعلق بیان کرتا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ
اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ۚ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝

مسلمانو! جب جمعہ کے دن نماز کے لئے اذان دی جائے تو تم اللہ کی یاد کی طرف دوڑو اور لین دین چھوڑ دو۔ اگر تم جانتے ہو تو یہی تمہارے لئے بہتر ہے۔ پھر جب نماز ختم ہو جائے تو تم زمین پر پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو اور اللہ کا ذکر کثرت کے ساتھ کرتے رہو تاکہ تم فلاح پاؤ۔ (الجمعہ ۶۲: ۹' ۱۰)

اور یہی سبب ہے کہ قرآن پاک میں متعدد مقامات پر معاش کو "فضل اللہ" کہا گیا ہے۔ اس سے مسلمانوں کو یہ تعلیم دینا مقصود ہے کہ انسان کو جو کچھ بھی مال و دولت ملا ہے وہ اللہ کی عنایت سے ملا ہے اس عنایت کا تقاضا یہ ہے کہ ایک مسلمان اپنی معاشی زندگی کو بھی اسی طرح اللہ تعالٰی کی حدود کا پابند بنائے جس پر وہ اپنی باقی زندگی میں اللہ تعالٰی کی حدود کا پابند ہے۔ اور اللہ تعالٰی اور اس کے رسولؐ کے دیئے ہوئے اصولوں کے مطابق کسب معاش کرے۔

۲۔ معاشی جد و جہد اور اس کا مقام

اسلام نے ساری زمین بلکہ پوری کائنات کو انسان کے لئے میدان عمل قرار دیا ہے اور انسان کو ترغیب دی ہے کہ وہ اپنی

معاش کے حصول اور خلق خدا کے لئے فارغ البالی کے حصول کے لئے زیادہ سے زیادہ جد و جہد کرے۔ معاشیات کی اصطلاح میں اسے پیداوار کو بڑھانے (Maximisation of Production) کی پالیسی کہہ سکتے ہیں۔ سرمایہ دارانہ معیشت میں اصل اہمیت نفع کی تکثیر کو حاصل ہوتی ہے جب کہ اسلامی معاشیات میں کل پیداوار کی تکثیر اور خدا کے بندوں کے لئے سامان معاش کی زیادہ سے زیادہ فراوانی بنیادی اہمیت کی حامل ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

ولقد مکنکم فی الارض وجعلنا لکم فیها معایش

اور بے شک ہم ہی نے تم کو زمین پر رہنے کی جگہ دی اور اس میں تمہارے لئے سامان معاش پیدا کئے۔ (الاعراف ۷:۱۰)

الم تروا ان اللہ سخر لکم ما فی السموت وما فی الارض واسبغ علیکم نعمہ ظاہرۃ و باطنۃ

کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اسے تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے اور اس نے تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں پوری کر دی ہیں۔ (لقمان ۳۱:۲۰)

اس بنیادی حقیقت کے اظہار کے بعد اسلام نے انسانوں کو مختلف طریقوں سے محنت' معاشی جد و جہد اور حصول رزق کی کوشش پر اکسایا ہے اور اس طرح ہر شخص کو فروغ پیداوار کے لئے سرگرم عمل کر دیا ہے۔

(الف) بے عملی' بے روزگاری اور گداگری کو ناپسندیدہ قرار دیا گیا اور اس پر سخت وعید سنائی گئی۔ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کسی کو زیب نہیں دیتا کہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہے' اور رزق کی تلاش نہ کرے اور یہ کہتا رہے کہ "اللہ مجھے رزق عطا فرما۔ تم جانتے ہو کہ آسمان تو سونا چاندی برساتا نہیں"۔

ایک اور حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے لئے کام کرنا بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ قیامت کے دن تم اپنے چہرے پر سوال کا داغ لئے ہوئے آؤ۔ (ابو داؤد)

(ب) پھر مثبت طور پر رزق کی جد و جہد کی ترغیب دی اور اسے ہر مسلمان پر فرض کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم فجر کی نماز پڑھ لو تو اپنی روزی کی تلاش سے غافل ہو کر سوتے نہ رہو (کنزالعمال)۔ ایک اور حدیث میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا کی شرافت' غنا اور فراغ دستی ہے اور آخرت کی شرافت' تقویٰ و پرہیزگاری ہے۔ (کنوز الحقائق)۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے "کسب حلال" کو "فریضہ بعد الفریضہ" یعنی نماز کے بعد سب سے بڑا فرض قرار دیا ہے۔ اسلام کے نقطہ نظر پر ایک واقعے سے بڑی اچھی روشنی پڑتی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو دیکھا جو خستہ حال تھے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان سے پوچھا تمہارے پاس کچھ ہے؟ انہوں نے بتایا دو درہم ہیں۔ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان میں سے ایک درہم کی کلہاڑی خرید دی اور لکڑیاں کاٹنے پر لگا دیا۔ اس طرح آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے محنت کر کے روزی کمانے کی ترغیب دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

"صنعت و حرفت کے ذریعے سے روزی کی تحصیل انسان پر فرض (کفایہ) ہے"

"بعض گناہوں کا کفارہ روزی کمانے میں مغموم و متفکر رہنا ہے۔"

اور پھر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا:

"جو شخص دنیا کو جائز طریقے سے حاصل کرتا ہے تاکہ سوال سے بچے اور اہل و عیال کی کفالت کرے اور ہمسائے کی مدد کرے تو قیامت کے دن جب وہ اٹھے گا تو اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن ہو گا۔" (بو نعیم فی الحلیہ)

ان آیات و احادیث سے محنت اور معاشی جد و جہد کی اہمیت ہمارے سامنے آتی ہے اور انہی کی روشنی میں پیداوار کو بڑھانے اور معیشت کو تقویت دینے کی پالیسی اسلام کے معاشی نظام کا ایک اہم جزو قرار پاتی ہے۔

حضرات محترم!

اسلامی معاشیات کا ایک بنیادی اصول یہ ہے کہ تمام انسانوں کے لئے معاشی سہولتیں فراہم کی جائیں' قدرت نے جو وسائل ودیعت کئے ہیں ان کو ترقی دی جائے' پیداوار کو امکانی حد تک بڑھایا جائے اور رزق کے خزانوں کو چند ہاتھوں میں اس طرح مرکوز نہ ہونے دیا جائے کہ دوسروں پر اس کے دروازے بند ہو جائیں۔ اسے علم معاشیات کی اصطلاح میں پیداوار کی بہترین تقسیم کہا جا سکتا ہے۔

غربت کے انسداد کا مسئلہ بھی اسلام کی معاشی پالیسی میں ایک اہم مقام رکھتا ہے۔ بلکہ یہ کہنا صحیح ہو گا کہ اسلام کے معاشی نظام کے مثبت معاشی مقاصد میں غربت کا انسداد اور تمام انسانوں کو معاشی جد و جہد کے مساوی مواقع فراہم کرنا بھی شامل ہے۔ اسلام کا سب سے اہم مقصد کفر کا استیصال ہے اور چوں کہ فقر و فاقہ انسان کو کفر کی طرف لے جاتے ہیں اس لئے اسلام ان کو اپنا بنیادی ہدف سمجھتا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"ابن آدم کا بنیادی حق یہ ہے کہ اس کے لئے ایک گھر ہو جس میں وہ رہ سکے' کپڑا ہو جس سے وہ اپنے جسم کو ڈھانپ سکے' اور کھانے کے لئے روٹی اور پینے کے لئے پانی ہو۔ (ترمذی)

اسلام اس بات کی کوشش کرتا ہے کہ سب کو حصول رزق کے مواقع دے اور پھر مثبت طور پر ایسی پالیسیاں بنائے جن سے غربت و افلاس ختم ہوں اور انسانوں کو ان کی بنیادی ضرورتیں لازماً حاصل ہوں۔

۳۔ حلال و حرام کی تمیز

اسلام پیداوار کے اضافے اور معیشت کے ہمہ جہتی فروغ کی پالیسی اختیار کرتا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس بات کی شرط بھی لگاتا ہے کہ آمدنی جائز ذرائع سے حاصل کی جائے گی۔ ہر نفع کو جو حرام ذرائع سے حاصل ہو وہ دوزخ کی آگ قرار دیتا ہے۔ قرآن و حدیث' میں رزق حلال کی جتنی اہمیت بیان کی گئی ہے وہ اس امر کو ثابت کرتی ہے کہ اسلام کے معاشی نظام میں صرف جائز اور حلال رزق کے فروغ کی کوششیں ہوں گی اور ان تمام ذرائع کا کلی انسداد کیا جائے گا جو حرام ہیں اور جن کو شریعت ناروا اور ناجائز قرار دیتی ہے۔

اے لوگو! جو چیزیں زمین میں موجود ہیں ان میں سے حلال اور پاک چیزیں کھاؤ۔ (البقرہ۲:۱۶۸)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"بہترین عمل حلال روزی کمانا ہے۔" (الدنیہ والاسلام)

"حلال روزی کا طلب کرنا ایسا ہے جیسے خدا کی راہ میں بہادری سے لڑنا اور جو شخص حلال روزی حاصل کرنے کی کوشش کر کے تھک کر رات کو سو جائے تو خدا اس سے راضی ہے۔" (المدینہ والاسلام)

اور حرام سے کمائی ہوئی روزی کے متعلق فرمایا:

"حرام روزی سے پرورش پایا ہوا گوشت اس کا زیادہ مستحق ہے کہ آگ میں ڈالا جائے۔"

یہ ایک ایسا اصول ہے جس سے آج کے دور کی معاشیات بالکل نا آشنا ہے۔ چوں کہ اسلام کا اصل مقصد صرف وسائل معاش کی فراوانی نہیں بلکہ ان کا منصفانہ اور مصلحانہ استعمال ہے اس لئے اس نے معاشی جد و جہد کو حلال و حرام کا پابند کیا ہے۔ خالص معاشی نقطہ نظر سے یہ وہ چیز ہے جو معاشیات کو محض افادی سطح سے بلند کر کے اصلاحی اور فلاحی سطح پر لے آتی ہے۔ اور اس طرح ایک کی معاشی جد و جہد دوسرے کے لئے معاشی تکلیف یا معاشرہ کے لئے ظلم فساد کا ذریعہ نہیں بن پاتی۔ اسلام نے جن چیزوں کو حرام کیا ہے اگر ان کا گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ وہ چیزیں ہیں جو یا تو فرد یا معاشرے کی جسمانی اور اخلاقی زندگی کو مجروح کرتی ہیں اور یا انسانوں کے درمیان حقیقی معاشی تعاون' مساوات' آزادی جد و جہد' عدل و انصاف اور قسط و توازن کا قیام مشکل کر دیتی ہیں۔ خالص معاشی اصطلاح میں اس کا فائدہ یہ ہے کہ اسلامی معیشت میں صرف کی تکثیر (Maximisation of Consumption) کی جگہ اس کی انسب سطح کا حصول (Optimisation) پیش نظر رہتا ہے اور ایک حقیقی فلاحی معیشت ظہور میں آتی ہے۔

۴۔ حرمت سود

حضرات گرامی!

اسلام کے بنیادی معاشی اصولوں میں سے ایک اہم اصول حرمت سود بھی ہے۔ جو معاشی ظلم کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔

اسلام نے سود کو اس کی ہر شکل میں حرام قرار دیا ہے۔ سود مفرد ہو یا مرکب' ذاتی قرضوں پر لیا جائے یا تجارتی اور پیداواری قرضوں پر' حرام ہے' اور اس کے لینے والے کو خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اعلان جنگ قرار دیا گیا ہے۔ قرآن پاک میں ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُضَاعَفَةً وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ

اے ایمان والو! سود کے کئی کئی حصے بڑھا چڑھا کر نہ کھاؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم فلاح پا جاؤ۔

آل عمران: ۱۳۰

ایک حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والے پر' سود کی دستاویز لکھنے والے پر اور سود کے گواہوں پر لعنت بھیجی ہے اور ان سب کو برابر قرار دیا ہے۔ (صحیح مسلم) اسلام میں سود کی ممانعت محض اخلاقی بنیادوں ہی پر نہیں بلکہ اس کے خطرناک اقتصادی' سماجی اور سیاسی مضرات کی بنا پر بھی ہے۔ سود کی لعنت متعدد قدیم معاشروں کی تباہی کا باعث بنی ہے اور آج بھی جدید سرمایہ دارانہ معاشرے کی جڑوں کو کھوکھلا کر رہی ہے۔ اس کی بنیاد استحصال اور ظلم پر ہے اور اس کی وجہ سے ملک کی معیشت پر چند سرمایہ داروں کا اقتدار مسلط ہو جاتا ہے جو صحت مند معاشی جد و جہد کو ختم کر دیتا ہے اور معیشت میں عدم استحکام کا باعث ہوتا ہے۔

۵۔ تجارتی اخلاقیات کا ضابطہ

حضرات گرامی!

اسلام نے تجارتی اخلاقیات کا ایک ضابطہ پیش کیا ہے تاکہ اہل تجارت اس کا اتباع کریں۔ یہ ضابطہ اخلاق تجارتی لین دین میں دیانت داری اور خدا ترسی کے جذبات کو فروغ دیتا ہے تجارت کے معاملے میں قرآن کی اصولی ہدایت یہ ہے کہ

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْکُلُوْٓا اَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَکُوْنَ تِجَارَۃً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْکُمْ

اے ایمان والو! اپنے اموال کو آپس میں باطل کی راہ سے نہ کھاؤ بلکہ باہمی رضامندی کے ساتھ تجارت کی راہ سے نفع حاصل کرو۔ (النساء ۴:۲۹)

اس آیت ربانی کے ذریعے سے قرآن کریم نے معیشت کے ان تمام ذرائع کو ممنوع کر دیا ہے جو ظلم و زیادتی اور دوسروں کی حق تلفی پر مبنی ہوں۔ معیشت اور تجارت کا دائرہ وہ دائرہ ہے جس میں انسان نے نت نئے ظلم کئے ہیں اور خصوصیت سے اہل سرمایہ اور اہل قوت نے دوسرے فریق پر جو کمزور اور غریب ہو' اکثر اپنی مرضی مسلط کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انتفاع (Exploitation) کے یہ سارے دروازے بند کر دیئے اور فرمایا کہ معاشی معاملات کی بنیاد باہمی رضامندی اور تجارت کے 'حصول پر ہونی چاہئے۔ تجارت میں امانت و دیانت کی اہمیت واضح کرتے ہوئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"امانت دار تاجروں کا حشر صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔" (ترمذی)

مختصراً اسلام کے اصول تجارت حسب ذیل ہیں:

(الف) باہمی رضامندی

تجارت باہمی رضامندی سے ہونی چاہئے۔ دونوں فریق اپنی آزاد مرضی سے کسی جبر یا زبردستی کے بغیر اپنے معاملات کو طے کریں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسلام میں تجارت کی بنیاد "تعاون باہمی" پر ہے اور تجارت کی وہ تمام شکلیں جن میں دوسرے فریق کی کمزوری سے ناجائز فائدہ اٹھا کر کچھ خاص شرائط یا معاملات اس پر تھوپ دیئے جاتے ہیں' وہ ناجائز ہیں اس سے یہ بھی مستنبط ہو سکتا ہے کہ ایسی اشتہار بازی یا نفسیاتی حربوں کا ایسا استعمال جو عقل و فکر کو معطل کر دے اور ایک شخص اپنی مرضی کے خلاف محض نفسیاتی شعبدہ بازی کی وجہ سے کسی چیز کی خرید پر مجبور ہو جائے' اسلام کے مطابق نہیں۔ اسی طرح آزاد منڈی کو کمزور یا مفلوج کرنے والی وہ تمام قوتیں بھی اسلامی معیشت میں کوئی راہ نہیں پاتیں جن کی وجہ سے جدید دنیا کا منڈی کا نظام درہم برہم ہے اور شدید قسم کی دقتوں اور خامیوں میں مبتلا ہو گیا ہے۔

(ب) دیانت

دوسرا اصول یہ ہے کہ تجارت دیانت کے ساتھ ہو۔ اس میں کسی قسم کا دھوکہ یا بدمعاملگی نہ ہو۔ مال کی اصل کیفیت لوگوں کے سامنے رکھ دی جائے اور ان کو غلط فہمی میں رکھ کر خرید پر مجبور نہ کیا جائے۔ اس طرح جان بوجھ کر دوسرے کو نقصان پہنچانا' معاملے پر معاملہ کرنا' خیانت یا وعدہ خلافی کرنا' یہ سب اسلام کی نگاہ میں ممنوع ہیں۔ اسی طرح ناپ تول میں درست ہونا تجارتی دیانت کا ایک اہم پہلو ہے۔

(ج) جائز اور مباح کی تجارت

تیسرا اصول یہ ہے کہ تجارت صرف ان اشیاء میں کی جائے جو جائز یا مباح ہوں۔ وہ تمام اشیاء جن کا استعمال معصیت کی تعریف میں آتا ہے' یعنی شراب' بت' اصنام' خنزیر' وغیرہ' ان کی تجارت بھی اسلام میں ممنوع ہے۔

(د) ذخیرہ اندوزی کی ممانعت

پھر اسلام میں اس بات کی بھی ممانعت ہے کہ ضروریات زندگی کو روک رکھا جائے تاکہ ان کے دام بڑھ جائیں اور اس طرح سے منافع میں اضافہ ہو۔ ذخیرہ اندوزی اور احتکار کو اسلام نے سختی سے منع کیا ہے اور ایسا کرنے والے پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت بھیجی ہے۔

(ھ) جوا اور سٹہ وغیرہ کی ممانعت

اسلام نے تجارت کی وہ تمام شکلیں بھی بند کر دی ہیں جن میں کسی دوسرے سے ناجائز فائدہ اٹھایا جا رہا ہو یا جن میں مناسب محنت کئے بغیر دولت ہاتھ آ رہی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ سٹہ' لاٹری' اور جوئے کی ساری صورتیں اسلام میں ممنوع ہیں۔

(و) اہل تجارت کا ذاتی اخلاق

اسلام کی تمام تعلیمات کے مطالعے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اہل تجارت میں اعلیٰ اخلاق و کردار ہونا چاہئے تاکہ وہ تجارت کا حق ادا کر سکیں اور اسلام کے سچے سفیر بن سکیں۔ ان میں خصوصیت سے دیانت اور خوش اخلاقی ہونی چاہئے تاکہ یہ کیفیت نہ ہو کہ

ع کی جس سے بات اس نے شکایت ضرور کی

انہیں قوم اور خصوصیت سے اپنے صارفین کی خدمت کے جذبے سے کام کرنا چاہئے اور اپنے کاروبار میں پوری محنت اور دلجمعی سے کام کرنا چاہئے تاکہ وہ اپنی قوتوں کو زیادہ سے زیادہ مفید مقاصد کے لئے استعمال کر سکیں۔ پھر سب سے بڑھ کر وہ مستقل مزاجی اور اعتدال کے ساتھ کام کریں اور بہت جلدی دولت جمع کرنے کی ہوس سے بچے رہیں۔

معاش اور اخلاق میں یہی وہ حسین توازن ہے جو اسلام کے معاشی نظام کا امتیاز ہے۔

۶۔ اسراف کی بندش

طلب حلال کے ساتھ ساتھ اسلام انسان کو جائز مصارف پر دولت خرچ کرنے کی ترغیب بھی دیتا ہے لیکن اسراف سے روکتا ہے اس وجہ سے دولت کا بے جا استعمال اور اس کا ضیاع رک جاتا ہے اور وہ تعمیری اور پیداواری مقاصد میں استعمال ہونے لگتی ہے۔

وَكُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا

کھاؤ اور پیو مگر اسراف نہ کرو۔ (الاعراف ۷:۳۱)

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو جائز ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے محنت کرتا ہے وہ اللہ کی راہ میں کام کرتا ہے اور جو محض آن بان دکھانے کے لئے دولت کماتا ہے وہ شیطان کی راہ میں کام کرتا ہے۔

۷۔ ارتکازِ دولت کی ممانعت

حضرات محترم!

پھر اسلام نے دولت کے ارتکاز (ایک یا چند مقامات پر اس کا جمع ہونا) کو بھی پسند نہیں کیا ہے اور اس بات کا انتظام کیا ہے کہ مختلف معاشرتی' ادارتی' قانونی اور اخلاقی تدابیر سے دولت کی تقسیم زیادہ سے زیادہ منصفانہ ہو اور وہ پورے معاشرے میں گردش کرے۔

کَیْ لَا یَکُوْنَ دُوْلَۃً بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ مِنْکُمْ

ایسا نہ ہو کہ یہ (مال و دولت) تمہارے دولت مندوں ہی میں گردش کرتا رہے۔ (الحشر ۵۹:۷)

حضوؐر کا ارشاد ہے کہ

اقسموا المال بین الفرائض علی کتاب اللہ

اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مطابق اچھا مال ان لوگوں میں تقسیم کرو جس کا حق مقرر کیا گیا ہے۔ (ابو داؤد)

دولت کی تقسیم کے لئے مندرجہ ذیل صورتیں تجویز کی گئی ہیں:

(الف) زکواۃ

زکواۃ ہر صاحب نصاب مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے یہ کوئی خیرات نہیں بلکہ فقرا و مساکین کا "حق" ہے۔

زکواۃ جہاں حب مال کو کم کرتی اور خدا کی راہ میں خرچ کرنے اور مال قربان کرنے کا جذبہ پیدا کرتی ہے وہیں معاشی نقطہ نظر سے یہ سماجی فلاح کی ایک ہمہ گیر اسکیم ہے جس کے ذریعے سے ملک و ملت کے غریب اور نادار افراد کی مدد کی جاتی ہے اور انہیں زندگی کی جد و جہد میں برابر کی شرکت کے لائق بنایا جاتا ہے۔ سرمایہ دارانہ ذہنیت یہ بات پیدا کرتی ہے کہ ہر شخص کی دولت صرف اس ہی کے لئے ہے اور معاشی دوڑ میں جو پیچھے رہ جائے اور جو گر جائے اسے فنا ہو جانا چاہیے۔ کشمکش حیات میں زندہ رہنے کا حق صرف اس کو ہے جو مسابقت میں دوسروں سے آگے بڑھ جائے۔ اسلام اس ذہنیت کی نفی کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جو کچھ دولت تم کماتے ہو وہ صرف تمہاری محنتوں کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ اس میں فطرت کی بے شمار قوتیں شریک کار ہیں نیز پورا معاشرہ ہزاروں طریقے سے تمہارا معاون و مددگار ہے۔ اس لئے تمہارے مال میں تمہارے علاوہ دوسروں کا بھی حق ہے۔ اہل ثروت کی ذمہ داری ہے کہ معاشی دوڑ میں جو پیچھے رہ جائے اسے سہارا دیں اور آگے بڑھائیں۔ جو معاشرہ کمزوروں کی مدد نہ کرے ناداروں کو سہارا نہ دے اور گرتوں کو تھام نہ لے وہ انسانی معاشرہ کہے جانے کا مستحق نہیں۔ اسلام نظام زکواۃ کے ذریعے سے معیشت کو صحت مند بنیادوں پر استوار کرتا ہے۔ اور اس میں امداد باہمی کی روح کو جاری و ساری کر دیتا ہے۔

جدید علم معیشت میں سماجی فلاح کا تصور بہت نیا ہے۔ لیکن اسلام نے پہلے ہی دن سے فلاحی اور خدمتی ریاست کا تصور پیش کیا اور زکواۃ کی شکل میں معاشرے کے کمزور اور مجبور انسانوں کی ضروریات کی فراہمی کی ضمانت دی۔ اسلامی حکومت نے ابتداء ہی سے اس نظام کو عملاً" قائم کیا' آبادی کی مردم شماری کی' ناداروں کے رجسٹر بنائے' ضرورت مندوں کو سرکاری وظیفے دیئے اور تھوڑے ہی عرصے میں یہ حال ہو گیا کہ بقول مورخ طبری زکواۃ دینے والے تو سینکڑوں تھے مگر زکواۃ لینے والے نہ ملتے تھے۔

حضرات گرامی!

یہ زکواۃ دولت کی تقسیم میں غیر فطری عدم مساوات کو ختم کرنے کا ایک ذریعہ بھی ہے۔ اس کے ذریعے سے امیروں کی دولت غریبوں کی طرف منتقل ہوتی ہے۔ معاشی بحران کے جس چکر میں سرمایہ دارانہ دنیا گرفتار ہے اس کو دور کرنے میں بھی زکواۃ بڑی مفید و معاون ہو سکتی ہے۔ تجارتی چکر' سرمایہ کاری اور قوت صرفہ میں عدم توازن کی بنا پر رونما ہوتا ہے لیکن زکواۃ جہاں ایک طرف پیداوار عمل کو تیز کرتی ہے وہیں دوسری طرف عوام میں قوت خرید کا اضافہ بھی کرتی ہے اس طرح یہ معیشت میں معاشی توازن قائم کرنے کا آلہ بن جاتی ہے۔

(ب) صدقات واجبہ

بہت سے ایسے صدقات مقرر کئے گئے ہیں جو مختلف مواقع پر ہر صاحب حیثیت مسلمان کو ادا کرنے ہوتے ہیں جیسے صدقہ' فطر وغیرہ۔ یہ بھی مندرجہ بالا مقصد پورا کرتے ہیں۔

(ج) انفاق

اسلام ہر مسلمان میں انفاق فی سبیل اللہ کا جذبہ پیدا کرتا ہے' مال سے محبت کو کم کرتا ہے اور خدا کی راہ میں خرچ کر کے دنیا اور آخرت کی کامیابی حاصل کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔

(د) قانون وراثت

اسلام نے وراثت کا جو قانون تجویز کیا ہے وہ اس طرح کا ہے کہ متوفی کا ترکہ پورے خاندان میں ایک مناسب ترتیب کے ساتھ تقسیم ہو جاتا ہے اور ساری جائیداد مغربی ممالک کی طرح کسی ایک وارث کو نہیں ملتی۔ اس طرح دولت کے ارتکاز کے بجائے اس کی منصفانہ تقسیم رونما ہوتی ہے۔

(ز) حق سوی الزکواۃ

زکواۃ اور صدقات واجبہ کے علاوہ بھی اگر ضرورت محسوس ہو تو حکومت کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ لوگوں سے مزید مال بہ طور ٹیکس لے اور اسے استحکام ریاست' قیام انصاف اور فلاح عامہ کے لئے صرف کرے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "بے شک مال میں زکواۃ کے سوا اور بھی حق ہے"۔ (ترمذی)

(ح) العفو

اسلام نے انسان کو صرف انفاق ہی کی ترغیب نہیں دی بلکہ اس میں یہ جذبہ بھی پیدا کیا کہ اس کے پاس اپنی ضرورت سے زیادہ جو بھی ہو اسے خدا کی راہ میں اور دوسروں کی بہتری کے لئے خرچ کر دے۔

وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ

وہ پوچھتے ہیں کہ ہم کیا خرچ کریں کہہ دیجئے العفو (یعنی جو اپنی ضرورت سے زیادہ ہو) (البقرہ ۲:۲۱۹)

اس طرح اسلام پورے معاشرے میں دولت کی منصفانہ تقسیم روبہ عمل لاتا ہے۔ اس کی پالیسی کے دو بنیادی اصول فروغ پیداوار اور دولت کی منصفانہ تقسیم ہیں۔ وہ ان میں سے کسی ایک کو بھی نظرانداز نہیں کرتا۔

۸۔ ملکیت و تصرف کا حق

اسلام تمام زمین اور وسائل فطرت کو اصلاً خدا کی دین اور اس کی ملکیت قرار دیتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ تمام معاشی معاملات میں انسان کو اس عظیم تر ملکیت کے تصور کے تحت' انفرادی ملکیت و تصرف کا حق دیتا ہے۔ یہی وہ شکل ہے جس میں انسان کی معاشی آزادی محفوظ رہ سکتی ہے اور اچھے اخلاق پروان چڑھ سکتے ہیں۔ لیکن یہ حق غیر محدود نہیں ہے یعنی اگر ملکیت

آلہ ظلم بن جائے یا دوسروں کے حقوق پر اس کا غلط اثر پڑ رہا ہو تو ریاست کو مداخلت کا بھی حق ہے۔ دراصل اسلام ملکیت کے اس محدود حق کو ایک امانت کی شکل دیتا ہے اور اس میں تصرف کے اختیار کو بہت سی قانونی اور اخلاقی پابندیوں سے محدود کرتا ہے۔

۹۔ عدل اجتماعی کی ضمانت

اسلام ریاست کے معاشی وظائف کا بھی ایک مثبت تصور پیش کرتا ہے اور سماجی فلاح اور معاشی انصاف کے قیام کو اس کی اولین ذمہ داری قرار دیتا ہے۔ زکواۃ سماجی فلاح کی ایک اسکیم ہے جس کے نظام کو ریاست کے ہاتھوں قائم کیا جاتا ہے' معاشی قانون سازی اور عدلیہ کی طاقتوں کے ذریعہ ریاست عدل اجتماعی قائم کرتی ہے۔ جس کا کوئی وارث نہیں اس کی ریاست وارث ہے اور جس کا کوئی ولی نہیں' اس کی ریاست ولی ہے۔ ناداروں' اپاہجوں اور محتاجوں کی مدد ریاست کا فرض ہے اور یہ بھی اسکی ذمہ داری ہے کہ تمام شہریوں کو ان کی بنیادی ضرورتیں فراہم کرے۔

السلطان ولی من لا ولی له

حکومت ہی اس شخص کی ولی (دست گیر و مددگار) ہے جس کا کوئی ولی نہ ہو۔ (بخاری)

ایک اور حدیث میں ہے

من ترک کلا فالینا (بخاری' مسلم)

یعنی جس مرنے والے نے ذمہ داریوں کا کوئی بار (مثلاً قرض یا بے سہارا کنبہ) چھوڑا ہو وہ ہمارے ذمے ہے۔

ایک خلیفہ راشد نے اس کی وضاحت ان الفاظ میں فرمائی ہے:

"خدا کی قسم اگر میں زندہ رہا تو صفا کی پہاڑیوں میں جو چرواہا اپنی بکریاں چراتا ہے اس کو اس مال میں سے حصہ پہنچے گا اور اس کے لئے اس کو کوئی زحمت نہیں اٹھانی پڑے گی۔"

اور یہ کہا:

"خدا کی قسم اگر اہل عراق کی بیواؤں کی خدمت کے لئے زندہ رہ گیا تو ان کو اس حال میں چھوڑ جاؤں گا کہ میرے بعد ان کو کسی اور امرا کی مدد کی احتیاج باقی نہ رہے گی۔"

حضرت علیؓ نے اس بات کو اس طرح ادا کیا ہے:

"اللہ تعالیٰ نے دولت مند لوگوں پر ان کے اموال میں اتنی مقدار مقرر کی ہے جو غربا کے لئے کافی ہو سکے۔ اس کے باوجود اگر وہ بھوکے' ننگے اور تنگ دست ہوں تو یہ صرف دولت مندوں کی عدم توجہی اور بخل کی وجہ سے ہو سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے ضروری قرار دیا ہے کہ ان امرا سے قیامت کے دن محاسبہ کرے گا۔"

ان احکام کے مطابق جو نظام قائم ہوتا ہے اس میں زمین اپنے خزانے اگل دیتی ہے اور آسمان اپنی نعمتوں کی بارش کرنے لگتا ہے اور افلاس و تنگ دستی ختم ہو جاتی ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"اے لوگو! صدقہ دو کیوں کہ تم پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ آدمی صدقہ لئے لئے پھرے گا مگر وہ کسی ایسے شخص کو نہ پائے گا جو اسے قبول کرے"۔ (یعنی اس کا حاجت مند ہو)۔

حضرات گرامی!

یہ ہے اسلام کا معاشی نظام..... اور درحقیقت انسانیت کی نجات انہی اصولوں میں مضمر ہے۔ اس کی اصل خصوصیت یہ ہے کہ اس کا مرکزی تصور انسان اور اس کی معاشی اور اخلاقی فلاح ہے..... وہ معاشی ترقی کو اعلیٰ ترین مدارج تک پہنچانے کے ساتھ ساتھ سماجی انصاف' آزادی اور اخلاقی ترقی کو اولین اہمیت دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کا معاشی نظام سرمایہ داری اور اشتراکیت دونوں سے اپنے مقصد اپنے مزاج اور اپنے اصولوں کے اعتبار سے مختلف ہے اور ہر حیثیت سے ان سے اعلیٰ اور برتر ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلام کے اخلاقی و معاشرتی اقدار

خطبۂ مسنونہ:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ
عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ
يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ
لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ
رَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَهْلِ بَيْتِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ:
اَمَّا بَعْدُ! اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى:

وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۭ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِىَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ
عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ﴿۳۴﴾

ترجمہ: اور اے نبی نیکی اور بدی یکساں نہیں ہیں۔ تم بدی کو اس نیکی سے رفع کرو جو بہترین ہو۔ تم دیکھو گے کہ تمہارے ساتھ جس کی عداوت پڑی ہوئی تھی وہ جگری دوست بن گیا ہے۔ (حم السجدہ ۴۱:۳۴)

حضرات گرامی!

ہمارے معاشرے کے بنیادی اجزاء کا انحصار افراد خاندان، محلّہ اور اہل محلّہ پر ہے۔ انہی اجزاء سے مل کر معاشرہ وجود میں آتا ہے۔ جس کی کامیابی و ناکامی کا دارومدار ہمارے رویے اور طرز معاشرت پر موقوف ہے۔ معاشرتی زندگی کی کامیابی کے لئے کچھ اخلاقی ضوابط ہوتے ہیں جو معاشرے کو آپس میں مربوط اور منضبط کرنے میں فعال ثابت ہوتے ہیں۔

تاریخ کے اوراق شاہد ہیں کہ دنیا میں وہی قومیں کامیاب و کامران ہوئی ہیں جنہوں نے اخلاقی ضوابط کو کما حقہ اپنایا اور

جنہوں نے ان اقدار کو پس پشت ڈالا وہ صفحہ ہستی سے مٹ گئیں تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان پر عظیم احسان فرمایا اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم مجسمہ مکارم اخلاق بن کر تشریف لائے۔ جن کے اخلاق عالیہ کی نورانی کرنوں سے ظلمت کدہ گمراہی کا چپہ چپہ اخلاق کی روشنی سے منور ہو گیا۔ اور بھولے بھٹکے صراط مستقیم پر گامزن ہو گئے جس پر قرآن کریم شاہد ہے۔

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ﴿۴﴾

اور بے شک آپ اخلاق کے بڑے مرتبے پر ہیں۔ (القلم ۶۸:۴)

دوسری جگہ ارشاد ہے:

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۗ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۲﴾

ترجمہ: وہی ہے جس نے امیوں کے اندر ایک رسولؐ خود انہی میں سے اٹھایا' جو انہیں اس کی آیات سناتا ہے' ان کی زندگی سنوارتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ (الجمعہ ۶۲:۲)

اخلاق کی ان اقدار کو پھیلانے کے لئے آپؐ نے اپنے صحابہ کی عظیم الشان جماعت ترتیب فرمائی جس نے بلاواسطہ آفتاب رسالت کی شعاعوں سے خود کو منور کیا اور اس نور کو سارے عالم میں پھیلایا۔

حضور علیہ السلام نے اپنے بارے میں ارشاد فرمایا انما بعثت لا تمم مکارم الاخلاق (موطا امام مالک)

"مجھے تو اخلاق کے اعلیٰ اقدار کی تکمیل کے لئے ہی بھیجا گیا ہے"۔

حضرات محترم!

معاشرتی زندگی میں وہ تعلقات جو انسانوں کے درمیان مختلف پہلوؤں سے قائم ہوتے ہیں ان کو اصطلاحاً" اخلاق کہا جاتا ہے۔ جس طرح اسلام نے زندگی کے تمام شعبوں میں ہماری کامل و مکمل رہنمائی فرمائی ہے اسی طرح اخلاق و تعلقات کے باب میں بھی اسلام کی تعلیم نہایت جامع اور مکمل ہے۔ سماجی برتاؤ ہو یا افراد خاندان سے سلوک کا معاملہ' معاشی لین دین ہو یا سیاسی معاملات اسلام ان سب کو اخلاقی اصولوں کے مطابق انجام دینے کی تعلیم دیتا ہے۔ قرآن و سنت میں معاملات و معاشرت سے متعلق بالتفصیل ان صفات کا ذکر کیا گیا ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند یا ناپسند ہیں۔ ان میں سے بعض اہم صفات یہ ہیں۔

پسندیدہ صفات: (۱) صبر' اسلام کو انفرادی اور اجتماعی طور پر انسانوں میں جو صفات پیدا کرنا چاہتا ہے اس میں ایک اہم صفت صبر ہے۔ اردو زبان میں صبر کے معنی بہت محدود ہیں۔ عموماً" ہم صبر کا مطلب بس یہ سمجھتے ہیں کہ موت' بیماری اور فقر و تنگدستی جیسی مصیبتوں کو اس طرح برداشت کر لیا جائے کہ شور و فغاں اور شکوہ و شکایت کا اظہار نہ ہو اسی طرح کسی ظالم کے ظلم کا انتقام نہ لیا جائے۔ مگر قرآن کریم کی زبان میں صبر کے معنی اس سے بہت زیادہ وسیع ہیں۔ مختصر الفاظ میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ کسی نیک کام کو انجام دینے کے لئے صدموں' تکلیفوں اور ناگواریوں کو برداشت کرنا اور ناموافق حالات میں بھی حق اور سچائی پر جمے رہنا اور نیکی کے راستے پر برابر چلتے رہنا صبر ہے۔ قرآن پاک نے صبر کو اہل ایمان کے لئے ایک ذریعہ قوت قرار دیا ہے چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۱۵۳﴾

ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو' صبر اور نماز سے مدد لو۔ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ (البقرہ ۲:۱۵۳)

حضرات محترم!

سچائی اور راست بازی:

قرآن مجید سے جن اخلاقی صفات کی بہت زیادہ اہمیت و فضیلت معلوم ہوتی ہے ان میں ایک سچائی اور راست بازی بھی ہے۔ سچائی کا مطلب صرف اتنا ہی نہیں ہے کہ زبان سے غلط اور خلاف واقعہ بات نہ کہی جائے' بلکہ اس کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ اس میں دل کی سچائی اور عمل کی سچائی بھی شامل ہے۔ دل کی سچائی کا مطلب یہ ہے کہ اس میں کسی قسم کا نفاق اور کوئی دغا اور فریب نہ ہو۔ اور عمل کی سچائی کا مطلب یہ ہے کہ جو عقیدہ اور قول ہو وہی عمل بھی ہو اور ظاہر و باطن میں پوری یکسانیت ہو۔

عدل و انصاف:

عدل و انصاف دراصل سچائی اور راست بازی ہی کی ایک شکل ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص کے ساتھ بلا رو رعایت وہ معاملہ کیا جائے اور اس کے بارے میں وہ کھرا لگتی بات کہی جائے جس کا وہ مستحق ہے۔ اس عدل و انصاف پر دنیا کا نظام قائم ہے۔ جس قوم اور جس سماج میں عدل و انصاف نہ ہو وہ خدا کی رحمت سے محروم رہے گا اور دنیا میں اس کا انجام بہت ہی برا ہو گا۔ قرآن پاک' کتاب و نبوت کا مقصد ہی یہ بتاتا ہے کہ لوگوں کے درمیان میزان قائم ہو۔ اور میزان سے مراد عدل و انصاف ہی کے قوانین ہیں۔ چنانچہ قرآن پاک میں ہدایت کی گئی ہے کہ معاملات میں عدل و انصاف کو اور سچی کھرا لگتی بات کہنے کو اپنا اصول اور نصب العین بنا لو۔ اور پوری دیانت داری اور خدا ترسی کے ساتھ اس فرض کو ادا کرو خواہ اس سے تم کو یا تمہارے اعزا و اقربا کو کتنا ہی نقصان پہنچے' لیکن حق و انصاف کے معاملہ میں کسی کی جانب داری نہ کرو۔ اپنوں سے انصاف کی تلقین تو سب نے کی ہے لیکن یہ اسلام کی خصوصیت ہے کہ وہ دشمنوں کے ساتھ بھی عدل و انصاف کی تاکید کرتا ہے۔

امانت:

سچائی اور راست بازی ہی کی ایک شکل امانت بھی ہے۔ امانت سے مراد محض اس قدر نہیں کہ کسی نے جو چیز کسی کے پاس رکھ دی ہو وہ مطالبے پر جوں کی توں واپس کر دی جائے' بلکہ تمام حقوق و فرائض کا دیانتداری کے ساتھ ادا کرنا اور ہر قابل لحاظ بات کا لحاظ رکھنا بھی امانت کے مفہوم میں شامل ہے۔ یہاں تک کہ کوئی شخص کسی معاملے میں مشورہ لے تو پوری خیر خواہی سے مشورہ دینا اور اس سے متعلق تمام رازوں کو محفوظ رکھنا بھی امانت ہی ہے۔ قرآن پاک میں امانت کے وصف کو اختیار کرنے کی بار بار تاکید کی گئی ہے۔

عفو و درگزر:

اہل ایمان کو عفو و درگزر کی بھی تعلیم دی گئی ہے۔ عفو سے مراد یہ ہے کہ دوسرے کی خطا اور قصور کو معاف کر دیا جائے اور انتقام کی طاقت رکھتے ہوئے بھی بخش دیا جائے۔ لیکن اس کے معنی یہ نہیں کہ ایک گال پر تھپڑ کھانے کے بعد دوسرا گال بھی پیش کر دیا جائے۔ اس سے تو شرپسند عناصر کی اور بھی ہمت افزائی ہوتی ہے۔ عفو صرف اس صورت میں مناسب ہے جب کہ غلطی کرنے والا کسی حد تک اپنی غلطی پر نادم ہو۔ بعض لوگ عفو و درگزر کو اپنے رعب و عزت کی کمی کا باعث تصور کرتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ انتقام سے فوری دھاک تو بیٹھ سکتی ہے مگر پائیدار عزت عفو و درگزر سے ہی حاصل ہوتی ہے۔

رواداری:

عفو و در گزر ہی سے ملتی جلتی ایک صفت رواداری ہے۔ رواداری سے مراد یہ ہے کہ باہمی تعلقات میں خیر خواہی سے کام لیا جائے اور دوسرے کی معمولی غلطیوں اور خطاؤں پر گرفت نہ کی جائے۔ رواداری کی بنا پر معاشرے میں اخوت و بھائی چارہ کے جذبات پرورش پاتے ہیں۔

احسان:

اپنی نوعیت کے لحاظ سے عفو اور رواداری دراصل احسان کی مختلف شکلیں ہیں۔ احسان کے معنی یہ ہیں کہ کسی کے ساتھ ایسا برتاؤ کیا جائے جو اس کے لئے فائدہ مند ہو اور یہ برتاؤ عقلاً" اور شرعاً" صحیح ہو۔ احسان کی بے شمار صورتیں ہیں۔ مثلاً" ضرورت مندوں اور رشتہ داروں کی مالی امداد کرنا' کسی کو مصیبت سے نجات دلانا' کسی کے حق کو خوبی اور سخاوت سے ادا کرنا' احسان کی یہ شکل "فضل" کہلاتی ہے' یعنی کسی کے حق کو نہ صرف پورا کرنا بلکہ اس سے کچھ زیادہ ادا کرنا یا کسی سے اپنا حق وصول کرتے ہوئے رعایت کرنا یا اس کو جان کر چھوڑ دینا۔ پھر احسان صرف حقوق العباد کے ادا کرنے ہی میں محدود نہیں ہے بلکہ حقوق اللہ کی ادائیگی میں بھی یہ مطلوب ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ احسان اسے کہتے ہیں کہ سارے حقوق و فرائض اس طرح ادا کئے جائیں جیسا کہ ان کے ادا کرنے کا حق ہے۔

مساوات:

معاشرتی محاسن میں مساوات کا بھی بڑا اونچا مقام ہے۔ اسلام میں مساوات سے دو باتیں مراد ہیں۔ ایک قانونی مساوات اور دوسرے معاشرتی مساوات۔ قانونی مساوات کے تحت تمام افراد ملت کے لئے ایک ہی قانون ہے غلام ہو یا آقا' امیر ہو یا غریب' عالم ہو یا جاہل سب کے لئے قانون کی پابندی یکساں ضروری ہے' کسی کو کسی بنا پر کوئی برتری اور فوقیت حاصل نہیں۔ پھر اسی قانونی مساوات سے مراد یہ بھی ہے کہ ہر ایک کو ترقی کے' خواہ وہ معاشی ہو یا علمی یا معاشرتی' یکساں مواقع حاصل ہوں۔ معاشرتی مساوات سے مراد یہ ہے کہ نشست و برخاست میں' عبادت میں' سماجی تقریبات میں یا عام اجتماعی زندگی میں کسی کو اولیت و فضیلت حاصل نہیں۔ امیر و غریب مسجد میں شانہ بہ شانہ کھڑے ہوں گے' تقریبات میں ایک دوسرے کے قریب بیٹھیں گے' دعوتوں میں ایک ہی پلیٹ سے کھائیں گے' اسلام نہ اونچ نیچ ہے' نہ برتری و کمتری۔

اخوت:

پھر اسلام صرف اسی پر بس نہیں کرتا کہ اونچ نیچ کے امتیازات کو صرف منفی انداز سے ختم کرے' بلکہ اس کے ساتھ ساتھ وہ ایجابی طور پر اس بات کی تعلیم بھی دیتا ہے کہ تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں اور اس لحاظ سے ان کے تعلقات ایسے ہونے چاہئیں جیسے بھائیوں بھائیوں کے ہوتے ہیں۔ یعنی یہ کہ ان میں باہم شفقت اور ترحم ہو اور آپس میں ان کا معاملہ نرمی اور فروتنی کا ہو' ہر ایک دوسرے کا خیر خواہ' خدمت گزار اور نیاز مند ہو۔ اور جو چیزیں تعلقات کو خراب کرنے والی اور دلوں میں کدورت پیدا کرنے والی ہو سکتی ہیں مسلمان ان سب سے اجتناب کریں۔ اخوت کے یہ تعلقات ایک جانب تو ملت اسلامیہ کو بحیثیت ایک قوم کے مستحکم کرتے ہیں اور دوسری جانب ایک پرامن اور صالح معاشرہ کے ضامن ہیں۔

تقویٰ:

اسلامی اخلاقیات کی بنیاد خوف خدا ہے۔ یہی خوف خدا جب انسان اپنی پوری زندگی پر محیط کر لیتا ہے' اور جب وہ ہر قدم اٹھانے سے پہلے یہ سوچتا ہے کہ کہیں یہ خدا کو ناپسند تو نہیں تو اس کا یہ وصف تقویٰ کہلاتا ہے۔ تقویٰ کے دو لوازم ہیں۔ ایک تو

ہر شعبہ زندگی میں خدا کی مکمل اطاعت اور دوسرے اپنے اعمال کا محاسبہ کرتے ہوئے مزید نیکی کرنے کی مسلسل کوشش۔ قرآن پاک میں جہاں تقویٰ و نیکی کی تعلیم دی گئی ہے وہیں متقی لوگوں کے لئے آخرت کی زندگی میں فوز و فلاح کی بشارت دی گئی ہے۔ اس کے برخلاف وہ لوگ جو خدا کی نافرمانی کرتے ہیں ان کے لئے جہنم کی وعید ہے۔

حضرات گرامی!

قرآن و سنت میں جہاں پسندیدہ اخلاق کا ذکر ہے وہاں ناپسندیدہ اوصاف بھی گنا دیئے گئے ہیں تاکہ انسان ان سے بچ کر اپنی آخرت کی زندگی بہتر بنا سکے۔

صفات مذمومہ

صفات محمودہ کی طرح صفات مذمومہ کی بھی ایک طویل فہرست ہے' جن میں غرور و تکبر' بخل' عیب جوئی' چغل خوری' خیانت' جھوٹ' فحش کلامی' خود پسندی' شہرت طلبی' تنگ نظری' تنگ ظرفی' حرص و طمع' تصنع اور نقالی' اسراف و تکلیف' مایوسی اور پست ہمتی' غیبت' کینہ' حسد' وعدہ خلافی' رشوت' فساد و نفاق' ذخیرہ اندوزی' حیلہ سازی' گروہی اور قبائلی عصبیت' احسان فراموشی اور غضب و چیرہ دستی وغیرہ شامل ہیں۔ ان سب کی وضاحت تو محدود وقت میں ممکن نہیں ہے چند صفات مذمومہ یہ ہیں۔

حرص۔

حرص کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) دولت کی حرص (۲) منصب و ریاست کی حرص اور (۳) شہرت کی حرص۔ اور ان سب میں دولت کا لالچ ایک عجیب بلا اور حیرت ناک بیماری ہے جو نفس انسانی کو ہر آرام و راحت سے محروم کر دیتی ہے۔ اعصاب اور جسم (اور روح) تھک جاتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ "اور مال" اور "اور دولت" کا سلسلہ اس وقت تک جاری رہتا ہے جب تک انسان اور اس کی خواہشوں کے درمیان قبر کی مٹی حائل نہیں ہو جاتی۔

اس حرص کی کوئی حد اور انتہا نہیں ہے۔ انسان جو کچھ حاصل کرلیتا ہے' ہر بار اس سے بلند تر منصب ریاست کے حصول کے لئے "جائز و ناجائز" کی تمیز کو ترک کر کے قدم اٹھاتا ہے۔ کوئی عہدہ پھر وزارت۔ پھر کسی مملکت کی فرماں روائی اور اس کے بعد ساری دنیا پر تصرف کی خواہش اور پھر معاذ اللہ خدائی کی تمنا۔ "فرعونیت" بھی حرص ہی کی انتہا ہے۔

ظلم۔

"ظلم" ایک قبیح فعل ہے اور اس کی بنیاد انسانوں کو تکلیف دینے کا مذموم جذبہ ہے۔ دوسروں کو بلا سبب شرعی (یعنی قصاص' حد اور تعزیر کے جواز اور محل کے بغیر) قتل کرنا' مارنا اور قید کرنا ہی ظلم نہیں ہے بلکہ ہر وہ فعل جس سے دوسروں کے حقوق پامال ہوں اور ان کو بلا سبب صدمہ یا تکلیف پہنچے ظلم ہے۔

ظلم وہی لوگ کرتے ہیں جو قدرت' قوت' ثروت' امارت اور ریاست حاصل کرنے کے بعد خدا اور اس کے قانون مکافات کو بھلا دیتے ہیں۔ لیکن جو لوگ خدا کو پہچانتے ہیں' اس کے قہر اور انتقام سے ڈرتے ہیں' اس کے قانون مکافات کو تسلیم کرتے ہیں' اسے ہمیشہ حاضر و ناظر جانتے ہیں' وہ کبھی ظلم و تعدی نہیں کر سکتے۔ کیوں کہ وہ جانتے ہیں کہ بندگان خدا کے ساتھ چھوٹے سے چھوٹے ظلم (حتیٰ کہ کلمہ بد) کو بھی خدا معاف نہیں کرتا۔

دروغ گوئی۔

جھوٹ بولنا گناہ کبیرہ ہے جو دروغ گو کو لوگوں کی نظروں میں ذلیل و خوار' بے منزلت اور بے اعتبار بناتا ہے۔ جھوٹے کی گفتگو اور کردار پر کوئی اعتماد نہیں کرتا۔ احادیث میں جھوٹ کی بار بار اور شدت کے ساتھ مذمت کی گئی ہے اور اس سے بڑی

سختی کے ساتھ روکا گیا ہے۔

جھوٹ کا سلسلہ بہت طویل ہے' دوکان دار جھوٹ بولتا ہے' خریدار جھوٹ بولتا ہے' تعمیرات کا کام کرنے والے ٹھیکدار جھوٹ بولتے ہیں اور خدا کے نام پر' خدا کی جھوٹی قسمیں کھا کر دروغ بیانی سے کام لیتے ہیں۔ جب تک جھوٹ کو اس کی تمام شکلوں میں اور بالکل جڑ سے ختم نہ کر دیا جائے' معاشرے میں امن اور نیکی کا چلن نہیں ہو سکتا۔

غیبت۔

غیبت اصطلاح شرع میں یہ ہے کہ "کسی مسلمان کے بارے میں اس کے پیٹھ پیچھے ایسی بات کہی جائے جسے اگر وہ سنتا تو آزردہ ہوتا اور اسے برا معلوم ہوتا"۔

جو آیات اور بہت سی احادیث غیبت کے بارے میں آئی ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ غیبت ایک بڑا گناہ ہے اور اس کا عذاب بہت شدید ہو گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ ①

ترجمہ: تباہی ہے ہر اس شخص کے لئے جو (منہ درمنہ) لوگوں پر طعن اور (پیٹھ پیچھے) برائیاں کرنے کا خوگر ہے۔ (الھمزہ ۱۰۴:۱)

اس طرح ایک مقام پر غیبت کو مردہ بھائی کا گوشت کھانے سے تشبیہ دی گئی ہے۔

ہر مسلمان اور صاحب ایمان کا فرض ہے کہ اس گناہ کی شدت کے پیش نظر خود بھی غیبت سے بچے اور دوسروں کو بھی اس سے روکے۔ چنانچہ صاحب معراج السعادۃ نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی مسلمان کی غیبت سنتا ہے اور (اس کی پیٹھ پیچھے) اس کی حمایت نہیں کرتا تو خدا اسے دنیا اور آخرت میں ذلیل کرے گا۔

حضرات محترم!

آیئے ہم ذرا ٹھنڈے دل سے سوچیں اور اپنا محاسبہ کریں کہ آیا ہم خدا اور اس کے رسول کے مقرر کردہ معیار اور اخلاق پر پورا اترتے ہیں کہ نہیں؟ اسلام نے اعلیٰ اخلاقی اقدار اور حسن معاشرت کے لئے جو اعلیٰ معیار قائم کیا ہے اگر ہم اس پر خود کو پرکھیں تو ضمیر کی عدالت سے جو فیصلہ صادر ہو اس کے مطابق ہمیں اپنی اصلاح کر کے خود کو تباہ ہونے سے بچانے کی فکر کرنی چاہئے۔ اگر ہم عزم و ہمت سے کام لیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم اخلاقی پستیوں سے نکل کر شرافت و عزت کی ان بلندیوں کو نہ پالیں جن کے لئے خود قرآن حکیم نے ہمیں مژدہ جانفزا سنایا ہے کہ

وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿١٣٩﴾

ترجمہ: تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو۔ (آل عمران ۳:۱۳۹)

اسلام کے اخلاقی نظام کے جو اہم گوشے آپ کے سامنے پیش کئے گئے ہیں اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اسلام کے اخلاقی و معاشرتی اقدار ایک طرف تو افراد کی زندگی کو خیر کے قالب میں ڈھالتے ہیں اور دوسری طرف یہ ایک پر امن انصاف پسند معاشرہ کی تشکیل میں ممد و معاون ثابت ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ ہمیں اسلام کے عطا کردہ اخلاقی اصولوں پر عمل کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین۔

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلام اور عدل اجتماعی

خطبہ مسنونہ:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَھْلِ بَیْتِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ:

اَمَّا بَعْد! اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰہِ شُھَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا ھُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی

ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو۔ کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کر دے کہ انصاف سے پھر جاؤ۔ عدل کرو یہ تقویٰ سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔(المائدہ ۵:۸)

حضرات گرامی!

صحیح بات یہ ہے کہ اسلام ہی میں عدل اجتماعی ہے اس لئے کہ اسلام وہ دین حق ہے جو خالق کائنات اور رب کائنات نے انسان کی ہدایت کے لئے نازل فرمایا ہے۔ اور انسانوں کے درمیان عدل قائم کرنا اور یہ طے کرنا کہ ان کے لئے کیا چیز عدل ہے اور کیا عدل نہیں ہے انسانوں کے خالق و رب ہی کا کام ہے۔ دوسرا کوئی نہ اس کا مجاز ہے کہ عدل و ظلم کا معیار تجویز کرے اور

نہ دوسرے کسی میں یہ اہلیت پائی جاتی ہے کہ حقیقی عدل قائم کر سکے۔ انسان اپنا رب حاکم اور مالک نہیں ہے کہ وہ اپنے لئے معیار عدل خود تجویز کر لینے کا مجاز ہو۔ کائنات میں اس کی حیثیت خدا کے مملوک اور رعیت کی ہے۔ اس لئے معیار عدل تجویز کرنا اس کا اپنا نہیں بلکہ اس کے مالک اور فرمان روا کا کام ہے۔ پھر انسان خواہ کتنے ہی بلند مرتبے کا ہو اور خواہ ایک انسان نہیں بہت سے بلند مرتبہ انسان مل کر بھی اپنا ذہن استعمال کریں بہرحال انسانی ذہن کی محدودیت اور عقل انسانی کی کوتاہی و نارسائی اور انسانی عقل کو خواہشات اور تعصبات کی دستبرد سے کسی حال میں بھی مفر نہیں ہے۔ اس وجہ سے اس کا کوئی امکان نہیں ہے کہ انسان خود اپنے لئے کوئی ایسا نظام بنا سکے جو درحقیقت عدل پر مبنی ہو انسان کے بنائے ہوئے نظام میں ابتداء بظاہر کیسا ہی عدل نظر آئے۔ بہت جلدی عملی تجربہ یہ ثابت کر دیتا ہے کہ فی الحقیقت اس میں عدل نہیں ہے۔ اسی وجہ سے ہر انسانی نظام کچھ مدت تک چلنے کے بعد ناقص ثابت ہو جاتا ہے۔ اور انسان اس سے بیزار ہو کر ایک دوسرے احمقانہ تجربے کی طرف پیش قدمی کرنے لگتا ہے۔ حقیقی عدل صرف اسی نظام میں ہو سکتا ہے جو ایک عالم الغیب والشہادہ اور علیم و خبیر ہستی نے بنایا ہو۔

اسلام کا مقصود ہی عدل ہے

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ

ترجمہ: ہم نے اپنے رسولوں کو صاف صاف نشانیوں اور ہدایات کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں۔ (الحدید ۵۷:۲۵)

یہ دو باتیں کہ اسلام ہی میں عدل اجتماعی ہے اور عدل ہی اسلام کا مقصود ہے۔ ان سے اگر انسان غافل نہ ہو تو وہ کبھی عدالت اجتماعی کی تلاش میں اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑ کر کسی دوسرے ماخذ کی طرف توجہ کرنے کی غلطی نہیں کر سکتا۔ جس لمحے اس کو عدل کی ضرورت کا احساس ہوگا اسی لمحے اسے معلوم ہو جائے گا کہ عدل اللہ اور اس کے رسول کے سوا کسی کے پاس نہ ہے اور نہ ہو سکتا ہے اور وہ یہ بھی جان لے گا کہ عدل قائم کرنے کے لئے اس کے سوا کچھ کرنا نہیں ہے کہ اسلام' پورا کا پورا بلا کم و کاست قائم کر دیا جائے۔ عدل' اسلام سے الگ کسی چیز کا نام نہیں ہے۔ اسلام خود عدل ہے۔ اس کا قائم ہونا اور عدل کا قائم ہونا ایک ہی چیز ہے۔

اسلامی عدل اجتماعی کیا ہے؟

انسانی معاشرہ کروڑوں افراد سے بنتا ہے جن میں ہر فرد کے مرغوبات' ترجیحات اور خواہشات جداگانہ ہیں۔ صلاحیتیں اور مہارتیں متفرق ہیں اور تمام افراد مل جل کر ایک معاشرتی نظم میں رہنے پر مجبور ہیں ایک دوسرے کی صلاحیتوں سے مستفید ہونا ناگزیر ہے ایک دوسرے کی مدد سے اپنے جسم و نفس کے تقاضے پورے کرنے کے مواقع ان کو معاشرت باہمی سے فراہم ہوتے ہیں۔

انفرادی جوابدہی

پھر یہ تمام افراد فرداً" فرداً" خدا کے سامنے جوابدہ ہیں ہر شخص اپنے ان تمام اعمال کے نتائج کا ذمہ دار ہے جو اپنی محدود دنیاوی زندگی میں وہ کر چکا ہے۔ اور اللہ کی دی ہوئی صلاحیتوں کا حساب دینا اس پر ایک انفرادی مسئولیت ہے کہ اس نے ان صلاحیتوں کے استعمال کر کے اپنی شخصیت کیسی بنائی ہے؟

انفرادی آزادی

یہ دونوں باتیں یعنی دنیا میں انسانی شخصیت کا نشو و نما اور آخرت میں انسان کی جوابدہی فرد کے لئے انفرادی آزادی کی طالب ہیں۔ اگر کسی فرد کو معاشرے میں اپنی پسند کے مطابق اپنی شخصیت کی نشو و نما کرنے کا حق حاصل نہ ہو تو اس کی انسانیت ٹھٹھر کر رہ جاتی ہے اس کی صلاحتیں دب جاتی ہیں اور وہ اپنے آپ کو ایک قیدی محسوس کرتے ہوئے تعطل کا شکار ہو جاتا ہے اور پھر آخرت میں اس کی ذمہ داری ان لوگوں پر آ جاتی ہے جو اس قسم کے اجتماعی نظام کے بنانے کے ذمہ دار ہوں۔

اسلام میں عدل کا تصور

اسلام میں کسی شخص یا گروہ یا کسی دوسری قوت کو یہ مقام حاصل نہیں کہ وہ عدل یا عدل اجتماعی کے لئے کوئی ضابطہ بنائے۔ اللہ کے سوا کسی کو تشریعی حیثیت اور قانون سازی کا حق حاصل نہیں ہے۔ بندوں کے لئے انفرادی اور اجتماعی قوانین اللہ ہی بناتا ہے۔

فرد کی آزادی کے لئے اسلام نے کچھ حدود مقرر کی ہیں کہ اس کے لئے کون کون سے افعال حلال اور کونسے حرام ہیں اس کے حقوق دوسروں پر کیا ہیں اور دوسروں کے اس پر کیا حقوق ہیں۔ کمائی کے کون سے ذرائع جائز اور کون سے ناجائز ہیں' فرد کی بھلائی کے لئے معاشرے پر کیا حقوق ہیں اور معاشرے کی بھلائی کے لئے فرد پر کیا حقوق ہیں اور ایک ایسا توازن قائم کیا گیا ہے کہ نہ فرد کو وہ آزادی دی گئی ہے کہ وہ معاشرے کو نقصان پہنچا سکے اور نہ معاشرے کو یہ اختیارات دیئے گئے ہیں کہ وہ فرد سے اس کی آزادی سلب کرے۔ اسلام ایک فرد کی طرف دولت کے انتقال کی صرف تین صورتیں متعین کر دیتا ہے وراثت' ہبہ اور کسب تو دوسری طرف صرف دولت پر بھی پابندیاں لگا دیتا ہے تاکہ کوئی فرد اپنی ملکیت میں ایسا تصرف نہ کر سکے جو معاشرے کے لئے نقصان دہ ہو۔ یا خود اس فرد کے دین و اخلاق کا نقصان ہو۔ اسلام کسی کو اجازت نہیں دیتا کہ اپنی دولت فسق و فجور شراب نوشی قمار بازی میں صرف کرے۔

پھر اسلام معاشرے کی خدمت کے لئے ہر اس چیز پر ہے جو اس فرد پر جس کے پاس نصاب سے زائد مال جمع ہو زکواۃ عائد کر دیتا ہے۔ نیز وہ اموال تجارت پر زمین کی پیداوار پر مواشی پر اور بعض دوسرے احوال پر ایک خاص شرح سے زکواۃ مقرر کرتا ہے۔

اس کے علاوہ اسلام اگرچہ اس کو پسند کرتا ہے کہ مالک زمین اور مزارع یا کارخانہ دار اور مزدور کے درمیان خود باہمی رضامندی سے معروف طریقے سے معاملات طے ہوں اور قانون کی مداخلت کی ضرورت پیش نہ آئے مگر ان معاملات میں جہاں ظلم ہو رہا ہو وہاں اسلامی حکومت مداخلت کرنے کا پورا حق رکھتی ہے اور قانون کے ذریعے انصاف کی حدود قائم کر سکتی ہے۔

اسی طرح صنعتیں چلانے میں اسلامی حکومت وہ طریقہ اختیار کرتی ہے جس طریقے سے افراد کو ہرج اور نقصان سے بچایا جائے۔ بیت المال میں تصرف کو قانون کے ذریعے باقاعدہ اور نقصان و غبن سے محفوظ بنایا ہے۔ اسلام میں معاشی عدل کی یہ مختصر تصویر سامنے رکھی گئی ہے۔ اس کے علاوہ دیگر معاملات میں عدل و انصاف اور حقوق کی پاسداری اسلام کا مقصد اولین ہے۔ جس کی مختصر تفصیل قرآن و حدیث کی روشنی میں پیش کی جاتی ہے۔

(۱) اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جو اپنے مخصوص مزاج کے اعتبار سے دیگر تمام مذاہب عالم سے زندگی و مابعد کے تصورات میں ایک منفرد مقام رکھتا ہے۔ وہ زندگی کو ایک ناقابل تقسیم وحدت تصور کرتا ہے۔ خالق کائنات اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی زندگی کی تعمیر و تشکیل کے لئے جو احکامات دیئے ہیں انہی کا نام قانون اسلامی ہے یہ احکام زندگی کے تمام

شعبوں کا احاطہ کرتے اور انفرادی و اجتماعی' سیاسی و معاشرتی' تمدنی و معاشی دیوانی' فوجداری ملی اور بین الاقوامی ہر پہلو کی اصلاح کرتے ہیں۔ اگرچہ زندگی کی تفصیلات جدا جدا ہیں۔ مگر ان سب میں دو بنیادی قدریں مشترک ہیں۔ ایک ایمان باللہ اور ایمان بالرسالت اور دوسری عدل و انصاف و مساوات' ایمان باللہ انسان کو خدا کے بتائے ہوئے طریقہ ہائے عدل مقرر کرنے کے لئے داخلی طور پر مجبور کرتا ہے اور عدل و مساوات کے قیام کا ذریعہ بناتا ہے۔

(۲) اسلام میں عدل و انصاف کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس ہے اس سرچشمے سے پیدا ہونے والے قوانین کا نفاذ مسلمانوں کی جماعت کے سپرد ہے چنانچہ اسلام میں قضا یا داد رسی یا عدل گستری کو اہم ترین انسانی فرائض میں شامل کرتے ہوئے اسے مملکت اسلامیہ کا اولین فرض قرار دیا گیا ہے۔ عدل و انصاف کی اہمیت کے پیش نظر قرآن حکیم میں عدل و انصاف کی ہدایت جا بجا ملتی ہے جس سے منصب قضا کی اہمیت اور عظمت ہی ظاہر ہوتی ہے۔

۳) اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں انبیائے کرام کے ذمے اگر ایک طرف تبلیغ کا فریضہ لگایا تو دوسری طرف ان کو حکم دیا ہے کہ وہ قضا کا حق بھی ادا کریں۔ چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام سے فرمایا:

يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ

ترجمہ: اے داؤد ہم نے تجھے زمین میں خلیفہ بنایا ہے' لہٰذا تو لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ حکومت کر۔
(ص ۳۸ : ۲۶)

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ۭ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَاۗىِٕنِيْنَ خَصِيْمًا ۱۰۵

ترجمہ: اے نبیؐ ہم نے یہ کتاب حق کے ساتھ تمہاری طرف نازل کی ہے تاکہ جو راہ راست اللہ نے تمہیں دکھائی ہے اس کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو۔ تم بددیانت لوگوں کی طرف سے جھگڑنے والے نہ بنو۔ (النساء ۴:۱۰۵)

حضورؐ نے فرمایا کہ ایک ساعت جو انصاف میں صرف کی جائے ساٹھ سال کی نفل عبادت سے بہتر ہے۔

حضرت عائشہؓ نے جناب رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول بیان فرمایا ہے کہ سایہ الٰہی میں سب سے پہلے وہ لوگ جائیں گے جو اپنا حق ملنے پر اسے قبول کر لیتے ہیں اور دوسروں کا حق بخوشی دے دیتے ہیں (مشکوٰۃ شریف)

حضرت ابو سعید خدری نے قول بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب لوگوں میں حکام عادل ہیں اور مبغوض قیامت میں اور سخت عذاب والے ظالم ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ منصف اور عادل حاکم خدا کے بہت قریب ہوں گے (بخاری' مسلم)

حضرت سدیدہؓ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قاضی تین ہیں۔ ایک جنت میں اور دو دوزخ میں۔ پس جس شخص نے حق کو پہچانا اور اس کے مطابق فیصلہ کیا وہ جنتی ہے اور جس شخص نے حق کو جاننے کے باوجود فیصلہ میں

ظلم کیا وہ دوزخی ہے اور جس شخص نے جہالت پر لوگوں کے درمیان فیصلہ کیا وہ بھی دوزخی ہے (مشکواۃ' بخاری' مسلم)

ایک صحیح حدیث میں ہے کہ فرمایا رسولؐ اللہ نے سات شخصوں کو اللہ تعالیٰ اپنے عرش کے سایہ میں رکھے گا ان سات میں سے امام عادل کو مقدم کرتے ہوئے فرمایا۔

"انصاف و عدل کرنے والے حاکم قیامت کے دن نور کے منبروں پر ہوں گے۔ یہ منبر رحمٰن کے داہنی جانب قائم ہوں گے اور رحمٰن کی دونوں جانیں داہنی ہی ہوں گی"۔

مختصر یہ کہ قرآن و حدیث میں عدل و انصاف اور عظمت و قضا کے بارے میں بے شمار آیات و احادیث ہیں۔ جن کا احاطہ کرنا اس مختصر خطبہ میں دشوار ہے۔

(۴) اسلام میں انصاف ہر شہری کا بنیادی حق ہے۔ اس لئے یہ بات اسلامی تصور عدل کے منافی ہے کہ حکومت ان سے کسی قسم کا معاوضہ لے چنانچہ اسلامی طریقہ انصاف میں عدل و انصاف کے لئے کورٹ کی کوئی فیس نہیں ہے اور نہ ہی مدعی پر اس قسم کا کوئی بوجھ ڈالا گیا ہے۔

اسلام انصاف میں جلدی فیصلہ کا قائل ہے ورنہ انصاف میں تاخیر بذات خود نفی انصاف ہو گی۔ اس لئے ضروری ہے کہ حاکم وقت ملک کی آبادی کے لحاظ سے کافی تعداد میں ججوں کا تقرر کرے۔

(۵) اسلام میں عدل گستری اور انصاف رسائی کو ایمان کے بعد اسلامی مملکت کا ایک اہم فریضہ قرار دیا ہے اس فریضہ کی بجا آوری کے لئے ایک عادلانہ مفید عدالتی نظام کا ایک خاکہ بھی پیش کیا ہے۔ اگرچہ یہ نظام منزل من اللہ نہیں ہے۔ تاہم کتاب و سنت کی روح سے ہم آہنگ ہونے کی بناء پر موصل الی اللہ ضرور ہے۔ اس لئے کہ نظام عدل کی بنیاد عہد نبوت ہی میں پڑ چکی تھی۔

(۶) آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بعد خلفائے راشدین کے دور میں نہ صرف آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ہاتھوں قائم شدہ نظام عدل پوری آب و تاب کے ساتھ برقرار رہا بلکہ اس میں بے شمار اضافے بھی ہوئے۔ اس زمانہ میں مملکت کا پورا نظم و نسق قرآن و سنت نبوی کا آئینہ تھا۔ قرآن و حدیث ہی مملکت کا دستور تھا۔ البتہ اجماع اور قیاس کے اصول سے ضرور فائدہ اٹھایا گیا۔ حضرت ابوبکر صدیق اکبرؓ کے عہد میں خلیفہ خود مدینہ منورہ میں فیصلہ مقدمات کرتے۔ البتہ دوسرے علاقوں میں عامل عدالت کے فرائض انجام دیتے۔

حضرت عمر فاروقؓ جب مسند خلافت پر فائز ہوئے تو آپ نے نظام حکومت میں تبدیلیاں کیں۔ نظام عدل کی طرف خصوصی توجہ دی گئی اور عدالت کا ایک جداگانہ محکمہ قرار پایا۔ مملکت کو مختلف صوبوں میں تقسیم کرنے کے بعد ہر ضلعی مقام پر عدالتیں قائم کیں۔ جہاں قاضیوں کا تقرر کیا گیا۔

تفویض اختیارات کے وقت قاضی کو مختلف ہدایات دی جاتی تھیں تاکہ ان کی روشنی میں وہ عدل و انصاف کا دامن تھام سکیں۔ رشوت یا ناجائز وسائل آمدنی کے سدباب کے لئے آپ نے قاضیوں کو گرانقدر مشاہرات سے نوازا۔ قاضی کو تجارت کرنے کی ممانعت کی گئی۔ بعض دفعہ خود خلیفہ وقت فریقین بن کر امتحان کی خاطر عدالت میں جاتے۔ مساجد عدالتی اجلاس کا گہوارہ ہوتیں۔ عدالتی فیس معاف ہوتی۔ عدالت کے دروازے سب کے لئے کھلے ہوتے تھے۔ امیر و غریب کا امتیاز مٹ چکا تھا دیوانی فوجداری مقدمات کی سماعت کے اختیارات ایک ہی قاضی کو حاصل تھے۔

فاروق اعظمؓ نے پہلی مرتبہ قید خانوں کی تعمیر کی جس کے بعد سزاؤں میں تخفیف کی گئی ایک محکمہ افتاء کا قیام بھی عمل میں

لایا جا چکا تھا۔ جہاں علم و فضل سے آراستہ لوگوں کو مفتی کے عہدہ پر فائز کیا گیا حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے دور خلافت میں عدلیہ کی پہلی شکل رہی۔ البتہ قانون شہادت کے سلسلہ میں تزکیہ شہود کی نئی اصطلاح وضع ہوئی جس سے گواہوں کے معتبر یا غیر معتبر ہونے کا تعین کیا جاتا تھا۔ غیر مسلموں کے لئے خصوصی عدالتیں قائم کی گئیں۔ غرضیکہ عدلیہ کی جو وقعت اور شان عہد نبویؐ اور پھر تینوں خلفا کے عہد میں ہے وہ حضرت علیؓ کے دور میں بھی قائم رہی۔

خلافت راشدہ کے بعد جب خلافت ملوکیت میں تبدیل ہو گئی تو بھی اسلامی نظام عدالت میں کوئی ایسی تبدیلی نہیں آئی جو قابل ذکر ہو۔ البتہ قاضیوں کے تقرر اور ان کی علیحدگی کے وقت اموی دور حکومت میں عام اعلان ہوتا تھا۔ قاضی محدود اختیارات کے ساتھ مقرر ہوتے تھے جو قاضی وسیع اختیارات کے ساتھ مقرر ہوتے تھے ان کے حدود و اختیارات بھی وسیع ہوتے۔ بنو امیہ کے دور میں باضابطہ عدالت نہیں تھی بلکہ ایک مجلس قائم کی تھی۔ مجلس میں مقدمات پیش ہوتے تو خلیفہ وقت سماعت کرتے۔ قاضیوں کو اجازت تھی جب چاہیں خلیفہ سے مشورہ طلب کریں' خلافت عباسیہ کا دور آیا تو عدلیہ کے نظام میں بڑی تبدیلیاں ہوئیں اور بڑی ترقی ہوئی۔ قاضی القضاء (چیف جسٹس) کا ایک سب سے بڑا عہدہ قائم کیا گیا جو قاضیوں کی تقرری تنزلی اور دیگر متعلقہ عدالتی امور پر فائز تھا۔

اسلامی نظام عدل کی ایک خصوصیت یہ بھی رہی ہے کہ اس میں کھلی عدالتوں اور عدالت میں زبانی بیانات پر عمل کیا جاتا رہا ہے۔ وکلاء کے موجودہ طریق کار کا رواج نہ تھا۔ فقہ کی کتابوں میں اگرچہ کتاب الوکالہ کے ابواب ملتے ہیں۔ تاہم وکلاء کو مستقل پیشہ وارانہ اہمیت حاصل نہ تھی۔ ان کا وجود بحیثیت کارندہ یا مختار کے تسلیم کیا جاتا تھا۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ اسلامی نظام عدل گستری کا اصل سرچشمہ سرزمین عرب ہے اس کے بعد بغداد ترکستان میں اس کی پرورش ہوئی پھر ترکستان کے راستے سے برصغیر پاک ہند و پاک میں آیا۔ اسلامی عدل گستری کے ادارت بری راستوں سے شمالی ہند میں آئے اور پھر تغلقوں اور خلجیوں کے ذریعے دکن پہنچے' جہاں کی مسلمان سلطنتوں نے عدل گستری کے ان ادارت سے اپنے نظم و نسق کو خوب آراستہ کیا اور تفصیلی حیثیت سے ان میں خوب اضافے کئے۔

بدقسمتی سے برصغیر ہند و پاک میں انگریزی دور حکومت میں اسلامی نظام درہم برہم ہو جانے کی وجہ سے اسلامی فکر اور اسلامی شریعت کے احکام اپنی اصل ہیئت اور حقیقی شکل میں موجود نہ رہے اور جو کچھ اسلامی قانون نظر آتا ہے وہ اپنے عمل میں اسلامی روح' فکر اور جذبے سے خالی ہے ہمارا موجودہ عدالتی نظام طریق کار انگریزوں کا ورثہ ہے جس کو آزادی حاصل کرنے کے بعد اب تک بھی ہم اپنائے ہوئے ہیں جس میں انصاف میں تاخیر' عدالت کے پر پیچ طریق کار جھوٹی شہادت اور گواہوں کی بھرمار دولت کا بے تحاشہ ضیاع' رشوت و سفارش اور ظلم کا عمل دخل عام ہے۔ اس کے برعکس اسلام چاہتا ہے کہ ایک ایسا معاشرہ معرض وجود میں آئے جو ظلم و ستم سے پاک ہو۔ اس مقصد کے حصول کی خاطر وہ ایک ایسا عادلانہ جامع اور مربوط نظام پیش کرتا ہے جس کو عمل میں لا کر اسلامی معاشرہ امن و امان اور خوشحالی و شادمانی کا گہوارہ بن سکتا ہے۔

یہ امر باعث مسرت ہے کہ ہمارے ملک میں قرارداد مقاصد پاکستان سے ہم آہنگ ہوتے ہوئے اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے کئی موثر اقدامات کئے گئے ہیں۔ جن میں وفاقی شرعی عدالت کا قیام بھی شامل ہے۔ یہ اقدامات بلاشبہ قابل صد ستائش ہیں۔ لیکن جب تک انگریزی مروجہ قوانین کو یکسر کالعدم نہیں قرار دیا جائے گا۔ حصول انصاف میں دشواری بہرحال موجود رہے گی' اور اسلامی نظام عدل کی فیوض و برکات سے ہم مکمل طور پر بہرمند نہ ہو سکیں گے۔

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلام میں جزاء و سزا کا تصور

خطبہ مسنونہ،

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَھْلِ بَیْتِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ:
اَمَّا بَعْدُ! اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی:

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِہٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَیْھَا وَمَا رَبُّکَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ ﴿۴۶﴾

ترجمہ: جو کوئی نیک عمل کرے گا وہ اپنے ہی لئے اچھا کرے گا جو بدی کرے گا اس کا وبال اسی پر ہو گا تیرا رب اپنے بندوں کے حق میں ظالم نہیں ہے۔ (حم السجدہ ۴۱:۴۶)

حضرات گرامی!

بعض ذہنوں میں ایک سوال ابھرتا ہے کہ آج کے ترقی یافتہ دور میں وہ سزائیں کیسے نافذ کی جا سکتی ہیں جو صدیوں پہلے کے لوگوں کے لئے وضع کی گئی تھیں؟ کیا محض چند روپوں کی خاطر چور کا ہاتھ کاٹا جا سکتا ہے۔ حالانکہ مجرم تو معاشرے کی بے انصافی کا شکار ہوتا ہے لہٰذا وہ سزا کے بجائے ہمدردی کا مستحق ہے۔

یہ وہ شبہ ہے جو اسلامی قانون جرم و سزا کے بارے میں جدید ذہن رکھنے والوں کی طرف سے ظاہر کیا جاتا ہے۔ مگر عجیب بات یہ ہے کہ یہ روشن خیال حضرات جو چور کی تکلیف کو اس قدر محسوس کرتے ہیں شمالی افریقہ کے چالیس ہزار معصوم انسانوں

کا بے دریغ قتل عام ہوتے دیکھتے ہیں تو ہلکا سا اضطراب بھی محسوس نہیں کرتے۔ بوسینا اور چیچنیا میں ہزاروں مسلمانوں کا بے دریغ قتل عام دیکھتے ہیں اور ٹس سے مس نہیں ہوتے لیکن اسلامی قانون کے حوالے سے محض ایک مجرم کی قانونی سزا پر بے چین ہو جاتے ہیں یہ لوگ ان دلفریب الفاظ سے دھوکہ کھا جاتے ہیں اور اصل حقیقت سے بے خبر رہتے ہیں۔ آیئے دیکھیں اسلامی نقطہ نظر کیا ہے۔

جرم اور معاشرہ

جرم کی تعریف یہ کی جاتی ہے کہ یہ معاشرے کے خلاف کسی زیادتی کے ارتکاب کا نام ہے۔ اس لحاظ سے اس کی تشریح میں فرد اور معاشرے کا ذکر ضرور آتا ہے۔ اور اجتماعی نقطہ نظر کو اس میں بہت عمل دخل ہے سرمایہ دار ممالک فرد کو اس قدر زیادہ اہمیت دیتے اور بالا دستی کا حق دیتے ہیں کہ معاشرے کے حقوق اس کے نتیجے میں پامال ہو جاتے ہیں اور ریاست کے اختیارات محدود ہو جاتے ہیں اسی بناء پر وہاں مجرموں کو ہمدردی کا مستحق سمجھا جاتا ہے۔ اور وہ جرم کو ہلکا اور خفیف تر سمجھنے پر زور دیتے رہتے ہیں۔ جدید ماہرین نفسیات نے نفسیاتی نظریہ جبر قائم کیا۔ جس کے تحت وہ مجرم کو مجبور سمجھنے لگے اور رائے قائم کی کہ جرم اس کی مجبوری ہوتی ہے۔ اس لئے وہ سزا کا مستحق نہیں ہوتا۔

اس کے برعکس اشتراکی ممالک کا نظریہ یہ ہے کہ معاشرہ ایک مقدس وحدت ہے جس کے خلاف آواز اٹھانے کا حق فرد کو بالکل حاصل نہیں۔ اور ریاست کے خلاف آواز اٹھانے والا بدترین سزا کا مستحق ہوتا ہے۔

یہ دونوں نظریات جزوی طور پر صحیح ہیں مگر دونوں افراط و تفریط کا شکار ہو گئے ہیں سرمایہ داروں نے فرد کو کھلی چھٹی دے کر معاشرے کے ساتھ بے انصافی کی ہے۔ جبکہ اشتراکیوں نے معاشرے ریاست اور اجتماع کو اس قدر اہمیت دی کہ فرد کی صلاحیتوں اور عمل کا خیال نہیں رکھا۔

اسلام نے دونوں نظریات کی خوبیوں کو سمیٹ کر خامیوں کو دور کر دیا ہے اور ایک معتدل نظریہ پیش کیا جس میں فرد اور معاشرہ دونوں کے حقوق محفوظ کر لئے۔ اور دونوں کے ساتھ انصاف کیا۔

اسلام کا طریقہ کار

اسلام اندھا دھند سزائیں تجویز نہیں کرتا اور نہ بغیر سوچے سمجھے انہیں نافذ کرتا ہے اسلام کا نظریہ اشتراکیت پسندوں اور انفرادیت پسندوں دونوں نظریات کی خوبیوں کا جامع ہے اور ان کی خرابیوں سے پاک ہے۔ اسلام صحیح معنوں میں عدل قائم کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ جرم کی سزا دینے سے پہلے ان تمام حالات اور اسباب کا جائزہ لیا جائے جن کا تعلق ارتکاب جرم سے ہے۔ مجرم کو سزا دیتے وقت اسلام بیک وقت دو امور پیش نظر رکھتا ہے۔ مجرم کا نقطہ نظر اور اس معاشرے کا زاویہ نظر جس کے خلاف ارتکاب جرم کیا گیا ہے۔ ان ہر دو امور کی روشنی میں اسلام سزا تجویز کرتا ہے۔ جو مناسب ہوتی ہے۔ اور جو منطق اور عقل دونوں سے ہم آہنگ اور غلط قسم کے انفرادی اور قومی نظریات کے اثرات سے بالکل پاک ہوتی ہے۔

خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ کے فیصلے اس کی شہادت دیتے ہیں جنہوں نے دو غلاموں کو چوری کرنے پر حد قائم کرنے سے معاف کر دیا اس لئے کہ ان کا آقا ان کو بھوکا رکھتا تھا۔ اور چوری ان کی مجبوری بن گئی تھی۔ فقہ اسلامی کا اہم اصول یہ ہے کہ کسی مجرم کو قانونی سزا ایسے حالات میں نہیں دی جائے گی جب جرم کا ارتکاب حالات سے مجبور ہو کر کیا گیا ہو۔ اس اصول کی تائید میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول بھی موجود ہے "ادراء الحدود بالشبہات" شک کی صورت میں حد جاری نہ کرو!

اسلامی تعزیرات اور اصلاح معاشرہ اسلام کا اصول یہ ہے کہ پہلے وہ معاشرے کو ان تمام حالات و اسباب سے پاک کرتا

ہے جو جرائم کا باعث بنتے ہیں۔ اس کے بعد بھی جو لوگ جرائم کے مرتکب ہوں وہ انہیں عبرتناک اور منصفانہ سزائیں دیتا ہے۔ اسباب جرم کے انسداد کے سلسلے میں اسلام دولت کی منصفانہ تقسیم پر زور دیتا ہے حتی کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے دور میں ہم دیکھتے ہیں کہ افلاس کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اسلامی ریاست اپنے رعایا کی بنیادی ضروریات مہیا کرنے کی ذمہ دار ہوتی ہے۔ اور اس سلسلے میں مذہب رنگ و نسل زبان یا معاشرتی حیثیت و مقام کا کوئی اختلاف ملحوظ نہیں رکھتی۔ اسی طرح ریاست تمام شہریوں کے لئے روزگار مہیا کرتی ہے بصورت دیگر گزارہ الاؤنس مقرر کر دیتی ہے۔ اسلام جنس کے بارے میں انسانی ضروریات کے پیش نظر نکاح کی اجازت دیتا ہے۔ اگر کسی کی استطاعت سے باہر ہو تو یہ بھی ریاست کے فرائض میں ہے کہ جوانوں کی شادیاں کرے۔

اگر ہم اپنی زندگی کا پورا نظام اسلام کے مطابق قائم کریں تو پھر افلاس اور غربت جہالت اور ناخواندگی کا خاتمہ ہو جائے گا اور کسی کے لئے جرائم کرنے کا جواز ہی باقی نہیں رہے گا کیونکہ اس صورت میں تمام ضروریات پوری ہوں گی بلکہ فراخی ہو گی۔ اور عریانی فحاشی جیسے گناہ کے محرکات پر پابندی لگ جائے گی اور ان کا قلع قمع ہو جائے گا۔

حضرات گرامی!

اسلامی تعزیرات کا امتیازی وصف

اسلام سزا کے نفاذ سے قبل جرم کے تمام امکانی اسباب و عمل کا سدباب کرتا ہے۔ بلکہ اسباب و علل کے خاتمہ کے بعد بھی اگر کسی مجرم کے بارے میں اس کو یہ شک ہو جائے کہ اس نے حالات سے مجبور ہو کر جرم کیا ہے تو وہ اس کو سزا نہیں دیتا۔ دنیا کا آخر کونسا دوسرا نظام ایسا ہے جو اسلام کے اس عدل و انصاف والے نظام کا مقابلہ کر سکے۔

سزاؤں کا افادی پہلو

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اسلامی سزائیں کوئی عملی افادیت نہیں رکھتیں۔ مگر یہ خیال بالکل غلط ہے اسلامی سزائیں دراصل ان لوگوں کو ڈرانے کے لئے ہیں جو بغیر کسی معقول وجہ جواز کے ارتکاب جرم کی شدید خواہش رکھتے ہیں۔ ان لوگوں کی اصلاح کے نقطہ نظر سے یہ سزائیں نہایت موثر ہوتی ہیں کیونکہ ان کی خواہش جرم جس قدر بھی شدید ہو سزا کا خوف انہیں ارتکاب جرم سے پہلے کئی بار سوچنے پر ضرور مجبور کرتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ بعض نوجوان جنسی نا آسودگی کا شکار ہوتے ہیں مگر جس معاشرہ نے اپنے افراد کے تحفظ کا عزم کیا ہو اسے حق حاصل ہے کہ وہ اپنے افراد کی جان و مال کو تحفظ دینے کے لئے بعض ناگزیر سزائیں بعض جرائم پیشہ افراد کو دلائے۔

اس کے برعکس جو لوگ بغیر کسی وجہ کے جرائم کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اسلام انہیں حالات کے حوالے نہیں کرتا۔ بلکہ ہر ممکن طریقہ سے ان کا علاج کرتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ وہ ایک متوازن اور معقول زندگی کی طرف لوٹ آئیں۔

فرد کی اصلاح کے علاوہ حدود شریعہ کے نفاذ کا مقصد نظام تمدن کے اختلال کو روکنا' مظلوم کی حمایت' شریف اور امن پسند شہریوں میں احساس تحفظ پیدا کرنا اور سماج دشمن عناصر کے دل میں خوف خدا پیدا کر کے انہیں ایسی حرکات سے باز رکھنا ہے جس کے باعث اللہ کی زمین میں فساد پھیلتا اور معاشرے کا اخلاقی معیار پست ہو جاتا ہے۔ اسلامی سزاؤں کا اصل مقصد ان باتوں سے منع کرنا ہے جو انسان کے لئے نقصان دہ ہیں مثلاً زنا کی حد سے نسب محفوظ رہتے ہیں' چوری کی حد سے مال محفوظ رہتا ہے' شراب کی حد سے عقل اور تہمت کی حد سے آبرو کا بچاؤ ہوتا ہے۔

اسلام میں حد کی سزا سب کے لئے برابر ہے جو مملکت کے ادنیٰ ترین آدمی سے لے کر اعلیٰ ترین شخص تک سب پر یکساں نافذ ہو گی' حضور علیہ السلام نے فرمایا "پہلی قومیں اس لئے ہلاک ہو گئیں کہ وہ معاشرے کے پست طبقے پر تو حدود نافذ کرتی

تھیں، لیکن اکابر کو چھوڑ دیتی تھیں، مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے قبضے میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے اگر میری بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا"۔

حضرات محترم!

اسلام میں سزاؤں کی تین قسمیں ہیں (۱) حدود (۲) قصاص (۳) تعزیرات۔ جن جرائم کی سزا کو بطور حق اللہ متعین کر کے جاری کیا گیا ہے ان کو "حدود" کہتے ہیں اور جن کو بطور حق العبد جاری کیا گیا ہے ان کو "قصاص" اور جن جرائم کی سزا کا تعین نہیں کیا گیا انہیں "تعزیر" کہا جاتا ہے، تعزیری سزائیں حالات کے تحت ہلکی سے ہلکی اور سخت سے سخت بھی اور معاف بھی کی جا سکتی ہیں، حدود میں کسی حکومت یا حاکم کو تعزیر و تبدیلی کی اجازت نہیں ہے، اسلام میں حدود پانچ ہیں (۱) ڈاکہ، (۲) چوری (۳) زنا (۴) تہمت زنا (۵) شراب نوشی کی سزا (جو اجماع صحابہ سے ثابت ہے)۔

اسلام میں جہاں سزا رکھی گئی ہے وہاں معاملہ کو معتدل کرنے کے لئے تکمیل جرم اور تکمیل ثبوت جرم کے لئے شرطیں بھی نہایت سخت کر دی گئی ہیں، ان شرائط میں سے کوئی شرط مفقود ہو تو حد ساقط ہو جاتی ہے "الحدود تندرء بالشبهات" یعنی حدود کو ادنی شبہ سے ساقط کر دیا جاتا ہے۔ اسلام مجرم کے اندر یہ عقیدہ پیدا کرتا ہے کہ اصلی حاکم خدا ہے جس سے انسان اپنے کسی فعل کو نہیں چھپا سکتا اور اصلی عدالت آخرت کی عدالت ہے جس میں بہرحال پیش ہونا ہے جہاں کی سزا بڑی رسوا کن ہو گی، اسلام کی اس تعلیم نے صحابہ کرام میں حیرت انگیز اخلاقی احساس پیدا کر دیا تھا، اس سلسلے میں چند واقعات سماعت فرمائیں۔

ایک مرتبہ ایک چور حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیا گیا جس نے ایک شملہ چرایا تھا اس نے آپ کے سامنے چوری کا اقرار کیا آپ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا، ہاتھ کٹنے کے بعد آپؐ نے اس سے فرمایا "اب اللہ سے توبہ کر" اس نے کہا میں نے توبہ کی، فرمایا "جا اللہ نے تیری توبہ قبول کر لی"۔

حضرت غامدیہ کا واقعہ بھی مشہور ہے، وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں انہوں نے زنا و حمل کا اقرار کیا آپ نے فرمایا بچہ پیدا ہونے تک ٹھہر، جب زچگی ہو گئی تو وہ پھر حاضر ہوئیں، آپؐ نے فرمایا اسے دودھ پلا، جب رضاعت کا زمانہ ختم ہو گیا تو وہ بچے کو لے کر حاضر ہوئیں، تب آپ نے بچہ کو ایک صحابی کے حوالے کیا اور اس عورت پر رجم کی حد جاری کی۔

ان واقعات سے ظاہر ہے کہ اسلام کس طرح جرائم کو روکنے کے ساتھ ساتھ مجرموں کے اندر بلند ترین اخلاقی احساسات پیدا کرتا ہے، اور کس طرح مجرم کو سزا دینے کے بعد از سر نو مسلم معاشرے کا ایک معزز رکن بناتا ہے۔ جو لوگ ان سزاؤں کو وحشیانہ کہتے ہیں، وہ وحشی ہیں، تہذیب نفس اور انسانیت کے جس بلند مقام پر اسلامی قانون نے انسان کو پہنچایا، اس کی مثال دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی۔

جزا و سزا کی منزلیں

حضرات گرامی!

اسلام نے جزا و سزا کی تین منزلیں مقرر کی ہیں۔ پہلی منزل یہ دنیا ہے کہ انسان کو اپنے اعمال کی پہلی جزا و سزا اس دنیا میں مقررہ اصول کے مطابق مل جاتی ہے دوسری منزل عالم برزخ ہے۔ جہاں انسان اپنے اعمال کی جزا و سزا کا منظر دیکھتا ہے تیسری منزل عالم آخرت ہے۔ جہاں انسان اپنے اعمال کی پوری جزا و سزا حاصل کرے گا۔ اسلامی عقائد میں آمنت باللہ و ملئکتہ و کتبہ و رسلہ کے بعد والیوم الآخر ہے یعنی آخرت کا ذکر آتا ہے۔ عقائد کے نقطہ نظر سے آخرت پر ایمان لانا تو

ہمارا فرض ہے لیکن نفسیاتی نقطہ نظر سے بھی یہ بات بڑی اہم ہے۔ کہ ہر انسان سے اس کے اعمال کے متعلق حساب و کتاب لیا جائے گا۔ اور اس کے نیک و بد اعمال کے مطابق جزاء و سزا دی جائے گی آخرت اور یوم حساب پر ایمان۔ جزاء کی امید اور سزا کا خوف پر ایسے تصورات ہیں جو انسان کو اچھے کام کرنے کی ترغیب دیتے اور بری باتوں سے روکتے ہیں اور بچاتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ؕ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۴۶﴾

ترجمہ: "جو کوئی نیکی کرے گا اپنے ہی لئے اچھا کرے گا اور جو بدی کرے گا اس کا وبال اس پر ہو گا۔ اور تیرا رب اپنے بندوں کے حق میں ظالم نہیں"۔ (حم السجدہ ۴۱:۴۶)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جزاء و سزا سے متعلق ایک قانون شرعی کی طرف اشارہ کیا ہے کہ نیک اعمال کا بدلہ اچھا ملے گا اور برے اعمال کا بدلہ برا۔ جس طرح قانون فطرت ہے کہ زہر کھانے سے ہلاکت ہوتی ہے اس طرح یہ بھی عین فطری اصول ہے۔ کہ برائی اور گناہ کا ارتکاب کرنے سے انسانی روح مرجاتی ہے اور روحانی امراض جنم لیتے ہیں۔ اس کے علاج کے لئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیھم السلام کو مبعوث فرمایا۔ جن کی تعلیمات پر عمل کرنے سے انسان روحانی امراض سے شفایاب ہو کر دین و دنیا میں کامیاب و بامراد ہو جاتا ہے۔

قرآن مجید میں جزا و سزا کے لئے "ثواب و عقاب" کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ "ثواب" کا لفظ "ثوب" سے نکلا ہے۔ جس کے معنی "لوٹنے" کے ہیں اس لئے یہ کسی اچھے کام کے نتیجہ اور جزا کے معنی میں بولا گیا ہے' "عقاب" کا لفظ "عقب" سے ماخوذ ہے جس کے معنی پیچھے کے ہیں' اس لئے کہ "عقاب" اس اثر کا نام ہے جو کسی کام کے کرنے کے بعد لازم آتا ہے۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:

اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝

ترجمہ: آج تم لوگوں کو ان اعمال کا بدلہ دیا جائے گا جو تم کرتے رہے تھے۔ (الجاثیہ ۴۵:۲۸)

اس سے معلوم ہوا کہ جزا و سزا ہمارے ہی اعمال کے رد عمل کا نام ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ "قیامت میں اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے میرے بندو! یہ تمہارے ہی اعمال ہیں جو میں تم کو لوٹا کر یہاں دے رہا ہوں تو جو کوئی جزائے خیر پائے وہ خدا کا شکر ادا کرے اور جس کو برائی ملے وہ خود کو ملامت کرے"۔

حضرات!

اس دنیا میں انسانی اعمال و افعال فنا نہیں ہوتے جیسا کہ موجودہ سائنس نے بھی یہ تسلیم کر لیا ہے کہ دنیا میں کوئی حرکت پیدا ہو کر فنا نہیں ہوتی یہاں تک کہ آواز جو کبھی بلند ہوئی تھی آج بھی ہے اور ہمیشہ رہے گی اس لئے سائنس نے اسلام کے اس عقیدے کی تائید کر دی ہے کہ انسان کا ہر عمل و فعل دنیا کے ریکارڈ میں موجود ہے' قرآن مجید میں ارشاد باری ہے:

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ﴿۷﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ﴿۸﴾

پھر جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہو گی وہ اس کو دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر بدی کی ہو گی وہ اس کو بھی دیکھ لے گا۔ (الزلزال ۹۹:۸)

انسان کا ہر عمل اپنے کرنے والے کے اندر اچھا یا برا اثر چھوڑتا ہے' قیامت میں انسان کے اعمال کے آثار و نتائج اس کے ایک ایک عضو سے نمایاں ہوں گے' اللہ تعالیٰ زبان پر مہر سکوت لگا دیں گے اور اس کے ہاتھ پاؤں اور کھال تک اس کے اعمال بد پر گواہی دیں گے۔ اللہ تعالیٰ انسان کے جملہ اعمال کا سخت حساب لیں گے۔ اسلام کا ایک سنہری اصول یہ بھی ہے کہ ایک شخص کی برائی سزا دوسرے کو نہیں مل سکتی۔

اَلاَّ تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی

ترجمہ: یہ کہ کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ (النجم ۵۳:۳۸)

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلام میں مسجد کی اہمیت اور اس کا مقام

خطبہ مسنونہ:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَهْلِ بَيْتِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ:

اما بعد! اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى:

اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰٓى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۸﴾

ترجمہ: "اللہ کی مسجدوں کے آباد کار (مجاور و خادم) تو وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو اللہ اور روز آخر کو مانیں اور نماز قائم کریں' زکواۃ دیں اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈریں۔ ان ہی سے یہ توقع ہے کہ سیدھی راہ چلیں گے"۔ (التوبہ ۹:۱۸)

حضرات محترم!

اسلام نے مسلمانوں کو باہم مربوط و منظم کرنے' ان کی اجتماعیت قائم کرنے' قائم شدہ اجتماعیت باقی رکھنے' اور ان کے روابط قائم و مستحکم رکھنے کا جو بہترین نظام دیا ہے اس کا بنیادی ادارہ مسجد ہے۔ مسجد جہاں اللہ کی عبادت اور اس کا تقرب حاصل

کرنے کی جگہ ہے' وہیں معاشرہ کی دینی' اخلاقی' اور روحانی اصلاح کرنے اور اسے اسلامی اقدار پر قائم رکھنے کا بہت بڑا ذریعہ بھی ہے۔ مسجد دراصل مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کا ایسا مرکز اور محور ہے' جہاں سے ان کے تمام مذہبی' اخلاقی' اصلاحی' تعلیمی' تمدنی' ثقافتی' تہذیبی' سیاسی اور اجتماعی امور کی رہنمائی ہونی چاہئے۔

حضرات گرامی!

مسجد کا یہ کردار قرن اول اور قرن ثانی بلکہ ثالث تک پوری طرح جاری و ساری رہا۔ چنانچہ ان ادوار میں مسلمانوں کے تمام معاملات مسجد ہی میں سرانجام دیئے جاتے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانے میں مسجد دارالخلافہ' وفود کے ٹھہرنے اور ملاقات کی جگہ' عدالت' بیت المال کا مرکز' مجلس شوریٰ' دارالعلاج' تعلیم و تدریس کا مرکز' غرباء کی قیام گاہ غرضیکہ مسلمانوں کے تمام انفرادی و اجتماعی اور معاشرتی معاملات کا محور تھی۔ جب تک مسجد کا یہ مقام باقی رہا امت مسلمہ مضبوط امت واحدہ کی حیثیت سے اپنی ذمہ داریاں پوری کرتی رہی۔ لیکن جب یہ رشتہ کمزور و مضمحل ہو گیا اور اجتماعی زندگی کی مرکزیت مسجد سے منتقل ہو کر دوسری سمتوں میں چلی گئی تو امت افتراق و انتشار' متعدد اخلاقی و روحانی خرابیوں کا شکار ہو گئی۔

آج پھر اس بات کی ضرورت ہے کہ ہم مساجد کو مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ اور ان کی اصلاح کا ذریعہ بنائیں اور مساجد کو وہ مقام دیں جو انہیں اللہ تعالیٰ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا کیا ہے۔ مسلم معاشرے میں مساجد کے اصلاحی کردار اور پہلو کو سمجھیں اور انہیں مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کا حقیقی محور اور مرکز بنائیں تاکہ امت اپنا عروج رفتہ پھر حاصل کر سکے اور مساجد کے ذریعے حاصل ہونے والی دینی و دنیوی فیوض و برکات سے مستفید ہو سکے۔

قرآن حکیم کی تلاوت کردہ آیت کریمہ میں مسجد کا تذکرہ ہے۔ مسجد سے مراد وہ جگہ ہے جہاں مسلمان باہم مل کر بارگاہ الٰہی میں سجدہ ریز ہوتے ہیں۔ اپنا انفرادی اور اجتماعی تعلق اللہ سے جوڑتے ہیں۔ سب سے پہلی مسجد جو کہ ارض پر تعمیر ہوئی وہ بیت الحرام مکہ معظمہ میں ہے جس کی بنیادیں جلیل القدر پیغمبر حضرت ابراہیمؑ اور ان کے صاحبزادے حضرت اسمٰعیلؑ نے مل کر اٹھائیں۔ قرآن حکیم کہتا ہے:

وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ

"اور یاد کرو ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ جب اس گھر کی دیواریں اٹھا رہے تھے"۔ (البقرہ ۲:۱۲۷)

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ؕ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِىَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۱۲۵﴾

ترجمہ: "اور یہ کہ ہم نے اس گھر (کعبے) کو لوگوں کے لئے مرکز اور امن کی جگہ قرار دیا تھا اور لوگوں کو حکم دیا تھا کہ ابراہیمؑ جہاں عبادت کے لئے کھڑا ہوتا ہے اس مقام کو مستقل جائے نماز بنا لو' اور ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ کو تاکید کی تھی کہ میرے اس گھر کو طواف اور اعتکاف اور رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے لئے پاک رکھو"۔ (البقرہ ۲:۱۲۵)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کو ہجرت فرمائی تو مدینہ پہنچ کر ایک مسجد کی بنیاد رکھی جو مسجد

نبویؐ کے نام سے موسوم ہے۔ اس کے بارے میں آپؐ نے ارشاد فرمایا:

"تین مسجدوں کے سوا کسی اور مسجد کے لئے رخت سفر نہ باندھو' ایک مسجد حرام' دوسری مسجد نبویؐ اور تیسری مسجد اقصیٰ"

اسلامی معاشرے میں مسجد کا اولین اور اہم ترین مقصد یہ ہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کا ذکر کیا جائے اور اس کے ساتھ اپنا رشتہ مضبوط جوڑا جائے۔ سورہ الجن میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ﴿۱۸﴾

ترجمہ: "اور یہ کہ مسجدیں اللہ کے لئے ہیں لہٰذا ان میں اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو" (الجن ۱۸:۷۲)

اسلام نے اسلامی معاشرے کی تدریجی ترقی کا ایک ایسا مستحکم نظام قائم کیا ہے جس کی نظیر دنیا کی تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے۔ مسجد کے نام سے بیت اللہ کا وجود عطا کیا جس میں شرکت کے لئے سب مسلمانوں کو برابر قرار دیا۔ اجتماع کے لئے پانچ وقت متعین فرمائے اور پھر پورے ہفتہ میں ایک دن بستیوں اور شہروں میں نماز جمعہ کی ادائیگی کے لئے مخصوص کیا اور تاکید کی

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۹﴾

ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو' جب پکارا جائے نماز کے لئے جمعہ کے دن تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو اور خرید و فروخت چھوڑ دو' یہ تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے۔ اگر تم جانو۔ (الجمعۃ ۹:۶۲)

یہ حکم خداوندی مسلمانوں کی ہفتہ میں ایک مرتبہ وسیع پیمانے پر باہمی جوڑتا ہے اور ان کی شیرازہ بندی کرتا ہے اور اسلامی معاشرے کو باہمی محبت' اخوت' ہمدردی اور غم گساری کا درس دیتا ہے۔ اسی پر بس نہیں بلکہ پوری دنیا کے صاحب استطاعت مسلمانوں کو کم از کم ایک مرتبہ اپنی زندگی میں بیت الحرام (مکہ مکرمہ) کی زیارت کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ حکم نظام مساجد کے آفاقی اور عالمگیر ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ عبادت کے اس اجتماعی نظام یا نظام مساجد سے یہ امر واقعی ثابت ہوتا ہے کہ اسلامی معاشرے میں مساجد کا نظام دنیا کے تمام مسلمانوں کو اتحاد' محبت و اخوت' مساوات' اطاعت امیر' اتحاد و اتفاق' پابندی وقت اور یکجہتی کا اعلیٰ درس دیتا ہے۔ اسی لئے سورہ توبہ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ "اللہ کی مسجدوں کے آبادکار (مجاور و خادم) تو وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو اللہ اور روز آخر کو مانیں اور نماز قائم کریں زکواۃ دیں اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈریں۔ ان ہی سے یہ توقع ہے کہ سیدھی راہ چلیں گے۔ (التوبہ ۱۸:۹)

عبادت گاہ ہونے کے دوش بدوش اسلامی معاشرے میں مسجد کو ایک درسگاہ کا مقام بھی حاصل ہے۔ عہد رسالتؐ میں مسجد نبویؐ اسلام کی سب سے بڑی دینی درسگاہ تھی۔ چوتھی صدی ہجری سے قبل اسلامی معاشرہ میں جداگانہ مدارس بنانے کا کوئی رواج نہ تھا۔ مسجدیں ہی عبادت گاہیں تھیں اور درسگاہیں بھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے ادوار میں مسلمانوں کے امور باہمی مشورے سے طے پاتے تھے۔ چنانچہ مسجد نبوی میں کئی دفعہ شوریٰ کے اجلاس منعقد ہوئے۔ جنگ بدر کے قیدیوں کے بارے میں حضور اکرمؐ نے مسجد نبویؐ میں صحابہ کرامؓ سے مشورہ لیا۔

خلفائے اربعہ کی تقرری اور انتخاب کا اعلان مسجد نبویؐ ہی میں ہوا۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام میں مسجد کا کردار بحیثیت دار الشوریٰ بھی ہوتا رہا ہے۔

شاعر مشرق حکیم الامت علامہ اقبالؒ "خلافت اسلامیہ" میں مسجد کے اسی کردار کو اجاگر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"یہ یاد رکھنا چاہئے کہ مسجد مسلمانوں کی کونسل چیمبر یا دیوان عام ہے۔ مسجد میں نماز باجماعت اور روزانہ عبادت کا مسئلہ ملت اسلامیہ کی سیاسی زندگی کے ساتھ اس طریق پر جذب و متحد ہے کہ ان کو ایک دوسرے سے الگ تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔ مذہبی اور معاشرتی امور کو الگ رکھتے ہوئے مسجد کا تعمیر کرنا اس غرض پر مبنی ہے کہ مسلمان جس وقت چاہیں مسجد میں فوراً اکٹھے ہو کر حکومت و خلافت کے طرز عمل پر جرح و قدح کر سکیں"

صحیح بخاری باب "کتاب الخصومات" کا مطالعہ کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قانونی مسائل کا فیصلہ مسجد ہی میں فرمایا کرتے تھے۔ خلفائے راشدین مسجد نبویؐ ہی میں بیٹھ کر مقدمات و خصومات کے فیصلے کرتے رہتے اور بڑے بڑے قاضی صاحبان مساجد ہی میں مقدمات کا فیصلہ کرتے تھے۔

مسجدیں دین اسلام کی دعوت و تبلیغ کا بھی مرکز تھیں۔ یہاں ہی دور دراز علاقوں سے وفود حاضر ہوتے اور اکتساب فیض کرتے۔ یہیں سے مبلغین تربیت پا کر مختلف قبائل میں جا کر لوگوں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتے تھے۔

سیرۃ النبیؐ میں سید سلیمان ندویؒ نے بنو عامر، بنی تمیم اور بعض دیگر قبائل کے وفود کا ذکر کیا ہے کہ جو حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم سے علم و فہم حاصل کرنے کے لئے مسجد نبویؐ حاضر ہوئے۔

خلفائے راشدین کے دور میں حضرت عمر فاروقؓ نے کوفہ، بصرہ، شام اور مصر کے گورنروں کو یہ ہدایات جاری کی تھیں کہ ہر شہر میں ایک جامع مسجد تعمیر کی جائے تاکہ لوگ جمعہ کی نماز پابندی سے ادا کریں اور یہاں ہی سے دین اسلام کی تبلیغ و اشاعت کا کام بھی کیا جائے۔

اسی پر بس نہیں حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے بیرون ممالک کے سلاطین سے خط و کتابت مسجد نبویؐ ہی میں بیٹھ کر فرمائی۔ سرکاری معاملات قلمبند کرنے، کتابت وحی اور دوسرے ضروری معاملات اور معاہدات مسجد نبویؐ ہی میں سپرد قلم کئے گئے۔ چونکہ اس وقت الگ طور پر کوئی سرکاری عمارت نہیں تھی لہٰذا مسجد نبویؐ ہی مسلمانوں کا ایک سیکرٹریٹ قرار پائی۔

پھر عہد نبوی میں مسجد نہ صرف تربیت گاہ تھی بلکہ دارالشریعت اور دار الامارۃ کی امتیازی نشان کی بھی حامل رہی۔

مصر کے مشہور عالم دین عبدالرحمٰن اپنی تالیف "تاجدار دو عالم" میں رقمطراز ہیں:

"مدینہ منورہ میں سب سے پہلے آپؐ نے مسجد تعمیر فرمائی۔ یہی وہ مسجد تھی جس کے اندر دین و دنیا کی فلاح و بہبود کا سرمایہ پوشیدہ تھا۔ اسی میں اسلامی پارلیمنٹ قائم ہوئی تھی۔ یہی اسلامی سلطنت کا پایہ تخت اور قیادت کا اعلیٰ مرکز سمجھی جاتی تھی۔ جہاں سے تبلیغی احکام اور اسلامی قوانین پوری مملکت میں نافذ کئے جاتے تھے۔ اس مقام پر سیاسی تدابیر اور فوجی احکام کو روبہ عمل لایا جاتا تھا۔ اسی میں وفود آ کر قیام کرتے تھے اور اسی جگہ سب کو کتاب و حکمت کی تعلیم سے نوازا جاتا تھا۔ اسی سلسلے میں سر ولیم میور "لائف آف محمدؐ" میں لکھتے ہیں: اسی عمارت (مسجد نبوی) میں نماز با جماعت کا اہتمام ہوا کرتا تھا۔ یہیں تمام مسلمان جمعہ کے دن تازہ وحی سننے کے لئے مودبانہ انداز میں جمع ہوتے تھے۔ یہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم جہاد فی سبیل اللہ کی تدبیروں کو بروئے کار لایا کرتے تھے۔ یہی وہ ایوان تھا جہاں مختلف قبائل کے وفود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش ہوا کرتے تھے۔ یہی وہ دربار تھا جہاں سے شاہی احکامات جاری ہوتے تھے"۔

معزز سامعین!

آج ہماری اجتماعی زندگی کا شیرازہ بکھر چکا ہے' امت مختلف طبقوں اور فرقوں میں بٹ چکی ہے اور مسلمان امت معاشرتی لحاظ سے اونچ نیچ' ذات پات اور برادریوں میں تقسیم ہو چکی ہے۔ پھر انہی بنیادوں پر ایک دوسرے کو حقیر سمجھنے لگے ہیں۔ دینی لحاظ سے کئی فرقوں' مسلکوں اور گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں اور ایک دوسرے کو گمراہ سمجھتے ہیں۔ صرف یہی نہیں بلکہ ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اسی طرح لوگ علاقائیت' لسانیت' نسلیت' طبقہ واریت اور صوبائیت کے چکروں میں پڑے ہوئے ہیں۔ ایک دوسرے سے حسد' کینہ' بغض اور نفرت رکھتے ہیں۔ کچھ لوگ جھوٹے گھمنڈ' گریڈوں' دھن دولت اور معیار کے زعم میں مبتلا ہیں۔ ایسے لوگ ایک دوسرے کے ساتھ مل بیٹھنے' بات کرنے اور دکھ درد معلوم کرنے میں عار سمجھتے ہیں۔ الغرض امت اجتماعیت کھو رہی ہے اور گروہوں میں بٹتی جا رہی ہے۔

یہ وہ حالات ہیں جن سے ہر مسلمان پریشان ہے اور یہ خواہش رکھتا ہے کہ ان بیماریوں سے کسی طرح نجات حاصل کرے تاکہ پھر سے قرن اول کے عدل و انصاف' اخوت' مساوات' ہمدردی و غمخواری' یکجہتی و یک رنگی والا معاشرہ قائم ہو۔ نفرتوں' کدورتوں' جھوٹی نخوتوں اور قومیتوں کے بادل چھٹ جائیں۔ پھر وہی مبارک دور آئے جو چشم فلک نے اسلام کے قرن اول میں دیکھا تھا جسے دنیا آج تک یاد کرتی ہے' جسے اپنے لئے مشعل راہ گردانتی ہے' جسے سنہری دور شمار کرتی ہے' جسے امن و سلامتی کا گہوارہ تصور کرتی ہے جس میں اپنی نجات سمجھتی ہے' جس کی آمد کے لئے لاکھوں ہاتھ دعا کے لئے اٹھتے ہیں' جسے کمزور اپنے لئے سہارا سمجھتے ہیں اور جسے غریب اپنے لئے عظیم نعمت خیال کرتے ہیں۔

حضرات' آیئے' اس دور کو اپنے معاشرے میں لانے کے لئے پھر سے مسجد کو مرکز بنائیں اور وہی سنہری دور واپس لائیں جو مسجد سے شروع ہوا تھا اور مسجد کے تعلق توڑنے کی وجہ سے ہم سے اوجھل ہو گیا ہے۔ لہٰذا ہمیں چاہئے کہ ہم دوبارہ مسجد سے اسی طرح کا تعلق پیدا کریں جس طرح کا تعلق صحابہ کرام' تابعین عظام اور مصلحین امت کا تھا۔

خداوند کریم سے دعا ہے کہ ہمیں مسجد کی اہمیت' ضرورت اور اس کا مقام پہچاننے اور اس کا حق ادا کرنے کی توفیق عطا کرے۔ آمین

واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جھوٹ غیبت اور فحش گوئی

خطبہ مسنونہ:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَهْلِ بَيْتِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ:

اما بعد! اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ ۝

ترجمہ: اللہ کسی ایسے شخص کو ہدایت نہیں دیتا جو جھوٹا اور منکر ہو (الزمر ۳۹:۳)

حضرات گرامی!

انسان کی ساری اخلاقی برائیوں میں سب سے زیادہ بری اور مذموم عادت و عمل جھوٹ ہے۔ خواہ یہ جھوٹ چاہے زبان سے بولا جائے یا عمل سے ظاہر کیا جائے' کیونکہ ہمارے تمام اعمال کی بنیاد اس پر ہے کہ وہ واقعہ کے مطابق ہوں اور جھوٹ ٹھیک اس کی ضد ہے۔ اس لئے یہ برائی ہر قسم کی قولی اور عملی برائیوں کی جڑ ہے۔ انسان کے دل کے اندر کی بات سوائے خدا کے کوئی دوسرا نہیں جانتا' کوئی دوسرا کسی شخص کے متعلق اگر کچھ جان سکتا یا باور کر سکتا ہے تو اس کی ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کہ وہ شخص خود اپنی زبان یا عمل سے اس کو ظاہر کر دے۔ اب اگر وہ اپنی اندرونی صحیح کیفیت' حقیقت اور واقعہ کے مطابق ظاہر نہیں کرتا' بلکہ اس کے خلاف ظاہر کر رہا ہے تو وہ دنیا کو فریب دے رہا ہے۔ ایسے شخص میں دنیا کی جو برائیاں بھی ہوں وہ کم ہیں کیونکہ اس نے وہ آئینہ ہی توڑ ڈالا ہے' جس میں حقیقت کا چہرہ نظر آتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کی خاص خاص صفات اپنی کتاب میں بیان فرمائی ہیں' ان میں نمایاں صفت ان کا صادق و امین ہونا ہے۔ یہی صفت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے بھی تھی اور بعد میں بھی رہی ہے۔ اس لئے کہ جو کاذب (جھوٹا) ہے وہ نبی نہیں ہو سکتا کیونکہ پھر اس کے دعویٰ اور پیام پر کسی کو بھروسہ کیسے ہو گا۔ جھوٹ وہ گناہ کبیرہ اور وہ برائی ہے جو انسان کو دونوں جہانوں میں ذلیل و خوار اور ناکام بنا دیتی ہے۔ دنیا میں جھوٹے پر کوئی بھروسہ نہیں کرتا' اس کی گواہی قبول نہیں ہوتی' اس کا کاروبار مندا ہو جاتا ہے اور ایسا شخص اگر بغیر توبہ کے فوت ہو تو آخرت میں دوزخ کا حقدار ہو جاتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جھوٹ گناہ (فجور) کی طرف لے جاتا ہے اور گناہ دوزخ میں اور جھوٹ بولتے بولتے آدمی خدا کے ہاں جھوٹا لکھ لیا جاتا ہے"۔ (صحیح بخاری و جامع ترمذی)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنت میں لے جانے والا کام کون سا ہے؟ فرمایا: "سچ بولنا" جب بندہ سچ بولتا ہے تو نیکی کا کام کرتا ہے اور جو نیکی کا کام کرتا ہے وہ ایمان سے بھرپور ہوتا ہے اور جو ایمان سے بھرپور ہوتا ہے وہ جنت میں داخل ہو گا۔ اس نے پھر پوچھا کہ یا رسول اللہ دوزخ میں لے جانے والا کام کیا ہے؟ فرمایا جھوٹ بولنا۔ جب بندہ جھوٹ بولے گا تو گناہ کے کام کرے گا اور جب گناہ کے کام کرے گا تو کفر کرے گا اور جو کفر کرے گا دوزخ میں جائے گا"۔ (مسند احمد)

اس حدیث مبارک سے معلوم ہوا کہ جھوٹ کی برائی میں وسعت اتنی ہے کہ کفر بھی اس میں آ جاتا ہے جس سے زیادہ بری چیز کوئی دوسری نہیں اور جس کے لئے نجات کا ہر دروازہ بند ہے۔

اسلامی لغت کا سخت ترین لفظ "لعنت" ہے۔ جس کے معنی اللہ کی رحمت سے دوری اور محرومی کے ہیں۔ قرآن حکیم میں اس لعنت کا لائق شیطان بنایا گیا ہے اور اس کے بعد یہودیوں' کافروں اور منافقوں کو اس کی وعید سنائی گئی ہے۔ لیکن کسی مومن کو کذب کے سوا اس کے کسی فعل کی بناء پر لعنت سے یاد نہیں کیا گیا۔ جھوٹ بولنے اور جھوٹا الزام لگانے کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے اجازت دی ہے کہ جو جھوٹا ہو اس پر خدا کی لعنت کی جائے۔ مباہلہ کے موقع پر یہ فرمایا گیا کہ دونوں فریق خدائے ذوالجلال سے گڑگڑا کر دعا مانگیں کہ جو ہم میں جھوٹا ہو اس پر خدا کی لعنت ہو۔ فرمایا:

ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ﴿۶۱﴾

ترجمہ: پھر اللہ سے دعا کریں' کہ جو جھوٹا ہو اس پر خدا کی لعنت ہو"۔ (آل عمران ۶۱:۳)

جھوٹ کی ایک قسم یہ بھی ہے کہ جان کر کوئی انجان بن جائے۔ حق کا علم رکھ کر بھی اس کے اظہار سے باز رہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے جھوٹوں پر بھی لعنت فرمائی ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِى الْكِتٰبِۙ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ

ترجمہ: "جو لوگ ہماری نازل کی ہوئی روشن تعلیمات اور ہدایات کو چھپاتے ہیں' درآں حالیکہ ہم انہیں سب انسانوں کی رہنمائی کے لئے اپنی کتاب میں بیان کر چکے ہیں' یقین جانو کہ اللہ بھی ان پر لعنت کرتا ہے اور تمام لعنت کرنے والے بھی ان پر لعنت بھیجتے ہیں۔ (البقرہ ۱۵۹:۲)

جھوٹ کی اس قسم میں خاموشی اور اخفاء سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ لوگ اس حق کا یقین نہ کریں اور اس کو جھوٹا سمجھیں۔

لہٰذا وہ جھوٹ کے عملی مرتکب ہوتے ہیں اور نفاق کی پرورش کرتے ہیں۔

نفاق اس کو کہتے ہیں کہ دل میں کچھ ہو اور زبان پر کچھ' اس لئے جو منافق ہو گا وہ جھوٹا بھی ضرور ہو گا۔ چنانچہ قرآن حکیم نے اس کی تصدیق کی ہے۔ فرمایا:

وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ①

ترجمہ: اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق قطعی جھوٹے ہیں۔ (المنافقون ۶۳:۱)

اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جھوٹ کو منافق کی نشانی قرار دیا ہے' فرمایا منافق کی تین علامتیں ہیں جب بات کرے تو جھوٹ بولے' جب وعدہ کرے تو پورا نہ کرے اور جب امین بنایا جائے تو خیانت کرے"۔ لفظوں میں تو یہ تین باتیں ہیں لیکن درحقیقت یہ ایک ہی شکل کی تین مختلف تصویریں ہیں۔ جھوٹی باتیں کرنا تو جھوٹ ہی ہے مگر وعدہ کر کے پورا نہ کرنا بھی جھوٹ ہی ہے اور اسی طرح امین بن کر خیانت کرنا بھی عملی جھوٹ ہے۔

جھوٹ اکیلی برائی نہیں بلکہ اس کی وجہ سے جھوٹ بولنے والے میں کئی دوسری برائیاں بھی پیدا ہو جاتی ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے کاذب کے ساتھ ساتھ دوسری بری صفتیں بھی بیان کی ہیں جیسے:

اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ

جھوٹ بولنے والا گنہگار۔ (الشعراء ۲۶:۲۲۲)

كٰذِبٌ كَفَّارٌ

جھوٹ بولنے والا' احسان کا حق نہ ماننے والا۔ (الزمر ۳۹:۳)

مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ۔

حد سے گزر جانے والا جھوٹا۔ (المومن ۴۰:۲۸)

ان آیتوں سے واضح ہوتا ہے کہ جھوٹا گناہوں میں لت پت ہوتا ہے کیونکہ جھوٹ کی عادت کے سبب سے وہ کسی برائی کے کرنے سے جھجکتا نہیں اور وہ سمجھتا ہے کہ موقع پر جھوٹ بول کر میں اس کو چھپا لوں گا۔ اس لئے وہ ہر برائی کے کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔

اس طرح ریاکاری کرنا اور جو نہیں ہے اپنے کو وہ دکھانے کی کوشش کرنا بھی عملاً" جھوٹ ہے۔ ایک دفعہ ایک عورت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ کر پوچھا کہ یا رسول اللہ! میری ایک پڑوسن (سوکن) ہے کیا اگر میں یہ ظاہر کر دوں کہ مجھے شوہر نے یہ یہ دیا ہے اور واقعہ یہ نہ ہو صرف اس کو جلانا مدنظر ہو تو کیا یہ بھی گناہ ہے؟ فرمایا "جو جتنا نہیں دیا گیا اتنے کا دکھاوا کرنے والا جھوٹ کے دو جامے پہننے والے کی طرح ہے"۔

جھوٹ کے بہت سے مراتب ہیں۔ اکثر لوگوں کا یہ حال ہے کہ وہ بے ضرر جھوٹ کو برا نہیں جانتے۔ جیسے اکثر لوگ بچوں کو بہلانے کی خاطر ان سے جھوٹے وعدے کر لیتے ہیں۔ مگر جھوٹ بہرحال جھوٹ ہے۔ اسلام نے اس جھوٹ کی بھی اجازت نہیں دی ہے۔ ایک کم سن صحابی عبداللہ بن عامرؓ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میری ماں نے مجھے بلایا اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر تشریف رکھتے تھے۔ تو ماں نے مجھے بلانے کے لئے کہا کہ یہاں آؤ تمہیں کچھ دوں گی۔ حضور نبی اکرمؐ نے فرمایا "تم کہتی تو ہو مگر کیا تم اس کو کچھ دینا بھی چاہتی ہو؟"۔ ماں نے کہا۔ اس کو کھجور دے دوں گی۔ رسول اللہؐ نے فرمایا ہاں اگر تم اس کو اس وقت کچھ نہ دیتیں تو یہ بھی تمہارا جھوٹ لکھا جاتا۔

جھوٹ کی کچھ قسمیں ایسی ہیں جن کی طرف عام لوگوں کا دھیان نہیں ہوتا بلکہ بعض دیندار بھی اس کی پرواہ نہیں کرتے اور اس گناہ کبیرہ میں مبتلا ہوتے رہتے ہیں۔ جیسے جھوٹے سرٹیفکیٹ دینا' مثلاً میڈیکل سرٹیفکیٹ' حاضری کے سرٹیفکیٹ' غلط پیدائش لکھوانا اور اس کے سرٹیفکیٹ لینا' دینا' جھوٹی تعلیمی اسناد دینا۔ اس طرح کسی کتاب پر حقیقت کے خلاف مبالغے سے تقریظ لکھنا' جھوٹا کیرکٹر سرٹیفکیٹ دینا نیز کسی کی ایسی تعریف کرنا جبکہ وہ اس کا اہل نہیں ہے۔ سب اعمال جھوٹ اور گناہ کے زمرے میں آتے ہیں۔

صرف یہی نہیں اکثر و بیشتر اس طرح کے حالات پیش آتے ہیں جن میں جھوٹ کا شائبہ ضرور ہوتا ہے۔ اس کو بھی اسلام نے جھوٹ میں شمار کیا ہے اور اس سے بچنے کی تاکید کی ہے۔

حضورؐ نے فرمایا "ہر چھوٹے سے چھوٹا جھوٹ بھی جھوٹ لکھا جاتا ہے"۔

جھوٹ کی ایک قسم یہ بھی بتائی گئی ہے کہ انسان جھوٹ سچ جو کچھ سنے اس کو بلا تحقیق دوسروں سے کہتا پھرے۔ ایسا شخص بے اعتبار سمجھا جاتا ہے اور سوسائٹی میں اس کی بات کی قدر نہیں ہوتی۔ اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

کفی بالمرء کذبا ان یحدث بکل ما سمع (حدیث)

"آدمی کے جھوٹا ہونے کے لئے یہ کافی ہے کہ جو سنے وہ کہتا پھرے"۔

ایسے لوگوں کی جو ہر سنی سنائی بات پر یقین کر لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جھوٹ کے بڑے سننے والوں کا خطاب دیا ہے: سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ (جھوٹ کے بڑے سننے والے ہیں) لہٰذا جہاں جھوٹی باتیں بیان ہو رہی ہوں اگر ہو سکے تو ان کی تردید کرے ورنہ وہاں سے اٹھ کر چلا جائے اور جھوٹ' غیبت اور بہتان طرازی میں شامل نہ ہو۔

شریعت اسلامی کا ایک بڑا مقصد یہ بھی ہے کہ مسلمانوں کی عزت و آبرو محفوظ رہے اور ان کے باہمی تعلقات خوشگوار رہیں۔ اس بناء پر جن بداخلاقیوں سے مسلمانوں کی عزت و آبرو کو صدمہ پہنچتا ہے اور ان کے تعلقات میں ناگواری پیدا ہوتی ہے' شریعت نے ان کی ممانعت کی ہے۔ قرآن حکیم میں سورہ الحجرات میں اللہ تعالیٰ نے تفصیل سے انہیں بیان فرما دیا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا
نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا
تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ۭ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ وَمَنْ لَّمْ
يَتُبْ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿١١﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا
مِّنَ الظَّنِّ ۡ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ۭ
اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ
اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٢﴾

ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو' نہ مرد دوسرے مردوں کا مذاق اڑائیں' ہو سکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں' اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں' ہو سکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں آپس میں ایک دوسرے پر طعن نہ کرو اور نہ ایک دوسرے کو برے القاب سے یاد کرو۔ ایمان کے بعد فسق میں نام پیدا کرنا

بہت بری بات ہے۔ جو لوگ اس روش سے باز نہ آئیں وہ ظالم ہیں۔ اے لوگو جو ایمان لائے ہو' بہت گمان کرنے سے پرہیز کرو کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں: تجسس نہ کرو اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے۔ کیا تمہارے اندر کوئی ایسا ہے جو اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے گا۔ دیکھو تم خود اس سے گھن کھاتے ہو۔ اللہ سے ڈرو' اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا اور رحیم ہے۔ (الحجرات ۴۹:۱۲،۱۱)

مذکورہ آیت کی روشنی میں سب سے زیادہ جس طریقہ سے مسلمانوں کے عیوب کی پردہ دری ہوتی ہے وہ غیبت ہے۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ تعریض' تصریح' رمزو اشارات' تحریر و کتابت اور تشبیہ و نقالی ہر طریقہ سے دوسروں کے عیوب بیان کئے جا سکتے ہیں۔ اور ایک شخص کے نسب' اخلاق' دین و دنیا' جسم' کپڑے' غرضیکہ ہر چیز میں عیب نکالا جا سکتا ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے نہایت پرزور طریقہ سے اس کی ممانعت فرمائی ہے اور اس کو خود اپنے بھائی کے مردار گوشت کھانے سے تشبیہ دی ہے۔

اسی قرآنی تشبیہ کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد احادیث میں نہایت بلیغ طریقہ پر غیبت کی برائی بیان کی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ شب معراج میں میرا گزر ایک ایسی قوم پر ہوا جن کے ناخن تانبے کے تھے اور وہ ان سے اپنے چہروں اور سینوں کو نوچ رہے تھے۔ میں نے جبرئیلؑ سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ بولے یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھاتے تھے اور ان کی عزت و آبرو لیتے تھے"۔ (ابو داؤد۔ کتاب الادب' باب فی الغیبہ)

ایک بار سخت بدبو پھیلی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جانتے ہو یہ کیا ہے؟ یہ ان لوگوں کی بدبو ہے جو مسلمانوں کی غیبت کرتے ہیں"۔ (الادب المفرد۔ باب الغیبہ)

لغت میں غیبت کسی شخص کی غیر موجودگی میں اس کی برائی کے بیان کرنے کو کہتے ہیں۔ اس کی توضیح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں فرمائی: لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ غیبت کس کو کہتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا "تمہارا اپنے بھائی کی اس چیز کا ذکر کرنا جس کو وہ ناپسند کرے"۔ کہا گیا اگر میرے بھائی میں وہ عیب موجود ہوں جن کو میں بیان کرتا ہوں۔ تو فرمایا "اگر وہ عیب اس میں موجود ہے تو تم نے اس کی غیبت کی اور اگر نہیں ہے تو تم نے اس پر بہتان لگایا"۔
(ابوداؤد)

اسی طرح غیبت صرف زبان تک محدود نہیں ہے۔ بلکہ ہاتھ پاؤں اور آنکھ کے ذریعے سے بھی غیبت کی جا سکتی ہے۔ مثلاً کسی شخص کی نقل کرنا۔ ایک بار حضرت عائشہؓ نے ایک شخص کی نقل کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر اپنی سخت ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا: اس طرح چشم و ابرو کے اشارے سے کسی کے عیب کی پردہ دری کرنا بھی غیبت ہے۔ اور قرآن مجید نے متعدد آیتوں میں غیبت کے انہی مخفی طریقوں کی برائی بیان کی ہے۔ فرمایا:

هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۭ بِنَمِيمٍ ﴿۱۱﴾

طعنے دیتا ہے' چغلیاں کھاتا پھرتا ہے (القلم ۶۸:۱۱)

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ ﴿۱﴾

"تباہی ہے ہر اس شخص کے لئے جو (منہ در منہ) لوگوں پر طعن اور (پیٹھ پیچھے) برائیاں کرنے کا خوگر ہے"۔ (الھمزہ ۱۰۴:۱)

ان آیتوں میں غیبت کے جن مخفی اور دلخراش طریقوں کی مذمت کی گئی ہے ان کی توضیح میں اہل لغت نے لفظ "ہُمَزَہ" کے مختلف معنی بیان فرمائے ہیں۔ جیسے

ھمز کے معنی ہیں: سامنے برائی کرنا خاص طور پر لوگوں کے نسب کی برائی بیان کرنا زبان سے اور ہاتھ کے اشارے سے برائی بیان کرنا اور لمز کے معنی ہیں پیٹھ پیچھے برائی بیان کرنا۔ زبان سے غیبت کرنا' آنکھ کے اشارے سے غیبت کرنا' اور ہاتھ' سر اور ابرو کے اشارے سے ہم نشینوں کی برائی بیان کرنا۔

ان مذکورہ معانی سے معلوم ہوتا ہے کہ غیبت کا دائرہ کہاں تک وسیع ہے اور اس دائرہ کے بارے میں حضور سرور عالم نے کیا کیا ارشادات فرمائے ہیں۔ آج کے خطبے میں ایک بیان فحش گوئی کا ہے۔ فحش گوئی کا دائرہ اسلام میں بہت بڑا ہے۔ اس میں گالیاں دینا' بدشد بکنا' جنسی اور شہوانی باتیں سرعام بیان کرنا وغیرہ شامل ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں جھوٹ کے گناہ سے بچنے اور غیبت سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رشوت اور سفارش

خطبہ مسنونہ:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَهْلِ بَيْتِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ:

اما بعد! اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۞ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى:

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۸﴾

ترجمہ: "اور تم لوگ نہ تو آپس میں ایک دوسرے کے مال ناروا طریقہ سے کھاؤ اور نہ حاکموں کے آگے ان کو اس غرض کے لئے پیش کرو کہ تمہیں دوسروں کے مال کا کوئی حصہ قصداً" ظالمانہ طریقے سے کھانے کو مل جائے"۔ (البقرہ ۲:۱۸۸)

عن عبداللہ بن عمرو قال: قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لعنۃ اللہ علی الراشی و المرتشی وفی روایۃ علی الرائش (بخاری و مسلم)

"حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رشوت دینے والے اور لینے والے پر اللہ کی لعنت ہے' ایک روایت میں ہے کہ ان کے درمیان دلالی کرنے والے

پر بھی لعنت ہے"۔

حضرات گرامی!

قرآن مجید کی ذکر کردہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے لفظ باطل بیان کر کے تمام ناجائز طریقوں سے حاصل کئے ہوئے مالوں کو حرام قرار دیا ہے۔ اسی طرح کے الفاظ ایک دوسری آیت مبارکہ میں ارشاد ہوئے ہیں:

یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْکُلُوْٓا اَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ

ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو، آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل طریقوں سے نہ کھاؤ۔ (النساء ۴:۲۹)

معاشرے میں ایک دوسرے کے مال ناجائز اور حرام طریقے سے کھانے، لوگوں کے حقوق مار کھانے اور ایک دوسرے پر ظلم کرنے کا ایک عام طریقہ رشوت ہے۔ رشوت اس مال کو کہتے ہیں جس کو کوئی شخص اپنی باطل غرض اور ناحق مطالبہ پورا کرنے کے لئے کسی با اختیار شخص یا حاکم کو دے، تاکہ وہ اس کے حق میں فیصلہ کرے، اس طرح جو شخص کسی خدمت کا معاوضہ اور تنخواہ پاتا ہو وہ اس خدمت کے سلسلے میں لوگوں سے کسی نوعیت کا فائدہ حاصل کرے جو اس خدمت سے متعلق ہو خواہ وہ لوگ برضا و رغبت اسے فائدہ پہنچائیں یا مجبوراً" دیں بہرحال یہ بھی رشوت کے ضمن میں آتا ہے جیسے اپنے عہدے اور ملازمت میں ہوتے ہوئے لوگوں سے ہدیے اور تحفے قبول کرنا، غیر معمولی اور غیر رواجی دعوتیں قبول کرنا یا دیگر غیر معمولی مراعات حاصل کرنا وغیرہ۔

جس طرح رشوت لینا گناہ ہے اسی طرح رشوت دینا بلکہ اس کام میں دلالی کرنا، رشوت لینے اور دینے میں مدد کرنا اور راشی و مرتشی کا کام بنانا بھی گناہ ہے۔

رشوت کی ممانعت کے ساتھ ساتھ حضور اکرمؐ نے حکام کو تحفے تحائف اور ہدیے پیش کرنے اور حکام کو ان کے قبول کرنے سے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں آپؐ نے فرمایا:

"ھدایا العمال غلول"

"عمال جو ہدیے وصول کرتے ہیں یہ خیانت ہے"۔

حدیث مبارک میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن اللتبۃ نامی ایک شخص کو قبیلہ ازد پر عامل بنا کر بھیجا۔ جب وہ وہاں سے سرکاری مال لے کر پلٹا تو اسے بیت المال میں داخل کرتے وقت اس نے کہا کہ یہ تو ہے سرکاری مال اور یہ ہدیہ ہے جو مجھے دیا گیا ہے۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا اور حمد و ثنا کے بعد فرمایا:

"تم میں سے ایک شخص کو اس حکومت کے کام میں جو اللہ نے میرے سپرد کی ہے عامل بنا کر بھیجتا ہوں تو وہ آکر مجھ سے کہتا ہے کہ یہ تو ہے سرکاری مال اور یہ ہدیہ ہے جو مجھے دیا گیا ہے۔ اگر یہ سچ ہے کہ لوگ خود ہدیے دیتے ہیں تو کیوں نہ وہ اپنے ماں باپ کے گھر بیٹھا کہ اس کے ہدیے وہیں پہنچتے رہتے"۔ (البخاری)

ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جس شخص کو ہم کسی سرکاری خدمت پر مقرر کریں اور اسے اس کام کی تنخواہ دیں وہ اگر اس تنخواہ کے بعد اور کچھ وصول کرے تو یہ خیانت ہے"۔

رشوت لینے اور دینے والے دونوں کے لئے رشوت کی سزا جہنم بتائی گئی ہے: فرمایا:

"الراشی و المرتشی کلاهما فی النار"(الحدیث)
"رشوت دینے والا اور لینے والا دونوں جہنم میں ہوں گے"۔

حرام مال کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص حرام کا مال کھاتا ہے اس میں برکت نہیں دی جاتی' اس کا صدقہ قبول نہیں کیا جاتا اور جو کچھ وہ پیچھے چھوڑتا ہے وہ اس کے لئے دوزخ کا ایندھن بنا دیا جاتا ہے"۔ ایک اور حدیث میں حضورؐ نے فرمایا "جس قوم میں سود پھیل جائے وہ قحط اور گرانی کی مصیبت میں ڈال دی جاتی ہے اور جس قوم میں رشوت پھیل جائے اس پر رعب ڈالا جاتا ہے' یعنی بزدل ہو جاتی ہے"۔

اپنے کسی ذاتی کام کے لئے بطور رشوت کوئی ہدیہ کسی کو دینا بھی اکل حرام میں شمار ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ "انہوں نے فرمایا کہ کسی آدمی نے کسی سے اپنی حاجت پوری کرنے کو کہا اور اس نے اس کی حاجت پوری کر دی اور دوسرے نے ہدیہ بھیجا اور اس نے قبول کر لیا تو یہ حرام ہے"۔

رشوت و ہدیہ وصول نہ کرنے کے بارے میں اسلام کا ایک ضابطہ ہے۔ اور اس کے تحت وہ کسی کو یہ وصول کرنے کی کسی صورت میں بھی اجازت نہیں دیتا۔ حضورؐ نے فرمایا:

"جو شخص ہمارا عامل ہے وہ شادی کے اخراجات بیت المال سے حاصل کرے اور اگر اس کا نوکر نہ ہو تو اس کے لئے بھی وہ بیت المال سے رجوع کرے۔ اگر رہنے کے لئے اس کا گھر نہ ہو تو اس کا انتظام بھی حکومت کے ذمہ ہے۔ اس کے علاوہ اگر وہ کچھ بھی حاصل کرے گا تو خائن ہے یا چور ہے"۔

یہی حکم ان حکام کا ہے جو معاملات میں ہدیہ اور تحفے لے کر کسی کی امداد و اعانت کریں مثلاً بیع و شراء' اجارہ' مضاربت' مساقات اور مزارعہ وغیرہ اس قسم کے معاملات میں کسی قسم کا بھی ہدیہ اور تحفہ لے کر کام کریں تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔

رشوت کا لین دین ہر حالت میں حرام ہے۔ حتیٰ کہ کافر' مشرک' یہودی ہندو کوئی شخص چاہے اپنا ہو یا پرایا' اس سے رشوت لینا یا اس کے ساتھ بے انصافی کرنا حرام ہے' اس سلسلے میں ایک ایمان افروز واقعہ سنئے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جنگ خیبر کے بعد وہاں کے یہودیوں سے زمین کی آدھی آدھی پیداوار پر مصالحت ہوئی تھی۔ جب پیداوار کی تقسیم کا وقت آتا تو آپؐ حضرت عبداللہؓ بن رواحہ کو بھیجتے' وہ ایمانداری سے پیداوار کے دو حصے کر دیتے تھے اور کہہ دیتے تھے کہ ان دو میں سے جو چاہو لے لو تو یہودیوں نے اپنے دستور کے مطابق ان کو بھی رشوت دینی چاہی چنانچہ آپس میں چندہ کر کے اپنی عورتوں کے کچھ زیور جمع کئے اور کہا کہ یہ قبول کرو اور اس کے بدلے تقسیم میں ہمارا حصہ بڑھا دو۔ یہ سن کر عبداللہ بن رواحہ نے فرمایا: اے یہودیو! خدا کی قسم تم خدا کی ساری مخلوق میں مجھے مبغوض ہو لیکن یہ مجھے تم پر ظلم کرنے پر آمادہ نہیں کر سکتا۔ اور جو تم نے رشوت پیش کی ہے وہ حرام ہے' ہم (مسلمان) اس کو نہیں کھاتے"۔ یہودیوں نے ان کی یہ تقریر سن کر کہا' کہ یہی وہ (انصاف) ہے جس سے آسمان و زمین قائم ہیں۔ (موطا امام مالک)۔

حضرت عمرؓ نے اپنے دور خلافت میں رشوت خوری کے لئے سخت سزا مقرر کر رکھی تھی تاکہ اس کا پوری طرح سدباب ہو جائے۔ نیز رشوت کی روک تھام کے لئے انہوں نے قاضیوں اور دوسرے انتظامی ملازمین کی بڑی بڑی تنخواہیں مقرر کیں۔

دوسروں کے حقوق غصب کرنے کا ایک طریقہ سفارش ہے جس کے لئے قرآن حکیم میں شفاعت کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ قرآن حکیم میں ہے:۔

ترجمہ: "جو بھلائی کی سفارش کرے گا وہ اس میں سے حصہ پائے گا اور جو برائی کی سفارش کرے گا وہ اس میں سے حصہ پائے گا"۔ (النساء ۴:۸۵)

اس آیت کریمہ میں شفاعت کی ۲ قسمیں بیان کی گئی ہیں' ایک یہ کہ جائز اور حق مطالبے کے لئے سفارش کی جائے جب مطالبہ کرنے والا بوجہ کمزوری خود بڑے لوگوں تک نہیں پہنچ سکتا۔ تو یہ ایک اچھا کام ہے اور جائز ہے۔ لیکن اگر خلاف حق کے لئے سفارش کی جائے یا دوسروں کو اس کے قبول کرنے پر مجبور کیا جائے تو یہ ناجائز سفارش ہے۔ اس لئے جو شخص کسی کے جائز حق اور جائز کام کے لئے سفارش کرے گا تو اسے اس کا ثواب ملے گا اور جو کسی ناجائز کام کے لئے سفارش کرے گا تو اسے اس کا عذاب ملے گا۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس نے کسی کی سفارش کی اور اس پر اسے کوئی ہدیہ دیا اور اس نے قبول کر لیا تو وہ سود کے شعبوں میں سب سے بڑے سود کا مرتکب ہوا"۔

ایک اور حدیث میں آپؐ نے فرمایا:

"جو شخص اپنی سفارش کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی حدود (سزاؤں) میں سے کسی حد کے نفاذ کو روک دیتا ہے۔ وہ گویا اللہ تعالیٰ کے قانون کی مخالفت کرتا ہے"۔

بخاری شریف کی ایک اور روایت میں ہے کہ قریش کو ایک مخزومی عورت کا بہت خیال تھا جس نے چوری کی تھی۔ لوگوں نے کہا کہ کون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی سفارش کرے گا۔ بالآخر حضرت اسامہ بن زید نے رسول اللہؐ سے اس بارے میں گفتگو کی۔ آپؐ نے فرمایا:۔

"تم اللہ کی حدود میں سفارش کرتے ہو" پھر آپؐ کھڑے ہوئے اور خطبہ دیا اور فرمایا:

"اے لوگو! تم سے پہلی قومیں اس لئے ہلاک ہو گئیں کہ جب کوئی بڑا آدمی چوری کرتا تو وہ لوگ اسے چھوڑ دیتے تھے اور جب کوئی کمزور چوری کرتا تو وہ اس پر حد جاری کرتے اور قسم ہے خدا کی کہ اگر فاطمہ بنت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی چوری کرتیں تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان کے بھی ہاتھ کاٹ ڈالتے"۔

حضرت امام مالکؒ اپنی موطا میں روایت کرتے ہیں کہ ایک جماعت نے ایک چور کو پکڑ لیا تاکہ اسے حضرت عثمانؓ تک پہنچا دیں۔ راستہ میں حضرت زبیرؓ ملے۔ لوگوں نے ان سے درخواست کی کہ حضرت عثمانؓ سے آپ اس کی سفارش کر دیں۔ حضرت زبیرؓ نے فرمایا:

"جب حدود کا معاملہ سلطان تک پہنچ جائے تو اللہ تعالیٰ سفارش کرنے والے پر اور جس کے لئے سفارش کی جائے اس پر لعنت بھیجتا ہے"۔

الغرض آج کی دنیا میں سارے فسادات کی جڑ رشوت خوری اور سفارش ہیں۔ جب تک حرام مال سے مسلمان اپنے آپ کو نہ بچائیں ان کی باقی عبادات اور معاملات بھی قابل قبول نہیں ہو سکتیں۔ چنانچہ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ پرائے مال اور پرائے حق کی مغفرت اور بخشش نہیں ہو سکتی جب تک صاحب مال اور صاحب حق خود معاف نہ کر دے۔

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ہر گناہ بالخصوص رشوت خوری اور ناجائز سفارش کی لعنت سے نجات دلائے۔

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

امانت و دیانت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَهْلِ بَيْتِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ:

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم

آیات مبارکہ: اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا ﴿۵۸﴾ (النساء ۵۸:۴)

مسلمانو، اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل امانت کے سپرد کرو، اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو، اللہ تم کو نہایت عمدہ نصیحت کرتا ہے اور یقیناً" اللہ سب کچھ سنتا اور دیکھتا ہے۔

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ۭ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ﴿۷۲﴾ (الاحزاب ۷۲:۳۳)

ہم نے اس امانت کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کیا تو وہ اسے اٹھانے کے لیے تیار نہ ہوئے اور اس سے ڈر گئے، مگر انسان نے اسے اٹھا لیا۔ بے شک وہ بڑا ظالم اور جاہل ہے۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ﴿۸﴾ (المومنون ۸:۲۳)

اور وہ لوگ جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد و پیمان کا پاس رکھتے ہیں۔

احادیث شریفہ:

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم الا لاایمان لمن لا امانة له ولادین لمن لا عهد له

(بیہقی فی شعب الایمان)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "سنو، جو شخص امانت کی صفت نہیں رکھتا اس میں ایمان نہیں ہے اور جس میں عہد کی پاسداری نہیں ہے اس میں دین نہیں ہے"۔

عن عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: اربع من کن فیہ کان منافقا خالصا، ومن کانت فیہ خصلۃ منھن کانت فیہ من النفاق حتی یدعھا: اذا اوتمن خان واذا حدث کذب، واذا عاھد غدر واذا خاصم فجر (متفق علیہ)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس شخص میں چار خصلتیں ہوں وہ پکا منافق ہے اور جس میں ان خصلتوں میں سے کوئی ایک خصلت ہو تو اس میں نفاق کی ایک خصلت ہو گی جب تک وہ اسے چھوڑ نہ دے: جب کوئی امانت اس کے حوالے کی جائے تو اس میں خیانت کرے' جب بات کرے تو جھوٹ بولے' جب کوئی عہد و پیمان کرے تو بدعہدی کرے اور جب جھگڑا کرے تو گالم گلوچ پر اتر آئے"۔

حضرات گرامی!

مومن کی زندگی کے معاملات میں جو اخلاقی جوہر مرکزی حیثیت رکھتا ہے اور جس صفت کی وجہ سے ایک شخص کامل مومن بنتا ہے اور اسلامی معاشرے کا بہترین فرد قرار پاتا ہے وہ امانت و دیانت ہے۔ امانت اور ایمان کے الفاظ کا مصدر (مادہ) ایک ہی ہے یعنی دونوں کلمے "امن" سے نکلے ہیں۔ لہٰذا یہ کلمے لفظی اور معنوی لحاظ سے ایک دوسرے سے گہرا تعلق رکھتے ہیں اور لازم و ملزوم ہیں۔ اسی لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

جس میں امانت نہیں اس میں ایمان نہیں ہے۔

دینی تعلیم سے ہماری بے خبری اور دوری کی وجہ سے امانت کا تصور ہمارے ذہنوں میں اور معاملات میں نہایت ہی محدود ہو کر رہ گیا ہے۔ حالانکہ اسلام میں اس کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ خود لغت میں بھی امانت کا لفظ کافی وسعت رکھتا ہے۔ لغت کی رو سے "امانت ہر اس چیز اور بات کو کہا جاتا ہے جو کسی کے حوالے کی جائے"۔ دوسرے معنی یہ کئے گئے ہیں:

ما فرضہ اللہ علی العباد (المنجد)

جس چیز کا ادا کرنا اللہ تعالٰی نے بندوں پر فرض کر دیا ہے۔

مفسرین کرام اور علماء نے امانت کے اصطلاحی معنی یہ بیان کئے ہیں "وہ ذمہ داریاں جو اللہ تعالٰی' یا معاشرے یا انسانوں نے کسی شخص کے حوالے کی ہیں"۔ ان الفاظ پر غور کریں تو یہ حقیقت سامنے آئے گی کہ انسان کے ذمے جو دینی' اخلاقی' قانونی اور معاشرتی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں ان کا احساس و شعور رکھنا' ان کی حفاظت کرنا اور انہیں ادا کرنا لازم ہے۔ یہ ادا کرے گا تو وہ امین ہو گا اور ان کی ادائیگی میں کوتاہی کرے گا یا ادا نہیں کرے گا اور ضائع کر دے گا تو وہ خائن (خیانت کرنے والا) ہو گا۔

مفسرین نے اپنی تفاسیر میں امانت کے کلمے کی جا بجا تشریح و تفسیر کی ہے۔ ان تفاسیر کا خلاصہ کچھ یوں ہے کہ:

"ہمارے اعضاء' ہمارے ہوش و حواس' ہماری عقل اور شعور' ہماری زندگی اور انسان کو جتنی قوتیں اور صلاحیتیں اور جو اسباب و وسائل اللہ تعالٰی کی طرف سے عطا کئے گئے ہیں وہ سب امانتیں ہیں۔ اسی طرح تمام حقوق واجبہ جن کا ادا کرنا انسان کے ذمہ فرض ہے وہ سب امانات ہیں۔ یعنی تمام حقوق اللہ اور حقوق العباد جو اللہ کی طرف سے کسی پر واجب ہیں یا اس نے خود کسی معاہدے اور معاملے کے ذریعے سے اپنے اوپر لازم کر لیے ہیں' وہ سب امانات کی فہرست میں داخل ہیں۔ سو ان کی ادائیگی فرض ہے اور ان میں کوتاہی کرنا خیانت ہے"۔

معلوم ہوا کہ امانت کا دائرہ بہت زیادہ وسیع ہے اور انسان کی انفرادی و اجتماعی زندگی پر چھایا ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ

صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مواقع پر امانت کی ادائیگی کی تاکید فرمائی ہے اور اس میں کوتاہی کرنے کو بڑا گناہ قرار دیا ہے۔

خانہ کعبہ کی کنجی عثمان بن طلحہ بن عبدالدار شیبی کے پاس تھی۔ بعض روایتوں میں ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر انہوں نے چابی مسلمانوں کو دینے میں پس و پیش کیا تو ان سے زبردستی لے لی گئی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا (النساء:۵۸)

مسلمانو! اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل امانت کے سپرد کرو۔

اس حکم کے مطابق یہ امانت ان کو واپس کر دی گئی۔ یہ دراصل کعبہ شریف کی نگرانی اور دیکھ بھال کا ایک عہدہ اور ذمہ داری تھی۔ عثمان اس کے اہل اور حقدار تھے۔ سو یہ ان کے حوالہ کر دی گئی۔ جب ان کے حوالہ ہوئی تو انہوں نے اس کا سبب پوچھا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے یہی حکم دیا ہے۔ وہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ اسلام کے اس انصاف اور امانتداری کے حکم کا ان پر یہ اثر ہوا کہ وہ مسلمان ہو گئے۔ اگرچہ یہ واقعہ صرف شان نزول کا حکم رکھتا ہے لیکن معنی کے لحاظ سے امانت کے ہر جز پر اس کا اطلاق یکساں ہو گا۔ اس لیے مفسرین کی تصریحات و توضیحات کے مطابق اس کی وسعت میں وہ امانت الٰہی بھی داخل ہے جس کا نام عموم کے ساتھ تکلیف شرعی (شریعت اور اس کے احکام) ہے۔ اور وہ امانت بھی داخل ہے جس کا نام عدل و انصاف ہے اور جو حاکموں کو اپنی رعایا کے حقوق ادا کرنے پر مجبور کرتا ہے اور وہ امانتیں بھی اس میں داخل ہیں جن کو ان کے مالکوں کے سپرد کرنا ضروری ہے۔

سامعین گرامی!

اس تفصیل سے واضح ہوتا ہے کہ امانت کا دائرہ صرف روپے پیسے' جائیداد اور مالی اشیاء تک محدود نہیں ہے جیسا کہ عام طور پر لوگ سمجھتے ہیں۔ بلکہ یہ ہر مالی' قانونی اور اخلاقی امانت پر محیط ہے۔ اگر کسی کی کوئی چیز آپ کے پاس رکھی ہے تو اسے جوں کا توں واپس لوٹا دینا امانت ہے۔ اگر کسی کا کوئی حق آپ پر باقی ہے تو اس کا ادا کرنا امانت ہے' کسی کا کوئی راز آپ کو معلوم ہے تو اس کو چھپانا بھی امانت ہے۔ کسی مجلس میں آپ ہوں اور کچھ باتیں آپ دوسروں کے متعلق وہاں سن لیں تو ان کو اسی مجلس تک محدود رکھنا اور دوسروں تک پہنچا کر فتنہ اور ہنگامہ کا باعث نہ بننا بھی امانت ہے۔ کسی نے آپ سے اپنے کسی ذاتی کام میں مشورہ مانگا ہے تو اس کو سن کر اپنے تک محدود رکھنا اور اپنے علم و سمجھ کے مطابق صحیح مشورہ دینا بھی امانت ہے۔ اگر کوئی کسی کام پر ملازم ہے تو اس کا اس ملازمت کی شرائط کے مطابق اپنی ذمہ داری کو محسوس کر کے انجام دینا امانت کی ادائیگی ہے۔ جو شخص جس دفتر یا ادارہ میں کام کر رہا ہے اور اس کے حوالے جو ذمہ داریاں' سامان اور اختیارات ہیں وہ سب امانت ہیں اور ان کو ان مقاصد کے مطابق استعمال کرنا امانت کا تقاضا ہے۔ اگر کوئی کسی کام کا آٹھ گھنٹے کا ملازم ہے اور اس وقت کا معاوضہ لیتا ہے تو یہ آٹھ گھنٹے اس کے پاس امانت ہیں۔ اگر یہ شخص اپنے مالک کی مرضی کے بغیر کچھ وقت چرا لیتا ہے یا بے سبب سستی کرتا ہے' یا دیر سے آتا ہے اور وقت سے پہلے چلا جاتا ہے تو یہ امانت کے خلاف ہے۔ قرآن مجید نے اچھے کارکن اور ملازم کی دو صفتیں خاص طور پر بیان کی ہیں اور ایک مثال سے سمجھایا ہے۔ حضرت موسیٰؑ نے مدین کے سفر میں دو لڑکیوں کی بکریوں کو کنویں سے پانی بھر کر پلایا اور اس کی کوئی مزدوری ان سے نہیں مانگی۔ ان لڑکیوں میں سے ایک نے واپس جا کر اپنے بزرگ باپ سے ان کی تعریف کی اور سفارش کی کہ ان کو نوکر رکھ لیجیے۔ اس واقعہ کو قرآن مجید نے اس طرح بیان کیا ہے:

"ابا جان اس کو نوکر رکھ لیجیے سب سے اچھا نوکر جس کو آپ رکھنا چاہیں وہ ہے جو طاقت ور اور امانت دار ہو"۔

اس آیت میں سب سے بہتر ملازم کی پہچان یہ بتائی گئی کہ جس کام کے لیے اس کو رکھا جائے اس میں اس کی پوری

اہلیت، صلاحیت اور طاقت ہو اور اس کام کو وہ پوری امانت داری سے ادا کرے، اس سے یہ اصول بنا کہ جس آدمی کو جس کام کا اہل سمجھ کر رکھا جائے وہ اس کی اہلیت کا ثبوت دے اور اس کو پوری دیانتداری کے ساتھ انجام دے۔ اب ایک شخص جو چھ گھنٹے کا نوکر ہو وہ ایک دو گھنٹہ سستی سے چوری چھپے بے کار بیٹھا رہے تو اگرچہ عام لوگ اس کو خیانت کا مرتکب نہیں سمجھتے لیکن اسلام کی دور رس نگاہ میں وہ امین قرار نہیں پاتا۔ اسی طرح کوئی شخص اپنے آپ کو کسی کام کا اہل بتا کر کوئی نوکری حاصل کرے، مگر حقیقت میں وہ اس کا اہل نہیں تو یہ بھی ایک طرح سے امانت کے خلاف ہے۔

جو لوگ ایک علاقے، حلقے، افراد یا انجمن کے نمائندے بنائے گئے ہیں اور ان پر ان کی نمائندگی کی ذمہ داریاں ڈالی گئی ہیں۔ یہ لوگ ان کے امین اور نمائندے ہیں اور ان ذمہ داریوں کو امانت و دیانت سے ادا کرنا ان کے ذمہ لازم ہے۔ اگر ان کی ادائیگی میں کوتاہی کریں گے یا اجتماعی مفاد کے بجائے ذاتی مفادات کو ترجیح دیں گے تو یہ خیانت ہے۔ اس دائرے میں حکمران، مختلف سطح کے ممبران، پالیسیاں بنانے والے افراد اور اداروں کے سربراہ سب شامل ہیں۔

جب کسی سے کوئی مشورہ لیا جائے تو اس کو چاہیے کہ اپنی رائے ایمانداری سے دے۔ ایک دفعہ ایک صحابی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ کیا تو آپؐ نے فرمایا "جس سے مشورہ چاہا جائے، اس کو امانت سپرد کی جاتی ہے"۔ اسی لیے آپ نے فرمایا کہ مجلس میں جو باتیں ہوں وہ امانت ہیں، یعنی ایک جگہ کی بات دوسری جگہ پہنچا کر فتنہ کا سبب نہ بننا چاہیے۔ الا یہ کہ اس سے کسی فتنہ کے روکنے کا کام لیا جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: المجالس بالامانہ یعنی نشستیں امانت کے ساتھ ہوں مگر تین موقعوں پر، کہیں کسی کے ناحق قتل کی، یا کسی کی آبرو ریزی کی، یا کسی کا مال ناجائز طور سے لینے کی سازش ہو تو متعلقہ لوگوں کو اس سے آگاہ کر دینا چاہیے۔

کسی کا راز افشا کرنا بھی امانت کے خلاف ہے، میاں بیوی کے درمیان پردہ کی جو باتیں ہوتی ہیں وہ بھی ایسے راز ہیں جن کا عام طور سے افشا کرنا بے شرمی کے علاوہ امانت کے بھی خلاف ہے۔ راز کے یہی معنی نہیں ہیں کہ جس کا کہنے والا راز کہہ کر ہم سے کہے، بلکہ وہ بھی راز ہے جس سے وہ ہمارے سوا دوسرے کو آگاہ کرنا نہیں چاہتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی شخص کسی سے بات کرے اور احتیاطاً" ادھر ادھر اس غرض سے دیکھے کہ کوئی سنتا نہ ہو تو وہ بات بھی امانت ہو جاتی ہے اور امانت میں خیانت کرنے کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نفاق کی ایک نشانی قرار دیا ہے۔

مرد جب کسی عورت کو اپنی زوجیت میں لیتا ہے تو خدا کی مقرر کی ہوئی شرطوں کے مطابق لیتا ہے۔ اب اگر کوئی مرد اس کے حقوق ادا کرنے میں کوتاہی کرتا ہے یا اس کے حقوق کو بالکل نظر انداز کر دیتا ہے تو وہ گویا اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی امانت میں خیانت کر رہا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حجتہ الوداع کے مشہور خطبے میں فرمایا:

"عورتوں کے بارے میں خدا سے ڈرو۔ کیونکہ تم نے ان کو اللہ کی امانت اور عہد کے ساتھ اپنی زوجیت میں لیا ہے"۔

حضرات محترم!

امانتوں کو ادا نہ کرنا، ان کی ادائیگی میں کوتاہی کرنا، ان کو ضائع کر دینا اور ان کا حق ادا نہ کرنا خیانت کہلاتا ہے۔ خیانت شریعت میں گناہ ہے اور مومن اس سے دور رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْخَائِنِينَ ﴿٥٨﴾ (الانفال ۸:۵۸)

یقیناً اللہ خائنوں کو پسند نہیں کرتا

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَا تَخُونُواْ ٱللَّهَ وَٱلرَّسُولَ وَتَخُونُوٓاْ أَمَٰنَٰتِكُمْ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٢٧﴾ (الانفال ٨-ع ٣)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو' جانتے بوجھتے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ خیانت نہ کرو' اپنی امانتوں میں غداری کے مرتکب نہ ہو"۔

امانت کا ضائع ہونا اور اس میں خیانت ہونا قیامت کی نشانیوں میں سے ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

"سب سے پہلے اس امت سے امانت کا جوہر جاتا رہے گا اور سب سے آخر میں جو چیز رہ جائے گی وہ نماز ہو گی۔ اور کتنے نمازی ہیں جن کی نمازوں کا کوئی حصہ خدا کے ہاں نہیں ہے"۔

اور آپؐ نے فرمایا:

"میری امت اس وقت تک فطری صلاحیت پر قائم رہے گی جب تک وہ امانت کو غنیمت کا مال اور زکوٰۃ کو جرمانہ نہیں سمجھے گی"۔

یعنی جو امانت سپرد کی جائے گی اس کو اپنی آمدنی اور خیر کے کاموں میں خرچ کرنے کو مسلمان جرمانہ نہیں سمجھیں گے تو ان کی فطری صلاحیت باقی رہے گی۔

حضرات گرامی!

مسلم معاشرے میں امانت داری کی صفت دن بدن کم ہو رہی ہے اور خیانت کا دور دورہ ہے۔ اسلام نے امانت دار رہنے کی جو تعلیم دی ہے اور خیانت سے بچنے کی جو تاکید کی ہے عام لوگوں کو اس کی طرف کچھ بھی دھیان نہیں ہے۔ معاشرے میں کئی طرح سے خیانتیں کی جاتی ہیں۔ لوگوں کا خیانتوں کا مزاج بنتا جا رہا ہے اور اس کا عام رواج ہو رہا ہے۔ جس کو جہاں موقع ملتا ہے حقیر دنیا کے لیے خیانت کر بیٹھتا ہے۔ کاروبار کے شریک آپس میں ایک دوسرے سے خیانت کرتے ہیں۔ ملازم خیانت کرنے سے نہیں چوکتے اور نہ تاجر خیانت سے پیچھے رہتے ہیں۔ جو لوگ مال میں ملاوٹ کرتے ہیں یا عیب چھپا کر بیچتے ہیں وہ بھی خائن ہیں۔ حاکم بھی خائن اور محکوم بھی خائن ہیں۔ الغرض جہاں جس کو موقع مل جاتا ہے خیانت کرنے سے نہیں چوکتا۔ ہم چند خیانتوں کی نشان دہی کرتے ہیں جو عام طور پر رائج ہیں۔ بہت سے لوگ ان خیانتوں کے مرتکب ہوتے رہتے ہیں اور ان کے نزدیک اس سے ان کے دین و ایمان میں کچھ فرق نہیں پڑتا۔

(۱) جو لوگ حکومت کے کسی محکمے یا ادارے میں ملازم ہیں یا کسی پرائیویٹ ادارے میں کارکن ہیں' وہ اگر ملازمت کے اصول و قواعد کے مطابق تنخواہ پوری لیں اور وقت پورا نہ دیں تو یہ خیانت ہے اور تنخواہ اور معاوضہ مشکوک ہو جائے گا۔ اسی طرح جو مزدور مقرر وقت کے لیے اجرت طے کر کے مزدوری کرتے ہیں اور پھر پورا وقت نہیں دیتے یا بیٹھ کر یا ادھر ادھر پھر کر وقت ضائع کرتے ہیں اور اجرت پوری لیتے ہیں یہ بھی خیانت ہے۔

(۲) جو شخص کسی کام پر مامور ہے اگر مقررہ کام نہیں کرے گا یا اس کے خلاف کام کرے گا اور رشوت لے گا تو یہ خیانت ہے۔ چونکہ جس کام کے لیے دفتر میں بٹھایا گیا وہ کام اس نے نہیں کیا۔ اس لیے جتنی خلاف ورزی یا کوتاہی کی ہے اتنی تنخواہ حرام اور مشتبہ ہو جائے گی۔

(۳) جو لوگ کاریگر اور مکینک ہیں اور مختلف اشیاء کو درست کرتے ہیں اور اس کی اجرت لیتے ہیں جب کوئی شخص ان کے پاس کوئی چیز مرمت و اصلاح کے لیے لاتا ہے تو بعض مکینک خواہ مخواہ کوئی پرزہ ڈالنے کا کہہ دیتے ہیں اور بعض تو ڈالتے بھی

نہیں اور رقم وصول کر لیتے ہیں' یہ خیانت ہے۔ اجرت لے کر پرزہ نہیں ڈالا اور پرزہ ڈالنے کے نام سے رقم لے لی تو یہ صریح حرام ہے۔ نیز بازار میں پرزہ جس قیمت کا ملتا ہے اس سے زیادہ رقم لینا بھی اچھا نہیں ہے۔

(۴) بعض لوگ مختلف اداروں اور کمپنیوں کے معتمد' نمائندے یا مشاورت کے امور پر فائز ہوتے ہیں۔ یہ لوگ اداروں اور کمپنیوں کے لیے ضرورت کی چیزیں خریدتے ہیں۔ اس خریداری میں اپنا کمیشن رکھتے ہیں اور بل زیادہ رقم کا بنوا کر اپنا کمیشن اور حصہ وصول کرتے ہیں یہ خیانت ہے۔ اس خیانت میں وہ بیچنے والی کمپنی بھی شامل ہے ذرا غور کیجیے تو اس خیانت کا دائرہ کتنا وسیع ہے جس میں ایک چھوٹے سے ادارہ سے لے کر حکومتوں کے بڑے بڑے عہدے دار اور ذمہ دار تک شامل ہیں۔

(۵) بعض ملازمین کو حکومت کی طرف سے یا دیگر اداروں کی طرف سے اپنا اور اپنے بال بچوں کا علاج کرانے کی سہولت دی جاتی ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ ڈاکٹر بغیر مرض کے پرچی لکھ دیتا ہے اور فارمیسی والا کچھ پیسے لے کر پرچی پر مہر لگا دیتا ہے جبکہ علاج کی ضرورت نہ تھی' صرف متعلقہ محکمہ اور ادارہ سے رقم لینا مقصود تھا۔ یہ تینوں خائن ہیں اور گناہ میں شریک ہیں۔

(۶) درزیوں کے پاس لوگ کپڑا سلوانے کے لیے آتے ہیں وہ ضرورت سے زائد کپڑا رکھ لیتے ہیں۔ جو شخص سلوانے کے لیے لایا تھا اسے زائد کپڑا نہ واپس کرتے ہیں اور نہ بتاتے ہیں۔ یہ خیانت ہے۔

(۷) بعض لوگ خواہ مخواہ اپنے آپ کو کسی ادارہ کا ذمہ دار ظاہر کرتے ہیں' مہر اور پیڈ بنوا لیتے ہیں اور اس طرح عوام سے اور عوامی اداروں اور انجمنوں سے رقم حاصل کر لیتے ہیں۔ یہ خیانت اور دھوکہ ہے۔ اسی طرح زکواۃ کی رقم مصارف زکواۃ میں خرچ نہ کرنا اللہ اور رسول سے خیانت ہے اور جن لوگوں نے زکواۃ دی ہے ان سے بھی خیانت ہے۔

(۸) بہت سے تاجر کسی چیز یا کپڑے وغیرہ کو جاپان' چائنا یا امریکہ کا کہہ کر زیادہ رقم بٹورتے ہیں یہ جھوٹ بھی ہے اور خیانت بھی۔ بعض کارخانہ دار کپڑا پاکستان میں بناتے ہیں اور اس پر ساختہ جاپان لکھ دیتے ہیں۔ یہ بھی خیانت ہے۔

(۹) حکومتوں کا یہ طریقہ ہے کہ محض اپنی پارٹی مضبوط کرنے اور آئندہ الیکشن جیتنے کے لیے بلا ضرورت اور خواہ مخواہ وزیر' نائب وزیر' مشیر اور کمیٹیوں کے چیئرمین وغیرہ بنا دیتی ہیں۔ پھر ان لوگوں کے لیے تنخواہوں الاؤنسوں' رہائشی کوٹھیوں' گاڑیوں' ڈرائیوروں اور پیٹرول اور دیگر اسٹاف کا بندوبست کرتی ہیں۔ یہ سب ملک کے خزانے سے خرچ ہوتا ہے جو بہت بڑی خیانت ہے۔

(۱۰) بعض ڈاکٹر اور حکیم پیسے بٹورنے کے لیے آدمی کو خواہ مخواہ مریض قرار دیتے ہیں یا بلا ضرورت انجیکشن (ٹیکہ) لگاتے ہیں یا بلا ضرورت دوا دیتے ہیں یہ خیانت اور غلط بیانی ہے۔

(۱۱) عملیات کا کام کرنے والے بعض لوگ اپنے پاس آنے والوں کو خواہ مخواہ آسیب' جن اور جادو کا اثر بتاتے ہیں اور تعویذ' پلیٹ لکھ کر یا دھاگہ پڑھ کر یا دم کر کے رقم بٹورتے ہیں یا زعفران وغیرہ اشیاء منگوا کر رکھ لیتے ہیں۔ یہ سب خیانت ہے۔

(۱۲) سرکاری اداروں کے بعض کارکن اور اسکولوں کے بعض اساتذہ اپنی ڈیوٹی پر نہیں جاتے اور دفتر کے ذمہ داروں سے مل کر تنخواہ وصول کر لیتے ہیں یہ بہت بڑی خیانت اور حرام کی کمائی ہے۔ اسی طرح بعض لوگ دفاتر اور اسکولوں میں جاتے ہیں لیکن اپنے ذمے کا کام انجام نہیں دیتے اور نہ پڑھاتے ہیں یہ بھی خیانت ہے۔

(۱۳) جو لوگ اوقاف کے یا سرکاری جائیدادوں کے ذمہ دار ہیں وہ وقف کی جائیداد یا سرکاری پراپرٹی کو اپنے متعلقین کو سستے کرایہ یا ٹھیکے پر دے دیتے ہیں حالانکہ کسی اور کو دیتے یا عام اعلان کر کے دیتے تو بڑی رقم ملتی۔ یہ بھی خیانت و بددیانتی ہے اسی طرح بعض لوگوں نے اوقاف کی جائیدادوں اور سرکاری املاک پر قبضہ کر رکھا ہے اور معمولی کرایہ یا معاوضہ دیتے رہتے ہیں

حالانکہ دورِ حاضر کے اعتبار سے زیادہ کرایہ پر اور آمدنی پر یہ املاک اٹھ سکتی تھیں۔ یہ ظالمانہ قبضہ' خیانت اور ناجائز کمائی ہے۔

(۱۴) کئی لوگ یتیموں کے اموال میں ولی یا متولی اور نگران کی حیثیت سے تصرف کرتے ہیں۔ یہ لوگ یا تو ان کی جائیداد اپنے نام کرا لیتے ہیں یا ان کے بڑے ہونے سے پہلے جلدی جلدی خرچ کر دیتے ہیں تاکہ وہ بڑے ہو کر ان سے طلب نہ کریں۔ یہ خیانت ہے اور قرآن مجید و حدیث شریف میں اس سے منع کیا گیا ہے۔

(۱۵) سرکاری محکموں' کارپوریشنوں اور مختلف اداروں میں ملازمین کی بھرتی کے لیے کمیشن اور کمیٹیاں بنائی جاتی ہیں جیسے پبلک سروس کمیشن' سلیکشن کمیٹیاں وغیرہ ان کو بھرتی کے لیے پوسٹیں دی جاتی ہیں۔ یہ ذمہ داری اور پوسٹیں امانت ہیں لہٰذا ان پوسٹوں کے لیے اہل افراد کو منتخب کرنا امانت کی ادائیگی ہے اور اہل کو نظر انداز کر کے نا اہل کو منتخب کرنا خیانت و بددیانتی ہے۔

(۱۶) مساجد و مدارس کو چلانے کے لیے چندہ اور اشیاء لی جاتی ہیں۔ یہ چندہ اور اشیاء امانت ہیں۔ انھیں امانت داری کے ساتھ اسی مقصد کے لیے جس کے لیے حاصل کیا گیا ہے' استعمال کرنا ضروری ہے۔

(۱۶) بعض لوگ اپنی ذات' ذاتی روپے اور کسی ادارے کے نمائندہ ہونے کی حیثیت میں فرق رکھتے ہیں۔ چنانچہ جب اپنی ذات کے لیے سفر کرتے ہیں تو لوئر کلاس میں سفر کرتے ہیں اور سادہ و کفایتی کھانا کھاتے ہیں اور سستی رہائش اختیار کرتے ہیں لیکن جب ادارے کی طرف سے سفر پر جاتے ہیں تو خوب خرچ کرتے ہیں اور بعض اوقات معمولی خرچ کر کے بل بھاری بھرکم بناتے ہیں' جھوٹے واوچر پیش کرتے ہیں اور بڑی رقمیں وصول کرتے ہیں۔ یہ طریقہ ناجائز ہے اور خیانت کے زمرے میں آتا ہے۔

(۱۷) بعض ڈرائیور' کنڈیکٹر یا ریلوے کے ملازم اپنے دوست احباب کو مفت گاڑی پر سوار کر لیتے ہیں یا سامان مفت بک کرا دیتے ہیں۔ یہ خیانت ہے۔ اسی طرح بعض لوگ گاڑی پر لوگوں کو بٹھا کر ان سے کرایہ وصول کر کے اپنی جیب میں ڈال لیتے ہیں۔ یہ حرام کی آمدنی ہے۔

(۱۷) عام طور پر لوگ سرکاری دفتروں اور اداروں کی اشیاء جیسے ایئرکنڈیشنر' بجلی' گیس' گاڑیاں اور اسٹیشنری وغیرہ ضرورت اور اختیارات سے بڑھ کر استعمال کرتے ہیں۔ یہ خیانت اور بددیانتی ہے۔

(۱۸) بعض واپڈا کے کارکن بجلی کے میٹروں میں ہیرا پھیری کرتے ہیں اور اس طرح ادارے کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ بعض بغیر میٹر کے بجلی دیتے ہیں اور استعمال کرنے والوں سے رقم لیتے ہیں۔ یہ بھی خیانت اور چوری ہے۔

(۱۹) سرکاری اسپتالوں کا عملہ اسپتالوں کی دوائیں اور دیگر سامان بیچتا ہے۔ کچھ لوگ سرکاری ڈیوٹی کے دوران میں لوگوں سے علاج کرنے اور آپریشن کرنے کے سلسلہ میں رقم لیتے ہیں۔ یہ رقم لینا حرام اور خیانت ہے۔

محترم حضرات!

ان باتوں سے معاشرے کی بدعنوانیوں اور عام خیانتوں کی جانب توجہ دلانا مقصود ہے۔ نیز شریعت مطہرہ کے احکام کی عمومیت اور ہمہ گیریت پر متوجہ کرنا ہے۔ ہر مسلمان کو اپنے کام اور معاملے کو شریعت کے احکام کی روشنی میں انجام دینا چاہیے۔ خداوند کریم ہمیں امانت کی صفت سے نوازے اور خیانت و بددیانتی سے بچائے۔ آمین۔

و آخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

طہارت و صفائی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰٓی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَھْلِ بَیْتِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ:

اعوذباللہ من الشیطن الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم

آیات مبارکہ:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْھَکُمْ وَاَیْدِیَکُمْ اِلَی الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِکُمْ وَاَرْجُلَکُمْ اِلَی الْکَعْبَیْنِ وَاِنْ کُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّھَّرُوْا (المائدہ ۵:۶)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو' جب تم نماز کے لیے اٹھو تو چاہیے کہ اپنے منہ اور ہاتھ کہنیوں تک دھو لو' سروں پر ہاتھ پھیر لو اور پاؤں ٹخنوں تک دھو لیا کرو۔ اگر جنابت کی حالت میں ہو تو نہا کر پاک ہو جاؤ۔

یٰٓاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ ﴿۱﴾ قُمْ فَاَنْذِرْ ﴿۲﴾ وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ ﴿۳﴾ وَثِیَابَکَ فَطَھِّرْ ﴿۴﴾ وَالرُّجْزَ فَاھْجُرْ ﴿۵﴾ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَکْثِرُ ﴿۶﴾ وَلِرَبِّکَ فَاصْبِرْ ﴿۷﴾ (المدثر ۷۴:۱-۷)

فاصبر

اے اوڑھ لپیٹ کر لیٹنے والے' اٹھو اور خبردار کرو' اور اپنے رب کی بڑائی کا اعلان کرو' اور اپنے کپڑے پاک رکھو اور گندگی سے دور رہو۔ اور احسان نہ کرو زیادہ حاصل کرنے کے لیے اور اپنے رب کی خاطر صبر کرو۔

فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَنْ يَتَطَهَّرُوا ۚ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِينَ ﴿۱۰۸﴾ (التوبہ ۹: ۱۰۸)

اس میں ایسے لوگ ہیں جو پاک رہنا پسند کرتے ہیں اور اللہ کو پاکیزگی اختیار کرنے والے ہی پسند ہیں۔

احادیث شریفہ:

عن ابی مالک الاشعری قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الطھور شطر الایمان والحمدللہ تملاء المیزان و سبحان اللہ و الحمد للہ تملآن او تملأ ما بین السموٰت والارض والصلوۃ نور والصدقۃ برھان والصبر ضیاء والقرآن حجۃ لک او علیک کل الناس یغدو فبائع نفسہ فمعتقھا او موبقھا (رواہ مسلم)

ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ طہارت و پاکیزگی ایمان کا حصہ ہے اور کلمہ الحمدللہ میزان اعمال کو بھر دیتا ہے اور سبحان اللہ والحمدللہ بھر دیتے ہیں آسمانوں کو اور زمین کو' اور نماز نور ہے اور صدقہ دلیل و برھان ہے' اور صبر اجالا ہے' اور قرآن حجت ہے' یا تو تمہارے حق میں یا تمہارے خلاف۔ ہر آدمی صبح کرتا ہے پھر وہ اپنی جان کا سودا کرتا ہے پس یا تو اسے نجات دیتا ہے یا اس کو ہلاک کر دیتا ہے۔

عن مسعود بن ابی وقاص قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ طیب یحب الطیب ان اللہ نظیف یحب النظافۃ ان اللہ جواد یحب الجود فنظفوا افنیتکم ولا تشبھوا بالیھود (الترمذی)

مسعود بن ابی وقاصؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ پاک ہے' پاکیزگی کو پسند کرتا ہے' اللہ نظیف ہے' نظافت کو پسند کرتا ہے اور اللہ سخی ہے سخاوت کو پسند فرماتا ہے۔ پس تم اپنے (گھروں کے) صحنوں کو پاک و صاف رکھو اور یہودیوں سے مشابہت اختیار نہ کرو۔

حضرات گرامی!

اسلام نے اپنے پیروکاروں کو طہارت و نظافت کا جو نظام دیا ہے وہ ایسا جامع' مکمل اور اعلیٰ و ارفع ہے کہ جس کی مثال دوسری تہذیبوں' تمدنوں' مذاہب اور رسم و رواج میں ملنی مشکل ہے۔ بلکہ اس نظام کے لیے طہارت کا جو جامع اور مثالی لفظ قرآن مجید اور حدیث شریف میں آیا ہے خود اس کی مثال دوسروں کے ہاں نہیں ہے۔

اسلام کے نظام طہارت و نظافت کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ حقیقی اور مکمل طہارت میں جسم و جان' روح و قلب' فکر و عمل اور اعضاء و جوارح سب کی پاکی ضروری ہے۔ انسان کی برتری اور شرف کا راز اسی طہارت میں مضمر ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فداہ ابی و امی نے الطھور شطر الایمان (طہارت نصف ایمان ہے) فرما کر اس کی اہمیت واضح کر دی ہے اگر اس کا

تعلق قلب و فکر اور ذہن سے نہ ہوتا اور صرف ظاہری پاکیزگی اور صفائی مراد ہوتی تو اسے نصف ایمان نہ کہا جاتا۔ طہارت کی اپنی وسیع معنویت کے ساتھ بنیادی اہمیت کا اندازہ قرآن مجید میں آمدہ کلمہ طہارت سے کیجیے۔

قرآن مجید میں طہارت کے مصدر "طہر" سے اکتیس کلمات آئے ہیں ان میں سے سولہ کلمات روحانی' قلبی' اخلاقی اور ذہنی طہارت اور پاکیزگی کے لیے ہیں اور پندرہ کلمات جسمانی اور بدنی طہارت کے لیے ہیں۔ ان تمام آیات کو سامنے رکھ کر جن میں طہارت کا کلمہ آیا ہے' امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی کتاب احیاء العلوم کی جلد اول کے صفحہ نمبر۱۳۱ پر طہارت کی چار قسمیں بیان کی ہیں:

(۱) ظاہری جسم کو حدث (بے وضو ہونے اور غسل سے ہونے سے)' نجاست اور فضلات سے پاک کرنا۔

(۲) جسم کے اعضاء کو ہر قسم کے صغیرہ اور کبیرہ گناہوں سے پاک کرنا۔

(۳) دل کو باطل شہوات' تکبر' حسد' حرص' کینہ' بخل اور ہر قسم کے اخلاق رذیلہ سے پاک کرنا۔

(۴) دل کو اللہ تعالیٰ کی محبت کے سوا ہر قسم کے خیالات سے پاک کرنا۔

ان مراتب کے حصول کے لیے ضروری ہے کہ انسان پہلے عقائد باطلہ سے اپنے آپ کو پاک کرے' صحیح عقائد کو دل نشین کرے پھر ان تمام کاموں کو جن سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا ہے' ترک کر کے خود کو گناہوں سے پاک کرے اور وہ تمام احکام بجالائے جن کا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے حکم دیا ہے۔

چنانچہ طہارت کے دائرے میں عقائد و خیالات' کفر' شرک' اوہام' جاہلیت کے نظریات و تصورات سے قلب و ذہن کی پاکیزگی' جسمانی پاکیزگی جیسے جسم' کپڑوں اور بیٹھنے کی جگہ' اور ماحول کی پاکیزگی و صفائی' نیز برتنوں اور مکان اور ساز و سامان کی پاکیزگی سب کچھ شامل ہے۔

اسلام نے طہارت کا حکم روز اول سے ہی دے دیا تھا۔ روایات میں آیا ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلی وحی نازل ہونے کے بعد جبریل علیہ السلام نے آپ کو دو کام سکھائے ایک نماز کی ادائیگی اور دوسرا وضو کرنا۔ نماز میں تین قسم کی جسمانی پاکیزگی ضروری ہے۔ ایک حدث اصغر (بے وضو ہونے) اور حدث اکبر (غسل کی حاجت ہونے) سے پاک ہونا' دوسرا کپڑے پاک ہونا اور تیسرے نماز کی جگہ کا پاک ہونا۔ گویا اس طرح تین قسم کی طہارتوں کا حکم دے دیا گیا۔ آپؐ نے فرمایا مفتاح الصلوٰۃ الطہور یعنی نماز کی کنجی طہارت ہے۔

دوسری وحی کا نزول سورہ المدثر سے ہوا۔ اس سورہ کی ابتدائی آیات میں ارشاد ہوا و ثیابک فطھر والرجز فاھجر "اپنے کپڑے پاک رکھیے اور گندگی سے دور رہیے"۔

مفسرین کرام نے کپڑوں کی پاکیزگی سے مراد ان کو ظاہری گندگی سے پاک و صاف رکھنا' اخلاقی عیوب جیسے تکبر و فخر و ریاء و نمائش' شان و شوکت اور ٹھاٹھ باٹھ سے پاک رکھنا' اور اخلاقی برائیوں سے اپنا دامن پاک رکھنا لیا ہے۔ اسی طرح گندگی سے مراد ہر نوع کی گندگی ہے چاہے عقائد و خیالات کی ہو' یا اخلاق و اعمال کی ہو یا جسم و لباس اور رہن سہن کی ہو۔

اسی طرح سورہ توبہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۳﴾ (آیت ۱۰۳)

اے نبیؐ تم ان کے اموال میں سے صدقہ لے کر انھیں پاک کرو اور (نیکی کی راہ میں) انھیں بڑھاؤ

اور ان کے حق میں دعائے رحمت کرو' کیونکہ تمہاری دعا ان کے لیے وجہ تسکین ہو گی۔ اللہ سب کچھ سنتا ہے اور جانتا ہے"۔

یہاں طہارت سے مراد گناہوں' خطاؤں اور لغزشوں سے پاک کرنا ہے۔ اسی طرح قرآن مجید کی متعدد آیات میں لفظ طہارت' روحانی' اخلاقی اور قلبی خرابیوں کو دور کرنے کے لیے استعمال ہوا ہے۔

محترم حضرات!

مختصر یہ کہ اسلام میں پاکیزگی کی دو قسمیں ہیں: ایک روح کی پاکیزگی' اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو تمام قسم کی برائیوں سے پاک و صاف رکھے۔ روح کی ناپاکیاں اور نجاستیں وہ بداخلاقیاں اور برائیاں ہیں جن کے اختیار کرنے سے انسان کی روح گندی اور میلی ہو جاتی ہے۔ جیسے شرک' توہم' جھوٹ' غیبت' حسد' کینہ' بغض' نفرت' عصبیت' غصہ' بخل' خیانت' بددیانتی' فخر و غرور اور خود بینی و خود نمائی وغیرہ۔ روح کی پاکیزگی کا طریقہ یہ ہے کہ انسان برائی اور گناہ سے منہ موڑ کر اپنے آپ کو اچھی عادتوں اور اچھے اخلاق سے سنوارے۔ جس قدر بھی انسان گناہوں اور برائیوں سے بچے گا اس قدر اس کی روح پاک صاف اور ستھری ہوتی چلی جائے گی۔ روح کی پاکیزگی کا اثر جسم کی پاکیزگی پر بھی پڑتا ہے۔

دوسری پاکیزگی جسم کی پاکیزگی ہے۔ جسم کی پاکیزگی کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنے جسم' کپڑوں اپنے گھر اور ماحول کو ظاہری ناپاکیوں اور نجاستوں سے پاک رکھے۔ گندہ اور میلا کچیلا نہ رہے' گندگی سے دور رہے اور گندگی پھیلانے سے بچے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے طہارت حاصل کرنے' طہارت قائم رکھنے اور طہارت کا خیال دلوں میں راسخ کرنے کے لیے مختلف طریقے سکھائے ہیں۔ ان میں سے چند ایک طریقے یہ ہیں۔

(۱) آپؐ نے فرمایا "جب کوئی شخص سو کر اٹھے تو جب تک تین بار ہاتھ نہ دھو لے ان کو پانی کے برتن میں نہیں ڈالنا چاہیے۔

کیونکہ سونے میں معلوم نہیں اس کا ہاتھ کہاں کہاں پڑا ہے" (مسلم شریف)

معلوم ہوا کہ ہم کو اپنے جسم کے ہر عضو کی طہارت کا ہر حالت میں خیال رکھنا چاہیے۔ ہاتھ کو صاف ستھرا رکھنے پر اس لیے زور دیا گیا ہے کہ برتن سے پانی نکالنے میں ناپاک ہاتھ پانی میں بھیگ کر پانی کو ناپاک کر سکتا ہے۔ اس لیے خیال رکھنا چاہیے کہ ہاتھ پانی کے برتن میں اس وقت تک نہ ڈالے جائیں جب تک ہاتھوں کی طہارت کا یقین نہ ہو۔

(۲) دانتوں کی گندگی بہت سی بیماریوں کی جڑ ہے لہٰذا اس کی صفائی ضروری قرار دی' مسواک کرنا سنت ٹھہرایا۔ فرمایا:

اگر میری امت پر شاق نہ ہوتا تو میں ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیتا۔ (ابو داؤد)

ایک دفعہ کچھ مسلمان حاضر ہوئے جن کے دانت صاف نہ ہونے کی وجہ سے زرد تھے' تو فرمایا تمہارے دانت زرد کیوں ہیں؟ مسواک کیا کرو۔ (مسند احمد جلد ا ص ۲۱۴)

ایک اور حدیث میں ہے کہ:

"مسواک کرو اس سے منہ صاف رہتا ہے اور یہ رضائے الٰہی کے حصول کا ذریعہ ہے۔ جب بھی جبرئیل میرے پاس آئے مجھے مسواک کی تاکید کی یہاں تک کہ مجھے شبہ ہونے لگا کہ ایسا نہ ہو کہ مجھ پر اور میری امت پر یہ فرض ہو جائے"۔ (ابن ماجہ)

(۳) عام راستوں اور درختوں کے سایہ میں قضائے حاجت نہیں کرنا چاہیے۔ (ابو داؤد) یہ اس لیے کہ راستہ چلنے والوں اور درخت کے سایہ میں بیٹھنے والے مسافروں کو اس نجاست اور گندگی سے تکلیف نہ ہو۔

(۴) ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب یا غسل جنابت نہیں کرنا چاہیے' بلکہ مجنب کو چاہیے کہ اس سے علیحدہ پانی لے کر غسل کرے۔ کیونکہ ہماری تھوڑی سی سہل انگاری سے وہ پانی دوسروں کے لیے ناپاک یا قابل کراہت ہوگا بلکہ عام حالت میں خود اس کو بھی گھن محسوس ہو گی۔

(۵) بلاضرورت کھڑے ہو کر پیشاب نہیں کرنا چاہیے کیونکہ اس حالت میں یہ اندیشہ ہے کہ پیشاب کے چھینٹے جسم پر پڑ جائیں۔ اس طرح بے ستری کا بھی امکان ہے اور یہ وقار کے بھی خلاف ہے۔

(۶) پیشاب نرم زمین پر کرنا چاہیے کیونکہ سخت زمین سے پیشاب کے چھینٹے اڑ کر جسم پر پڑ سکتے ہیں۔ نیز کسی کے گھر یا مکان کی دیوار کی بنیادوں کے پاس بھی پیشاب نہ کرنا چاہیے۔

(۷) غسل خانہ کی زمین میں پیشاب نہیں کرنا چاہیے۔ خصوصاً جب کہ وہ کچی ہو۔ کیونکہ جگہ کی گندگی اور ناپاکی سے پانی کی چھینٹیں گندی اور ناپاک ہو کر اڑیں گی اور بدن کو ناپاک کریں گی۔ یا ناپاک ہونے کا وسوسہ دل میں پیدا کریں گی۔

(۸) بول و براز کے بعد استنجا کرنا چاہیے۔ ڈھیلے یا کسی اور پاک و جاذب چیز سے صفائی کے بعد پانی سے دھو لینا اچھا ہے۔ استنجا بائیں ہاتھ سے کیا جائے۔ داہنا ہاتھ نہ لگایا جائے۔

(۹) طہارت کے بعد پانی کے علاوہ مٹی سے بھی ہاتھ دھونا چاہیے۔

(۱۰) ہفتہ میں ایک روز ہر مسلمان پر غسل کرنا' کپڑے بدلنا' عطر اور تیل لگانا مستحسن ہے۔ بلکہ بعض فقہاء اور محدثین کے نزدیک حدیث کے الفاظ کی بنا پر غسل واجب ہے۔ اسلام نے اس کے لیے جمعہ کا دن مقرر کیا ہے' جو مسلمانوں کے عام اجتماع کا دن ہوتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

غسل یوم الجمعۃ واجب علی کل محتلم (بخاری)

یعنی ہر بالغ شخص پر جمعے کے دن غسل کرنا لازم ہے۔

اس کی وجہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے یہ بیان کی ہے کہ عرب کے لوگ سخت تنگدست اور پشمینہ پوش تھے اور محنت مزدوری کرتے تھے۔ ان کی مسجد نہایت تنگ اور اس کی چھت نہایت پست تھی' جو چھپر کی تھی۔ ایک بار گرم دن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کی نماز کے لیے آئے تو لوگوں کے پشمینہ کی بو کے پھیلنے سے ہر شخص کو تکلیف ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بدبو محسوس کی تو فرمایا:

لوگو! جب یہ (جمعہ کا) دن آئے تو غسل کر لیا کرو اور ہر شخص کو جو بہترین تیل اور خوشبو میسر ہو سکے لگائے (ابو داؤد)

بودار چیز مثلاً لہسن یا پیاز کھانے کے فوراً بعد بغیر منہ صاف کئے مسجد میں آنے کی ممانعت بھی فرمائی (مسلم) آپؐ نے فرمایا:

من آکل ثوماً او بصلاً فلیعتزل مسجدنا ولیقعد فی بیتہ (بخاری)

جس نے پیاز یا لہسن کھایا وہ ہماری مسجد سے دور رہے اور اپنے گھر میں جا کر بیٹھے۔

(۱۱) جمعہ کے علاوہ عام حالات میں بھی انسان کو صاف ستھرا رہنا چاہیے' چنانچہ ایک بار جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس کے بال بکھرے ہوئے ہیں تو فرمایا کہ:

اس کے پاس بال سنوارنے کا سامان نہ تھا؟ ایک دوسرے شخص کو میلے کپڑے پہنے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ اس کو پانی نہیں ملتا تھا' جس سے وہ اپنے کپڑے دھو لیتا۔ (ابو داؤد) اور آپؐ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ میلے کچیلے اور پھوہڑ شخص کو پسند نہیں کرتا۔

بے احتیاطی برتنے اور پیشاب کے چھینٹوں کا خیال نہ کرنے والوں کے بارے میں ہے کہ ایک مرتبہ ایک قبرستان کے پاس سے گزرتے ہوئے آپؐ نے دو قبروں والوں کو عذاب میں مبتلا پایا تو ارشاد فرمایا:

انهما يعذبان وما يعذبان في كبيرة اما احدهما فكان لا يستنزه من البول واما الآخر فكان يمشي بالنميمة. (متفق عليه)

ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے اور یہ دونوں کسی بڑی چیز کی وجہ سے عذاب میں مبتلا نہیں ہیں۔ پھر فرمایا ان میں سے ایک اپنے پیشاب (کے قطروں) سے نہیں بچتا تھا اور دوسرا چغلیاں کھاتا تھا۔

اسی کے ساتھ اسلام نے طہارت و نظافت کی تعلیم میں سادگی' اور بے تکلفی کو بھی ملحوظ رکھا ہے اور ایسی تعلیم نہیں دی ہے' جو غلو' وہم اور وسوسہ کی حد تک پہنچ جائے۔ اس بنا پر اسلام نے بعض ان سختیوں کو دور کیا ہے جو اس معاملہ میں دوسرے مذاہب میں پائی جاتی تھیں۔ مثلاً یہودیوں کے نزدیک ناپاک شخص نہانے کے بعد بھی اس وقت پاک ہوتا تھا جب آفتاب غروب ہو جائے۔

جسم و روح کی پاکیزگی اور صفائی کے ساتھ اسلام اس ماحول کی پاکیزگی اور صفائی ستھرائی کی بھی تعلیم دیتا ہے جس میں انسان رہتا ہے' مثلاً جس گھر میں وہ رہتا ہے اسے صاف ستھرا رکھے اور ہر ایسی چیز سے پرہیز کرے کہ جسے دیکھ کر دوسروں کو کراہت آتی ہو یا تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہو' مثلاً بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ گھر کا کوڑا کرکٹ اپنے دروازے کے سامنے سڑک پر یا گلی میں ڈال دیتے ہیں۔ اس سے ایک تو خود گھر والوں کا پھوہڑپن ظاہر ہوتا ہے' دوسرے راہ چلنے والوں کو ان کے عمل سے تکلیف ہوتی ہے۔ اسی طرح راستوں میں تھوکنا' بار بار ناک میں انگلیاں ڈال کر میل نکالنا' سایہ دار درختوں کے نیچے اور گزر گاہوں میں پیشاب کرنا' یہ سب چیزیں صاف ستھرے ماحول کو متاثر کرتی ہیں۔ اسلام ان سب باتوں کو طہارت اور تہذیب کے خلاف قرار دیتا ہے۔

طہارت اور صفائی

طہارت اور نظافت یعنی پاکی اور صفائی دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ اگر ایک چیز صاف ہے تو ضروری نہیں کہ وہ پاک بھی ہو اسی لیے پاکیزگی کا جو تصور اسلام نے دیا ہے وہ بالکل منفرد اور ممتاز ہے۔ البتہ اسلام نے پاکی اور صفائی دونوں کی تعلیم دی ہے۔ ان میں سے کسی کو ترک نہیں کیا جا سکتا بس فرق یہ ہے کہ پاکی پر نسبتاً زیادہ زور دیا گیا۔ کیونکہ صفائی پاکی کے بغیر بے معنی ہو جاتی ہے۔ اگرچہ بجائے خود صفائی کی بڑی اہمیت ہے۔

دنیا کی بیشتر قومیں صرف ظاہری صفائی کو تہذیب اور ثقافت کا جز سمجھتی ہیں اور پاکیزگی پر زیادہ توجہ نہیں دیتیں۔ اسلام کی مطلوبہ پاکیزگی ان قوموں میں مفقود ہے۔ لباس اگر میلا ہو جائے یا اس پر دھبہ آ جائے تو مہذب لوگ فوراً اسے تبدیل کر لیتے ہیں اور یہ درست ہے۔ مگر آنکھوں سے نہ دیکھی جانے والی گندگی کی چاہے کتنی ہی مقدار اس میں جذب ہو جائے تو وہ کبھی اسے بدلنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔

حضرات گرامی!

مسلمانوں کی موجودہ حالت دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ جس قوم کو طہارت و نظافت کی اتنی زبردست تعلیم دی گئی وہ کس طرح دوسری قوموں کے مقابلے میں مطلوبہ معیار سے نیچے گر گئی ہے کہ بعض اوقات اسے یہ طعنہ سننا پڑتا ہے کہ اسلام ایک پاکیزہ مذہب ہے لیکن مسلمان گندے لوگ ہیں۔ اس تاثر سے اتفاق کیا جائے یا اختلاف۔ بہرحال یہ حقیقت ہے کہ طہارت اور صفائی کے لحاظ سے مسلمانوں کی موجودہ حالت قابل اصلاح ہے۔ اگر آپ مسلم سماج کا سنجیدگی سے جائزہ لیں تو آپ اسلامی تعلیمات اور مسلمانوں کے موجودہ رویوں میں بڑا فرق محسوس کریں گے۔ ایسا لگتا ہے کہ ذوق جمال تو بہت دور کی چیز ہے ان میں شہری ذوق اور اجتماعی زندگی کے لوازمات کی بھی بہت کمی ہے۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ مسلمان دنیا میں اعلیٰ ایمانی قوت کے ساتھ اعلیٰ درجے کی نفاست پسند قوم کی حیثیت سے متعارف ہوتے اور دنیا کو ایمان کے ساتھ پاکی و صفائی کی دعوت دیتے مگر وہ تو خود ہی اپنی راہ بھلا بیٹھے ہیں۔ اس صورت حال پر سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے اور مسلمانوں کو اپنے طہارت و نظافت کے اعلیٰ نظام سے آگاہی حاصل کر کے اس پر عمل پیرا ہونا چاہیے اور اسلام کی اس تعلیم کا عملی نمونہ بننا چاہیے اور دنیا کو اس اعلیٰ پاکیزہ نظام کی دعوت دینی چاہیے تاکہ وہ کھویا ہوا وقار واپس آئے اور مسلمان' اسلامی تہذیب و ثقافت کی نمائندگی کر سکیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں طہارت و نظافت کے اسلامی آداب اور طور طریقے اپنانے کی توفیق عطا کرے۔ آمین۔

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

دعوت دین اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر

الحمد للہ نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ و نؤمن بہ و نتوکل علیہ و نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ و من یضللہ فلا ھادی لہ و نشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ و نشھد ان محمدا عبدہ و رسولہ صلی اللہ علیہ و علی الہ و اصحابہ و اھل بیتہ و بارک وسلم:

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم

آیات مبارکہ:

وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (۱۰۴) وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَأُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ (۱۰۵) (آل عمران ۳: ۱۰۴-۱۰۵)

تم میں کچھ لوگ تو ایسے ضرور ہی ہونے چاہئیں جو نیکی کی طرف بلائیں، بھلائی کا حکم دیں، اور برائیوں سے روکتے رہیں۔ جو لوگ یہ کام کریں گے وہی فلاح پائیں گے۔ کہیں تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو فرقوں میں بٹ گئے اور کھلی کھلی واضح ہدایات پانے کے بعد پھر اختلافات میں مبتلا ہوئے۔ جنہوں نے یہ روش اختیار کی وہ اس روز سخت سزا پائیں گے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ (آل عمران ۳: ۱۱۰)

اب دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت و اصلاح کے لیے میدان میں لایا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو' بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو ۔

احادیث شریفہ:

عن درة بنت ابی لهب قالت قام رجل الی النبی صلی الله علیه وسلم و هو علی المنبر۔ فقال یا رسول الله ای الناس خیر؟ فقال النبی صلی الله علیه وسلم خیر الناس اقرأهم و اتقاهم و امرهم بالمعروف و انهاهم عن المنکر و اوصلهم للرحم (مسند احمد)

حضرت درة روایت کرتی ہیں کہ ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر وعظ فرما رہے تھے کہ ایک شخص نے کھڑے ہو کر آپؐ سے سوال کیا یا رسول اللہ انسانوں میں سب سے بہتر آدمی کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا: جو ان میں سب سے زیادہ اللہ کی کتاب پڑھنے والا ہو' جو سب سے زیادہ متقی ہو' جو سب سے زیادہ معروف کا حکم دینے اور منکر سے روکنے والا ہو اور جو سب سے زیادہ رشتہ داری کا لحاظ رکھنے والا ہو۔

عن حذیفةؓ قال قال النبی صلی الله علیه وسلم والذی نفسی بیده لتأمرن بالمعروف ولتنهون عن المنکر اولیوشکن الله ان یبعث علیکم عذابا منه فتدعون فلا یستجیب لکم (الترمذی)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے تم لوگ ضرور نیکی کا حکم دو گے اور ضرور برائی سے روکو گے ورنہ اللہ تعالی تم پر اپنا عذاب بھیجے گا پھر تم دعائیں کرو گے لیکن وہ قبول نہیں کرے گا۔

حضرات گرامی!

امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام' امت دعوت ہے۔ اس کی بعثت (اٹھانے) کا مقصد ہی یہ ہے کہ وہ پورے دین اسلام کو بھولی بھٹکی انسانیت تک عمومی طریقے سے پہنچائے۔ یہ بات ابھی بیان کردہ آیت میں واضح طور پر فرمائی گئی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو اپنے ایک ارشاد میں اس طرح بیان فرمایا بلغوا عنی ولو آیة یعنی میری طرف سے دین کی بات کو پہنچاؤ اگرچہ ایک آیت (بات) ہی ہو۔

سورہ مائدہ کی آیت ۱۱۰ میں الناس (انسان) کا لفظ آیا ہے اس میں مشرک و کافر' مومن و منافق' گورے کالے' مرد و عورت اور مشرق و مغرب کے تمام انسان شامل ہیں۔ ان سب تک دین اسلام کی روشن تعلیم اور ہدایت پہنچانے کی ذمہ داری پوری امت پر ہے اور اس کا ادا کرنا ہر مسلم پر لازم ہے۔ اس ذمہ داری کی ادائیگی کو دعوت و تبلیغ اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا نام دیا گیا ہے۔ اس کی اہمیت و ضرورت کے کئی پہلو ہیں۔ ان میں سے چند ایک کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

(ا) مومن کی انفرادی ذمہ داری

اللہ کا بندہ ہونے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہونے کی بنا پر دعوت و تبلیغ کا کام ہر مومن کی انفرادی ذمہ داری ہے۔ یعنی دین و ایمان کی باتیں جو اس نے خود اپنے لیے پسند کر کے اختیار کی ہیں۔ وہ دوسرے انسانوں تک پہنچائے۔ بھولی بھٹکی

مخلوق' کفر و شرک اور رسوم و رواج میں جکڑی ہوئی انسانیت کو اسلام کے نور اور روشنی میں لائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا (التحریم۶۶:۶)

اے ایمان والو' اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ"۔

حضورؐ نے فرمایا:

لا یومن احدکم حتی یحب لا خیہ ما یحب لنفسہ (بخاری)

تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں بن سکتا جب تک اپنے بھائی کے لیے بھی وہی پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

مومن کے لیے سب سے زیادہ پسندیدہ بات ایمان' اعمال صالح اور دونوں جہانوں کی نجات ہے۔ لہٰذا اپنی اصلاح کے ساتھ دوسرے انسانوں کی اصلاح کرنا مومن کی وہ اہم ذمہ داری ہے جسے ادا کرنے کی کوشش کرنا چاہیے۔ اور اگر اس ذمہ داری کی ادائیگی نہیں کرے گا تو اللہ کے ہاں جوابدہ ہو گا۔

(۲) دعوت و تبلیغ اپنی اصلاح کے لیے

نیکی کی دعوت دینے سے انسان کی اپنی اصلاح ہوتی ہے' آدمی حق پر قائم رہتا ہے' اور بہت سی برائیوں سے بچ جاتا ہے۔ یہ اس لیے کہ اول تو انسان جب کسی بات کی طرف دوسروں کو دعوت دیتا ہے تو خود اس کے دل میں اس پر عمل کرنے کا شوق پیدا ہوتا ہے۔

دوم یہ کہ اس پر عمل کرنے کی توفیق نصیب ہوتی ہے۔ سوم یہ کہ وہ جس کام سے دوسروں کو روکتا ہے تو اس سے خود بھی رک جاتا ہے۔ اور دوسرے لوگ بھی اسے برائی کی طرف جانے سے روکتے ہیں۔ اس طرح آدمی کو بہت سے عوامل نیکی کی راہ پر چلنے اور بہت سی برائیوں سے بچانے کا سبب بن جاتے ہیں۔

(۳) انسانوں کی خیر خواہی و بھلائی

اسلام تمام انسانوں سے خیرخواہی کرنے اور ان کے ساتھ بھلائی کرنے کا حکم دیتا ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام انسانوں کے بہت بڑے خیرخواہ تھے سو انہوں نے حتی الوسع انسانوں کے ساتھ خیرخواہی کرنے کی پوری کوشش کی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ ﴿۶۸﴾ (الاعراف۷:۶۸)

میں تم کو اپنے رب کے پیغامات پہنچاتا ہوں' اور تمہارا ایسا خیر خواہ ہوں جس پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

الدین النصیحۃ قلنا لمن یا رسول اللہ؟ قال للہ ولرسولہ و لکتابہ ولائمۃ المسلمین و عامتھم (مسلم)

"دین خیر خواہی کا نام ہے۔ ہم لوگوں نے پوچھا کس کے ساتھ خیر خواہی؟ آپؐ نے فرمایا اللہ کے ساتھ' اس کے رسول کے ساتھ' اس کی کتاب کے ساتھ' مسلمانوں کے رہنماؤں کے ساتھ اور ان کے عام افراد کے ساتھ"۔

اس خیر خواہی کا تقاضا ہے کہ انہیں الخیر کی طرف بلایا جائے۔ جمہور علماء نے لکھا ہے کہ الخیر سے مراد دین اسلام اور اس کے بنیادی احکام ہیں۔

(۴) اپنے متعلقین کی اصلاح

حضرات گرامی!

اسلام نے اپنے پیروکاروں پر لازم کیا ہے کہ ہر شخص اپنے متعلقین، رشتہ داروں اور ماتحتوں کو نیکی کی تلقین کرے، انہیں فرائض کا پابند بنائے اور برائی سے بچانے کی کوشش کرے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا (التحریم ۶:۶۶)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو اس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے"۔

اس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

الا کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ فالامام الذی علی الناس راع وھو مسئول عن رعیتہ والرجل راع علی اھل بیتہ و ھو مسئول عن رعیتہ والمرأۃ راعیۃ علی بیت زوجھا و ولدہ و ھی مسئولۃ عنھا (رواہ البخاری و مسلم۔ عن ابن عمر)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے ہر شخص محافظ اور نگران ہے اور اس سے ان لوگوں کے بارے میں پوچھ گچھ ہو گی جو اس کی نگرانی میں دیئے گئے ہیں۔ پس امیر جو لوگوں کا نگران ہے اس سے اس کی رعیت کے بارے میں پوچھ گچھ ہو گی۔ اور مرد اپنے گھر والوں (بیوی بچوں) کا نگران ہے۔ پس اس سے اس کی رعیت کے بارے میں پوچھ گچھ ہو گی۔ اور بیوی اپنے شوہر کے گھر اور شوہر کی اولاد کی نگران ہے اس سے اولاد کے بارے میں پوچھ گچھ ہو گی"۔

اسلام کے اصول کے مطابق ہر شخص کو اپنی ذمہ داری پوری کرنی چاہیے اور اپنے زیر اثر لوگوں کو دین کی دعوت دینی چاہیے، اگر کوئی شخص یہ ذمہ داری پوری نہیں کرتا تو وہ اپنے فرض میں کوتاہی کر رہا ہے۔ سو قیامت کے دن اسے اپنی کوتاہی کی جوابدہی کرنی ہو گی۔

(۵) دنیاوی زندگی کی بھلائی

محترم سامعین گرامی!

دعوت و تبلیغ اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرنا انسان کی دنیوی زندگی کی بہتری، نجات اور عذاب الٰہی سے بچنے کا ذریعہ ہے۔ انسان جب تک یہ فریضہ ادا کرتا رہے گا تو معاشرہ راہ راست پر قائم رہنے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے بچنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی گرفت اور عذاب سے محفوظ رہے گا اور دعوت کا کام کرنے والے بھی محفوظ و مامون رہیں گے۔ لیکن اگر دعوت و تبلیغ کا کام نہ ہو اور معاشرے کو برائیوں سے نہ روکا جائے تو اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہو گا جس کی

لپیٹ میں سب آ جائیں گے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿٤١﴾ (الروم ۳۰:۴۱)

خشکی اور تری میں فساد برپا ہو گیا ہے لوگوں کے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے تاکہ مزا چکھائے ان کو ان کے بعض اعمال کا، شاید کہ وہ باز آئیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی پاک کتاب میں اصحاب السبت (ہفتہ والوں) کا قصہ متعدد مرتبہ بیان فرمایا ہے۔ یہ قصہ سورہ الاعراف آیات ۱۶۳ تا ۱۶۶ میں قدرے تفصیل سے بیان ہوا ہے۔ اس میں آیا ہے کہ ان لوگوں پر جب اللہ کا عذاب آیا تو صرف وہی لوگ عذاب سے بچے جو برائی سے روکتے تھے۔ جو لوگ برائی میں مبتلا تھے اور جو لوگ گونگے بن کر خاموش بیٹھے تھے وہ سب عذاب میں پکڑ لیے گئے۔ اسی طرح حضرت جابرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو وحی کی کہ فلاں بستی کو اس کے باشندوں کے ساتھ الٹ دو۔ اس پر حضرت جبرئیل نے کہا، خدایا اس میں تیرا فلاں بندہ بھی تو ہے جس نے ایک لمحہ کے لیے بھی تیری نافرمانی نہیں کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل سے فرمایا کہ اس بستی کو بشمول اس شخص کے اور سارے لوگوں کے الٹ دو کیوں کہ (بستی میں نافرمانی ہوتی رہی لیکن) میری خاطر ایک گھڑی کے لیے بھی اس کے چہرے کا رنگ متغیر نہیں ہوا"۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی محسوس مثال دیتے ہوئے فرمایا: "وہ شخص جو اللہ کے احکام کو توڑتا ہے اور جو اللہ کے احکام کو ٹوٹتے ہوئے دیکھتا ہے مگر اسے ٹوکتا نہیں اور اس کے ساتھ رواداری برتتا ہے ان دونوں کی مثال ایسی ہے جیسے کہ کچھ لوگوں نے ایک کشتی لی اور قرعہ ڈالا۔ اس کشتی میں اوپر نیچے مختلف درجے ہیں چند آدمی اوپر کے حصے میں بیٹھے اور چند نچلے حصے میں بیٹھے۔ تو جو لوگ نچلے حصے میں بیٹھے تھے وہ پانی کے لیے اوپر والوں کے پاس سے گزرتے تاکہ دریا سے پانی بھریں تو اوپر والوں کو اس سے تکلیف ہوتی۔ آخر کار نیچے کے لوگوں نے کلہاڑی لی اور کشتی کے پیندے کو پھاڑنے لگے۔ اوپر کے لوگ ان کے پاس آئے اور کہا تم یہ کیا کرتے ہو؟ انہوں نے کہا ہمیں پانی کی ضرورت ہے اور دریا میں پانی اوپر جا کر ہی بھرا جا سکتا ہے اور تم ہمارے آنے جانے سے تکلیف محسوس کرتے ہو تو اب کشتی کے تختوں کو توڑ کر دریا سے پانی حاصل کریں گے۔ حضورؐ نے یہ مثال بیان کر کے فرمایا اگر اوپر والے نیچے والوں کا ہاتھ پکڑیں گے اور سوراخ کرنے سے روک دیں گے تو انہیں بھی ڈوبنے سے بچا لیں گے اور اپنے آپ کو بھی بچا لیں گے۔ اور اگر انہیں ان کی حرکت سے نہیں روکتے اور چشم پوشی اختیار کرتے ہیں تو انہیں بھی ڈبوئیں گے اور خود بھی ڈوبیں گے"۔ (بخاری)

معلوم ہوا کہ اپنی نجات دنیاوی کے لیے بھی دعوت و تبلیغ اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر ضروری ہے۔ اس لیے کہ معاشرے میں جب عمومی بگاڑ پیدا ہوتا ہے اور وہ بڑھتا رہتا ہے تو نیک لوگ آگے بڑھ کر اس بگاڑ کو نہ روکیں اس کے سامنے بند نہ باندھیں اور اس کے مٹانے کی کوشش نہ کریں تو ایک دن وہ فساد نیک اور صالح لوگوں کے گھروں تک پہنچ جائے گا اور سب اس کی لپیٹ میں آ جائیں گے پھر نہ تو ان کی دعائیں قبول ہوں گی اور نہ ہی اس کو روکنے پر ان کو قدرت ہو گی۔

(۶) آخرت میں ثواب اور نجات

دعوت و تبلیغ کا کام کرنے سے مومن کو آخرت میں اجر و ثواب ملے گا اور وہ نجات کا مستحق قرار پائے گا۔ اس کی دعوتی مساعی کی وجہ سے جو لوگ نیکیاں کرتے ہیں ان کی نیکیوں میں اس کا حصہ ہوتا ہے اور اس کا یہ کام صدقہ جاریہ بن جاتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کام کی عظمت بیان کرتے ہوئے فتح خیبر کے دن حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

لان یھدی اللہ بک رجلا واحدا خیر لک من ان یکون لک حمر النعم (رواہ البخاری و مسلم)

"اللہ تمہارے ذریعے سے کسی ایک آدمی کو ہدایت دے دے یہ تمہارے لیے سرخ اونٹوں سے زیادہ بہتر ہے"۔

ایک اور حدیث میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس شخص نے کسی کو ہدایت کی طرف بلایا تو اس کے لیے اتنا ہی اجر ہو گا جتنا اس بات پر عمل کرنے والے کو ملے گا۔ اس کی وجہ سے عمل کرنے والے کے اجر میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔ اور جس شخص نے گمراہی کی دعوت دی تو اس پر اتنا گناہ ہو گا جتنا عمل کرنے والے کو ہو گا اور گناہ کرنے والوں کے گناہوں میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی" (مسلم)

(۷) کار انبیاء کی ادائیگی

دعوت کا کام وہ نیکی ہے جو دعوت کے اثرات پر مسلسل داعی کو ملتی رہتی ہے۔ مرنے کے بعد بھی اس کی نیکیاں پہنچتی رہتی ہیں اور میدان حشر میں بھی پہنچیں گی۔ یہ کام انبیاء کا وہ کام ہے جس کے لیے وہ مبعوث ہوئے اور ساری عمر اس کام میں مصروف رہے' دن رات محنت کرتے رہے اور کبھی بھی اس میں وقفہ نہیں کیا۔ آپؐ نے اس کام کی مثال دیتے ہوئے فرمایا:

میری مثال اس آدمی کی طرح ہے جس نے آگ روشن کی جب اس سے ارد گرد روشن ہوا تو یہ پتنگے اور پروانے جو آگ میں گرتے ہیں اس میں گرنے شروع ہوئے۔ اس آدمی نے انہیں روکنا شروع کیا لیکن وہ زبردستی اس میں گرے جاتے ہیں۔ پس میں تم لوگوں کو تمہاری کمر سے پکڑ پکڑ کر آگ سے بچا رہا ہوں اور تم اس میں گرے جا رہے ہو"۔ (بخاری)

یہ ہے داعی اعظمؐ کا کردار۔ انسان زبردستی آگ کی طرف لپک رہے ہیں اور آپؐ بھاگ بھاگ کر انہیں پکڑ رہے ہیں۔ کتنی عمدہ تمثیل ہے دعوتی کام کی اور داعی کے عمل و کردار کی۔

دعوت میں ترجیحات کا تعین

دعوت کے کام میں دین کی بنیادی باتوں کی تبلیغ کرنا اور امربالمعروف میں دین کی اہم باتوں کو ترجیح دینا چاہیے۔ بنیادی فرائض کی دعوت دینا اور واضح محرمات و منہیات سے روکنا بنیادی اصول ہے۔ آجکل دعوت دین میں اس بات کا لحاظ کم رکھا جاتا ہے اور بعض اوقات بنیادی باتوں کو چھوڑ کر فروعی اور جزوی اور اختلافی مسائل کو اٹھایا جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے لوگوں کی توجہ دین کی اساسی باتوں سے ہٹ جاتی ہے اور وہ فروعات و اختلافات میں الجھ کر رہ جاتے ہیں۔ جیسے اس دور میں مسلمان معاشرے کے اکثر لوگ نماز ہی نہیں پڑھتے۔ دین کے اس بنیادی فریضے سے غافل ہیں۔ جب کہ ہم ان لوگوں کو جو نماز پڑھنے آتے ہیں ان کی نماز نہ ہونے کے فتوے دیتے رہتے ہیں اور بے نمازیوں کو نماز کی طرف متوجہ نہیں کرتے۔

اصلاح و تبلیغ میں حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ جو نماز پڑھ رہے ہیں اور جس مسلک اور طریقے کے مطابق پڑھ رہے ہیں

انہیں پڑھنے دینا چاہیے۔ البتہ داعی کی تمام تگ و دو اور جدوجہد بے نمازیوں کو نمازی بنانے پر ہونی چاہیے۔ اسی طرح دین کی تمام باتوں کا معاملہ ہے۔ دعوتی ترجیحات میں دین کی ترجیح کو ملحوظ رکھنا چاہیے اور درجہ بدرجہ دین کی تمام باتوں کی دعوت دینا چاہیے دین کی چند باتوں اور چند نکات پر رک نہیں جانا چاہیے۔

سامعین کرام!

دعوت دین کے سلسلے کی ایک قسم امربالمعروف اور نہی عن المنکر (نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا) ہے۔ اس قسم کا کام کرنے سے پہلے آدمی کو اس کام کا دائرہ کار اور اپنی حیثیت و ذمہ داری کا تعین کرنا ضروری ہے۔ اس لیے کہ اس کام میں کسی قدر طاقت اور حیثیت کا ہونا لازم ہے لہٰذا یہ کام چار دائروں میں ہو سکتا ہے۔

پہلا دائرہ اور حلقہ ہر مومن کا اپنا گھر ہے۔ چنانچہ ہر شخص چاہے وہ جاہل ہو یا پڑھا لکھا' غریب ہو یا امیر اور چاہے کتنی معمولی حیثیت رکھتا ہو اپنے گھر والوں اپنے بچوں اور ماتحتوں کو نیکی کا حکم ضرور دے اور حکمت کے ساتھ برائی سے روکے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا (طٰہٰ ۲۰:۱۳۲)

"اپنے اہل و عیال کو نماز کی تلقین کرو اور خود بھی اس کے پابند رہو"۔

اور ارشاد ہے:

يٰبُنَيَّ أَقِمِ الصَّلٰوةَ وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَا أَصَابَكَ إِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ﴿۱۷﴾ (لقمان ۳۱:۱۷)

بیٹا' نماز قائم کر' نیکی کا حکم دے' بدی سے منع کر' اور جو مصیبت بھی پڑے اس پر صبر کر یہ وہ باتیں ہیں جن کی بڑی تاکید کی گئی ہے۔

اور ارشاد ہے:

وَكَانَ يَأْمُرُ أَهْلَهُ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهِ مَرْضِيًّا ﴿۵۵﴾ (مریم ۱۹:۵۵)

"وہ (اسماعیل علیہ السلام) اپنے گھر والوں کو نماز اور زکواۃ کا حکم دیتا تھا اور اپنے رب کے نزدیک ایک پسندیدہ انسان تھا"۔

اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اپنے بچوں کو نماز کا حکم دو جبکہ وہ سات سال کے ہو جائیں اور ان پر اس کے لیے سختی کرو جبکہ وہ دس سال کے ہو جائیں"۔

اس دائرے میں ہر مومن پر امربالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دینا لازم ہے۔

دوسرا دائرہ وہ ہے جس میں ایک مومن کو کسی ادارے' کسی نظم' کسی تنظیم کے سربراہ کی حیثیت حاصل ہے۔ جیسے دفتر کا سربراہ' اسکول کا ہیڈماسٹر' کمپنی کا ڈائریکٹر' مدرسے کا مہتمم' برادری کا سرپنچ' مریدوں کا مرشد' محکمے کا انچارج وغیرہ۔ سو ان سربراہوں پر لازم ہے کہ اپنے ماتحتوں کو نیکی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں۔ یہ تمام اشخاص اپنے اختیارات حدود اور حیثیت کے مطابق امربالمعروف و نہی عن المنکر کی ذمہ داری سرانجام دینے کے پابند ہیں۔

تیسرا دائرہ کار اجتماعیت کا اور عمومی تحریکوں، تنظیموں اور جماعتوں کا ہے جو اللہ تعالیٰ کے ان ارشادات سے معلوم ہوتا ہے، جو خطبہ کی آغاز میں پڑھی گئیں جیسے:

کنتم خیر امۃ اخرجت للناس

ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر یکفرون بالمعروف دینھون عن المنکر و لولئک ھم المفلحون۔

مسلمانوں کی تمام جماعتوں کی ذمہ داری ہے کہ اپنے پروگرام، منشور اور لائحہ عمل میں دعوت الی الخیر یعنی اسلام کی اصولی و بنیادی باتوں کی طرح دعوت، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو ضرور شامل کریں اور وسیع پیمانے پر یہ کام کریں۔ یہ جماعتیں برائی کو مٹانے کے لیے اجتماعی دباؤ سے کام لے سکتی ہیں۔

امت مسلمہ کی بڑی ذمہ داریوں میں سے یہ ایک اہم ذمہ داری ہے جو اسے ادا کرنی ہے۔ لیکن آج امت مسلمہ اور اس کی مختلف جماعتیں اس کام سے غفلت برت رہی ہیں۔ جو جماعتیں اور تنظیمیں دعوت کے نام سے کام کر رہی ہیں وہ بھی عموماً فروعی، جزوی اور غیر اہم باتوں کی تبلیغ و دعوت میں مصروف ہیں اور اپنے مسلک اور گروہ کی طرف دعوت دے رہی ہیں۔

اس کام کی اہمیت و ضرورت کے پیش نظر علماء، فقہاء اور اجتماعی شعور رکھنے والے اہل علم کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس طرف توجہ دیں اور امت کی صحیح رہنمائی کر کے اس فریضہ کی انجام دہی میں رہنمائی کریں۔

چوتھا دائرہ حکومت کا ہے۔ اسلامی حکومت اور مسلم ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی ترجیحات میں دعوت الی الخیر، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو اولین مقام دے اور اس کام کو وسیع پیمانے پر کرے۔ ارشاد باری ہے:

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ ؕ وَلِلّٰہِ عَاقِبَۃُ الْاُمُوْرِ ﴿۴۱﴾ (الحج ۲۲:۴۱)

یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اگر ہم زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں گے، نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے منع کریں گے اور تمام معاملات کا انجام کار اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

ہر داعی و مبلغ کو اپنے دائرہ کار، ذمہ داری اور حیثیت کا تعین کر کے یہ کام سرانجام دینا چاہیے۔ عام طور پر یہ حضرات اپنے دائرہ کار کا تعین نہیں کرتے اور نہ ہی اپنی ذمہ داری کا احساس رکھتے ہیں اس لیے یہ کام صحیح طور پر نہیں ہو رہا اور نہ ہی اس کے اثرات و ثمرات ظاہر ہو رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں اس فریضے کا صحیح شعور و فہم عطا کرے اور احسن طریقے پر یہ کام کرنے کی توفیق عطا کرے اور دنیا و آخرت میں اس کے اجر و ثواب سے نوازے۔ آمین۔

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

معراج مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰٓى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَهْلِ بَيْتِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ:

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم

آیت مبارکہ: سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِيْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ① (بنی اسرائیل ۱۷:۱)

"پاک ہے وہ جو لے گیا ایک رات اپنے بندے کو مسجد حرام سے دور کی اس مسجد تک جس کے ماحول کو اس نے برکت دی ہے تاکہ اسے اپنی کچھ نشانیوں کا مشاہدہ کرائے۔ حقیقت میں وہی ہے سب کچھ سننے اور دیکھنے والا"۔

حدیث شریفہ:

و عن عبد اللہ قال لما اسری برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انتہی بہ الی سدرہ المنتہی و ھی فی السماء السادسہ الیہا ینتھی ما یعرج بہ من الارض فیقبض منہا و الیہا ینتھی ما یھبط بہ من فوقہا فیقبض منہا قال اذ یغشی السدرہ ما یغشی قال فاعطی رسول اللہ ثلثا اعطی الصلوات الخمس واعطی خواتیم سورہ البقرۃ و غفر لمن لا یشرک باللہ من امتہ شیئا (رواہ مسلم)

"حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رات کے

وقت لے جایا گیا تو آپ کے سفر کی منزل سدرۃ المنتھی پر ہوئی اور یہ چھٹے آسمان پر ہے۔ زمین سے جو باتیں اوپر لے جائی جاتی ہیں وہ اس پر پہنچتی ہیں پس ان میں سے لے لی جاتی ہیں۔ اسی طرح جو باتیں اوپر سے اتاری جاتی ہیں اس پر پہنچتی ہیں تو انہیں لے لیا جاتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تین اہم چیزیں عطا کی گئیں۔ پنجگانہ نمازیں' سورہ بقرہ کی آخری آیات اور یہ کہ آپؐ کی امت میں سے جو شرک نہ کرے اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے"۔

حضرات گرامی!

حضرت محمد مصطفیٰ' احمد مجتبیٰ' شفیع المذنبین' سید المرسلین و نبی الاولین والآخرین سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کثیرا" کثیرا" کے معجزات میں سے ایک بڑا اور عظیم معجزہ معراج ہے۔ معراج جہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عظیم الشان معجزہ ہے وہیں تاریخ انسانی کے ان بڑے واقعات میں سے ہے جنھوں نے تاریخ کا رخ موڑ دیا' زمانے کی رفتار کو بدل ڈالا اور انسانی تاریخ پر اپنا مستقل اثر چھوڑا ہے۔ معراج ایک ایسا انوکھا سفر ہے جو کسی نے نہ اس سے پہلے کبھی کیا اور نہ آئندہ کوئی کر سکے گا۔ یہ سفر صرف اور صرف سید المرسلین کے حصہ میں آیا ہے۔ شیخ سعدیؒ کہتے ہیں:

زبان تابود در دہاں جائے گیر
ثنائے محمدؐ بود دلپذیر
حبیب خدا اشرف انبیاء
کہ عرش مجیدش بود متکاء
سوار جہانگیر یک ران براق
کہ بگزشت از قصر نیلی رواق

یعنی جب تک ہم میں قوت گویائی موجود ہے ہم محمدؐ کی ثنا کرتے رہیں گے۔ جو خدا کے حبیب اور تمام پیغمبروں میں بڑے درجے والے ہیں۔ جن کا ٹھکانا عرش معلی ہے۔ وہ پوری دنیا فتح کرنے والے شہسوار ہیں بلکہ ان کی سواری تو ایسی تھی جو آسمانوں کی حدود سے بھی آگے نکل گئی۔

واجب الاحترام حضرات!

سفر معراج کی کیفیت بھی بڑی دلچسپ ہے لیکن اس کی حقیقی اہمیت وہ مقصد اور نتیجہ ہے جو معراج سے حاصل ہوتا ہے۔ اس لیے دونوں پہلوؤں کا مختصر سا بیان کیا جاتا ہے۔ پہلے معراج کے مقصد کو لیتے ہیں۔

حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قوموں کی طرف جس خدائی پیغام کو لے کر آتے ہیں' جو دعوت ان کو پیش کرتے ہیں اور جن ان دیکھی حقیقتوں کی طرف لوگوں کو بلاتے ہیں' اس کے پیش نظر ضروری ہوتا ہے کہ ان پر خود ان کا ایمان غیر متزلزل' مضبوط اور مستحکم ہو' لہٰذا ہر پیغمبر کو اللہ تعالیٰ نے ان کے منصب کی مناسبت سے ملکوت السموات والارض کے مشاہدے کرائے اور مادی حجابات اور پردے بیچ میں سے ہٹا کر ان حقیقتوں میں سے کچھ' آنکھوں سے دکھا دیں جن پر ایمان بالغیب لانے کی دعوت دینے پر وہ مامور کیے گئے تھے۔ تاکہ ان کا مقام اور مرتبہ ایک فلسفی کے مقام سے بالکل ممیز اور نمایاں ہو جائے۔ کیونکہ فلسفی جو کچھ بھی کہتا ہے قیاس و گمان اور اندازے سے کہتا ہے۔ وہ اگر اپنی حیثیت سے واقف ہو تو کبھی اپنی رائے کی صداقت پر خود بھی شہادت نہیں دے گا۔ مگر انبیاء کرام علیہم السلام جو کچھ کہتے ہیں وہ براہ راست علم اور مشاہدے کی بناء پر کہتے ہیں۔ وہ خلق

کے سامنے یہ شہادت دے سکتے ہیں کہ ہم ان باتوں کو جانتے ہیں اور یہ حقیقتیں ہماری آنکھوں نے دیکھی ہیں۔ جنت اور اس کی نعمتیں' دوزخ اور اس کی ہولناکی' فرشتے اور ان کا نظام اور اس کائنات کی وسعت ہم دیکھ چکے ہیں۔

چنانچہ تمام رسولوں کو جب اس منصب پر مقرر کیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے خود ان کو اپنی سلطنت کے اندرونی نظام کا مشاہدہ کرایا اور ان پر کائنات کے وہ اسرار و رموز ظاہر کئے جو عام انسانوں پر ظاہر نہیں کئے جاتے۔ چنانچہ ابو الانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ۝ (الانعام ۶:۷۵)

ابراہیم کو ہم اسی طرح زمین اور آسمان کا نظام سلطنت دکھاتے اور اس لیے دکھاتے تھے کہ وہ یقین کرنے والوں میں سے ہو جائے۔

اور ان کو یہ بھی دکھایا گیا کہ خدا کس طرح مردوں کو زندہ کرتا ہے۔ (البقرہ ۲:۲۶۰) حضرت موسیٰ کی معراج کوہ طور پر ہوئی جہاں پر انہیں جلوہ ربانی دکھایا گیا۔ (الاعراف ۷:۱۴۳) اور ایک خاص بندے کے ساتھ ان کو کچھ وقت گزروایا گیا تاکہ اللہ کی مشیت کے تحت دنیا کا انتظام جس طرح ہوتا ہے اس کو دیکھیں اور سمجھیں (الکہف ۱۸:۶۰ تا ۸۲) اور کوہ طور پر دس احکامات دیئے گئے اور انہیں مصر جا کر بنی اسرائیل کو آزاد کرانے اور فرعون کو دین کی دعوت دینے کا حکم ملا تھا۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی معراج وہ تھی جب انہوں نے ساری رات پہاڑی پر گزاری اور اٹھ کر پہاڑی کا وعظ فرمایا۔ حضرت یعقوبؑ کی معراج کا تذکرہ تورات میں وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔ اسی طرح دوسرے رسولوں کو بھی معراج ہوئی ہے۔ لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ سرور انبیاء اور سید اولاد آدم تھے۔ اس لیے آپ کو خطیرہ قدس اور بارگاہ لامکان میں وہاں تک رسائی ہوئی جہاں تک کسی فرزند آدم کا قدم اس سے پہلے نہیں پہنچا تھا' اور وہ کچھ مشاہدہ کرایا گیا جو اب تک دوسرے مقربان بارگاہ کی حد نظر سے باہر تھا۔

معراج محض مشاہدے اور معائنے تک محدود نہیں ہے بلکہ اسے اس سے بھی اعلیٰ و ارفع مقام حاصل ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے اقتدار اعلیٰ رکھنے والا بادشاہ اپنے مقرر کردہ حاکم کو کسی اہم موقع پر بلا کر کسی کارخاص پر مامور کرتا ہے اور کام کو سرانجام دینے کے لیے ضروری ہدایات دیتا ہے۔ حضور اکرمؐ کو بھی اسی طرح بارگاہ خداوندی میں بلایا گیا تھا۔ کیونکہ عنقریب آپؐ کو ہجرت کا حکم دیا جانے والا تھا۔ اسلام کی عظیم تحریک ایک اہم موڑ مڑنے والی تھی اور مدینہ طیبہ میں اسلامی ریاست قائم ہونے والی تھی۔ چنانچہ اس موقع کی مناسبت سے خاص ہدایات دینا مطلوب تھا۔

گرامی قدر حضرات!

اب آپ کے سامنے معراج کے واقعے کا مختصر سا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ معراج کا واقعہ آنحضورؐ کی ہجرت مدینہ سے ایک سال چند ماہ قبل ہوا' عام روایات کے مطابق یہ ۲۷ رجب کی رات کو پیش آیا۔ اس وقت حضور رسالتمآبؐ کو منصب نبوت پر سرفراز ہوئے بارہ سال گزر چکے تھے' مکہ سے جن لوگوں کو اس وقت تک مسلمان ہونا تھا وہ ہو چکے تھے۔ وہ کفار کی سختیوں اور ظلم کو جھیل کر کندن ہو چکے تھے۔ کفار مکہ حضورؐ کا اور اسلام کا راستہ روکنے کے لیے سارے جتن کر چکے تھے مگر ان مزاحمتوں اور شدائد کے باوجود توحید کی پکار عرب کے گوشے گوشے میں پہنچ چکی تھی۔ اب وہ موقعہ آ گیا تھا کہ اسلام کو زندگی کے تمام گوشوں میں نافذ کر کے اسلامی حکومت قائم کی جائے اور اسلام ایک غالب دین کی حیثیت سے قائم ہو جائے۔

قرآن پاک اور حدیث مبارکہ دونوں میں معراج کا ذکر ہے' قرآن پاک معراج کی غرض و غایت بیان کرتا ہے لنریہ من آیاتنا کہ اللہ تعالیٰ نبی کریمؐ کو اپنی نشانیاں دکھانا چاہتا تھا۔ احادیث مبارکہ سے معراج کی تفصیل معلوم ہوتی ہے۔ معراج کے واقعہ کو ۲۸ صحابہ کرام نے بیان کیا ہے۔ ان میں سے سات راوی وہ ہیں جو معراج کے وقت مسلمان تھے۔ ان حضرات نے یہ واقعہ آنحضورؐ کی زبان مبارکہ سے خود سنا' حضرت مالکؓ بن صعصعہ اور حضرت ابو ذرؓ غفاری نے یہ تصریح کی ہے کہ انہوں نے معراج کے واقعہ کو لفظ بلفظ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سنا ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص حضرت انس بن مالک کی روایت ہے کہ آپؐ بیت اللہ شریف میں نیند میں تھے کہ تین فرشتے آئے۔ ان میں ایک حضرت جبرئیل علیہ السلام تھے وہ تینوں حضورؐ کے پاس آکر رک گئے۔ جو فرشتہ آگے تھا اس نے پلٹ کر دونوں سے پوچھا کہ اس ہستی کا پیغمبروں میں کیا مقام اور رتبہ ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ ان سب سے بہتر ہیں۔ فرشتے حضورؐ کو اٹھا کر چاہ زمزم کے پاس لے آئے۔ جبرئیل امین نے آپ کے سینے کو آب زمزم سے پاک و صاف کیا اور اسے علم و حکمت' ایمان و یقین اور بردباری و دانائی سے بھر دیا۔

اس کے بعد سواری کے لیے حضورؐ کو ایک جانور پیش کیا گیا۔ حضورؐ فرماتے ہیں میرے پاس براق لایا گیا۔ جس کا رنگ سفید تھا۔ یہ قد میں گدھے سے ذرا اونچا اور خچر سے ذرا کم تھا' میں اس پر جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ سوار ہو کر چلا تو اس کا ایک ایک قدم حد نگاہ تک پڑتا تھا۔ بیت المقدس پہنچ کر براق کا سفر ختم ہوا' آپؐ مسجد اقصیٰ کے پاس اس سے اترے۔ یہ قدیم عالی شان عبادت گاہ حضرت سلیمانؑ نے بنوائی تھی اور اسے ہیکل سلیمانی کہتے تھے۔ حضورؐ نے آسمانوں کی طرف سفر شروع کرنے سے پہلے یہاں پر دو رکعت نماز پڑھی۔ اس نماز میں تمام پیغمبر آپؐ کے مقتدی تھے۔ پھر آپ کے سامنے تین پیالے پیش کیے گئے۔ ایک میں پانی تھا دوسرے میں دودھ اور تیسرے میں شراب۔ آپ نے دودھ کا پیالہ لیا۔ حضرت جبرئیل نے مبارک باد دی کہ آپ فطرت کی راہ پا گئے۔

اس سفر کے دوران میں ایک جگہ کسی پکارنے والے نے پکارا۔ ادھر آؤ! آپؐ نے توجہ نہیں کی۔ جبرئیلؑ نے کہا یہ یہودیت کی طرف بلا رہا تھا۔ دوسری طرف سے آواز آئی۔ ادھر آؤ! آپ اس کی طرف بھی متوجہ نہیں ہوئے۔ جبرئیل نے کہا یہ عیسائیت کا داعی تھا۔ پھر ایک عورت نہایت بنی سنوری نظر آئی اور اس نے اپنی طرف بلایا۔ آپؐ نے اس سے بھی نظر پھیرلی۔ جبرئیل نے کہا یہ دنیا تھی۔ پھر ایک بوڑھی عورت سامنے آئی جبرئیل نے کہا دنیا کی باقی ماندہ عمر کا اندازہ اس عورت کی باقی ماندہ عمر سے کیجیے۔ پھر ایک اور شخص ملا۔ جس نے آپ کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہا۔ مگر آپ اسے بھی چھوڑ کر آگے بڑھ گئے۔ جبرئیل نے کہا یہ شیطان تھا جو آپ کو راستے سے ہٹانا چاہتا تھا۔

حضرات محترم!

یہ قوتیں آج بھی دنیا میں سرگرم عمل ہیں اور مسلمانوں کو ان کے صحیح راستے سے ہٹانے کی کوشش کر رہی ہیں اور مختلف انداز و اطوار' دجل و فریب اور حیلوں بہانوں سے اس مقصد کے لیے کوشاں ہیں۔ لہٰذا حضور اکرمؐ کے امتیوں کو بھی وہی طریقہ اختیار کرنا چاہیے جو آپؐ نے اختیار کیا تھا۔ یعنی ان کی طرف کوئی توجہ نہیں کرنی چاہیے۔ شریعت پر مضبوطی سے قائم رہنا چاہیے۔ اور اپنے مقصد یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی اور اس کے قرب کے حصول کی کوشش کرنی چاہیے۔

اس کے بعد آپؐ کے سامنے ایک سیڑھی پیش کی گئی۔ عربی میں سیڑھی کو معراج کہتے ہیں۔ اس کی مناسبت سے اس پورے واقعے کو معراج سے موسوم کیا جاتا ہے۔ جبرئیل آپؐ کو فلک الافلاک کی طرف لے چلے جہاں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ

وسلم کا پہلے آسمان پر پرتپاک خیر مقدم کیا گیا۔ یہاں آپؐ کا تعارف فرشتوں اور انسانی ارواح کی ان بڑی شخصیتوں سے ہوا جو اس مرحلہ پر مقیم تھیں۔ ان میں نمایاں شخصیت ایک ایسے بزرگ کی تھی جو انسانی بناوٹ کا مکمل نمونہ تھے۔ چہرے مہرے اور جسم کی ساخت میں کسی پہلو سے کوئی نقص نہ تھا۔ جبرئیلؑ نے بتایا یہ آدم ہیں' آپؐ کے مورث اعلیٰ۔ ان بزرگ کے دائیں بائیں بہت لوگ تھے۔ وہ دائیں جانب دیکھتے تو خوش ہوتے' بائیں جانب دیکھتے تو روتے۔ پوچھا یہ کیا ماجرا ہے؟ بتایا گیا یہ نسل آدم ہے۔ آدمؑ اپنی اولاد کے نیک لوگوں کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں' برے لوگوں کو دیکھ کر روتے ہیں۔

پھر یہاں پر آپ کو بہت سی حقیقتوں کا تمثیل کے انداز میں تفصیلی مشاہدہ کرایا گیا۔ ایک جگہ آپؐ نے دیکھا کچھ لوگ کھیتی کاٹ رہے ہیں اور جتنی کاٹتے جاتے ہیں اتنی ہی بڑھ جاتی ہے۔ پوچھا یہ کون ہیں؟ کہا گیا یہ خدا کی راہ میں جہاد کرنے والے مجاہد ہیں جن کی نیکیاں مسلسل بڑھتی رہتی ہیں۔

پھر دیکھا کچھ لوگ ہیں جن کے سر پتھروں سے کچلے جا رہے ہیں۔ پوچھا یہ کون ہیں؟ کہا گیا یہ وہ لوگ ہیں جو نماز کے لیے اٹھنے میں سستی کرتے تھے۔

کچھ اور لوگ دیکھے جن کے کپڑوں میں آگے پیچھے پیوند لگے ہوئے تھے اور وہ جانوروں کی طرح گھاس چر رہے تھے۔ پوچھا یہ کون ہیں؟ کہا گیا یہ وہ ہیں جو اپنے مال میں سے زکوٰۃ خیرات کچھ نہ دیتے تھے۔

پھر ایک آدمی کو دیکھا کہ لکڑیوں کا گٹھا جمع کر کے اٹھانے کی کوشش کرتا ہے۔ اور جب وہ نہیں اٹھتا تو اس میں کچھ اور لکڑیاں بڑھا لیتا ہے۔ پوچھا یہ کون احمق ہے؟ کہا گیا یہ وہ شخص ہے جس پر امانتوں اور ذمہ داریوں کا اتنا بوجھ تھا کہ اٹھا نہ سکتا تھا' مگر یہ ان کو کم کرنے کے بجائے اور زیادہ ذمہ داریوں کا بار اپنے اوپر لادے چلا جاتا تھا۔

پھر دیکھا کہ کچھ لوگوں کی زبانیں اور ہونٹ قینچیوں سے کترے جا رہے ہیں۔ پوچھا یہ کون ہیں؟ کہا گیا یہ غیر ذمہ دار مقرر ہیں جو بے تکلف زبان چلاتے اور فتنہ برپا کرتے تھے۔

ایک اور جگہ دیکھی۔ ایک پتھر میں ذرا سا شگاف ہوا اور اس سے ایک بڑا موٹا سا بیل نکل آیا۔ پھر وہ بیل اسی شگاف میں واپس جانے کی کوشش کرنے لگا' مگر نہ جا سکا۔ پوچھا یہ کیا معاملہ ہے؟ کہا گیا یہ اس شخص کی مثال ہے جو غیر ذمہ داری کے ساتھ ایک فتنہ انگیز بات کر جاتا ہے پھر نادم ہو کر اس کی تلافی کرنا چاہتا ہے مگر نہیں کر سکتا۔

ایک اور مقام پر کچھ لوگ تھے جو اپنا گوشت کاٹ کاٹ کر کھا رہے تھے۔ پوچھا یہ کون ہیں؟ کہا گیا یہ دوسروں پر زبان طعن دراز کرتے تھے۔

انہی کے قریب کچھ اور لوگ تھے جن کے ناخن تانبے کے تھے اور اپنے منہ اور سینے نوچ رہے تھے۔ پوچھا یہ کون ہیں؟ کہا گیا یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کے پیٹھ پیچھے ان کی برائیاں کرتے اور ان کی عزت پر حملے کیا کرتے تھے۔

کچھ اور لوگ دیکھے جن کے ہونٹ اونٹوں کے مشابہ تھے اور وہ آگ کھا رہے تھے۔ پوچھا یہ کون ہیں؟ کہا گیا یہ یتیموں کا مال ہضم کرتے تھے۔

پھر دیکھا کچھ لوگ ہیں جن کے پیٹ بے انتہا بڑے اور سانپوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ آنے جانے والے ان کو روندتے ہوئے گزرتے ہیں' مگر وہ اپنی جگہ سے ہل نہیں سکتے۔ پوچھا یہ کون ہیں؟ کہا گیا یہ سود خور ہیں۔

پھر کچھ اور لوگ نظر آئے جن کے ایک جانب نفیس چکنا گوشت رکھا تھا اور دوسری جانب سڑا ہوا گوشت جس سے سخت بدبو آ رہی تھی۔ وہ اچھا گوشت چھوڑ کر سڑا ہوا گوشت کھا رہے تھے۔ پوچھا یہ کون ہیں؟ کہا گیا یہ وہ مرد اور عورتیں ہیں جنہوں

نے حلال بیویوں اور شوہروں کے ہوتے ہوئے حرام سے اپنی خواہش نفس پوری کی۔

پھر دیکھا کچھ عورتیں اپنی چھاتیوں کے بل لٹک رہی ہیں۔ پوچھا یہ کون ہیں؟ کہا گیا یہ وہ عورتیں ہیں جنہوں نے اپنے شوہروں کے سر ایسے بچے منڈھ دیئے جو ان کے نہ تھے۔

انہی مشاہدات کے سلسلے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات ایک ایسے فرشتے سے ہوئی جو نہایت ترش روئی سے ملا۔ آپؐ نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا' اب تک جتنے فرشتے ملے تھے سب خندہ پیشانی اور بشاش چہروں کے ساتھ ملے۔ ان حضرت کی خشک مزاجی کا کیا سبب ہے؟ جبریل نے کہا اس کے پاس ہنسی کا کیا کام' یہ تو دوزخ کا داروغہ ہے۔ یہ سن کر آپؐ نے دوزخ دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ یکایک آپ کی نظر کے سامنے سے پردہ اٹھا دیا گیا اور دوزخ اپنی تمام ہولناکیوں کے ساتھ نمودار ہو گئی۔

اس مرحلے سے گزر کر آپ دوسرے آسمانوں پر یکے بعد دیگرے تشریف لے گئے اور آپ کی ملاقات حضرت عیسیٰ' حضرت یحیٰ' حضرت یوسف' حضرت ادریس' حضرت ہارون' حضرت موسیٰ علیہم السلام سے ہوئی۔ ساتویں آسمان پر پہنچے تو ایک عظیم الشان محل (بیت المعمور) دیکھا۔ بے شمار فرشتے آتے اور جاتے تھے۔ اس کے پاس آپؐ کی ملاقات ایک ایسے بزرگ سے ہوئی جو خود آپؐ سے بہت مشابہ تھے۔ تعارف پر معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔

پھر مزید ارتفاع شروع ہوا یہاں تک آپ سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچ گئے جو پیش گاہ رب العزت اور عالم خلق کے درمیان حد فاصل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس پر تمام مخلوقات کا علم ختم ہو جاتا ہے۔ اس کے ماوراء جو کچھ ہے وہ غیب ہے جس کا علم نہ کسی نبی کو ہے اور نہ کسی مقرب فرشتے کو' سوائے اس کے جسے اللہ تعالیٰ اس میں سے کوئی علم دے دے۔ نیچے سے جو کچھ جاتا ہے وہ یہاں لے لیا جاتا ہے' اور اوپر سے جو کچھ آتا ہے اسے یہاں وصول کر لیا جاتا ہے۔ اسی مقام کے قریب آپ کو جنت کا مشاہدہ کرایا گیا اور آپؐ نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے صالح بندوں کے لیے وہ کچھ مہیا کر رکھا ہے جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی ذہن میں اس کا تصور تک گزر سکا۔ سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچے تو جبریل آگے چلنے سے رک گئے۔ شیخ سعدی نے اس حالت کو شعر کی زبان میں اس طرح بیان کیا ہے:

اگر یک سر موئے برتر پرم
فروغ تجلی بسوزد پرم

اگر میں ایک بال کے برابر مزید پرواز کروں تو تجلی کی تپش میرے پروں کو جلا دے گی۔

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکیلے آگے بڑھے۔ ایک بلند ہموار سطح پر پہنچے تو بارگاہ جلال کی تجلی سامنے موجود تھی۔ ہم کلامی کا شرف بخشا گیا۔ جو باتیں ارشاد ہوئیں ان میں سے چند یہ ہیں اور یہی وہ معراج کا تحفہ ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بارگاہ ایزدی سے امت کے لیے لے کر تشریف لائے۔

(۱) ہر روز پانچ نمازیں جو پچاس نمازوں کے برابر ہیں' عطا کی گئیں۔

(۲) سورہ بقرہ کی آخری دو آیتیں تعلیم فرمائی گئیں۔

(۳) شرک کے سوا دوسرے سب گناہوں کی بخشش کا امکان ظاہر کیا گیا۔

(۴) ارشاد ہوا جو شخص نیکی کا ارادہ کرتا ہے اس کے حق میں ایک نیکی لکھی جاتی ہے اور جب وہ اس پر عمل کرتا ہے تو دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ مگر جو برائی کا ارادہ کرتا ہے اس کے خلاف کچھ نہیں لکھا جاتا اور وہ جب اس پر عمل کرتا ہے تو ایک ہی برائی لکھی جاتی ہے۔

(۵) مسلمانوں کی انفرادی و اجتماعی زندگی کے لیے وہ بنیادی اصول و قوانین دیئے گئے جو سورۃ بنی اسرائیل کی آیات نمبر ۲۳ سے ۴۰ تک مذکور ہیں۔ ان کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) عبادت صرف اللہ واحد ہی کی کرنا۔ (۲) والدین کے ساتھ حسن سلوک اور ان کی خدمت کرنا۔

(۳) رشتہ داروں مسکینوں اور مسافروں کے حقوق کی ادائیگی کرنا۔ (۴) فضول خرچی نہ کرنا۔

(۵) حاجت مند رشتہ داروں' مسکینوں اور مسافروں کی امداد نہ کر سکنے کی صورت میں بھی نرم رویہ اختیار کرنا۔

(۶) اخراجات میں اعتدال و میانہ روی اختیار کرنا۔

(۷) افلاس کے ڈر سے اولاد کو قتل نہ کرنا۔ (۸) معاشرے کو زنا سے پاک رکھنا۔

(۹) قتل و خوں ریزی سے معاشرے کو بچانا۔ (۱۰) یتیم کے مال کی حفاظت کرنا۔

(۱۱) تمام عہد' وعدوں کی پابندی کرنا۔ (۱۲) ناپ تول پورا کرنا۔

(۱۳) کسی ایسی بات اور چیز کے پیچھے نہ لگنا جس کا صحیح علم نہ ہو (۱۴) زمین میں تکبر و غرور سے نہ چلنا۔

معراج کا یہ پیغام اور تحائف لے کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم واپس زمین پر تشریف لائے اور بیت المقدس سے ہوتے ہوئے براق کے ذریعے سے مکہ مکرمہ پہنچے۔

حضورؐ کی چچا زاد بہن ام ہانیؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے ان سے فرمایا "اے ام ہانی! میں نے تم لوگوں کے ساتھ ہی عشاء کی نماز ادا کی اور اب صبح کی نماز میں بھی تمہارے ساتھ یہیں ہوں' اس دوران میں اللہ تعالیٰ نے مجھے بیت المقدس پہنچایا اور میں نے وہاں نماز بھی پڑھی۔ حضرت ام ہانی نے آپؐ کی چادر پکڑ لی اور کہا خدا کے لیے یہ قصہ لوگوں کو نہ سنایئے گا ورنہ انہیں ایک اور شوشہ ہاتھ آ جائے گا اور وہ آپؐ کو نشانہ تضحیک بنائیں گے۔ لیکن آپؐ یہ فرماتے ہوئے باہر تشریف لائے کہ میں اسے ضرور بیان کروں گا۔ مکہ مکرمہ میں ابو جہل نے بہت سے لوگوں کو جمع کر لیا اور مذاق اڑانا شروع کر دیا۔ مشرکوں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے گھر کا رخ کیا اور ان سے کہا لو اپنے پیغمبرؐ کی بات سنو' حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ساری بات سنی اور کہا "اگر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات فرمائی ہے تو ضرور سچ ہے۔ ہم تو اس سے بھی بڑی بات میں ان کو سچا مانتے ہیں کہ انہیں آسمان سے خبریں پہنچتی ہیں"۔

حضرات گرامی!

معراج جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و رفعت و علو مرتبت اور بارگاہ الٰہی میں تقرب و توسل کی علامت ہے اسی طرح آپ کی امت کے لیے بھی فخر و عزت اور سعادت کی باعث ہے۔ بلکہ یہ کہا جائے کہ یہ پوری انسانیت کی معراج ہے تو بے جا نہ ہو گا۔ آپؐ معراج کا جو پیغام لے کر آئے اسے اگر اپنایا جائے اور اس پر پوری طرح عمل کیا جائے تو انسان دنیا و آخرت کی سعادت و خوش بختی سے ہمکنار ہو سکتا ہے۔

اب امت مسلمہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ معراج کا عظیم تحفہ یعنی پنج وقتہ نماز کی بھی پابند ہو اور سورہ بنی اسرائیل کے ان چودہ احکام پر بھی کاربند رہے اور پھر بھولی بھٹکی' اندھیروں میں ڈوبی ہوئی اور شرک کے گڑھوں میں پڑی ہوئی انسانیت کو بھی یہ پیغام پہنچائے اور انہیں اسلام کے روشن اور امن والے دین میں لائے تاکہ دنیا امن و سلامتی کا گہوارہ بن جائے اور آخرت میں کامیابیوں سے سرفراز ہو۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو معراج کے پیغام کو اپنانے اور دوسروں تک پہنچانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

و آخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

اسلام میں خاندانی نظام کی اہمیت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰٓی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَھْلِ بَیْتِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ:

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آیات مبارکہ

وَقَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاہُ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَکَ الْکِبَرَ اَحَدُھُمَآ اَوْ کِلٰھُمَا فَلَا تَقُلْ لَّھُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْھَرْھُمَا وَقُلْ لَّھُمَا قَوْلًا کَرِیْمًا ﴿۲۳﴾ وَاخْفِضْ لَھُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَۃِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْھُمَا کَمَا رَبَّیٰنِیْ صَغِیْرًا ﴿۲۴﴾ (الاسراء: ۲۳، ۲۴)

تیرے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم لوگ کسی کی عبادت نہ کرو' مگر صرف اس کی۔ والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو' اگر تمہارے پاس ان میں سے کوئی ایک یا دونوں بوڑھے ہو کر رہیں تو انہیں اف تک نہ کہو نہ انہیں جھڑک کر جواب دو' بلکہ ان سے احترام کے ساتھ بات کرو' اور نرمی اور رحم کے ساتھ ان کے سامنے جھک کر رہو اور دعا کیا کرو کہ "پروردگار' ان پر رحم فرما جس طرح انہوں نے رحمت و شفقت کے ساتھ مجھے بچپن میں پالا تھا۔ تمہارا رب خوب جانتا ہے کہ تمہارے دلوں میں کیا ہے۔ اگر تم صالح بن کر رہو تو وہ ایسے سب لوگوں کے لیے درگزر کرنے والا ہے جو اپنے قصور پر متنبہ ہو کر بندگی کی طرف پلٹ آئیں۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَارًا وَّقُوْدُھَا النَّاسُ وَالْحِجَارَۃُ (التحریم ۶:۶۶)

اے ایمان والو! بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو اس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر

ہوں گے۔

وَلَا تَقْتُلُوٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ۖ الانعام ۶: ۱۵۲

اور اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو'

احادیث شریفہ:

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دینار انفقتہ فی سبیل اللہ و دینار انفقتہ فی رقبۃ و دینار تصدقت بہ علی مسکین و دینار انفقتہ علی اھلک اعظمھا اجرا الذی انفقتہ علی اھلک (رواہ مسلم)

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تمہارے لیے ایک دینار وہ ہے جو تم نے اللہ کی راہ (جہاد) میں خرچ کیا۔ ایک دینار وہ ہے جو تم نے کسی گردن کے آزاد کرانے میں خرچ کیا۔ ایک دینار وہ ہے جو تم نے کسی مسکین پر خرچ کیا اور ایک دینار وہ ہے جو اپنے گھر والوں پر خرچ کیا۔ تو ان سب میں اجر میں زیادہ وہ ہے جو تم نے اپنے اہل و عیال پر خرچ کیا ہے"۔

عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ قال سألت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ای العمل احب الی اللہ تعالی؟ قال الصلوۃ علی وقتھا قلت ثم ای؟ قال برالوالدین قلت ثم ای؟ قال الجھاد فی سبیل اللہ (متفق علیہ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کو کونسا عمل زیادہ پسند ہے؟ آپؐ نے فرمایا وقت پر نماز ادا کرنا۔ میں نے عرض کیا اس کے بعد کونسا ہے؟ آپؐ نے فرمایا ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنا۔ پھر میں نے عرض کیا اس کے بعد کونسا ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا: اللہ کی راہ میں جہاد کرنا"۔

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکمل المومنین ایمانا احسنھم خلقا و خیارکم خیارکم لنسائھم (رواہ الترمذی)

حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مومنوں میں سب سے کامل ایمان والا وہ ہے جو ان سب میں اخلاق میں اچھا ہے اور ان میں سب سے اچھا وہ ہے جو اپنی عورتوں سے اچھا برتاؤ کرنے والا ہے"۔

حضرات محترم!

اسلام نے صالح معاشرہ قائم کرنے کے لیے جو بندوبست کیے ہیں ان میں سب سے پہلے اس نے فرد کی تعلیم و تربیت اور اصلاح کی طرف توجہ دی ہے۔ چنانچہ ان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں قدم قدم پر رہنمائی کی ہے۔ انسان کو حقوق اللہ، حقوق العباد اور حقوق النفس کے تفصیلی احکام دے کر اسے کامل انسان اور معاشرے کا بہترین فرد بنایا۔ اور بہترین افراد پر مبنی اسلامی

معاشرہ ترتیب دیا۔ اس معاشرے میں تمام افراد کے باہمی حقوق و فرائض کا تعین کیا۔ یہ حقوق و فرائض صرف اصولی اور اجمالی طور پر ہی نہیں بتائے بلکہ ان کی تفصیلی جزئیات بھی بتا دیں۔

اس معاشرے کا پہلا یونٹ ایک مرد اور ایک عورت کے رشتہ نکاح میں منسلک ہونے سے وجود میں آتا ہے جسے گھرانے کا نام دیا گیا ہے۔ لیکن یہ میاں بیوی صرف دو ہی نہیں ہوتے بلکہ اوپر کی سمت میں دونوں کے والدین ہوتے ہیں اور افقی سمت میں دونوں کے بہن بھائی ہوتے ہیں۔ پھر شادی کے نتیجے میں جو نیا گھر وجود میں آتا ہے تو میاں بیوی کے ہاں اولاد بھی ہوتی ہے۔ اس طرح نیچے رشتوں کی چوتھی سمت وجود میں آتی ہے ان چاروں سمتوں میں رشتوں کا توازن ہی اسلام کے سماجی اور خاندانی نظام کی پہچان ہے۔ اگر ان رشتوں کے درمیان عدم توازن ہو جائے تو یہ نظام قائم نہیں رہتا اور تتر بتر ہو جاتا ہے۔ ابھی جو دو آیات آپ کے سامنے سورہ اسراء اور سورہ تحریم سے تلاوت کی گئیں اور ان کا ترجمہ پیش کیا گیا ان میں اس نظام کی عظمت اور اہمیت بیان کی گئی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام نے جو خاندانی معاشرتی نظام دیا ہے وہ نہایت ہی عادلانہ' مشفقانہ' جامع اور کامل ترین ہے۔ اس نے خاندان کے تمام افراد کے حقوق و فرائض اور آداب بڑی وضاحت سے بیان کیے ہیں۔ اس نے ہر فرد کو عزت و احترام کا مقام دیا ہے۔ اسے معاشرتی' معاشی اور قانونی حقوق دیئے گئے ہیں۔ ان کا لحاظ رکھا جائے اور یہ ادا کیے جائیں تو ایک مسلم گھرانہ امن و سکون اور باہمی تعاون و اعتماد کا نمونہ بن جاتا ہے۔ پھر ایسے گھرانے مل کر ایک معاشرہ تشکیل دیتے ہیں جو مثالی اسلامی معاشرہ ہوتا ہے۔ اس کے مقابلے میں دوسرے معاشرے بہت ناقص اور کمتر دکھائی دیتے ہیں۔ اس وقت مغرب کے معاشرتی نظام کو ایک غالب نظام سمجھا جاتا ہے جو کہ اپنے اثرات دوسرے معاشروں پر بھی ڈال رہا ہے اس کے مطابق مرد اور عورت کے درمیان میاں بیوی کا جو تعلق ایک دفعہ قائم ہو جاتا ہے انسان بس اسی کا ہو کر رہ جاتا ہے۔ والدین سے تعلق بالکل ختم ہو جاتا ہے۔ اولاد اٹھارہ سال کی عمر تک اپنے والدین سے وابستہ رہتی ہے اس کے بعد وہ بھی آزاد شمار ہوتی ہے یہاں تک کہ اس کے بعد اگر بچہ والدین کے پاس رہنا چاہے تو مہمان کی حیثیت سے رہتا ہے۔ میاں بیوی کی جائیداد اور اثاثہ جات علیحدگی کی صورت میں نصف نصف تقسیم ہو جاتے ہیں۔ اور کسی ایک کے فوت ہونے کی صورت میں دوسرا بلا شرکت غیرے اس کا مالک بن جاتا ہے۔ اس کے برعکس اسلام میں ہر رشتے کا ایک مقام مقرر کیا گیا ہے اور اس کے حقوق بھی واضح کر دیئے گئے ہیں اور اس پر عائد ہونے والے فرائض بھی۔ لہٰذا ہر رشتہ دار کے درمیان حقوق و فرائض کا تبادلہ ہوتا رہتا ہے۔

والدین کے حقوق

والدین اپنے بچے کی جو پرورش اور نگہداشت کرتے ہیں اس کی بنیاد پر قرآن مجید میں ان کا یہ حق تسلیم کیا گیا ہے کہ اگر زندگی کے کسی درجے پر وہ تمہارے سامنے اس حال میں آئیں جیسے تم ان کے سامنے تھے کہ نہ چل سکتے تھے' نہ بیٹھ سکتے تھے' نہ کھا سکتے تھے' نہ پی سکتے تھے۔ حتیٰ کہ اپنی صفائی اور طہارت سے بھی قاصر تھے۔ تو اب تم پر از روئے قرض یہ لازم ہے کہ ان کی تمام پہلوؤں سے نگہداشت کرو گویا ان کے لیے معاشی جدوجہد سے لے کر رفع حاجت اور طہارت تک میں ان کے کام آؤ' جیسے انہوں نے "بالخصوص" تمہاری والدہ نے تمہارے لیے کیا تھا۔ ازروئے قرآن یہ والدین کے ساتھ کوئی رعایت و احسان نہیں بلکہ ان کا حق ہے۔ اپنے دونوں بازوؤں کو ان کے لیے جھکائے رکھنا مثال ہے مرغی کی مانند ان کو اپنے پروں میں پناہ دینے سے اور اس کا حکم سورہ بنی اسرائیل کی بیان کردہ آیات میں دیا گیا ہے۔

اگرچہ یہ ذمہ داری بالعموم اولاد کی ہے' لیکن زیادہ غور سے دیکھا جائے تو یہ اصلاً" بیٹے کی ذمہ داری ہے' کیونکہ بیٹی تو والدین کے گھر سے رخصت ہو جاتی ہے اور کسی اور مرد کا گھر آباد کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اپنی والدہ اور والد کے ترکے میں سے بھی اس کا حصہ اپنے بھائی کے مقابلے میں نصف ہے۔ لہٰذا ان کی خدمت کی ذمہ داری بھی اسی نسبت سے کم ہو جائے گی۔ رہی بہو تو وہ نہ تو اپنی ساس اور سسر کی وراثت میں حصہ دار ہے اور نہ اس پر ان کی نگہداشت کی کوئی ذمہ داری ہے۔ لیکن عورت اپنے شوہر کا ہاتھ بٹاتے ہوئے اس کو معاشی دوڑ دھوپ کے لیے فارغ کر دے اور اس کی طرف سے گھر میں موجود اس کے والدین کی نگہداشت کرے تو یہ اس عورت کا اپنے شوہر پر ایک بہت بڑا احسان ہے کہ اس طرح وہ اپنے والدین کے حقوق ادا کر سکے گا۔ حقیقت میں معاملہ یہ ہے کہ ایک گھر کی بیٹی کسی دوسرے گھر میں اور اس گھر کی بیٹی کسی تیسرے گھر میں جاتی ہے تو اگر ہر عورت یہ محسوس کرے کہ میرے بھائی کی بیوی میرے والدین کی خدمت کرے اور میں اپنے شوہر کے والدین کی خدمت کروں' اگرچہ یہ میری براہ راست ذمہ داری نہیں ہے۔ میں یہ کام اپنے شوہر کو اللہ کے عذاب میں مبتلا ہونے سے بچانے کی خاطر کر رہی ہوں تو اس سے عورت بھی مطمئن رہے گی اور شوہر بھی اس کا ممنون احسان ہو گا اور اس کی بنیاد پر وہ اس کو اپنی خدمت سے کچھ رعایت بھی دے دے گا۔ گھر میں بچوں کی دیکھ بھال میں اور کبھی بیوی کا ہاتھ بٹانے کی غرض سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق گھر میں جھاڑو لگانے اور چولہے میں آگ جلانے پر بھی اس کی طبیعت آمادہ ہو گی اور خوش دلی سے اس کے شانہ بشانہ کام کرے گا۔

اولاد کے حقوق

اس کے بعد اہل و عیال کے حقوق کا معاملہ آتا ہے یعنی انسان پر از روئے دین اپنے بچوں کے کیا حقوق ہیں۔ اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ ایک باپ کی اپنی اولاد کے سلسلے میں اصلی ذمہ داری تو انہیں جہنم کی آگ سے بچانا ہے۔ اسی لیے ابتداء میں سورہ التحریم کی آیت نمبر۶ پیش کی گئی تھی کہ "اے ایمان والو بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو اس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے"۔ باقی ذمہ داریاں جو معلوم و معروف ہیں یعنی ان کے لیے غذا' لباس' رہائش اور حفاظت کا انتظام بھی اس کی ذمہ داری ہے۔ لیکن یہ خیال رہے کہ ان تمام کے لیے ایک عنوان ہے معیشت اور رزق کے وسائل کی فراہمی۔ اور رازق بلاشبہ اللہ ہی ہے' انسان کی تمام تر محنت اور دوڑ دھوپ کے بعد بھی انسان کو اتنا ہی ملے گا جتنا اللہ ان کے لیے طے کر دے۔ رہی تعلیم و تربیت تو اس میں بھی تربیت اولاد تو والد پر فرض ہے' تعلیم کا نمبر اس کے بعد آتا ہے۔ تربیت کا مقصد ہے کہ اولاد کو انسان بنایا جائے۔ انسان بنانے کے لیے جیسی اور جتنی تعلیم کی ضرورت ہے' اپنے وسائل میں رہتے ہوئے اولاد کو اس قدر تعلیم دلانا بھی فرض ہے۔ اس سے آگے بڑھ کر ان کو اللہ کی معرفت دلانا اور آخرت میں کامیاب ہونے کے لیے ضروری تعلیم دلانا بھی فرض ہے۔

شریعت کی رو سے اولاد کے یہ حق ہیں۔ (۱) ان کی زندگی کی حفاظت کرنا (۲) پرورش کرنا (۳) تعلیم و تربیت دینا (۴) محبت و شفقت کرنا (۵) مساوات برتنا (۶) عقیقہ اور ختنہ کرنا (۷) اولاد کی شادی کرانا (۸) میراث کا حقدار قرار دینا (۹) ان کے لیے دعا کرنا۔

شوہر اور بیوی۔ حقوق و فرائض

اس کے بعد تیسرا اہم ترین رشتہ شوہر اور بیوی کا ہے۔ شوہر اور بیوی کے درمیان حقوق و فرائض کا معاملہ' اس وقت کا سب سے حساس معاملہ ہے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلی بات یہ سمجھ لیجیے کہ اسلام کی رو سے خاندان ایک ادارہ ہے اور کسی بھی ادارے کی سب سے اہم چیز اس کا نظم و ضبط ہوتا ہے۔ کسی ادارے میں کام کرنے والے مختلف افراد انسان ہوتے ہیں' ورکر بھی انسان ہوتا ہے' اور ڈائریکٹر بھی۔ اسی طرح نائب قاصد بھی انسان ہوتا ہے اور افسر بھی۔ لیکن انسان ہونے کے اعتبار سے دونوں برابر ہونے کے باوجود اس ادارے کے نظم کا تقاضا پورا کرتے ہوئے چھوٹا منصب رکھنے والا بڑا منصب رکھنے والے کا حکم مانتا ہے اور جب تک یہ کیفیت برقرار رہتی ہے اس ادارے کا نظام صحیح چلتا ہے۔ مزید یہ کہ ہر ادارے کا ایک سربراہ ہوتا ہے اور باقی سب اس کے ماتحت۔ اس طرح گھر کے ادارے کا بھی ایک سربراہ ہے اور وہ مرد ہے' اس کے تمام ماتحت بیوی بچے' انسان ہی ہوتے ہیں لیکن ان کو اس ادارے کے سربراہ کی اطاعت کرنا پڑتی ہے اور دوسرے اداروں کی طرح نہ تو گھر کے ادارے کا سربراہ بالا دست ہوتا ہے اور نہ اس کے ماتحت زیردست ہوتے ہیں' بلکہ سب شرف انسانیت میں مساوی ہوتے ہیں' ایک دوسرے کے معاون و مددگار ہوتے ہیں' ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہوتے ہیں۔

افسوسناک بات یہ ہے کہ ہم ماچس' جوتوں اور کمپیوٹر بنانے والے اداروں میں تو سربراہ کے مقام اور اس کی اہمیت کو اچھی طرح سمجھتے ہیں' لیکن انسانوں کی تخلیق کے ادارے کو سربراہ کے بغیر چلانا چاہتے ہیں۔ اسکول میں ہیڈ ماسٹر' کالج میں پرنسپل' فرم اور فیکٹری اور مل میں مینجنگ ڈائریکٹر اور جنرل منیجر کی ضرورت اس ادارے کے نظام کو ہنگامے اور بے یقینی سے بچانے کے لیے ہوتی ہے کہ کوئی ایک شخص ذمہ دار ہو جو ہر طرف سے معلومات حاصل کر کے بالآخر فیصلہ کرے۔ بالکل یہی ضرورت ایک گھر کے اندر ہے اللہ نے الرجال قوامون علی النساء (مرد عورتوں پر ذمہ دار ہیں) کا حکم نازل فرما کر گھر کا ذمہ دار مرد کو مقرر کر دیا ہے' لہٰذا گھر کے معاملات میں آخری فیصلہ مرد کا ہو گا۔ عورت ایک انسان ہے وہ بھی اپنی رائے دے گی' بچے بھی انسان ہیں ان کی خواہش بھی سامنے آئے گی' لیکن آخری فیصلہ عورت نہیں مرد' اور بچے نہیں باپ یعنی گھر کا سربراہ کرے گا۔ البتہ جیسے ایک اچھا افسر ایک اچھا منیجر اور ایک اچھا ہیڈ ماسٹر اور پرنسپل اپنے رفقاء کار کو ساتھ لے کر چلتا ہے' گھر کے سربراہ کو بھی اپنے اہل خانہ کے اندر روزمرہ کے معاملات میں شمولیت کا احساس پیدا کرنا ہو گا۔ مختلف کاموں میں ان کی حوصلہ افزائی کرنا ہو گی اور ان کے اندر یہ احساس پیدا کرنا ہو گا کہ وہ اس گھر میں کسی غلام کی حیثیت سے نہیں رہ رہے۔ بلکہ یہاں ان کا بھی باعزت مقام ہے' ان کی بات بھی سنی جاتی ہے اور اس کو ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ جب کسی گھر کے اندر یہ کیفیت پیدا ہو گی تو وہ گھر یقیناً" جنت ارضی بن جائے گا۔ اور اس کے برعکس اگر گھر میں یہ کیفیت پیدا نہیں ہو گی تو گھر دنیا میں ہی جہنم کا نقشہ پیش کرنے لگے گا۔

نسبی رشتے اور اسلام

ماں باپ' اولاد' شوہر اور بیوی کے بعد دوسرے نسبی اور خاندانی رشتے آتے ہیں۔ ان رشتوں کے حقوق و فرائض بھی اسلام نے بیان کیے ہیں اور خاندان میں ان کا مقام و مرتبہ بھی رکھا ہے۔ اب تھوڑا سا تذکرہ شوہر و بیوی کے بہن بھائیوں کا کیا جاتا ہے۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ والدین اور اولاد کا رشتہ براہ راست رشتہ ہوتا ہے' جبکہ بہن بھائی کے ساتھ انسان کا رشتہ والدین کی وساطت سے استوار ہوتا ہے۔ لہٰذا بہن بھائی کے رشتے میں والدین کی نسبت دوری ہے۔ ہر شخص اپنے بھائی بہن تک

پہنچنے کے لیے ایک درجہ اوپر چڑھ کر اپنے والدین تک پہنچتا ہے۔ پھر ایک درجہ نیچے آ کر ان تک پہنچتا ہے۔ لہٰذا یہاں دو درجوں کا فصل ہے جبکہ میاں اور بیوی کے لیے ایک دوسرے کے بہن بھائی ایک درجہ اور دور ہو جاتے ہیں۔

اسلام کے معاشرتی نظام میں یہ بات بھی غور طلب ہے کہ اس میں جہاں تمام رشتوں کے حقوق برابر نہیں ہیں۔ وہاں ان کے ساتھ میل جول اور اٹھنا بیٹھنا بھی ایک سا نہیں ہے۔ مثلاً رشتہ جس قدر قریبی ہے اس سے زائد تعلق اس کا حق نہیں ہے' بلکہ بعض اوقات اس پر پابندی ہے۔ نسبتی بہن بھائیوں سے تعلق اپنے بھائیوں کا سا نہیں ہو سکتا۔

رشتوں کی تقسیم اور قانون وراثت

رشتوں کی یہ تقسیم اسلام کے قانون وراثت میں بہت نمایاں ہو کر سامنے آتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کچھ دائرے ہیں جو کھینچ دیئے گئے ہیں۔ وراثت کے بہت سے معاملات میں نظر آتا ہے کہ انسان کے اصل تعلق تو دو ہی ہیں والدین اور اولاد۔ باقی سب ان کے بعد ہیں۔ مثلاً مرنے والے کے قریب ترین رشتہ دار کون ہیں؟ اوپر کی طرف اس کے والدین' نیچے کی طرف اس کی اولاد اور افقی سمت میں بیوی یا شوہر' ان میں بیوی یا شوہر کی عدم موجودگی میں تو وراثت آگے سسر و ساس کو نہیں جائے گی' البتہ والدین اور اولاد کی عدم موجودگی میں وراثت دادا/ دادی اور پوتا/ پوتی کو منتقل ہو گی۔ ورنہ نہیں۔ مثلاً اگر مرنے والے کے والدین موجود ہوں گے تو وہی اپنے حصے کے وارث ہوں گے۔ اگر وہ موجود نہ ہوں تو دادا دادی وراثت کے حقدار ہوں گے اسی طرح اولاد کے دائرے میں اگر کوئی موجود ہوا تو پوتا پوتی محروم رہیں گے اور اولاد میں سے کوئی بھی موجود نہ ہو گا تو پوتے اور پوتیاں وارث بنیں گی۔

حضرات گرامی!

اسلام نے خاندانی نظام کی مضبوطی و استحکام کے سلسلے میں جو بنیادی احکام دیئے ہیں اور خاندان کے افراد کے باہمی حقوق و فرائض مقرر کیے ہیں ان میں افراد' معاشرے اور ملک و ملت کی بھلائی و بہتری ہی بہتری ہے اور اس میں دنیا و آخرت کے بہت سے فائدے ہیں۔ جن میں سے چند یہ ہیں۔

(۱) انسان کی دنیاوی زندگی سکون و اطمینان اور آرام سے گزرتی ہے۔

(۲) ایسا خاندان دنیا میں عزت و وقار کی نظر سے دیکھا جاتا ہے' لوگ ایسے خاندان کی عزت کرتے ہیں اور ان پر اعتماد کرتے ہیں۔

(۳) اس سے اسلامی معاشرے کی تشکیل میں مدد ملتی ہے کیونکہ جب ابتدائی اکائی اچھی ہو گی تو اس سے بننے والا معاشرہ اچھا ہو گا۔

(۴) ایسے خاندان کے ذریعے سے معاشرے میں دعوت و تبلیغ کا کام پروان چڑھے گا اور نیکیاں پھیلیں گی۔

(۵) چھوٹے موٹے خاندانی معاملات خاندان میں ہی طے ہو جاتے ہیں یا برادری اور پنچایت میں طے ہو جاتے ہیں اور عدالتوں میں دھکے کھانے نہیں پڑتے اور نہ ہی خاندان کی کوتاہیاں ججوں' وکیلوں اور صحافیوں اور عام لوگوں کے سامنے آتی ہیں۔

(۶) معاشرہ بے راہ روی' بے حیائی اور بہت سے گناہوں سے محفوظ رہتا ہے۔

(۷) میراث کے اسلامی احکام پر عمل ہونے سے تقسیم دولت ہوتی رہتی ہے اور حسد کینہ نفرت اور عداوت پیدا نہیں ہوتی۔

(۸) اسلامی احکام پر عمل کرنے سے آدمی کو آخرت کی نجات و فلاح نصیب ہوتی ہے اور حقوق العباد ادا کرنے کی وجہ سے آخرت کی باز پرس سے بچ جاتا ہے۔

و آخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

محنت کی عظمت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰٓی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَھْلِ بَیْتِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ:

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم

آیات مبارکہ:

وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی (۳۹) وَاَنَّ سَعْیَہٗ سَوْفَ یُرٰی (۴۰) (النجم ۵۳: ۳۹، ۴۰)

اور یہ کہ انسان کے لیے کچھ نہیں ہے مگر وہ جس کی اس نے سعی کی ہے' اور یہ کہ اس کی سعی عنقریب دیکھی جائے گی۔

ولقد مکنکم فی الارض وجعلنا لکم فیھا معایش (الاعراف ۷: ۱۰)

ہم نے تمہیں زمین میں اختیارات کے ساتھ بسایا اور تمہارے لیے یہاں سامان زیست فراہم کیا۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ وَذَرُوا الْبَیْعَ ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (۹) فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوۃُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ وَ اذْکُرُوا اللّٰہَ کَثِیْرًا لَّعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ (۱۰) (الجمعہ ۶۲: ۹، ۱۰)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو جب پکارا جائے نماز جمعہ کے لیے جمعہ کے دن تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو اور خرید و فروخت چھوڑ دو۔ یہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے اگر تم جانو۔ پھر جب نماز پوری ہو جائے تو

زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتے رہو، شاید کہ تمہیں فلاح نصیب ہو جائے۔

احادیث شریفہ:

عن مقدام بن معدیکرب قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما اکل احد طعاما قط خیرا من ان یاکل من عمل یدیہ و ان نبی اللہ داود علیہ السلام کان یاکل من عمل یدیہ (بخاری)

مقدام بن معدیکربؓ نے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے ہاتھ کی کمائی سے بہتر کھانا کسی شخص نے نہیں کھایا اور اللہ تعالیٰ کے نبی داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھوں کی کمائی کھاتے تھے"۔

عن رافع بن خدیج قال، قیل یا رسول اللہ ای الکسب اطیب؟ قال عمل الرجل بیدہ وکل بیع مبرور (مشکوٰۃ)

رافع بن خدیجؓ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا، یا رسول اللہؐ سب سے زیادہ اچھی کمائی کون سی ہے؟ آپؐ نے فرمایا: آدمی کا اپنے ہاتھ سے کام کرنا، اور وہ تجارت جس میں تاجر بے ایمانی اور جھوٹ سے کام نہیں لیتا۔

عن عبداللہ بن مسعود عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لایکسب عبد مال حرام فیتصدق منہ فیقبل منہ ولا ینفق منہ فیبارک لہ فیہ ولا یترکہ خلف ظہرہ الا کان زادہ الی النار ان اللہ لا یمحوالسیی بالسیی ولکن یمحوالسیی بالحسن، ان الخبیث لا یمحو الخبیث (مشکوٰۃ)

عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کوئی بندہ حرام مال کمائے، پھر اس میں سے خدا کی راہ میں صدقہ کرے تو یہ صدقہ اس کی طرف سے قبول نہیں کیا جائے گا اور اگر اپنی ذات اور گھر والوں پر خرچ کرے گا تو برکت سے خالی ہو گا۔ اگر وہ اس کو چھوڑ کر مرا تو وہ اس کے جہنم کے سفر میں زاد راہ بنے گا۔ اللہ تعالیٰ برائی کو برائی کے ذریعے سے نہیں مٹاتا بلکہ برے عمل کو اچھے عمل سے مٹاتا ہے اور خبیث (پلید) خبیث کو نہیں مٹاسکتا۔

محترم حضرات!

اسلام نے اپنے پیروکاروں کو زندگی گزارنے کی جو جامع تعلیم دی ہے، اس میں دنیا اور دنیا کی زندگی کے بارے میں مکمل رہنمائی موجود ہے۔ دنیاوی معاملات کے ساتھ اس کا تعلق، اس میں محنت، اس کی ترقی و بہتری کے لیے کوشش اور اپنی ضروریات کے حصول کے لیے جدوجہد کرنا اس تعلیم کا حصہ ہے۔ اسلام نے اس دنیا کو دارالعمل قرار دیا ہے۔ دونوں جہانوں یعنی دنیا و آخرت کے لیے عمل کرنے کی جگہ بتایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِى الْاَرْضِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۷۷﴾ (القصص۲۸:۷۷)

دنیا میں سے بھی اپنا حصہ فراموش نہ کر، احسان کر جس طرح اللہ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے،

اور زمین میں فساد برپا کرنے کی کوشش نہ کر' اللہ مفسدوں کو پسند نہیں کرتا۔
پھر انسان کو دعا سکھائی گئی کہ اپنے پروردگار سے دنیا اور آخرت دونوں کی خیر و بھلائی طلب کرو۔ ارشاد ہوا کہ کہو:
رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ (البقرہ: ۲۰۱)

اے ہمارے رب' ہمیں دنیا میں بھی بھلائی دے اور آخرت میں بھی بھلائی' اور آگ کے عذاب سے ہمیں بچا۔
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک ارشاد میں فرمایا:
واعمل لدنیاک کانک تعیش فیہا ابدا واعمل لاخرتک کانک تموت غدا
یعنی دنیا سے اپنا حصہ لینے کے لیے اس طرح کام کرو گویا تمہیں ہمیشہ یہاں رہنا ہے اور اپنی آخرت کی بہتری کے لیے اس طرح عمل کرو گویا کل ہی تمہیں دنیا چھوڑنی ہے۔
دنیا کے ساز و سامان اور مال و زر چونکہ خیر و بھلائی کا ذریعہ اور وسیلہ ہیں لہٰذا انہیں وسیلے کے طور پر حاصل کرنے کی پوری پوری کوشش کرنا چاہیے البتہ اسے مقصد اور غرض و غایت نہیں بنانا چاہیے۔ جو لوگ اسے اپنا مقصد اور غرض و غایت بنا لیتے ہیں تو یہ مال خیر سے شر میں بدل جاتا ہے اور بجائے فائدے کے نقصان رساں ہو جاتا ہے اور دنیاداری بن جاتا ہے۔
بقدر ضرورت رزق حلال کی طلب اور اس کا حصول انسان کی ذمہ داری قرار دیا گیا ہے۔ سورہ جمعہ کی آیت نمبر ۱۰ میں ارشاد ہے: وابتغوا من فضل اللہ یعنی اللہ کا فضل (رزق) طلب کرو۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
طلب کسب الحلال فریضۃ بعد الفریضہ (مشکوٰۃ)
حلال روزی کا حاصل کرنا فرض عبادات کے بعد فرض ہے۔
اسلام نے ساری زمین بلکہ پوری کائنات کو انسان کے لیے عمل کا میدان قرار دیا ہے اور اس کو ترغیب دی ہے کہ وہ اپنی معاش کے حصول اور خلق خدا کی فارغ البالی اور کشادگی کے حصول کے لیے زیادہ سے زیادہ محنت کرے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رزق کے حصول کی جدوجہد کے لیے ترغیب دیتے ہوئے فرمایا:
جب تم فجر کی نماز پڑھ لو تو اپنی روزی کی تلاش سے غافل ہو کر سوتے نہ رہو (کنز العمال)
اسی طرح فقہاء کرام نے فقہ میں معاشی جدوجہد کو فرض عین اور پیداوار کو فروغ دینے کی کوشش کو فرض کفایہ (یعنی ایسا فرض جو لازم تو ہر شخص پر ہو البتہ اگر کچھ لوگ اسے ادا کر دیں تو سب پر سے ذمہ داری اتر جائے اور اگر کوئی بھی ادا نہ کرے تو ہر فرد سے باز پرس ہو) قرار دیا ہے۔ ردالمختار میں ہے ومن فروض الکفایۃ الصناعۃ المحتاج الیہا "ضروری صنعتوں کا قیام فرض کفایہ ہے"۔
حضرات گرامی!
اسلام نے ہاتھ سے کام کرنے اور رزق حلال کمانے کو نیکی کا کام' اجر و ثواب کا عمل اور فضیلت حاصل کرنے کا ذریعہ بتایا ہے۔ قرآن مجید نے حضرت داؤد علیہ السلام کا تذکرہ کرتے ہوئے بتایا:
وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ ۝ اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرْ فِي السَّرْدِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۔
(سبا ۳۴: ۱۰-۱۱)

اور ہم نے لوہے کو اس (داؤد) کے لیے نرم کر دیا اس ہدایت کے ساتھ کہ زرہیں بنا اور ان کے حلقے ٹھیک انداز پر رکھ۔ (اے آل داؤد)، نیک عمل کرو۔

اسی طرح دین اسلام کی تاریخ بتاتی ہے کہ بہت سے نبی اور ان کے پیروکار اپنے ہاتھ سے کام کر کے اپنی روزی حاصل کرتے تھے اور کسی پر بوجھ نہیں بنتے تھے۔ جیسے حضرت ادریس علیہ السلام درزی کا کام کرتے تھے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بکریاں چرائیں۔ خود سردار دو جہاں نے ایک وقت میں بکریاں چرائیں اور تجارت کی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: افضل الکسب کسب الرجل بیدہ (الامام احمد) "بہتر کمائی وہ ہے جو آدمی کے اپنے ہاتھ سے کمائی ہوئی ہو"۔ اور فرمایا: ان اللہ یحب العبد المحترف (طبرانی) "اللہ تعالیٰ ہنرمند بندے سے محبت کرتا ہے"۔

طبرانی کی ہی ایک اور روایت ہے کہ

> ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام ایک آدمی کے پاس سے گزرے۔ صحابہ نے اس کی اچھی محنت اور چستی کو دیکھا تو تعجب کا اظہار کیا اور اسے پسند کیا پھر انہوں نے کہا: یا رسول اللہ اگر یہ شخص اس قسم کی محنت و جدوجہد اللہ کی راہ یعنی جہاد میں دکھاتا تو اس کے لیے کیا ہی اچھا ہوتا۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اگر یہ شخص اپنے بوڑھے ماں باپ کی خدمت کے لیے نکلا ہے تو اللہ کی راہ میں ہے اور اگر یہ اپنی ذاتی ضروریات پوری کرنے کے لیے نکلا ہے تاکہ سوال سے بچے تو بھی یہ اللہ کی راہ میں ہے"۔

ہمارے کرنسی نوٹ کی پشت پر جو عبارت لکھی ہوئی ہے اسے پڑھیے اس پر بھی لکھا ہے کہ "حصول رزق حلال عبادت ہے"۔ اس سے حلال روزی کمانے کا اجر اور درجہ معلوم ہوتا ہے۔ اسلام نے تمام جائز پیشوں، ہنروں اور کاموں کے کرنے کو فضیلت والے کام قرار دیا ہے اور ہر شخص کو اختیار ہے کہ جو پیشہ چاہے اختیار کرے۔ کسی پیشے کو حقیر قرار نہیں دیا گیا، کسی ذات پات اور نسل کی بنیاد پر پیشوں کی تقسیم نہیں کی گئی، ہمارے ہاں پیشوں اور کاموں کی تقسیم ہندوانہ طریقہ پر اور برصغیر کے رواج کے مطابق ہے اسلام کا اس سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کرتی ہیں کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا جوتا گانٹھ لیتے تھے" مزید فرمایا "آپؐ اپنی بکری کا دودھ نکال لیتے تھے اور اپنا کام بھی کر لیتے تھے" (ترمذی شریف)۔

محترم سامعین!

حضورؐ کے یہ کام ظاہر ہے کہ روزانہ کے معمول نہیں تھے۔ لیکن آپ کا ایک مرتبہ جوتی کا تسمہ لگانے کا کام قیامت تک آنے والے جفت سازوں (موچیوں) کو حوصلہ اور عزت دے گیا کہ جو کام وہ کر رہے ہیں، یہ گھٹیا اور حقیر کام نہیں ہے بلکہ سنت رسول ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوٹے چھوٹے کاموں کے کرنے کی ترغیب دے کر ان کو محترم قرار دے دیا۔

حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

> "تم میں سے کوئی لکڑیوں کا گٹھا اپنی پیٹھ پر اٹھا کر لائے اور اپنی روزی کمائے، یہ اس کے لیے اس سے بہتر ہے کہ کہ وہ کسی سے سوال کرے پھر وہ اس کو کچھ دے یا انکار کر دے"۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تمہارے لیے کام کرنا بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ قیامت کے دن تم اپنے چہرے پر سوال کا داغ لے کر آؤ"۔ (ابو داؤد)

اسی طرح ایک صحابی کا یہ مشہور واقعہ آپ نے سنا ہو گا جس سے محنت کی عظمت کا اندازہ کیجیے۔ حضور اکرمؐ نے ایک مرتبہ ایک صحت مند شخص کو دست سوال دراز کرتے ہوئے دیکھ کر دریافت فرمایا:

"تم کیوں بھیک مانگتے ہو۔ کیا تم واقعتاً مسکین ہو؟" (یعنی تمہارے پاس کچھ نہیں ہے) اس شخص نے جواب دیا "یا نبیؐ میرے پاس ایک چادر ہے یہ ہی میرا کل سرمایہ ہے جس کا کچھ حصہ میں بچھا لیتا ہوں اور کچھ حصہ اوڑھ لیتا ہوں۔ اس کے علاوہ میرے پاس پانی پینے کے لیے ایک پیالہ ہے"۔ رسولؐ خدا نے حکم دیا "جا کر دونوں چیزیں لے آؤ" آپ نے وہ دونوں چیزیں اپنے دست مبارک میں تھام کر صحابہ کرام سے دریافت فرمایا: "کون ہے جو انہیں خریدے؟" ایک آواز آئی: یا نبیؐ اللہ میں ایک درہم میں خریدنے کو تیار ہوں۔ آپ نے پھر فرمایا: "کون ہے جو اس سے زیادہ قیمت دینے کو تیار ہے؟"۔ آخر کار وہ پیالہ اور چادر دو درہم میں فروخت فرما دیں۔ آپؐ نے وہ دونوں درہم اس انصاری کو دیتے ہوئے ہدایت فرمائی "ایک درہم سے تم اپنے اہل و عیال کے لیے غلہ خریدو اور دوسرے درہم سے کلہاڑی خرید کر میرے پاس لاؤ۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ وہ انصاری حضور کے ارشاد کے بموجب کلہاڑی لے کر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اس کلہاڑی سے خود اپنے دست مبارک سے ایک لکڑی کاٹی اور اس میں دستہ ڈالا۔ پھر وہ کلہاڑی انہیں دے کر کہا "جاؤ لکڑیاں کاٹ کر انہیں فروخت کرو۔ میں تمہیں پندرہ دن تک نہ دیکھوں" وہ انصاری پندرہ یوم کے بعد آنحضرتؐ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور کہا: "یا نبیؐ اللہ میں نے ان پندرہ دنوں میں دس درہم کمائے ہیں۔ چند درہم میں نے خرچ کر کے اپنے کپڑے بنائے ہیں' بقیہ میں نے سامان خورد و نوش میں خرچ کر دیئے"۔ آپؐ کا چہرہ پرانوار یہ سن کر دمک اٹھا' آپ نے فرمایا: "یہ تم پر خدا کی رحمت ہے کہ تم روز قیامت اللہ کے سامنے بھکاری کا چہرہ لے کر حاضر نہ ہو گے"۔ (ابو داؤد ترمذی)

حضورؐ نے ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا:

"تم میں سے ہر ایک رسی کا ٹکڑا لے کر پہاڑ پر چلا جائے' لکڑیاں اکٹھی کر کے ان کے بنڈل بنائے' اپنی پیٹھ پر لاد کر لائے اور بازار میں فروخت کر دے۔ یہ بنڈل تمہیں خدا کے غیض و غضب سے بچا لیں گے یہ اس سے کہیں بہتر ہے کہ تم انسانوں کے سامنے دست سوال دراز کرو۔ جو تمہیں خیرات دیں یا نہ دیں"۔
(بخاری جلد ا' ص ۱۹۹)

شریعت مطہرہ نے بیکار بیٹھنے اور بے کار رہنے سے اپنے پیروکاروں کو منع فرمایا اور کام کرنے کی ترغیب دی ہے۔ ابو نعیم نے الحلیہ میں ایک روایت بیان کی ہے کہ "جو شخص دنیا کو جائز طریقے سے حاصل کرتا ہے تاکہ سوال سے بچے اور اپنے اہل و عیال کی کفالت کرے اور ہمسائے کی مدد کرے تو قیامت کے دن جب وہ اٹھے گا تو اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن ہو گا (اساس التہذیب) ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مالداروں کو حکم دیا کہ بکریاں پالیں اور غریبوں کو حکم دیا کہ مرغیاں پالیں تاکہ فراخی حاصل کریں (ابن ماجہ) کنوز الحقائق میں ہے کہ "عورت کا گھر میں خالی بیٹھے

رہنے کے بجائے چرخہ کاتنا اچھی کمائی کا مشغلہ ہے"۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "کسی مسلمان کو یہ زیبا نہیں کہ تلاش رزق میں بیٹھ جائے اور دعا کرے کہ اے خدا مجھ کو رزق دے' کیوں کہ تم کو معلوم ہے کہ آسمان سے سونا چاندی نہیں برستا"۔
ایک مرتبہ ایک صحابی نے آپؐ سے مصافحہ کیا تو آپ نے فرمایا کہ تمہارے ہاتھ پر نشانات کیسے ہیں۔ انھوں نے جواب دیا میں پتھر پر پھاوڑا چلاتا ہوں اور اس سے اپنے اہل و عیال کے لیے روزی کماتا ہوں۔ آپؐ اس کی اس بات سے بہت خوش ہوئے۔
محترم سامعین!

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم باوجود سید الرسل' سردار دوجہاں' خاتم النبیین اور افضل الخلائق ہونے کے اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر کام کر کے' محنت و مشقت کر کے' دکھ سکھ میں ان کے ساتھ رہ کر رہتی دنیا تک کے تمام انسانوں' حاکموں' عالموں' سرداروں اور سربراہوں کے لیے ایک اعلیٰ نمونہ قائم کر گئے اور سبق چھوڑ گئے تاکہ کوئی شخص اپنے آپ کو دوسروں سے ممتاز اور اعلیٰ نہ سمجھے اور نہ کسی کام کو حقیر خیال کرے بلکہ کبھی کبھار ساتھیوں کا ہاتھ بٹائے اور ساتھ مل کر کام کرے' اس سے ان کی ہمت بندھتی ہے' کام زیادہ ہوتا ہے' انسان کی اپنی اصلاح ہوتی ہے' تکبر و غرور اور بڑائی کا پندار دماغ سے نکل جاتا ہے اور ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی و غمخواری کا جذبہ پروان چڑھتا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اسوہ اور اپنے ہاتھ سے کام کاج کرنے کا نمونہ صرف گھریلو اور خاندانی زندگی میں ہی نہیں بلکہ آپؐ کی ساری زندگی بالخصوص اجتماعی زندگی کا بہت نمایاں پہلو ہے۔ غزوہ احزاب (۵ ہجری) کے موقع پر جب دشمن سے بچاؤ کے لیے حضرت سلمان فارسیؓ کی طرف سے خندق کھودنے کی تجویز پیش ہوئی اور یہ فیصلہ کیا گیا کہ خندق کھودی جائے تو اسلامی فوج کے ہر سپاہی نے بڑھ چڑھ کر اس کٹھن کام میں حصہ لیا اور سالار لشکر رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے ساتھ مل کر ایک عام سپاہی کی طرح اپنے دست مبارک سے کام کیا۔ فوج کے ایک چوکس سپاہی کی طرح آپؐ اپنی پشت پر مٹی اٹھاتے تھے جبکہ بھوک کی یہ حالت تھی کہ آپؐ اور دیگر صحابہ نے کمر سیدھی رکھنے کے لیے اور کام جاری رکھنے کی غرض سے پیٹ پر پتھر باندھے ہوئے تھے۔

اسی طرح مسجد نبوی کی تعمیر کے موقع پر بھی آپ اول سے لے کر آخر تک سارے کام میں خود شریک رہے اور ساتھ ساتھ نگرانی بھی کرتے رہے۔ حضرت اسیدؓ فرماتے ہیں کہ کام کے دوران میں میرا سامنا حضور سے ہو گیا آپ نے اینٹیں اٹھائی ہوئی تھیں میں نے عرض کیا کہ آقا مجھے دے دیجئے میں مطلوبہ جگہ تک پہنچا دیتا ہوں۔ آپ نے فرمایا:

اذھب فاحتمل غیرھا فلست بافقر الیہ منی

جاؤ اور دوسری اٹھاؤ مجھ سے تم اس کے زیادہ ضرورت مند نہیں ہو (وفاء الوفاء) یعنی جیسے تمہیں کام کرنے کی ضرورت ہے ویسے ہی مجھے بھی اپنے ہاتھوں سے کام کرنا چاہیے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کو بھی یہی تعلیم دیتے تھے کہ اپنے ہاتھوں سے کام کاج اور محنت مزدوری کر کے اپنی ضروریات پوری کیا کرو۔ اور نہ صرف تعلیم دیتے یا بتاتے بلکہ باقاعدہ طریقہ سکھاتے۔

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ واقعہ ہے کہ ایک سفر میں آپ صحابہ کرام کے ساتھ تھے اور کھانا پکانے کا وقت آیا تو صحابہ نے اپنے ذمہ مختلف کام لیے تو آپؐ نے لکڑیاں جمع کرنے کا کام لیا اور جب صحابہ نے آپ سے آرام کرنے اور کام نہ کرنے کو کہا تو آپ نے بیکار بیٹھنے سے انکار اور کام کرنے پر اصرار کیا۔

عمال حکومت کے لیے اسلام نے جو ہدایات دی ہیں ان میں یہ بات بنیادی حیثیت رکھتی ہے کہ حکومت کے عہدہ دار

اپنے آپ کو کوئی برتر مخلوق نہ سمجھیں اور نہ ہی عیش و عشرت کی زندگی اختیار کر کے قومی دولت پر بوجھ ڈالیں بلکہ ملکی کاموں میں عام لوگوں کے ساتھ خود بھی شریک ہوں اور ضرورت پڑنے پر اپنے ہاتھوں سے محنت کرنے میں کوئی عار محسوس نہ کریں۔ حضرت علیؓ کو وہ فوجی افسر پسند ہوتے جو سپاہیوں کی مدد کرتے۔ وہ فرماتے کہ محنتی لوگوں کو حکومت کے اداروں میں عہدے دینے چاہئیں۔ آپ نے عمال کو لکھا کہ ملک میں عدل و انصاف قائم رکھنے کے لیے ایسے لوگوں کو منتخب کرو جو سب سے زیادہ افضل ہوں، کام کی زیادتی یا پیچیدگیوں سے گھبرا نہ جاتے ہوں۔ سرکاری اہلکار ایسے ہونے چاہئیں کہ جو ایمانداری اور مستعدی سے عوام کی بھلائی کے کام کرتے ہوں۔ حضرت علیؓ نے گورنروں کو یہ بھی تاکید کی کہ خوانچہ فروش، محنت کش اور جسمانی مشقت کے ذریعے سے کمانے والوں کی بہبود کا خیال رکھیں کیونکہ یہ عوام کی ضروریات پورے کرنے کا ذریعہ بھی ہیں جس کی وجہ سے عوام مطمئن اور خوشحال زندگی بسر کرتے ہیں اور یہ لوگ ملک کی مجموعی اقتصادی حالت کو بھی بہتر بناتے ہیں۔ یہ دور دراز کے علاقوں سے عوام کی ضروریات کا سامان خشکیوں، میدانی علاقوں، پہاڑی راستوں، دریاؤں اور سمندروں کا سفر طے کر کے درآمد کرتے ہیں۔ لہٰذا منافع کمانا ان کا حق ہے۔ عمال کو حضرت علیؓ نے اس بات کی ہدایت بھی دی کہ بعض کام فوری توجہ چاہتے ہیں یہ تمہیں خود ہی کرنے ہوں گے۔ حاجت مندوں کی حاجت روائی کا کام تمہیں روز ہی نمٹانا ہوگا۔ روز کا کام روز نمٹانے کی پالیسی پر تمہارے عملے کے ارکان ناک بھوں چڑھائیں گے لیکن خوب جان لو کہ اگلے دن پھر اسی طرح بہت سا کام اور بہت سارے مسائل آجائیں گے۔

سامعین گرامی قدر!

ذرا غور فرمائیں اللہ تعالیٰ نے ہمیں کیسی عمدہ صلاحیتوں سے نوازا اور قوت و توانائی عطا فرمائی ہے۔ اگر ہم اس توانائی کو استعمال میں نہیں لاتے تو جہاں دنیاوی نقصان اٹھانا پڑے گا وہیں ہم اللہ کی اس عظیم نعمت کی ناقدری کے مرتکب بھی ٹھہریں گے۔ اللہ تعالیٰ کی ہر نعمت کا شکر واجب ہے اور جو قوت و توانائی اس نے ہمیں عطا فرمائی ہے اس کے شکر کا طریقہ یہ ہے کہ ہم محنت و استقلال سے کام لیں۔ محنت کرنا ہر انسان پر اس لیے واجب ہے کہ ہر فرد نظام کائنات کے ایک پرزے کی حیثیت رکھتا ہے۔ کسی مشین کا ایک پرزہ اگر کام کرنا چھوڑ دے تو اس کا اثر مشین کی کارکردگی پر پڑتا ہے۔ کارخانہ قدرت کی عظیم الشان مشینری میں ایک موثر پرزے کی حیثیت سے اگر ہر شخص محنت و کوشش سے کام کرے تو نظام کائنات قائم رہے گا اور سارے انسان اس سے نفع اٹھائیں گے۔

اپنی کوشش اور ذاتی محنت ہی سے انسان ترقی اور خوشحالی کے مدارج طے کر سکتا ہے۔ کسی اور کے سہارے جینا اور خود محنت سے جی چرا کے دوسرے لوگوں کی کمائی پر نظر رکھنے سے انسان ہمیشہ دوسروں کا محتاج رہتا ہے اور کبھی کوئی مرتبہ یا مقام نہیں پاتا۔

جو شخص مسلسل محنت و کوشش کرتا ہے وہ انسانوں کے نزدیک بھی اور خالق کے ہاں بھی محبوب بن جاتا ہے۔ عقلمند لوگوں کا کہنا ہے کہ ''آب رواں چمکتا ہے اور کھڑا ہوا پانی سڑتا ہے''۔ یعنی جو پانی ایک جگہ رک جاتا ہے اس میں بدبو پیدا ہو جاتی ہے لیکن جاری پانی صاف و شفاف رہتا ہے۔ یہی مثال انسان کی ہے جتنی محنت کی جائے گی اتنی ہی خوشحالی نصیب ہو گی انسان اگر محنت و استقلال کا مظاہرہ کرے اور صاحب ہمت بنے تو ہر منزل کو پا سکتا ہے۔

و آخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

اسلامی تہوار

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰٓى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَهْلِ بَيْتِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ:

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم

آیات مبارکہ:

اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ﴿١﴾ وَمَا اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ﴿٢﴾
لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ﴿٣﴾ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا
بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِّنْ كُلِّ اَمْرٍ ﴿٤﴾ سَلٰمٌ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ﴿٥﴾

(القدر ۹۷)

ہم نے اس (قرآن) کو شب قدر میں نازل کیا ہے۔ اور تم کیا جانو کہ شب قدر کیا ہے؟ شب قدر ہزار مہینوں سے زیادہ بہتر ہے۔ فرشتے اور روح اس میں اپنے رب کے اذن سے ہر حکم لے کر اترتے ہیں۔ وہ رات سراسر سلامتی ہے طلوع فجر تک۔

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۝۱ (بنی اسرائیل ۱:۱۷)

پاک ہے وہ جو لے گیا ایک رات اپنے بندے کو مسجد حرام سے دور کی اس مسجد تک جس کے ماحول کو اس نے برکت دی ہے تاکہ اسے اپنی کچھ نشانیوں کا مشاہدہ کرائے۔

قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ ۚ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝۱۱۴
(المائدہ ۵:۱۱۴)

عیسیٰؑ ابن مریم نے دعا کی "خدایا' ہمارے رب' ہم پر آسمان سے ایک خوان نازل کر جو ہمارے لیے اور ہمارے اگلے پچھلوں کے لیے (عید) خوشی کا موقع قرار پائے اور تیری طرف سے ایک نشانی ہو' ہم کو رزق دے اور تو بہترین رازق ہے۔

احادیث شریفہ:

عن عائشة قالت قلت یا رسول اللہ أرأیت ان علمت ای لیلة لیلة القدر ما اقول فیھا قال قولی اللھم انک عفو کریم تحب العفو فاعف عنی (احمد' ترمذی' ابن ماجہ)

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ کون سی رات شب قدر ہے تو میں اس رات اللہ سے کیا عرض کروں۔ آپؐ نے فرمایا یہ دعا مانگو: اے اللہ! تو بہت معاف کرنے والا ہے۔ اور معاف کر دینا تجھے پسند ہے۔ تو میری خطاؤں کو معاف فرما دے۔

عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی یوم الفطر رکعتین لم یصل قبلھما ولا بعدھما (بخاری و مسلم)

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید الفطر کے دن دو رکعت نماز پڑھی' اور اس سے پہلے یا بعد میں کوئی (نفل) نماز نہیں پڑھی۔

حضرات گرامی!

اسلام اس مالک حقیقی کا عطا کردہ نظام زندگی ہے جو خود انسانی فطرت کا خالق ہے۔ اس نے انسان کی ہر فطری اور جائز خواہش کا نہ صرف احترام کیا ہے بلکہ ان خواہشات کے مطابق کام کرنے کے طریقے اور آداب بھی سکھائے ہیں۔ یہ نہ تو اس بات کی تعلیم دیتا ہے کہ ہفتہ میں ایک دفعہ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کو یاد کر لو پھر پورا ہفتہ نفس و شیطان کی بندگی میں گزار دو اور نہ ہی اپنے آپ پر ظلم کرنے اور نفس کشی کرنے کو پسندیدہ قرار دیا ہے کہ جو اپنی خواہشات کو جتنا زیادہ کچل دے وہ اللہ کا اتنا ہی مقرب بندہ سمجھا جائے۔ اس کے برعکس دین اسلام تو ہر قسم کے ظلم و ناانصافی کو روکتا ہے' خواہ وہ اپنے آپ پر ہو' اپنے اہل خانہ اور رشتہ داروں پر ہو' کسی دوسرے مسلمان پر ہو یا کسی بھی انسان یا حیوان پر ہو۔ حتیٰ کہ دین اسلام تو نباتات و جمادات کے ساتھ بھی ناانصافی کرنے یا ان کے ضیاع سے منع کرتا ہے۔

انسان کی فطری خواہش ہوتی ہے کہ اس کی زندگی کے مستقل اور لگے بندھے کاموں میں کبھی کبھی تنوع بھی پیدا ہو۔ کبھی

کبھار یکساں قسم کی سرگرمیوں سے ہٹ کر کچھ کام سرانجام دیئے جائیں۔ کبھی کچھ خوشی و مسرت کا اہتمام ہو' کبھی عبادت و ریاضت میں اضافہ ہو' کبھی خاندان اور اہل محلّہ سے میل ملاقات کا انتظام ہو۔ انسان کی اسی فطری خواہش کا نتیجہ ہے کہ ہر معاشرے میں ہفتہ کا ایک دن اس طرح کے مشاغل کے لیے رکھا جاتا ہے اور عموماً" ہر معاشرے میں سال میں کچھ دن خصوصی تہواروں کے طور پر منائے جاتے ہیں۔ دین اسلام جو کہ دین فطرت ہے وہ اس فطری انسانی خواہش کو کیسے نظرانداز کر سکتا تھا۔ اس ضرورت کی تکمیل اور اہل اسلام کو اللہ کی قربت دلانے اور اس کی رضا سے ہمکنار کرانے کے لیے کئی مواقع فراہم کیے گئے ہیں۔ یہ مواقع سالانہ اور ہفت روزہ دونوں قسم کی تقریبات کی صورت میں فراہم کیے گئے ہیں۔

جمعۃ المبارک

اسلام نے اہل ایمان کو ہر ہفتہ میں ایک دن "یوم الجمعہ" عطا فرمایا۔ اس دن مسلمان نمازوں کے بڑے بڑے اجتماعات کی شکل میں تقاریب منعقد کرتے ہیں۔ لوگ جامع مسجد میں نماز جمعہ کے اجتماعات میں شرکت کرتے ہیں' ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں۔ روزانہ پانچ وقت نماز پڑھنا تو فرض ہے ہی لیکن اس دن کی اہمیت و خصوصیت کی بناء پر نماز جمعہ کو خاص اہمیت عطا فرمائی گئی اور حکم دیا گیا کہ:

یٰٓاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ وَذَرُوا الْبَیْعَ (الجمعہ ۶۲:۹)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو' جب پکارا جائے نماز کے لیے جمعہ کے دن تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو۔ اور خرید و فروخت چھوڑ دو۔

محترم سامعین!

بعض احباب اس دینی و اسلامی تقریب کو ختم کرنے یا اس کی اہمیت کو کم کرنے کی نیت سے یا اپنی سادگی و لاعلمی کی بناء پر یہ بات وقتاً" فوقتاً" کہتے رہتے ہیں کہ ہفتہ وار تعطیل جمعہ کے بجائے اتوار کو ہونی چاہیے۔ اس کی دلیل کے طور پر یہ بات بیان کرتے ہیں کہ ہماری تجارت و اقتصادیات مغربی مارکیٹوں سے وابستہ ہے اور وہاں ہفتہ اتوار کی چھٹی ہوتی ہے۔ اگر ہم جمعہ کو کاروبار بند رکھیں تو ہفتہ کے تین دن کاروبار نہیں ہو سکے گا۔ لیکن بھائیو اور عزیزو! سوچنے کی بات ہے کہ اس طرح کا واسطہ ملک کے کتنے افراد کو پڑتا ہے۔ میرے خیال میں شاید دس ہزار کیا ایک لاکھ میں سے ایک فرد کو بھی بیرونی دنیا سے ایسا مستقل اور مسلسل رابطہ کرنے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ دوسری بات یہ کہ جن لوگوں کو مغربی دنیا سے واسطہ رہتا ہے وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ ہر تاجر اپنے کاروبار کے سلسلے میں چوبیس گھنٹہ مصروف ہوتا ہے۔ اس کے لیے چھٹی اور کام کے دن کی کوئی حیثیت ہی نہیں ہے۔ پھر یہ سیدھی سی بات بھی عقل میں آنے والی ہے کہ کام کے دنوں میں بھی جب ہمارے ہاں دن ہوتا ہے تو مغرب کا اکثر حصہ رات کی تاریکی میں ڈوبا ہوا ہوتا ہے اور جب وہ دفتروں میں ہوتے ہیں تو ہمارے ہاں رات ہوتی ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ جمعہ کی تعطیل ہو یا اتوار کی' کاروبار کے حوالے سے اس میں کوئی فرق نہیں ہوتا پڑتا ہاں اتنا ہو گا کہ جمعہ کو تعطیل نہ کرنے سے بہت سے مسلمانوں کی نماز جمعہ متاثر ہو جائے گی۔ جمعہ کے اس ہفت روزہ تہوار کے دن غسل کرنا' اچھے اور صاف ستھرے کپڑے پہننا' خوشبو لگانا اور اول وقت میں نماز جمعہ کے لیے مسجد پہنچ جانا سنت اور نہایت پسندیدہ عمل ہے۔ ہمارے ہاں ایک طریقہ یہ بن گیا ہے کہ لوگ جمعہ کے دن خوب دیر سے سو کر اٹھتے ہیں' پھر ناشتہ کرتے کرتے دوپہر ہو جاتی ہے نماز جمعہ کا وقت

جب بالکل قریب آ جاتا ہے تو بھاگم بھاگ مسجد پہنچتے ہیں اور دو رکعت نماز پڑھ کر سمجھتے ہیں کہ ہم نے نماز جمعہ ادا کر کے ایک فریضہ کی ادائیگی کا حق ادا کر دیا۔ غور کیجیے تو ہمارا یہ طرز عمل درست نہیں ہے۔ جمعہ کے دن کا اور نماز جمعہ کا پورا اہتمام ہونا چاہیے اور نہایت توجہ اور سکون کے ساتھ پہلی اذان کے ساتھ ہی مسجد پہنچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ البتہ یہ ذہن میں رکھنا چاہیے کہ ہمارا "یوم الجمعہ" یہودیوں کے "یوم السبت" کی طرح نہیں کہ اس دن کوئی کام یا کسب معاش ممنوع ہو بلکہ قرآن تو یہ کہتا ہے کہ:

فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ

پھر جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو۔ (الجمعہ ۶۲:۱۰)

یعنی اگر رزق کے حصول کا کام صحیح طریقے سے اور شریعت کی تعلیم کے مطابق ہو تو یہ اللہ کے فضل کی تعریف میں آتا ہے اور فوز و فلاح حاصل کرنے کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

جمعہ کے دن کی اس اہمیت کو پیش نظر رکھنا چاہیے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بتائی ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان سارے دنوں میں جن میں کہ آفتاب نکلتا ہے سب سے بہتر اور برتر جمعہ کا دن ہے (صحیح مسلم)

اسی مناسبت سے آپؐ نے یہ وعید بھی سنائی کہ:

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص بغیر کسی شدید مجبوری کے جمعہ کی نماز چھوڑے گا وہ اللہ کے ہاں منافق لکھا جائے گا۔ (مسند شافعی)

حضرات گرامی!

اس ہفت روزہ تہوار کے علاوہ چند اور ایسے ایام ہیں جو مسلمان، سالانہ تہوار کے طور پر مناتے ہیں۔ جن میں دو اہم تہوار عید الفطر اور عید الاضحیٰ ہیں۔

عیدین

عید الفطر کو عام طور پر لوگ چھوٹی عید یا میٹھی عید بھی کہتے ہیں۔ فطر کے معنی کھولنے کے ہیں۔ اس لیے روزہ کھولنے کو افطار کرنا کہتے ہیں۔ چونکہ ایک مہینے کے روزے کے بعد یہ دن ایسا ہوتا ہے جس میں روزہ نہیں رکھا جاتا اس لیے اسے عید الفطر کہا جاتا ہے۔ یہ دراصل ماہ رمضان میں عبادت کرنے اور اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے کام کے وافر مواقع حاصل ہونے پر شکر اور مسرت کے اظہار کا دن ہے۔

عید الاضحیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی بے مثال قربانی کی یاد تازہ رکھنے کی غرض سے منائی جاتی ہے۔ اس دن ہر مسلمان حسب استطاعت قربانی کرتا ہے۔ اور اس طرح وہ یہ عزم کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آج کے دن جانور قربان کرنے کا حکم دیا ہے تو میں یہ جانور قربان کر رہا ہوں جب اللہ کی راہ میں اپنی جان قربان کرنے کا موقع آئے گا تو ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کی طرح اپنی جان قربان کرنے سے بھی دریغ نہیں کروں گا۔

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ پہنچے تو آپؐ نے دیکھا وہاں کے لوگ سال کے دو دن بطور تہوار مناتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا خدا نے تم کو ان کے بدلے ان سے بہتر دو دن عطا فرمائے ہیں یعنی عید الاضحیٰ اور عید الفطر۔

عیدین کی سب سے اہم سرگرمی دونوں عیدوں کی دوگانہ نمازیں ہیں۔ جو ان تہواروں کو دیگر معاشروں اور مذاہب کے تہواروں سے ممتاز کرتی ہیں۔ اس سے مسلمان اور غیر مسلم کی سوچ کا فرق واضح ہو جاتا ہے کہ مسلمانوں کی خوشی و مسرت اور تقریب و تہوار' ہاؤ ہو اور لہو و لعب میں مبتلا ہونے کا نام نہیں بلکہ مسلمان اپنی خوشی اور جشن کے موقع پر بھی اللہ کے ذکر میں مگن رہتا ہے۔ وہ خوش ہوتا ہے لیکن وقار اور اعلیٰ ظرفی کے ساتھ' وہ تقریبات منعقد کرتا ہے لیکن متانت اور سنجیدگی سے۔

عیدین کے موقع پر اہل ثروت اور خوشحال افراد کے ساتھ ساتھ غرباء اور مساکین کی خوشی و مسرت کا بھی اہتمام کیا جانا چاہیے اور ایک حد تک کیا جاتا بھی ہے۔ عیدالفطر کے دن صدقہ فطر اور کھانے کی اشیاء تقسیم کی جاتی ہیں اور عیدالاضحیٰ کے موقع پر گوشت دیا جاتا ہے۔

اس ضمن میں خوشحال لوگوں کو یہ خیال رکھنا چاہیے کہ جس طرح وہ کھانے کی اشیاء اور گوشت وغیرہ اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کے گھروں پر دے کر آتے ہیں اور حضور اکرمؐ کے فرمان:

تهادوا تحابوا

ایک دوسرے کو تحفے دو اور باہمی محبت بڑھاؤ

پر عمل کرتے ہیں۔ ہمیں چاہیے غرباء و مساکین تک بھی اپنی اس محبت کو عام کریں۔ گھر پر آئے ہوئے بھکاری کو حقارت و نخوت کے ساتھ کچھ تھما دینے سے تحفے دینے اور محبت بڑھانے والا کام نہیں ہو سکتا۔ صدقہ فطر' عید کے کھانے' بقر عید کا گوشت جو کچھ بھی مستحقین کو دیا جائے ان کا حق سمجھ کر' انہیں تلاش کر کے اور ان کے گھر جا کر دیا جائے تب ہی آپ کی عید بھی عید ہو سکے گی اور حاجت مندوں اور غریبوں کی عید بھی عید بنے گی۔

شب قدر

شب قدر وہ رات ہے جس میں قرآن کریم نازل ہوا۔ خود قرآن مجید نے اس رات کو ہزار مہینوں سے زیادہ بہتر قرار دیا ہے۔

إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ ﴿١﴾ وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ﴿٢﴾
لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ ﴿٣﴾ (القدر ۹۷: ۱-۳)

ہم نے اس (قرآن) کو شب قدر میں نازل کیا ہے۔ اور تم کیا جانو کہ شب قدر کیا ہے؟ شب قدر ہزار مہینوں سے زیادہ بہتر ہے۔

غور کرنے کی بات ہے کہ ہزار مہینے تو ہم میں سے اکثر پوری زندگی میں حاصل نہیں کر پاتے کیونکہ ہزار مہینے کا مطلب ہے تراسی (۸۳) سال اور (۴) چار ماہ اتنی بڑی تو عام طور پر لوگوں کی پوری زندگی نہیں ہوتی اور قرآن کریم نے اسے ہزار مہینے کے برابر نہیں ان سے زیادہ بہتر قرار دیا ہے۔ اتنی عظمت و بزرگی' خیر و برکت اور قدر و منزلت والی رات اگر کسی کو مل جائے تو اس کی خوش قسمتی اور سعادت کا کیا پوچھنا۔ جمہور امت کا اتفاق ہے کہ یہ رات رمضان المبارک کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں سے کوئی سی رات ہوتی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ رات دکھائی گئی البتہ "مصلحتاً" اس کی کوئی مقررہ تاریخ مسلمانوں کو نہیں بتائی گئی۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا:

فقد اریت هذه الليلة ثم انسيتها

مجھے یہ رات دکھائی گئی لیکن پھر ذہن سے محو کر دی گئی۔

اس میں مصلحت یہی ہے کہ اس قدر عظمت والی رات کو تلاش کرنے کی غرض سے مسلمان کم از کم پانچ راتیں تو اللہ کی عبادت میں گزاریں۔ اس رات کی عظمت کی وجہ اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمائی کہ اس رات میں قرآن کریم نازل کیا گیا۔

حضرات محترم!

جو رات قرآن کریم کے نازل ہونے کی وجہ سے اس قدر اہمیت و فضیلت کی حامل ہوئی' غور کیجیے کہ خود قرآن کریم کی عظمت و بزرگی کس قدر زیادہ ہو گی۔ فکر کا مقام ہے کہ وہ قرآن جو ہماری ہدایت و رہنمائی کے لیے نازل کیا گیا ہے' جسے عملاً نافذ کر کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دکھا دیا ہے' جو قیامت تک کے لیے راہ ہدایت ہے۔ اس کی تعلیمات کے ساتھ ہمارا سلوک کیا ہے۔ غور کرنا چاہیے اور اپنا انفرادی اور اجتماعی طور پر جائزہ لے کر دیکھنا چاہیے کہ قرآن جو یہ کہتا ہے کہ:

نمازیں وقت کی پابندی کے ساتھ فرض کی گئی ہیں

جھوٹ بولنے والے پر خدا کی لعنت ہوتی ہے۔

سودی کاروبار کرنے والے سے اللہ اور رسول کی جنگ ہے۔

اپنے مالوں میں سے زکوٰۃ اور صدقات نکالتے رہا کرو۔

والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو۔

اولاد اور مال کی محبت میں مبتلا ہو کر خدا کو بھول نہ بیٹھو۔

رزق کی تنگی کے ڈر سے اولاد کو قتل نہ کرو۔

وراثت کی تقسیم خدا کے بتائے ہوئے طریقے پر مردوں اور عورتوں میں کرو۔

شوہر بیوی کا حق ادا کرے اور بیوی شوہر کا حق ادا کرے۔

کفار کے مقابلے میں (نظریاتی و عملی) کمزوری نہ دکھاؤ۔

مسلمان آپس میں بھائی بھائی بن کر رہیں۔

دنیا پر آخرت کو ترجیح دو۔

نیکی کا حکم دو اور برائیوں سے منع کرو۔

ان سب باتوں پر اور دوسری قرآنی تعلیمات پر ہم کس حد تک عمل کر رہے ہیں۔ کچھ عمل کر بھی رہے ہیں یا قرآن کو محض طاقوں کی زینت بنا کر رکھا ہے۔

حضرات گرامی!

شب قدر میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت جبرئیل اور فرشتے اترتے ہیں۔ یہ پوری رات فجر کے وقت تک' سراسر امن و سلامتی کی رات ہوتی ہے۔ اللہ کی رحمت اپنے بندوں کی طرف خاص طور پر متوجہ ہوتی ہے۔ اللہ سے لو لگانے اور اس سے دنیا اور آخرت کی بھلائیاں حاصل کر لینے کا اس رات سے زیادہ اچھا موقع اور کوئی نہیں' لہٰذا کوشش کرنی چاہیے کہ رمضان المبارک کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں اذکار و نوافل اور تلاوت و استغفار کثرت سے کیا جائے۔ شروع میں بیان کی گئی حدیث کی روشنی میں شب قدر کی خصوصی دعا:

اللھم انک عفو کریم تحب العفو فاعف عنی

یعنی اے اللہ تو بہت معاف فرمانے والا ہے۔ معاف کرنا تجھے پسند ہے۔ تو میری خطاؤں کو معاف

کردے۔

کا خاص اہتمام کرنا چاہیے۔ یہ کیفیت نہ ہو کہ:

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں
راہ دکھلائیں کسے راہرو منزل ہی نہیں

شب معراج

رجب المرجب کی ۲۷ ویں شب اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے اپنے محبوب بندے اور رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم بالا کی سیر کرائی۔ یہ واقعہ ہجرت مدینہ سے ایک ڈیڑھ سال پہلے پیش آیا یعنی جب آپؐ کے کار نبوت کو شروع ہوئے بارہ سال کا عرصہ گزر چکا تھا۔ مکہ میں اس وقت تک جن لوگوں کو اسلام لانا تھا لا چکے تھے اور کچھ ہی عرصہ بعد آپؐ اور تمام مسلمانوں کو ہجرت کا حکم ملنے والا تھا۔ واقعہ معراج کی تفصیلات اکثر مسلمانوں کو معلوم ہی ہیں۔ ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ واقعہ پیش کیوں آیا؟ اس سے کیا مقاصد و فوائد حاصل ہوئے؟ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا کوئی کام عبث و بے مقصد نہیں ہوتا۔

انبیاء علیہم السلام کو جو دعوت لوگوں کے سامنے پیش کرنی ہوتی ہے اور بطور شارع ہر معاملے میں جو یقینی علم و اعتماد کے ساتھ فیصلے کرنے ہوتے ہیں اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ عام انسانوں کی نسبت بدرجہا زیادہ کامل ایمان و یقین کے حامل ہوں۔ تاکہ ان کا مقام ایک فلسفی سے بہت زیادہ بلند اور نمایاں ہو جائے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ہر پیغمبر کو ان کے منصب کی مناسبت سے امور غیب کے مشاہدے کرائے۔ مثلاً اس ضمن میں حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام وغیرہ کا تذکرہ خود قرآن میں موجود ہے۔ لیکن حضور اکرمؐ چونکہ اولاد آدم کے سردار اور انبیاء کے خاتم ہیں اس لیے آپ کو وہاں تک رسائی ہوئی جہاں کسی بنی آدم کے قدم نہ پہلے پہنچے تھے اور نہ آئندہ کسی کی پہنچ وہاں تک ہو سکتی ہے۔ آپؐ نے ان چیزوں کا مشاہدہ کیا جو کسی دوسرے کی نظروں میں کبھی نہ آیا۔

حضرات گرامی!

جیسا کہ عرض کیا گیا کہ یہ مشاہدے ایمان و یقین میں اضافے کا سبب بنتے ہیں تو ایسا کیوں نہ ہوا کہ نبوت عطا کیے جانے کے وقت یہ مشاہدہ کرا دیا جاتا یا جب کفار مکہ کی سختیاں حد سے زیادہ بڑھ گئی تھیں' اس وقت یہ مشاہدہ ہوتا۔ معراج کے لیے ہجرت سے کچھ عرصہ پہلے کا وقت چننے میں کیا مصلحت ہے؟

سامعین کرام!

یہ بہت غور کرنے کا مقام ہے کہ واقعہ معراج اس وقت ہوا جب اسلامی حکومت بننے جا رہی تھی یعنی ایک مسلمان کے لیے حکومت و اقتدار کا ملنا اور اس کا انتظام سنبھالنا سختیاں جھیلنے' کڑی دھوپ میں جھلنے' انگاروں پر لوٹنے اور کوڑے کھانے سے زیادہ سخت کام ہوتا ہے۔ اس موقعہ پر اختیار بھی ہوتا ہے اقتدار بھی' دولت بھی ہوتی ہے اور وسائل بھی۔ اس وقت دین' ایمان' امانت' دیانت اور انصاف پر قائم رہنا پہلے سے زیادہ مشکل مرحلہ ہوتا ہے اسی لیے امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ نے اشرفیوں کے توڑوں کو کوڑوں سے زیادہ مشکل آزمائش قرار دیا تھا۔

حضرات محترم!

آپ سب جانتے ہیں کہ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے اپنے حبیب کو اپنے پاس بلایا اور اسے وہ تقرب بخشا جو نہ اس سے پہلے کسی

کو دیا گیا اور نہ آئندہ کسی کو ملے گا اتنے اعلیٰ، ارفع اور اہم موقع پر اپنے مہمان کو اللہ تعالیٰ نے ایک قیمتی تحفہ بھی دیا۔ وہ تحفہ تھا پنج وقتہ نماز۔ اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

الصلوٰۃ معراج المؤمنین

نماز مومنوں کی معراج ہے۔

یعنی نماز کی شکل میں مسلمان معراج، یعنی اللہ سے ملاقات اور اس سے ہم کلامی کا شرف حاصل کر سکتے ہیں۔ کتنے افسوس کی بات ہو گی کہ وہ معراج جسے حاصل کرنے کا موقع ہمیں ہر روز پانچ مرتبہ ملے اور ہم اپنی سستی، غفلت اور کاہلی کی بنا پر اس سے محروم رہیں یا نماز ادا تو کریں لیکن معراج کے سرور و فوائد حاصل نہ کر سکیں۔

شب برات

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر جس قدر مہربان ہے۔ اس کا تقاضا ہے کہ بندے بھی اپنے مالک کی حمد و ثنا اور اس کی بارگاہ میں سجدہ ریزی زیادہ سے زیادہ کرتے رہیں۔ مومن کی زندگی کا تو ہر ہر لمحہ اللہ کی عبادت میں گزرتا ہے کیونکہ اخلاص نیت، اللہ کی عبودیت کے جذبہ اور شکر گزاری کے احساس کے ساتھ بندہ مومن جو کام بھی کرے وہ عبادت ہی ہے۔ پھر رات کے وقت کی عبادات میں توجہ الی اللہ اور اخلاص بھی دن کی عبادت سے کہیں زیادہ ہوتا ہے۔ اسی لیے نفل نمازوں میں سب سے بہتر نماز تہجد ہے۔

حضرات گرامی!

عبادت والی راتوں میں سے ایک رات جس میں مسلمان بڑی تعداد میں عبادت کرتے ہیں، شب برات (یعنی ماہ شعبان کی پندرہویں رات) ہے۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ اس رات کے حوالے سے آتش بازی کی جاتی ہے اور پٹاخے چھوڑے جاتے ہیں۔ یہ باتیں نہ جانے کس شریعت سے لی گئی ہیں۔ ان فضول کاموں پر بے تحاشہ پیسہ برباد کیا جاتا ہے۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ ہر سال کئی جانیں اس کا شکار ہو جاتی ہیں۔ پٹاخے بازی پندرہ بیس روز اس قدر بے ہودگی کے ساتھ جاری رہتی ہیں کہ یہ نہ صرف یہ کہ وقت پیسے اور بعض اوقات جان کے زیاں کا سبب بنتی ہے بلکہ لوگوں کے دن کا چین اور رات کا آرام بھی تباہ ہو جاتا ہے۔ کوئی طالب علم دلجمعی سے پڑھائی نہیں کر پاتا اور بوڑھوں اور مریضوں اور بچوں کا آرام ختم ہو جاتا ہے۔ یہ نہ صرف اسلامی تہوار کی توہین ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی ناراضی مول لینے کے بھی مترادف ہے۔ اس دن کے حوالے سے قسم قسم کے کھانے اور مخصوص ڈشیں بنانا بھی لوگوں کو زحمت میں مبتلا کرنے کے سوا کچھ نہیں۔ اس رات میں جسے عبادت کرنی ہو وہ محض اللہ کی رضا کے حصول کے جذبے اور نیت کے ساتھ عبادت کرے، ورنہ آرام سے سو رہے۔

سامعین محترم!

یہ کچھ گزارشات اسلام کے مختلف تہواروں اور خصوصی مواقع کے حوالے سے کی گئیں۔ اگر ہم ان تہواروں کو اسلامی آداب کے ساتھ منانے کا خیال رکھیں تو یہ نہ صرف ان مواقع سے مستفید اور لطف اندوز ہونے کا سبب بن سکتے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کا ذریعہ بھی بن سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اسلامی تعلیمات اور اس کی دی ہوئی معاشرت سے کما حقہٗ استفادے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

ذکر الٰہی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ
عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ
یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ
لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ
رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰٓی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَھْلِ بَیْتِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ :

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آیات مبارکہ:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوا اللّٰہَ ذِکْرًا کَثِیْرًا ﴿۴۱﴾ وَّسَبِّحُوْہُ بُکْرَۃً وَّاَصِیْلًا ﴿۴۲﴾
(الاحزاب ۳۳: ۴۱'۴۲)

اے ایمان والو' اللہ کو کثرت سے یاد کرو' اور صبح اور شام اس کی تسبیح کرتے رہو۔

الَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِھِمْ وَیَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ ھٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾ (آل عمران ۳: ۱۹۱)

جو لوگ اٹھتے بیٹھتے' اور لیٹتے ہر حال میں اللہ کو یاد کرتے ہیں اور زمین و آسمان کی ساخت میں غور و فکر کرتے ہیں (وہ بے اختیار بول اٹھتے ہیں) پروردگار' یہ سب کچھ تو نے فضول اور بے مقصد نہیں بنایا ہے' تو پاک ہے اس سے کہ عبث کام کرے' پس اے رب ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا لے۔

فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَ يُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ﴿۳۶﴾ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ﴿۳۷﴾ (النور ۲۴: ۳۶-۳۷)

(اس نور کی طرف ہدایت پانے والے) ان گھروں میں پائے جاتے ہیں جنہیں بلند کرنے کا اور جن میں اپنے نام کی یاد کا اللہ نے اذن دیا ہے۔ ان میں ایسے لوگ صبح و شام اس کی تسبیح کرتے ہیں جنہیں تجارت اور خرید و فروخت اللہ کے ذکر سے اور اقامت نماز اور ادائے زکواۃ سے غافل نہیں کر دیتی۔ وہ اس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس میں دل الٹنے اور دیدے پتھرا جانے کی نوبت آ جائے گی۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ تَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ﴿۲۸﴾ (الرعد ۱۳: ۲۸)

جنہوں نے (اس نبیؐ کی دعوت کو) مان لیا ہے اور ان کے دلوں کو اللہ کی یاد سے اطمینان نصیب ہوتا ہے۔ خبردار رہو! اللہ کی یاد ہی وہ چیز ہے جس سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے۔

احادیث مبارکہ:

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کلمتان خفیفتان علی اللسان ثقیلتان فی المیزان' حبیبتان الی الرحمن' سبحان اللہ وبحمدہ' سبحان اللہ العظیم
(متفق علیہ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو کلمے جو زبان پر ہلکے ہیں' میزان (تول) میں بھاری ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو بڑے پیارے ہیں یہ سبحان اللہ و بحمدہ' سبحان اللہ العظیم ہیں۔

عن ابی موسٰی الاشعری رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال' مثل الذی یذکر ربہ والذی لا یذکرہ مثل الحی والمیت (رواہ البخاری)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس شخص کی مثال جو اپنے رب کو یاد کرتا ہے اور اس شخص کی مثال جو اس کو یاد نہیں کرتا زندہ اور مردہ کی طرح ہے۔ یعنی ذکر کرنے والا زندہ کی طرح اور ذکر نہ کرنے والا مردہ کی طرح ہے۔

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال' یقول اللہ تعالیٰ' انا عندظن عبدی بی' و انا معہ اذا ذکرنی فان ذکرنی فی نفسہ ذکرتہ فی نفسی و ان ذکرنی فی ملاء ذکرتہ فی ملاء خیر منھم (متفق علیہ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرا بندہ میرے بارے میں جو گمان رکھتا ہے میں اس کے مطابق اس کے ساتھ برتاؤ کرتا ہوں۔ اور میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ مجھے یاد کرتا ہے۔ پس اگر وہ مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے تو میں

بھی اسے اسی طرح یاد کرتا ہوں اور اگر وہ مجھے کسی مجلس میں یاد کرتا ہے تو میں اسے ایسی مجلس میں یاد کرتا ہوں جو ان سے اچھی ہوتی ہے۔

حضرات گرامی!

ذکر کی حقیقت

ذکر کا مفہوم یہ ہے کہ زندگی کے ہر معاملہ میں ہر وقت ہر حالت میں اللہ کی رضا مندی کا مکمل لحاظ رکھا جائے۔ ہم بندے ہیں' اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ ہمارا معبود ہے۔ عبد اپنے معبود کی عبادت اور اطاعت میں جو کچھ کرے وہ ذکر ہے۔ مثلاً ہم لوگوں سے باتیں کرتے ہیں تو گفتگو کے دوران میں جھوٹ' غلط بیانی اور فحش گوئی سے پرہیز کریں' اس خیال سے کہ اللہ نے ان چیزوں سے ہمیں منع کیا ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کی حقیقی یاد ہے۔ اگر ہم گفتگو کرتے وقت سچی' انصاف پر مبنی اور پاکیزہ گفتگو یہ سوچ کر کریں کہ یہ عمل اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔ تو ہماری یہ ساری گفتگو ذکر اللہ بن جائے گی چاہے وہ بظاہر دنیوی باتیں ہی کیوں نہ ہوں۔

محترم سامعین!

ہم لوگوں سے لین دین کرتے ہیں۔ بازار میں خرید و فروخت کرتے ہیں اپنے گھر میں ماں باپ کے ساتھ بھائی بہنوں کے ساتھ رہتے سہتے ہیں۔ اپنے دوستوں اور عزیزوں سے ملتے جلتے ہیں۔ اگر اپنی زندگی کے ان تمام معاملات میں ہم اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی کریں اور اس کی رضا مندی کو ملحوظ رکھیں تو یہ ساری زندگی عبادت اور ذکر الٰہی بن جائے گی۔ غرض زندگی کے تمام شعبوں تجارت' زراعت' ملازمت میں' کھانے پینے کے آداب' گفتگو کے انداز میں عبادات اور ریاضات وغیرہ ہر معاملہ اور ہر عمل میں اللہ کی رضا مندی کو اولیت دیں تو پوری زندگی عبادت اور ذکر اللہ سے معمور ہوگی۔ ذکر کا معنی یاد کرنا' ذکرای کا معنی یاد آنا اور تذکیر کا معنی یاد دلانا ہے اگر ہمیں ہر کام کرتے وقت اللہ یاد آئے۔ اس کو یاد کریں اور دوستوں کو رشتہ داروں کو اور سب انسانوں کو ہر وقت اللہ کی یاد دلاتے رہیں تو ہماری زندگی کا ہر ہر لمحہ ذکر الٰہی میں گزرے گا۔ ہمارے اعمال پر' ہمارے افکار پر اور ہمارے تصورات پر ذکر اللہ حاوی رہے گا۔

اس حقیقت کی طرف قرآن عظیم نے اس آیت میں اشارہ کیا ہے:

الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾ (آل عمران ۱۹۱:۳)

جو لوگ اٹھتے بیٹھتے اور لیٹتے ہر حال میں اللہ کو یاد کرتے ہیں اور زمین و آسمان کی ساخت میں غور و فکر کرتے ہیں وہ بے اختیار بول اٹھتے ہیں پروردگار یہ سب کچھ تو نے فضول اور بے مقصد نہیں بنایا ہے۔ تو پاک ہے اس سے کہ عبث کام کرے پس اے رب ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا لے۔

حاضرین کرام!

اگر ہم اپنے گرد و پیش پر نظر ڈال کر غور و فکر کریں تو ہمیں محسوس ہو گا کہ تمام کائنات اللہ تعالیٰ کے ایک طے شدہ ضابطہ اور قانون پر عمل پیرا ہے۔ اللہ تعالیٰ جو خالق کائنات اور حکیم و خبیر ہے اس نے کائنات کے ہر ذرے کو اور ہر جسم زمینی اور جرم فلکی کو ایک ڈیوٹی سونپی ہے۔ اور یہ تمام اشیاء اللہ کے احکام کو بجا لاتے ہوئے مصروف عمل ہیں۔ اللہ کے حکم کے

مطابق ان کا یہ مسلسل عمل ذکر اللہ ہی ہے۔ اور قرآن عظیم نے اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:

وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ (الاسراء ۱۷:۴۴)

کائنات میں کوئی شے ایسی نہیں جو اللہ کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح نہ کر رہی ہو مگر تم ان کی تسبیح سمجھتے نہیں۔

دور جانے کی ضرورت نہیں انسان کے اپنے جسم ہی کو لے لیجیے اس کے تمام اعضاء وہی فریضہ ادا کرنے میں مصروف ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کو سونپا ہے۔ دماغ غور و فکر کرتا ہے۔ معدہ ہضم کرنے کے کام میں لگا ہوا ہے۔ ہاتھ پاؤں اپنے کام کرتے ہیں' آنکھ کان ناک منہ دانت اور زبان غرض ہر عضو اس عمل میں مصروف ہے جس کے لیے خدا نے اس کو بنایا ہے۔ یہ سارا ذکر اللہ ہے۔ ایک حکیم کا قول ہے کہ چاہے خود انسان منکر خدا ہو۔ مگر اس کے اعضاء احکام الٰہی بجا لاتے رہتے ہیں اور فطری طور پر مسلمان ہوتے ہیں۔

ذکر الٰہی کی شکلیں

حضرات محترم!

ذکر اللہ کی جو صورتیں آپ کے سامنے بیان ہوئی ہیں ان سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ذکر الٰہی کی شکلیں بے شمار ہیں ذکر صرف زبان سے نہیں ہوتا' بلکہ سوتے میں' جاگتے میں' چلتے پھرتے' ہاتھ پاؤں سے عمل کرنے اور دماغ سے غور و فکر کرتے اور سوچتے ہوئے' ان تمام صورتوں میں ذکر الٰہی موجود ہوتا ہے اور وہ ہے اللہ کی رضا مندی کا لحاظ۔ آل عمران کی تلاوت کردہ آیت میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ ذکر الٰہی صرف زبانی نہیں ہوتا بلکہ اس کی اور بھی شکلیں ہیں۔ چنانچہ مفسرین لکھتے ہیں کہ مخلوقات خداوندی میں سے ہر مخلوق اپنی زبان حال سے ذکر الٰہی کرتی ہے اور ان کی موجودہ کیفیت ہی میں ذکر الٰہی کی ایک شکل ہوتی ہے۔ جیسا کہ ابھی بیان کردہ آیت بنی اسرائیل میں یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ ہر چیز سنت اللہ کے مطابق احکام خداوندی کی پابندی کرتی ہے اور یہی کیفیت اس کی طرف سے ذکر الٰہی اور تسبیح ہے۔ جس کو عام انسان نہیں سمجھ سکتا۔

ذکر الٰہی کی مقدار

معزز سامعین!

ذکر الٰہی کے مفہوم پر اگر غور کیا جائے تو خودبخود یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس کے لیے کوئی حد مقرر نہیں۔ اس لیے کہ ذکر الٰہی حقیقت میں اللہ تبارک و تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کی ایک شکل ہے اور چونکہ اللہ کی نعمتیں اپنے بندوں پر اس قدر زیادہ ہیں کہ حد و حساب سے باہر ہیں۔ اس لیے کہ تمام کائنات آسمان و زمین' شجر و حجر اور جو کچھ زمین اور آسمانوں میں ہیں وہ ہر وقت ذکر و فکر میں مشغول ہیں اور غیر جاندار چیزیں زبان حال سے ذکر کر رہی ہیں۔ اس لحاظ سے ذکر الٰہی کے تصور کو محدود کرنا ممکن نہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو کثرت سے ذکر کرنے کا حکم دیا ہے جیسا کہ خطبے کے شروع کی آیت سے واضح ہوتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ﴿۴۱﴾ وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿۴۲﴾

(الاحزاب ۳۳:۴۱'۴۲)

اے ایمان والو اللہ کو کثرت سے یاد کرو! اور صبح و شام اس کی تسبیح کرتے رہو۔

ذکر بمعنی عبادت

ذکر قرآن پاک میں عبادت کے معنوں میں استعمال ہوا ہے کہ عبادت کی جتنی شکلیں ہیں وہ سب ذکر الٰہی میں شامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: واذکروا اللہ فی ایام معدودات (البقرہ) اللہ کو گنتی کے خاص دنوں میں یاد کرو! اس سے مراد تمام مفسرین کے نزدیک حج کے وہ مناسک اور احکام ادا کرنا ہے۔ جو منیٰ میں قیام کے دوران میں ادا کیے جاتے ہیں۔

ذکر کے مختلف معانی

لفظ ذکر' رسول کے لیے بھی استعمال ہوا ہے۔ وذکر فان الذکری تنفع المومنین یہاں ذکریٰ نصیحت اور موعظت کے معنی میں ہے۔ ذکر قرآن کے لیے بھی استعمال ہوا ہے۔ آیت کریمہ ہے

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝۹ (الحجر ۱۵:۹)

ہم نے اس ذکر (قرآن) کو نازل کیا ہے اور ہم خود اس کے نگہبان ہیں۔

اذکار ماثورہ کا التزام

ویسے تو ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ ہمیشہ دل میں خدا کو یاد رکھے اور اپنے دل کو خدا کے ذکر سے معمور رکھے اور کائنات میں غور و فکر کرتا رہے تو اس طرح اللہ کی قدرت کا کمال اس پر واضح ہوتا جاتا ہے اور حقیقت کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ یہی پیغمبروں کا طریقہ رہا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کائنات اور اس کے بڑے بڑے اجرام فلکی جیسے سورج' چاند اور ستاروں پر خود بھی غور کرتے اور دوسروں کو بھی غور و فکر کی دعوت دیتے رہے اور آخر کار ان معلوم و محسوس اشیاء سے اپنے حقیقی رب' ان تمام چیزوں کے رب کی طرف لوگوں کو متوجہ کرتے ہوئے فرمایا کہ رب تو وہ ہے جس کو فنا نہیں اور زوال و غروب سے بالا تر ہے۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی غار حرا میں جا کر ہفتوں قیام فرماتے اور اس کائنات پر غور فرماتے کہ ان کا خالق کون ہے۔ زندگی کا صحیح راستہ کون سا ہو سکتا ہے اور آخر کار وحی کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کی رہنمائی فرمائی۔

اس کے ساتھ ساتھ زبانی ذکر بھی شرع میں وارد ہے اور قرآن و سنت میں اس کے لیے الفاظ اور کلمات مختص کیے گئے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے: افضل الذکر لا الٰہ الا اللہ بہترین ذکر لاالٰہ الااللہ ہے۔

چونکہ ہمارے لیے ہدایت کا سرچشمہ قرآن کریم اور رسول کریم کی ذات ہے۔ اس لیے ہم ہر عمل انہی کی ہدایت کے مطابق کرنے کے پابند ہیں۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عمل کے لیے کوئی خاص وقت یا خاص جگہ مقرر کر دی ہو تو کسی اور کو یہ اختیار حاصل نہیں کہ وہ اس عمل کے لیے کوئی اور وقت یا جگہ مقرر کرے۔ یہ متعین کرنا صرف شارع یا پیغمبر کا اختیار ہے جس کا ہر کام وحی کے مطابق ہوتا ہے۔ اسی طرح ہمارے لیے یہ بھی جائز نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خاص موقعہ کے لیے کوئی خاص کلمات ذکر مختص کر لیے ہوں اور ہم ان کے بجائے کچھ اور کلمات اس موقع پر کہیں' یہ خلاف

سنت ہو گا۔ مثلاً نماز کے فوراً" بعد حضورؐ نے جو کلمات ذکر ادا فرمائے ہیں وہ یہ ہیں: سلام پھیرتے ہی تین بار استغفراللہ پھر:

اللھم انت السلام و منک السلام تبارکت یا ذاالجلال والاکرام' لا الہ الا اللہ و حدہ لا شریک لہ' لہ الملک و لہ الحمد و ھو علی کل شی قدیر لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ لا الہ الا اللہ و لا نعبد الا ایاہ' لہ النعمۃ ولہ الفضل ولہ الثناء الحسن' لا الہ الا اللہ مخلصین لہ الدین ولو کرہ الکافرون' اللھم لامانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت ولا ینفع ذاالجد منک الجد

نماز کے فوراً" بعد یہ کلمات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر جاری رہتے تھے اس لیے ہمارے لیے یہ سنت ہے کہ فرض نماز کے فوراً" بعد یہ کلمات آپؐ کی پیروی میں ہماری زبانوں پر جاری ہوں۔ اگر ان کے بجائے کسی اور کے بتائے ہوئے اوراد و کلمات پڑھنا شروع کردیں تو سنت کے موافق نہیں ہو گا۔

اسی طرح مختلف مواقع کے لیے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف اذکار اور دعائیہ کلمات منقول ہیں۔ مثلاً رفع حاجت کے لیے جاتے وقت اللھم انی اعوذبک من الخبث والخبائث وضو ختم کرنے کے بعد اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ و اشھد ان محمدا عبدہ و رسولہ اللھم اجعلنی من التوابین واجعلنی من المتطھرین پڑھنا۔

اس قسم کے مختلف مواقع کے لیے مختلف کلمات پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی یہی ہے کہ مختلف مواقع پر وہی کلمات پڑھیں جو ان مواقع پر آپؐ پڑھتے تھے۔ ورنہ ہم سنت کی مخالفت کرنے کے مرتکب ہوں گے۔ اس حقیقت کی طرف اس آیت کریمہ میں اس طرح اشارہ کیا گیا ہے واذکروا اللہ کما علمکم (البقرہ ۲:۲۳۹) "اللہ کا ذکر اسی طرح کرو جیسا کہ تمہیں اس نے سکھایا ہے"۔ یعنی اس کے بتائے ہوئے طریقوں پر چلو' اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے جو طریقے بتائے ہیں وہی اللہ کی طرف سے ہیں۔

ذکر الٰہی کو دوسرے کاموں پر ترجیح دینا

مومن کی شان یہ ہے کہ جب اللہ کی عبادت کا وقت آجائے تو وہ تمام دوسرے کام چھوڑ کر اللہ کی عبادت میں مشغول ہو جاتا ہے۔ ایسے موقع پر بھی ذکر اللہ کا لفظ قرآن پاک میں استعمال ہوتا ہے جس سے مراد عبادت بھی ہے اور دیگر طریقوں سے اللہ کو یاد رکھنا بھی مقصود ہے۔ اور ظاہر ہے کہ عبادت بھی عین ذکر اللہ ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

رجال لا تلھیھم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ

ایسے لوگ ہیں کہ کوئی تجارت یا خرید و فروخت ان کو اللہ کی یاد (اور عبادت سے) غافل نہیں کرتی۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ چونکہ انسانی فطرت کا خالق ہے اور سب سے زیادہ جاننے والا ہے۔ اسے معلوم ہے کہ انسان اپنی ذات کے علاوہ مال اور اولاد سے بہت محبت رکھتا ہے۔ اور انہی چیزوں کی محبت انسان کو اللہ کی یاد سے غافل کرنے کا سبب بھی بن جاتی ہے۔ اس لیے بطور تنبیہ سورۃ المنافقون میں فرمایا

یا ایھا الذین لا تلھکم و اموالکم ولا اولادکم عن ذکر اللہ (المنافقون ۶۳:۹)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو' تمہارے مال اور تمہاری اولادیں تم کو اللہ کی یاد سے غافل نہ کردیں۔

ان دونوں آیتوں میں یہ بات بالکل واضح ہے کہ ذکر اللہ کو دوسرے کاموں پر ترجیح دینا مومن کے لیے ضروری ہے۔ اس کے برعکس جو لوگ عمل کرتے ہیں ان کو قرآن عظیم نے خواہشات اور ہوس کا بندہ قرار دیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

افرایت من اتخذ الٰہہ ھواہ (الفرقان ۲۵:۴۳)

کیا تم نے اس شخص کے حال پر غور کیا ہے جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا خدا بنا لیا ہو۔

مطلب یہ ہے کہ جو شخص اپنی خواہشات کو اللہ کی رضا مندی پر ترجیح دیتا ہے وہ خواہشات کا بندہ ہے۔ اور خواہشات اس کی معبود ہیں۔

ذکر کے ساتھ تذکیر کی ضرورت ہے

حضرات گرامی!

ذکر کے ساتھ ساتھ تذکیر بھی معاشرے کی اصلاح کے لیے لازمی ہے۔ تذکیر کا مطلب ہے ذکر الٰہی اور احکام الٰہی کے بارے میں دوسرے لوگوں کو یاد دلانا' اور متوجہ کرنا۔ چونکہ انسانی فطرت یہ ہے کہ اکثر و بیشتر دنیاوی مفادات' ترغیبات اور لذتوں کی طرف مائل ہو کر انسان اللہ کو بھول جاتا ہے اگرچہ ان کے دل میں خواہش دبی رہتی ہے کہ اللہ کو یاد کیا جائے اس صورت حال میں کوئی اللہ کا نیک بندہ ان کو یاد الٰہی کی طرف راغب کر دیتا ہے اور اس طرح انکا دبا ہوا جذبہ یاد الٰہی ابھر جاتا ہے۔ اسی حقیقت کی طرف اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس آیت میں اشارہ کیا ہے !

وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَىٰ تَنفَعُ الْمُؤْمِنِينَ (الذاریات ۵۱:۵۵)

اور نصیحت کرتے رہو کیونکہ نصیحت ایمان لانے والوں کے لئے نافع ہے۔

پھر لوگوں میں جو خوش قسمت اور عقلمند ہوتے ہیں ان کو احساس ہو جاتا ہے کہ ہم دنیا کی بھول بھلیوں میں کھو کر ذکر الٰہی سے غافل ہو گئے ہیں اور وہ تذکیر سے نصیحت حاصل کر کے یاد الٰہی میں مشغول ہو جاتے ہیں قرآن نے اس مفہوم کو یوں ادا کیا ہے۔

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرَىٰ لِأُولِي الْأَلْبَابِ ﴿۲۱﴾ درحقیقت اس میں سبق ہے عقل رکھنے والوں کے لیے

تذکیر و یاددہانی کا ایک فائدہ یہ ہے کہ خود نصیحت کرنے والے میں اور ان لوگوں میں بھی جن کو وہ ترغیب دلاتا ہے آہستہ آہستہ اس مشق کے ذریعے سے ذکر الٰہی کی عادت ایسی پختہ ہو جاتی ہے کہ یہ ان کی عادت ثانیہ بن جاتی ہے۔ اور پھر ہر حال میں وہ ذکر الٰہی میں مشغول ہوتے ہیں۔ جس طرح فوجی پریڈ اور قواعد کی بار بار مشق کی جاتی ہے اور ان کو حکم ماننے اور آرڈر پر فوراً" عمل کرنے کی تربیت اس حد تک دی جاتی ہے کہ یہ ان کی فطرت ثانیہ بن جاتی ہے اور پھر ان کو افسر کی طرف سے جو بھی آرڈر ملتا وہ بلا چون و چرا اس کی تعمیل کرتے ہیں۔

اللہ کا ذکر اطمینان قلب اور سکون کا واحد ذریعہ ہے

حضرات گرامی!

انسان فطرتاً" اس بات کا قائل ہے کہ اس کائنات میں کوئی سپر طاقت ایسی ہے جو سب پر غالب ہے اور تمام اختیارات اس کے پاس ہیں اور جو لوگ بظاہر خدا کے منکر ہیں ان کے تحت الشعور میں بھی یہ کھٹکا ضرور موجود ہے کہ کوئی ایسی طاقت ضرور موجود ہے جو تمام کائنات اور خود اس کی ہستی پر حکمرانی کرتی ہے پھر اس شعور کے ساتھ رفتہ رفتہ اس میں یہ احساس پیدا ہو جاتا ہے کہ اس طاقت اور سپر پاور کو رضا مند رکھنے سے تمام مشکلات حل ہو جاتی ہیں اور مشکلات حل ہونے سے دل کو اطمینان

اور سکون کی دولت مل جاتی ہے۔ اس حقیقت کا قرآن پاک کی اس آیت میں اعلان کیا گیا ہے کہ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب (الرعد ۲۸:۱۳) "خبردار رہو کہ اللہ کو یاد کرنے ہی سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے"۔ اس لیے کہ ڈر اور خوف اسی کا ہوتا ہے جس کے پاس طاقت بے پناہ طاقت ہے۔ جب چاہے سزا دے سکتا ہے اور جب چاہے نعمتیں چھین سکتا ہے' بیماری لا سکتا ہے' غربت میں مبتلا کر سکتا ہے' مصیبتوں میں ڈال سکتا ہے لیکن وہ راضی اور مہربان ہو تو سارے خدشے دور ہو جاتے ہیں اور اطمینان حاصل ہو جاتا ہے کہ کوئی خطرہ نہیں بلکہ فائدہ ملنا یقینی ہے اس چیز کا نام اطمینان قلب ہے۔

ذکر اللہ کا بدلہ اللہ خود دیتا ہے

ذکر اللہ کا بدلہ دنیا میں اللہ تعالیٰ اس طرح دیتا ہے کہ ذاکر بندے کو ایک تو اطمینان قلب اور سکون کی دولت نصیب ہوتی ہے۔ اللہ کی یاد سے اسے روحانی لطف بھی ملتا ہے۔ اور آخرت میں اللہ تعالیٰ اس ذکر کے عوض میں اسے بہترین بدلہ دے گا۔ جو بندہ ہر وقت ہر معاملے میں اور ہر آن خدا کو یاد رکھتا ہے اس کے تمام اعمال اللہ کی رضامندی حاصل کرنے کے لیے ہوتے ہیں اور اس طرح اس کی تمام زندگی نیکیوں کا مجموعہ بن جاتی ہے اور ظاہر ہے کہ ایسے شخص کو جو بدلہ آخرت میں ملے گا وہ بھی بہت عظیم ہو گا انہی لوگوں کے بارے میں اللہ فرماتا ہے:

فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ (الفرقان ۲۵:۷۰)

پس یہی وہ لوگ ہیں جن کی برائیوں کو اللہ بھلائیوں میں بدل دے گا۔

مراد یہ ہے کہ ان کی برائیوں سے اللہ پاک درگزر کرے گا اور ان کے پاس نیکیاں ہی نیکیاں رہ جائیں گی۔ یہی بہترین بدلہ ہے کہ ان کی برائیوں کو ختم کر کے ان کو تمام زندگی کے اعمال کا بدلہ نیکیوں کے بدلے کی صورت میں دیا جائے۔ حدیث قدسی ہے کہ میرا بندہ اگر مجھے ایک بار یاد کرے تو میں اسے دس بار یاد کرتا ہوں۔ دوسری حدیث کا مفہوم ہے کہ اگر میرا بندہ مجھے زمین والوں کے درمیان یاد کرے تو میں اسے آسمان والوں کے درمیان یاد کروں گا۔ اور یہی مضمون اس آیت کا بھی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے

فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ﴿۱۵۲﴾ (سورہ البقرہ ۲:۱۵۲)

تم مجھے یاد رکھو' میں تمہیں یاد رکھوں گا اور میرا شکر ادا کرو کفران نعمت نہ کرو۔

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

استقبالِ رمضان

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰٓی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَھْلِ بَیْتِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ:

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آیت مبارکہ:

شَھْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْہِ الْقُرْاٰنُ ھُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْھُدٰی وَالْفُرْقَانِ فَمَنْ شَھِدَ مِنْکُمُ الشَّھْرَ فَلْیَصُمْہُ وَمَنْ کَانَ مَرِیْضًا اَوْ عَلٰی سَفَرٍ فَعِدَّۃٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَ یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ وَلِتُکْمِلُوا الْعِدَّۃَ وَلِتُکَبِّرُوا اللّٰہَ عَلٰی مَا ھَدٰىکُمْ وَلَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ ﴿۱۸۵﴾ (البقرہ ۲:۱۸۵)

رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو انسانوں کے لیے سراسر ہدایت ہے اور ایسی واضح

تعلیمات پر مشتمل ہے جو راہ راست دکھانے والی اور حق و باطل کا فرق کھول کر رکھ دینے والی ہیں۔ لہٰذا اب سے جو شخص اس مہینے کو پائے' اس کو لازم ہے کہ اس پورے مہینے کے روزے رکھے اور جو کوئی مریض ہو یا سفر پر ہو تو وہ دوسرے دنوں میں روزوں کی تعداد پوری کرے۔ اللہ تمہارے ساتھ نرمی کرنا چاہتا ہے۔ سختی کرنا نہیں چاہتا۔ اس لیے یہ طریقہ تمہیں بتایا جا رہا ہے تاکہ تم روزوں کی تعداد پوری کر سکو اور جس ہدایت سے اللہ نے تمہیں سرفراز کیا ہے' اس پر اس کی کبریائی کا اظہار و اعتراف کرو اور شکر گزار بنو۔

احادیث شریفہ:

اتاکم شهر رمضان' شهر مبارک' فرض الله علیکم صیامه' تفتح فیه ابواب الجنة و تغلق فیه ابواب الجحیم' و تغل فیه مردة الشیاطین' و فیه لیلة خیر من الف شهر من حرم خیرها فقد حرم (کنز العمال عن ابی ہریرۃ)

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کی آمد پر ارشاد فرمایا "تمہارے پاس رمضان کا مہینہ آگیا ہے اس کے روزے اللہ نے تم پر فرض کیے ہیں اس مہینہ میں جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور سرکش شیطانوں کو جکڑ دیا جاتا ہے اور اس میں ایک ایسی رات ہوتی ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہوتی ہے۔ جو شخص اس رات کی خیر و بھلائی حاصل کرنے سے محروم رہا وہ تو بس محروم ہی رہ گیا۔

سبحان الله ما تستقبلون و ماذا یستقبلکم؟ شهر رمضان یغفر الله فی اول لیلة لکل اهل القبلة" قیل یا رسول الله المنافق؟ قال المنافق کافر و لیس للکافر فی ذٰلک شی (کنز العمال عن انسؓ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ اللہ ہی کے لیے تسبیح ہے' کیا خوب مہینہ ہے جس کا تم استقبال کر رہے ہو اور کیا کیا خوبیاں ہیں جو وہ تمہارے پاس لایا ہے۔ یعنی رمضان کا مہینہ' جس کی پہلی رات ہی کو اللہ تعالیٰ تمام اہل قبلہ (اہل ایمان) کی مغفرت فرما دیتا ہے۔ عرض کیا گیا اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) منافق کے لیے کیا ہے' آپؐ نے فرمایا منافق تو کافر ہوتا ہے اور کافر کے لیے اس ماہ مبارک میں کچھ نہیں ہے۔

اتقوا شهر رمضان' فانه شهر الله جعل لکم احد عشر شهرا تشبعون فیه و تروون' و شهر رمضان شهر الله فاحفظوا فیه انفسکم (کنز العمال۔ عن ابی امامة و واثلة بن الاسقع)

ابو امامہؓ اور واثلہ بن الاسقعؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا رمضان کے مہینے میں تقویٰ و پرہیزگاری اختیار کرو اس لیے کہ یہ اللہ کا مہینہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے گیارہ مہینے تمہارے لیے بنائے ہیں جن میں تم پیٹ بھر کر کھاتے اور پیتے ہو۔ رمضان کا مہینہ اللہ کا مہینہ ہے اس میں (اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے) اپنی حفاظت کرو۔

حضرات گرامی!

رمضان کا مہینہ ہر سال اہل ایمان کے لیے رحمتوں' برکتوں اور مغفرتوں کا پیغام لے کر آتا ہے۔ اس کی آمد پر ہر صاحب

ایمان روحانی خوشی و فرحت اور ایمان کی تازگی محسوس کرتا ہے اور اس کی برکات مقدور بھر سمیٹنے کی کوشش کرتا ہے۔ رمضان کی آمد پر اسلامی معاشرہ میں اسلامی زندگی اور نیک اعمال کی گویا بہار آ جاتی ہے۔ بھلا ایسا کیوں نہ ہو۔ جبکہ یہ ماہ مبارک نزول قرآن کا مہینہ ہے۔ (شهر رمضان الذی انزل فیه القرآن) وہ قرآن جو تمام انسانوں کے لیے پیغام ہدایت (هدی للناس) اور ایسی واضح تعلیمات پر مشتمل ہے جو راہ راست دکھانے والی اور حق و باطل کا فرق کھول کر رکھ دینے والی ہیں۔ (و بینت من الهدی والفرقان)

ہدایت کی عملی تربیت کا مہینہ

حضرات محترم!

یہ ماہ مبارک ہر سال تمام اہل ایمان کے لیے ہدایت الٰہی کا ایک تربیتی پروگرام لے کر آتا ہے۔ یہ تربیتی پروگرام روزہ کی فرض عبادت کی صورت میں ہوتا ہے۔ اسی لیے اس ماہ کو ماہ صیام (روزوں کا مہینہ) بھی کہا جاتا ہے۔ تربیت کے اس پروگرام میں شرکت ہر مسلم مرد و عورت پر لازم قرار دی گئی ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ..

لہٰذا اب سے جو شخص اس مہینے کو پائے' اس پر لازم ہے کہ اس پورے مہینے کے روزے رکھے۔

رمضان المبارک کی گوں ناگوں خصوصیات یعنی نزول قرآن' فرض روزہ کی عبادت' ہر نیکی پر اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی طرف سے کئی گنا اجر و ثواب اور نیک اعمال انجام دینے والوں کے لیے مغفرت کے پیغام کے اعتبار سے احادیث نبوی میں اس ماہ مبارک کو شهر الله (اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کا مہینہ) قرار دیا گیا ہے۔ اس میں خاص طور پر تقویٰ و پرہیزگاری اختیار کرنے اور اپنے آپ کو اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی نافرمانیوں سے بچانے کی تلقین کی گئی ہے۔ اسی مضمون کی ایک حدیث خطبہ کے آغاز میں آپ کے سامنے پیش کی گئی ہے۔ جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

اتقوا شهر رمضان فانه شهر الله

رمضان کے مہینے میں تقویٰ و پرہیزگاری اختیار کرو کیونکہ یہ اللہ کا مہینہ ہے۔

اور فرمایا کہ:

فاحفظوا فيه انفسكم

اور اس میں اپنی حفاظت کرو (یعنی اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے بچاؤ)۔

معزز سامعین!

رمضان کی اس اہمیت اور فضیلت کو سامنے رکھتے ہوئے آئیے اب اس بات پر غور کریں کہ ہمیں اس ماہ مبارک کا استقبال کس طرح کرنا چاہیے!

ہمارا یہ معمول ہے کہ ہماری زندگی کی سرگرمیوں میں جب کوئی اہم موقع آنے والا ہوتا ہے تو ہم اس موقع کی اہمیت اور اس کی مناسبت سے اس کے لیے پہلے سے تیاری کرتے ہیں اور اپنی استطاعت کے مطابق بہتر سے بہتر پروگرام بناتے ہیں۔ تاکہ عین وقت پر کوئی پریشانی نہ ہو اور اس موقع پر جو جو کام بھی کرنے ہیں وہ صحیح طور پر انجام پا جائیں۔

رمضان المبارک ایک مسلمان کی زندگی میں سال کے دوسرے مہینوں کے مقابلے میں کئی اعتبار سے بڑی اہمیت کا حامل

ہے۔ اس مہینے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک فرض عبادت' روزہ کی ادائیگی کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ عبادات اسلام کی دوسری فرض عبادات نماز' زکوٰۃ اور حج کی طرح بعض مخصوص مقاصد رکھتی ہے یعنی تقویٰ و پرہیزگاری کا حصول' نعمت ہدایت پر اللہ تعالیٰ کی کبریائی کا اظہار و اعتراف اور عملی شکر۔ روزہ کے ان مقاصد کا ذکر قرآن کریم میں اس طرح کیا گیا ہے۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿١٨٣﴾ (البقرہ ۲: ۱۸۳)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو' تم پر روزے فرض کر دیئے گئے جس طرح تم سے پہلے انبیاء کے پیروؤں پر فرض کیے گئے تھے۔

وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿١٨٥﴾ (البقرہ ۲: ۱۸۵)

(یہ فرض اس لیے تم پر عائد کیا گیا ہے تاکہ) جس ہدایت سے اللہ نے تمہیں سرفراز کیا ہے اس پر اللہ کی کبریائی کا اظہار کرو اور شکر گزار بنو۔

حضرات گرامی!

رمضان المبارک کی اہمیت اور فضیلت کے متعلق چند نکات جو آپ کے سامنے پیش کیے گئے ہیں ان کو پیش نظر رکھتے ہوئے مناسب یہ ہو گا کہ ہم رمضان المبارک کی آمد سے پہلے ہی اپنی اہم سرگرمیوں کا ایک پروگرام ترتیب دے لیں تاکہ اس مہینے میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی خصوصی رحمت' مغفرت اور جہنم سے آزادی کی جو نوید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سنائی ہے ہم اپنے آپ کو زیادہ سے زیادہ اس کا مستحق بنا سکیں۔ ایسا نہ ہو کہ رمضان کا پورا مہینہ گزر جائے' اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور مغفرتوں کی بارش ہوتی رہے اور منظم طور پر اپنے اوقات کو نہ گزارنے کی وجہ سے ہماری جھولی خالی رہ جائے یا ہم اس ماہ مبارک کے بہت کم فوائد سمیٹ سکیں۔ اس سلسلہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تنبیہ کو بھی اپنے سامنے رکھنا چاہیے۔ آپ کا ارشاد ہے:

کم من صائم لیس لہ من صیامہ الا الظمأ و کم من قائم لیس لہ من قیامہ الا السھر

(رواہ الدارمی عن ابی ہریرۃؓ)

کتنے ہی روزہ دار ایسے ہیں کہ جنہیں اپنے روزوں سے سوائے پیاس کے کچھ حاصل نہیں ہوتا اور کتنے ہی راتوں کو کھڑے ہونے والے ایسے ہیں کہ جنہیں اپنی عبادت سے رات کی نیند سے محرومی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ (دارمی)

حضرات محترم!

اس ماہ مبارک میں یوں تو کرنے کے بہت سارے کام ہو سکتے ہیں جن کا تعین ہر شخص اپنے حالات اور اوقات کے مطابق کر سکتا ہے۔ تاہم جن چند باتوں کو اپنے معمولات میں شامل کرنا نہایت ضروری ہے وہ یہ ہیں۔

(۱) ایمان و عمل میں ہم آہنگی کی شعوری کوشش

الحمد للہ ہم سب اہل ایمان ہیں۔ یعنی اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی ذات و صفات پر دل سے یقین رکھتے ہیں اور زبان سے ان کا اقرار کرتے ہیں لیکن ہمارے کردار میں عموماً جو کوتاہی ہے وہ یہ ہے کہ ہماری فکر اور سوچ اور تمام اعمال کلی طور پر اس ایمان

کے مطابق نہیں ہیں۔ لہٰذا رمضان المبارک میں کرنے کا پہلا کام یہی ہے کہ ہم اپنے ایمان کو فکر و عمل کے سانچے میں ڈھالنے کی شعوری کوشش کریں۔ اگر ایمان اور اس کے تقاضے ہماری سوچ اور فکر کا محور بن جائیں اور ہم جو کام بھی کریں وہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے حصول کے لیے اور آخرت کے اجر و ثواب کو مدنظر رکھ کر کریں اور ان ہدایات اور رہنمائی کے مطابق کریں جو اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دی ہیں تو اس طرزِ عمل سے نہ صرف یہ کہ ہمارے ایمان کی تکمیل ہو گی بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ہم اس خوشخبری کے مستحق بننے کے امیدوار بھی ہو سکیں گے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان المبارک میں اس طرح کی شعوری عبادت کرنے والوں کو دی ہے۔

ایمان کی تکمیل کے سلسلہ میں آپؐ نے ہماری رہنمائی اس طرح فرمائی ہے۔

من ابغض للہ واعطی للہ و منع للہ فقد استکمل الایمان

جس شخص نے اللہ کے لیے دوستی کی اور اللہ ہی کی خاطر دشمنی کی اور اللہ کی رضا کے حصول کے لیے اپنا مال خرچ کیا یا اس کی ناراضگی کے خوف سے خرچ نہ کیا تو اس نے اپنے ایمان کو مکمل کر لیا۔

نیز آپ کا ارشاد ہے:

ذاق طعم الایمان من رضی باللہ ربا و بالاسلام دینا و بمحمد نبیا

ایمان کا مزہ اس شخص نے چکھ لیا جو اللہ کو اپنا رب بنا کر اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا نبی تسلیم کر کے راضی ہو گیا۔

رمضان المبارک میں اگر ہم اپنے ایمان اور فکر و عمل کو ہم آہنگ کرنے کی شعوری کوشش کریں تو یہ اصلاح احوال کی طرف ایک اہم پیش رفت ہو گی۔ دوران رمضان اس کیفیت میں اضافے کے لیے ہمارے روزے اور دیگر اعمال میں یہی فکر کارفرما رہنی چاہیے۔ اور ہمیں اپنے ایمان کو اس سطح پر لانے کی کوشش کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پسند ہماری پسند بن جائے اور ان کی ناپسند ہماری ناپسند ہو جائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوران رمضان مختلف عبادات کا اہتمام کرتے ہوئے جس ایمانی کیفیت کے استحضار اور ثواب آخرت کی امید کا جذبہ دل میں رکھنے کی ہدایت فرمائی ہے اسے بھی پیش نظر رکھنا چاہیے۔ آپؐ کا ارشاد ہے:

من صام رمضان ایمانا و احتسابا غفرلہ ما تقدم من ذنبہ و من قام (رمضان) ایمانا و احتسابا غفرلہ ما تقدم من ذنبہ و من قام لیلۃ القدر ایمانا" و احتسابا" غفرلہ ما تقدم من ذنبہ (متفق علیہ عن ابی ہریرۃؓ)

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس شخص نے رمضان کے روزے رکھے ایمان اور احتساب (احتساب اس چیز کا نام ہے کہ آدمی اپنے تمام نیک اعمال پر صرف اللہ تعالیٰ کے اجر کا امیدوار ہو اور جو کام بھی کرے خالصتاً" اس کی رضا جوئی کے لیے کرے) کے ساتھ' تو اس کے وہ سب گناہ معاف کر دیے جائیں گے جو اس سے پہلے سرزد ہوئے ہوں گے۔ جس نے رمضان میں قیام کیا (کھڑے ہو کر عبادت کی) ایمان اور احتساب کے ساتھ تو اس کے وہ سب قصور بھی معاف کر دیے جائیں گے جو اس سے پہلے کیے ہوں گے اور جس نے لیلۃ القدر میں قیام کیا ایمان اور احتساب کے ساتھ تو معاف کر دیے جائیں گے اس کے وہ سب گناہ جو اس نے پہلے کیے ہوں گے۔

نمازوں کی پورے اہتمام اور توجہ سے ادائیگی

دین اسلام میں ایمان کے بعد جس عمل کی سب سے زیادہ اہمیت ہے وہ نماز ہے۔ اگر آپ نماز با جماعت کے پابند ہیں تو اس پابندی کا اس ماہ مبارک میں اور زیادہ خیال رکھئے اور نماز پوری توجہ اور دل کی حضوری (خشوع و خضوع) کے ساتھ ادا کرنے کی کوشش کیجیے۔ اور مزید بہتر طور پر نماز ادا کرنے کی اللہ تعالیٰ سے توفیق بھی طلب کیجیے اگر خدانخواستہ آپ نماز کے پابند نہیں ہیں تو رمضان المبارک میں نماز کی پوری پابندی کیجیے اور یہ عہد کیجیے کہ میں آئندہ کبھی نماز ترک نہیں کروں گا۔ اور نماز میں سابقہ کوتاہی پر اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ و استغفار بھی کیجیے اور اس سے مدد اور توفیق طلب کرنے کے لیے ہر نماز کے بعد اس سے یہ مسنون دعا بھی مانگتے رہیے۔

اللھم اعنی علی ذکرک و شکرک و حسن عبادتک

اے اللہ میری مدد فرما اپنا ذکر کرنے' اپنا شکر کرنے اور بہترین طریقہ سے اپنی عبادت کرنے میں۔

اسی طرح اس مسنون دعا کا پڑھنا اپنی عاجزی کے اظہار اور نیک اعمال کی توفیق طلب کرنے کے لیے بڑا مفید ہے۔

اللھم انی ضعیف فقو نی رضاک ضعفی و خذ الی الخیر بناصیتی واجعل الاسلام منتھی رضائی اللھم انی ضعیف فقونی و انی ذلیل فاعزنی و انی فقیر فارزقنی (طبرانی)

"اے اللہ! میں تیرا کمزور بندہ ہوں تو اپنی رضامندی حاصل کرنے کی راہ میں میری کمزوری کو قوت سے بدل دے اور میری پیشانی پکڑ کر میرا رخ نیکی اور بھلائی کی طرف پھیر دے اور دین اسلام کو میری انتہائی آرزو بنا دے۔ اے میرے اللہ! میں ضعیف و ناتواں ہوں تو میری ناتوانی کو توانائی سے بدل دے' میں ذلت و پستی میں ڈوبا ہوا ہوں مجھے عزت بخش دے' میں فقیر و محتاج ہوں مجھے ضروریات عطا فرما دے۔ (آمین)

اس کے ساتھ ساتھ نماز کے ضروری مسائل معلوم کرنے کے لیے کسی اچھی سی کتاب کا مطالعہ بھی کرتے رہیے۔ فرائض کے ساتھ ساتھ نوافل بھی ادا کیجیے خصوصاً" نوافل تہجد جو ۴' ۸ یا ۱۲ کی تعداد میں سحری کے وقت بہ آسانی پڑھے جا سکتے ہیں۔ یہ بھی یاد رکھئے کہ رمضان المبارک میں نوافل کا ثواب فرائض کے برابر ملتا ہے۔

نیز نماز تہجد کا وقت دعا کی قبولیت کا خاص وقت ہے۔ للذا نماز تہجد کے بعد پوری توجہ اور عاجزی سے اللہ تعالیٰ کے حضور گڑگڑا کر اپنے گناہوں کی معافی طلب کیجیے اور اس سے دنیا و آخرت کی ہر نعمت کا سوال کیجیے اور ملک و ملت کی سلامتی و خوشحالی اور تمام اہل ایمان کے اتحاد و اتفاق' خصوصاً" دنیا کے مظلوم مسلمانوں کی کامیابی اور ظلم سے نجات کے لیے نہایت خلوص کے ساتھ دعائیں مانگتے رہیے۔

اللہ کی راہ میں انفاق

قرآن کریم میں نماز کے بعد اہل ایمان کا دوسرا بڑا وصف یہ بتایا گیا ہے کہ جو رزق اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے انھیں دیا ہے وہ اس کی خوشنودی کے لیے خرچ کرتے ہیں۔ ہم عموماً" اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کا مطلب صرف زکواۃ ادا کرنا سمجھتے ہیں۔ حالانکہ صحیح بات یہ ہے کہ زکواۃ تو سال بھر میں روزہ کی طرح صرف ایک مرتبہ ادا کرنا فرض ہے اور وہ بھی صرف مالدار لوگوں

پر۔ قرآن کریم نے اہل ایمان میں انفاق کی جس صفت کا ذکر کیا ہے اس سے مراد تو اللہ تعالیٰ کی راہ میں حسب توفیق خرچ کرنا ہے جو ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے اور یہ انفاق نماز کی طرح سارے سال ہی جاری رہنا چاہیے اور رمضان المبارک کے دوران میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کرتے ہوئے یہ انفاق زیادہ سے زیادہ کرنا چاہیے۔ مختلف احادیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ آپؐ رمضان میں بہت زیادہ سخاوت فرمایا کرتے تھے اور کوئی سائل بھی آپ کے پاس سے محروم نہیں لوٹتا تھا۔

اس سلسلہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیرو بھلائی کے معاملے میں تمام انسانوں سے زیادہ فیاض تھے اور خاص طور پر رمضان میں بے انتہا فیاض ہوجاتے تھے۔ جبرئل علیہ السلام رمضان میں ہر رات آپؐ کے پاس آتے تھے اور آپ انھیں قرآن کریم سناتے تھے۔ جب جبرئل علیہ السلام آپ سے ملتے تھے تو آپؐ خیرو بھلائی کے معاملے میں چلتی ہوئی ہوا سے بھی زیادہ فیاض ہو جاتے تھے۔ (یعنی جس طرح ہوا چلنے کے بعد کہیں رکتی نہیں اور ہر چیز پر سے گزرتی ہے اور ہر جگہ پہنچتی ہے) (بخاری و مسلم) یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ انفاق اس مال ودولت کا شکرانہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں دیا ہے اور رمضان المبارک میں کیے گئے انفاق پر دوسرے مہینوں کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کے ہاں کئی گنا زیادہ اجر و ثواب ملنے کی توقع بھی کی جا سکتی ہے۔ اس لیے کہ اس مہینے میں نفل نیکی کا ثواب فرض کے برابر اور فرض نیکی کا اجر ستر گنا زیادہ عطا کیا جاتا ہے۔

رفاقت قرآن مجید

حضرات گرامی!

رمضان المبارک کی عظمت کا اصل سبب یہ ہے کہ اس میں قرآن کریم کا نزول ہوا۔ اسی لیے اس مہینہ کو روزہ کی عبادت کے لیے مخصوص کیا گیا ہے تاکہ اہل ایمان اس میں قرآن کریم کی تلاوت کریں اس کا علم حاصل کریں اور روزہ کے ذریعہ سے اس کتاب ہدایت پر عمل کرنے کے لیے تقویٰ کی قوت اپنے اندر پیدا کریں۔ لہٰذا ہمیں بھی کوشش کرنی چاہیے کہ اس ماہ کے دوران میں زیادہ سے زیادہ وقت اللہ کے کلام کی رفاقت میں گزاریں اس کی ذوق و شوق سے تلاوت کریں۔ دوران تلاوت ہماری نگاہ ترجمہ پر بھی رہے۔ مزید اپنے علم اور ذوق کے مطابق کسی تفسیر سے روزانہ چند آیات کے مطالب بھی سمجھنے کی کوشش کریں۔ اسی طرح روزانہ چند احادیث نبوی کا مطالعہ بھی اپنے پروگرام میں شامل کریں۔ قرآن و حدیث کے اس مطالعہ سے ہمیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے آگاہی ہو گی اور ہمیں پتہ چلے گا کہ زندگی کے ہر معاملے میں اسلام نے ہماری کیا رہنمائی کی ہے اور ہمارے عمل میں کیا کیا کوتاہیاں پائی جاتی ہیں جن کی اصلاح کی ضرورت ہے۔

آخری عشرہ رمضان میں عبادت کا خصوصی اہتمام

حضرات محترم!

یوں تو سارا رمضان ہی خیرو برکت کا سرچشمہ ہے اور ان ایام میں دعا و عبادت کا جتنا بھی اہتمام کیا جائے وہ کم ہے لیکن رمضان کا آخری عشرہ اپنی بعض خصوصیات کے اعتبار سے پہلے دونوں عشروں سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ ایک حدیث نبوی کے

مطابق یہ دوزخ سے آزادی کا عشرہ ہے۔ نیز اس عشرہ میں وہ رات ہوتی ہے جس کو قرآن کریم میں لیلۃ القدر (قدر و منزلت والی رات) قرار دیا گیا ہے۔ اس رات کی عبادت کی ہزار مہینوں سے بھی زیادہ فضیلت بتائی گئی ہے۔ اسی مبارک رات میں قرآن کریم کا نزول شروع ہوا تھا۔ یہ رات مصلحتاً متعین نہیں کی گئی۔ احادیث نبوی میں صرف یہ بتایا گیا ہے کہ لیلۃ القدر کو رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔ یہ دراصل اس بات کی ترغیب ہے کہ رمضان المبارک کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں حسب استطاعت شب بیداری کر کے عبادت کا خصوصی اہتمام کیا جائے۔

اس سلسلہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا مبارک عمل یہ تھا کہ آپ رمضان کے آخری دس دنوں میں عبادت میں زیادہ محنت و کوشش فرماتے تھے۔

ایک روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری دس دنوں میں جس قدر سخت محنت کرتے تھے اتنی کسی اور زمانے میں نہیں کرتے تھے۔ اس روایت کے الفاظ یہ ہیں:

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یجتھد فی العشر الاواخر مالا یجتھد فی غیرہ

(رواہ مسلم، عن عائشہؓ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے ایک دوسری روایت میں ہے کہ:

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا دخل العشر شد مئزرہ و أحیاء لیلہ و ایقظ اھلہ (متفق علیہ)

یعنی جب رمضان کی آخری دس تاریخیں آتی تھیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عبادت کے لیے کمربستہ ہو جاتے تھے۔ راتوں کو آپ خود بھی جاگتے تھے اپنے گھر والوں کو بھی جگاتے تھے۔

اعتکاف

رمضان کے آخری عشرہ میں عبادت کے خصوصی اہتمام کی غرض سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں اعتکاف بھی فرمایا کرتے تھے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یعتکف العشر الاواخر من رمضان حتی توفاہ اللہ ثم اعتکف ازواجہ من بعدہ (متفق علیہ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری دس دنوں میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وفات بخشی۔ پھر آپ کے بعد آپ کی ازواج مطہراتؓ اعتکاف کیا کرتی تھیں۔

افطار کے وقت خصوصی دعائیں

افطار کا وقت بھی قبولیت دعا کا خصوصی وقت ہے۔ لہٰذا افطار سے چند منٹ پہلے اللہ تعالیٰ کے حضور پوری توجہ اور عاجزی کے ساتھ دل کھول کر دعائیں مانگیں۔

دعوت الی اللہ

حضرات محترم!

دین اسلام پر خود عمل کرنے کے ساتھ ساتھ قرآن کریم کی رو سے ملت اسلامی کے ہر فرد کی یہ ذمہ داری بھی ہے کہ وہ عوام الناس کو دین و شریعت الٰہی پر عمل کرنے کی مناسب انداز میں دعوت بھی دے اور خصوصاً اپنے اہل و عیال کی دینی اصلاح کی فکر کرے۔ امت مسلمہ کا مقصد وجود قرآن کریم میں یہی بتایا گیا ہے:

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ ۗ (آل عمران ۳:۱۱۰)

"اب دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت و اصلاح کے لیے میدان میں لایا گیا ہے تم نیکی کا حکم دیتے ہو بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو"۔

لہٰذا رمضان المبارک میں آئندہ کے لیے نیکی کی دعوت دوسروں تک پہنچانے کا پختہ عزم بھی کرنا چاہیے اور حتی الوسع دوران رمضان اس کی عملی کوشش بھی کرنی چاہیے یاد رکھئے غزوہ بدر اور فتح مکہ کے عظیم الشان معرکے رمضان کے مبارک مہینے ہی میں ہوئے تھے۔ دین کی دعوت کے لیے بنیادی شرط دینی علم کا حصول ہے۔ دوران رمضان عام دینی کتب کے مطالعہ کا ایک نصاب بھی بنانا چاہیے اور روزانہ اس میں سے کچھ نہ کچھ مطالعہ کرنا چاہیے جب ہمارے دینی علم میں اضافہ ہوگا تو ہم اپنے عمل کو بہتر بنا سکیں گے اور دوسروں کو دین کی صحیح اور جامع بات بھی بتا سکیں گے۔

حضرات گرامی!

اگر ہم اپنی عملی زندگی کو برکتوں اور سعادتوں والے اس مہینے میں ایک منظم پروگرام کے تحت گزاریں اور اپنے اعمال کو نزول قرآن کے اس مہینے میں قرآن کریم اور سنت نبویؐ سے زیادہ سے زیادہ قریب کرلیں تو یقیناً ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگی میں انقلاب آ سکتا ہے۔ دوران رمضان اپنی اصلاح کی شعوری کوشش کرنا ہی دراصل بہترین استقبال رمضان ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے اور رمضان کے مبارک ایام کی برکتیں بھرپور طریقہ سے حاصل کرنے میں ہماری رہنمائی و مدد فرمائے۔ آمین۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

روزہ اور تزکیہ نفس

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ، وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَھْلِ بَیْتِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ۔

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آیت مبارکہ:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۳﴾ (البقرہ ۲:۱۸۳)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو' تم پر روزے فرض کر دیے گئے جس طرح تم سے پہلے انبیاء کے پیروؤں پر فرض کیے گئے تھے اس سے توقع ہے کہ تم میں تقویٰ کی صفت پیدا ہو گی ۔

احادیث شریفہ:

و قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم

(۱) الصیام نصف الصبر و علی کل شی زکوٰۃ' و زکوٰۃ الجسد الصیام

روزے (صفت) صبر کا نصف ہیں اور ہر چیز کی ایک زکواۃ ہوتی ہے اور انسانی جسم کی زکواۃ روزے ہیں ۔ (کنز العمال۔ فصل الصوم۔ عن ابی ھریرۃؓ)

(۲) الصیام جنۃ و حصن من حصون المومن و کل عمل لصاحبہ الا الصیام یقول اللہ : الصیام لی و انا اجزی بہ

روزے ڈھال ہیں۔ اور مومن کے قلعوں میں سے ایک قلعہ ہیں۔ ہر عمل اس عمل کے کرنے والے کے لیے ہوتا ہے سوائے روزوں کے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "روزے میرے لیے ہیں اور ان کا بدلہ (دینے والا) میں خود ہوں ۔

(۳) اذا کان یوم صوم احدکم فلا یرفث ولا یجهل' فان امرؤ شاتمه' او قاتله فلیقل انی صائم
(کنزالعمال۔ عن ابی ھریرۃؓ)

جب تم میں کوئی شخص کسی دن کا روزہ رکھے تو وہ بدگوئی نہ کرے اور نہ جہالت کی کوئی بات کرے اگر کوئی شخص اسے گالی دے یا اس سے لڑے تو اسے اس سے کہہ دینا چاہیے کہ میں روزے سے ہوں۔

حضرات گرامی!

قرآن کریم کی رو سے عبادت وہ اصل مقصد ہے جس کی خاطر انسانوں کو پیدا کیا گیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴿٥٦﴾ (الذاریات ۵۱:۵۶)

اسلام میں عبادت کا تصور یہ ہے کہ مسلمان کی ساری زندگی' اپنے رب کی اطاعت و بندگی میں بسر ہو۔ اس دنیا میں وہ جو کچھ بھی کرے اللہ تعالٰی کی شریعت کے مطابق کرے۔ اس کی زندگی کے تمام اعمال اللہ تعالٰی کے قانون کی پابندی کرتے ہوئے انجام پائیں۔ زندگی میں جو خدمات بھی اس کے سپرد کی جائیں اور جو فرائض بھی اس پر عائد ہوں ان کو وہ پورے اخلاص اور تن دہی سے انجام دے اور اس طریقے سے انجام دے جس طریقے سے اللہ تعالٰی نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے ان کے انجام دینے کی ہدایت کی ہے۔

حضرات محترم!

اللہ تعالٰی نے ہر مسلمان مرد و عورت پر چار بنیادی عبادتیں فرض کی ہیں یعنی نماز' زکواۃ' روزہ اور حج۔ یہ عبادتیں بجائے خود بھی بندگی کے مختلف مظاہر ہیں اور انسانی زندگی پر ان کے نہایت اہم اثرات بھی مرتب ہوتے ہیں۔ ان عبادات کو اگر شعوری طور پر ادا کیا جائے تو یہ انسان کی پوری زندگی کو مکمل عبادت میں تبدیل کرنے میں مدد و معاون ثابت ہوتی ہیں۔ ان کی اسی اہمیت کے اعتبار سے ان کو ارکان اسلام کا درجہ دیا گیا ہے۔ بالفاظ دیگر اسلامی زندگی کی عمارت جن پانچ ستونوں پر قائم ہے ان میں سے پہلا ستون ایمان ہے اور باقی چار ستون یہ چاروں عبادات ہیں۔

روزے کے انسانی زندگی پر اثرات

محترم سامعین!

اللہ رب العالمین نے انسان کو مختلف جذبات اور میلانات عطا کیے ہیں۔ یہ جذبات و میلانات اگر حد اعتدال میں رہیں تو انسان کے لیے نہایت مفید ہیں لیکن اگر یہ حد اعتدال سے بڑھ جائیں تو انسان کی زندگی کو آرام دہ بنانے کے بجائے تکلیف دہ بنا دیتے ہیں مثلاً کھانے پینے کی خواہش اگر حد سے بڑھ جائے تو پرخوری کی وجہ سے آدمی طرح طرح کی بیماریوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اگر جنسی خواہشات جائز حدود سے متجاوز ہو جائیں تو آدمی نہ جانے کتنی ہلاکتوں میں مبتلا ہو جاتا ہے اور دوسروں کو بھی ہلاکتوں میں مبتلا کرتا

ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص ضرورت سے زیادہ آرام کا عادی ہو جائے تو وہ نکما اور ست الوجود ہو جاتا ہے اور کاہلی اسے کسی کام کا نہیں چھوڑتی۔

اسلام میں روحانی ترقی اس چیز کا نام ہے کہ انسان اپنی خواہشات نفس پر قابو پالے اور اپنے ذہن اور جسم کی تمام طاقتوں سے صحیح کام لے' اپنے اخلاق میں اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کے اخلاق سے قریب تر ہونے کی کوشش کرے۔ دنیوی زندگی میں جہاں قدم قدم پر آزمائش کے مواقع پیش آتے ہیں وہاں وہ حیوانی اور شیطانی طریق کار سے بچتے ہوئے پورے شعور اور تمیز کے ساتھ اس طریقے پر کاربند رہے جو انسان کے شایان شان ہے۔ اس طرز عمل کو شعوری طور پر اختیار کرنے سے انسان کو اللہ تعالیٰ کا انتہائی قرب حاصل ہوتا چلا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ ایک مقام وہ آتا ہے جب اس کے ہاتھ' اس کی آنکھیں اس کے پاؤں اور جسم کے دوسرے اعضاء سے کوئی ایسا عمل سرزد نہیں ہوتا جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف ہو اس طرح وہ اللہ تعالیٰ کی مرضیات کا پابند ہو کر اس کی رضا مندی اور خوشنودی کا مستحق ہو جاتا ہے یہی وہ مقام ہے جس پر پہنچنے کے بعد بندہ اپنے رب سے راضی ہو جاتا ہے اور اس کا رب اس سے راضی ہو جاتا ہے۔ رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ!

حضرات گرامی!

نفس انسانی کے جو پہلو سب سے زیادہ زور دار ہیں ان میں شہوات' خواہشات اور جذبات سب سے نمایاں ہیں۔ ان کی فطرت میں اشتعال اور ہیجان (جوش) پایا جاتا ہے۔ اس وجہ سے انسان کی قوت ارادی کو ان پر قابو پانے میں بڑی مشکل پیش آتی ہے۔ قدیم مذاہب کی تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ تزکیہ نفس کے خواہش مند لوگ سرے سے اس بات سے مایوس ہو گئے کہ ان کو قابو میں بھی لایا جا سکتا ہے چنانچہ انہوں نے ان کی تربیت کے بجائے ان کو ختم کرنے کی تدبیریں سوچیں اور اختیار کیں اور نفس کشی کے لیے طرح طرح کے غیر فطری طریقے اختیار کیے۔ لیکن اسلام چونکہ دین فطرت ہے اور یہ چیزیں بھی فطرت کا لازمی حصہ ہیں لہٰذا اس نے ان کو ختم کرنے کے بجائے صحیح راہ پر لگانے کا حکم دیا۔ لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ ان خواہشات و جذبات کو قابو کرنا ختم کر دینے کے مقابلے میں زیادہ مشکل کام ہے۔ جس طرح ایک منہ زور گھوڑے کو ختم کر دینا ہو تو اس کو مار ڈالنے کے لیے زیادہ اہتمام کی ضرورت نہیں بندوق کی بس ایک ہی گولی اسے ٹھنڈا کرنے کے لیے کافی ہے۔ لیکن اگر اس کو رام کر کے سواری کے کام میں لانا ہے تو یہ مقصد ایک ماہر شہسوار بڑی مشقتوں' بڑی ریاضتوں اور بہت سے خطرات کا مقابلہ کرنے کے بعد ہی حاصل کر سکتا ہے۔

روزہ تزکیہ نفس کی عبادت ہے

حضرات گرامی!

شہوات اور خواہشات نفس کے غلبہ سے انسان کے اندر جو غفلت اور حدود اللہ سے بے پروائی اور تجاوز کی جو کیفیات فطری طور پر پیدا ہوتی ہیں ان کی اصلاح کے لیے اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ جو ہمارا خالق ہے اور

ہماری فطرت سے پوری طرح آگاہ ہے اس نے روزے کی عبادت مقرر کی ہے۔ تزکیہ نفس کے نقطہ نظر سے اس عبادت کا نشان قدیم مذاہب میں بھی ملتا ہے۔ لیکن ان مذاہب میں اس عبادت کے آداب و شرائط اسلام کی نسبت زیادہ سخت تھے اور روزے کی پابندیاں عام آدمی کے لیے ناقابل برداشت تھیں' ان پابندیوں کو خاص خاص لوگ ہی برداشت کر سکتے تھے۔ مثلاً اہل کتاب کے روزوں میں سحری کرنا نہیں تھا ان کا روزہ سورج غروب ہونے کے بعد شروع ہوتا تھا اور وہ رات ہی کو کھا پی کر فارغ ہو جاتے تھے پھر وہ روزہ دوسرے دن کے سورج غروب ہونے تک چلتا تھا۔ ان کے اندر جو لوگ زیادہ زہد و تقویٰ کے دعوے دار ہوتے تھے وہ اپنے اظہار کمال کے لیے دوسرے دن کا روزہ کھولتے ہی اگلا روزہ شروع کر دیتے تھے اور کوئی اللہ کا بندا ایسا بھی ہوتا تھا جو مثلاً مٹر کے ایک دانے سے روزہ کھول لیتا اور دوسرا روزہ شروع کر لیتا تھا اسی طرح جو جتنا بڑا راہب ہوتا وہ اتنے ہی زیادہ دنوں کا روزہ ایک ساتھ رکھتا تھا۔ قدیم مذاہب میں روزہ کا تصور یہ تھا کہ آدمی اپنے جسم کو زیادہ سے زیادہ تکلیف پہنچا کر اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کر سکتا ہے۔ اسلام دین فطرت ہے اس لیے اس نے عبادات' انسانی تربیت کے لیے مقرر فرمائی ہیں اور ان عبادات کا مقصود انسان کو اللہ تعالیٰ کے حکم کا پابند بنانا ہے اور اس کی نعمتوں پر اس کا شکر ادا کرنا ہے۔ تکلیف میں مبتلا کرنا اور مشقت میں ڈالنا نہیں۔ روزہ کی فرضیت کے بیان میں قرآن کریم نے اسی حقیقت کو اس طرح اجاگر کیا ہے:

يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (البقرہ ۲:۱۸۵)

اللہ تمہارے ساتھ نرمی کرنا چاہتا ہے' سختی کرنا نہیں چاہتا۔

روزے کی برکات

حضرات گرامی!

روزے کی عبادت فرض کرنے کا ایک اہم مقصد یہ ہے کہ ایک طرف نفس انسانی کے سرکش رجحانات ضعیف ہو کر اعتدال پر آ جائیں اور دوسری طرف انسان کی قوت ارادی مضبوط ہو کر مختلف رجحانات کو حدود الٰہی کا پابند بنا سکے۔ تزکیہ نفس کے اس پہلو سے اس عبادت کی بڑی اہمیت ہے اور اس کی برکات کی بھی کوئی حد و نہایت نہیں۔ تزکیہ نفس کے اعتبار سے روزے کی بے شمار برکات میں سے چند اہم برکات یہ ہیں۔

(ا) صبر کی بہترین تربیت

ایک حدیث نبوی میں روزے کی یہ برکت بیان کی گئی ہے کہ وہ برائیوں سے بچانے والی ڈھال ہیں۔ ارشاد نبوی ہے:

الصیام جنة واذاکان یوم صوم احدکم فلا یرفث ولا یصخب فان سابه احد او قاتله فلیقل انی امرؤ صائم (متفق علیہ)

روزے ڈھال ہیں جب کسی کا روزہ ہو تو اسے چاہیے کہ نہ بدکلامی کرے اور نہ شور و شغب کرے۔ اگر اس سے کوئی شخص گالم گلوچ کرے یا لڑے جھگڑے تو اس سے کہے بھائی میں روزے سے ہوں۔

شریعت الٰہی کی پابندی کے لیے سب سے ضروری چیز صبر و برداشت کی قوت ہے اسی صبر و برداشت سے قوت ارادی مضبوط ہوتی ہے اور انسان تمام شیطانی ترغیبات اور نفسانی خواہشات پر قابو پا سکتا ہے۔ پھر اسی صبر کی اعلیٰ صورت تقویٰ و پرہیزگاری کی وہ صفت ہے جو تمام نیک اعمال کی بنیاد ہے۔ اور روزے کا اصل مقصود بھی یہی تقویٰ ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (البقرہ ۲:۱۸۳)

اے ایمان والو تم پر روزے فرض کر دیے گئے جس طرح تم سے پہلے انبیاء کے پیروؤں پر فرض کیے گئے تھے اس سے توقع ہے کہ تم میں تقویٰ کی صفت پیدا ہو گی۔

شیطان انسان پر عموماً" خواہشات' جذبات اور شہوات کی راہ سے حملہ آور ہوتا ہے۔ اگر آدمی روزہ رکھ کر بدکلامی اور لڑائی جھگڑے سے عملاً پرہیز کرے تو اس سے اسے اپنی خواہشات اور جذبات پر قابو پانے میں مدد ملتی ہے اور یہ مشق اگر وہ پورے ایک ماہ جاری رکھے تو اس کی قوت ارادی مضبوط ہو جاتی ہے اور ضبط نفس اس کی عادت بن جاتی ہے۔ اور مضبوط قوت ارادی اور ضبط نفس کی مدد سے وہ رمضان کے بعد بھی اپنی خواہشات کو حد اعتدال پر قائم رکھ سکتا ہے اور ان تمام نافرمانیوں اور گناہوں سے اپنے آپ کو بچا سکتا ہے جو انسانی خواہشات و جذبات کے غلبے کے باعث وجود میں آتی ہیں۔

اللہ سبحانہ' و تعالیٰ کا قرب اور ملائکہ سے مناسبت

حضرات گرامی!

ایک روزہ دار جب روزہ کی پابندیاں قبول کر لیتا ہے تو اس کا کھانا پینا اور سونا کم ہو جاتا ہے اور جنسی خواہشات پر بھی بعض پابندیاں عائد ہو جاتی ہیں۔ ان پابندیوں کے انسانی روح پر مثبت اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ نفس انسانی کے شہوانی و حیوانی میلانات کم ہو جاتے ہیں اور ملکوتی صفات کی نشو و نما ہونے لگتی ہے۔

نہ کھانا' نہ پینا اور نہ سونا چونکہ صفات الٰہی اور صفات ملائکہ ہیں لہٰذا روزہ دار روزہ رکھ کر ایک حد تک صفات الٰہی اور صفات ملائکہ سے جب مشابہت پیدا کرتا ہے تو اس سے اسے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے اور وہ عظیم اجر کا مستحق قرار پاتا ہے۔

روزہ کی یہی خصوصیت ہے جس کے سبب اللہ سبحانہ' و تعالیٰ نے اسے اپنے ساتھ ایک خاص نسبت دی ہے اور روزہ دار کو خاص اپنے ہاتھ سے جزا دینے کا وعدہ فرمایا ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

كل عمل ابن آدم يضاعف الحسنة بعشر امثالها الى سبعمائة ضعف قال الله تعالى الا الصوم فانه لي و انا اجزي به' يدع شهوته و طعامه من اجلي۔ للصائم فرحتان فرحة عند فطره و فرحة عند لقاء ربه ولخلوف فم الصائم اطيب عند الله من ريح المسك .... (متفق علیہ۔ عن ابی ھریرۃ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابن آدم کا ہر عمل اس کے لیے کئی گنا بڑھایا جاتا ہے یہاں تک کہ ایک نیکی دس گنا سے سات سو گنا تک بڑھ جاتی ہے' لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ روزے کا معاملہ اس سے جدا ہے کیونکہ وہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس

کی جزا (دوں گا)۔ روزہ دار اپنی خواہشات نفس اور اپنے کھانے پینے کو میرے لیے چھوڑتا ہے۔ روزہ دار کے لیے دو فرحتیں ہیں' ایک فرحت افطار کے وقت اور دوسری فرحت اپنے رب سے ملاقات کے وقت۔ اور روزہ دار کے منہ کی بساند اللہ کو مشک کی خوشبو سے زیادہ پسند ہے۔ (بخاری و مسلم)

اس حدیث نبوی سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالی نے اس عبادت کو اپنی طرف خاص نسبت کیوں دی ہے اور اس عبادت کی یہ خصوصیت کیوں ہے کہ اس کا بدلہ اللہ تعالی نے خود اپنے ہاتھوں دینے کا وعدہ فرمایا ہے۔ دراصل روزہ دار جب اللہ تعالی کی خاطر اپنے نفس کے بنیادی مطالبات کو ترک کرتا ہے اور مختلف لذتوں سے محض اس کی رضا کی خاطر منہ موڑ لیتا ہے تو اللہ تعالی کو اس کی یہ ادا اتنی پسند آتی ہے کہ اسے وہ اپنی محبوبیت اور قرب کا ایک خاص درجہ عطا کرتا ہے اور اسے اس روزے کا صلہ خود اپنے ہاتھوں دینے کا وعدہ فرماتا ہے۔ اس لیے کہ اس کی ایک صفت شکور (قدر دان) بھی ہے وہ بندوں کے اعمال کی بے حد قدر دانی کرتا ہے اور ان کے اعمال کی اصل جزا کئی گنا بڑھا چڑھا کر عطا کرتا ہے۔

جذبہ ایثار کی پرورش

حضرات محترم!

روزے سے انسان کے اندر جذبہ ایثار کی بھی پرورش ہوتی ہے اس جذبہ سے انسان کے اندر اعلی اخلاق پرورش پاتے ہیں اور یہ اخلاق ہزاروں نیکیوں کا سبب بنتے ہیں۔ انسان جب روزے میں بھوکا پیاسا رہتا ہے تو اسے غریبوں' فاقہ کشوں' محتاجوں اور مظلوموں کے دکھ درد اور ان کے شب و روز کا اندازہ کرنے کا بذات خود موقع ملتا ہے۔ اس سے اس کے دل میں قدرتی طور پر یہ جذبہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ ان محتاجوں کے لیے جو کچھ بھی کر سکتا ہے وہ ضرور کرے۔ چنانچہ ہر شخص اپنی استعداد کے مطابق ماہ رمضان میں غریبوں اور محتاجوں کی تھوڑی یا بہت امداد ضرور کرتا ہے۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت اور فیاضی یوں تو ہمیشہ جاری رہتی تھی لیکن رمضان کے مہینے میں تو گویا آپؐ سراپا جود و کرم بن جاتے تھے اور ہر سائل کو کچھ نہ کچھ ضرور عطا کرتے تھے اور قیدیوں کو بھی قید سے رہا کر دیا کرتے تھے۔ ایک حدیث میں آپؐ نے رمضان کو شہر المواساۃ (ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی کرنے کا مہینہ) بھی قرار دیا ہے۔ یہ گویا اس بات کی ترغیب ہے کہ اس مہینے میں ایک دوسرے کے ساتھ زیادہ سے زیادہ ہمدردی اور حسن سلوک کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔

قرآن مجید سے تعلق اور مناسبت میں اضافہ

اللہ تعالی نے رمضان کے مہینے کو قرآن کریم کے نزول کے لیے منتخب فرمایا ہے اور نعمت کی شکرگزاری کے لیے اس پورے مہینے میں امت مسلمہ پر روزے رکھنا فرض قرار دیا ہے۔ بعض احادیث نبوی سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ رمضان میں حضرت جبرئیل علیہ السلام ہر شب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت کرنے کے لیے تشریف لایا کرتے تھے۔ اور جتنا قرآن مجید نازل ہو چکا ہوتا اس کا دور فرماتے تھے۔ رمضان کی راتوں میں تراویح میں قرآن سننے کا اہتمام بھی نبی کریم کی اس سنت کو زندہ کرنے کے لیے کیا جاتا ہے۔ انفرادی طور پر بھی اہل ایمان اس مہینے میں قرآن کریم کی زیادہ سے زیادہ تلاوت کر کے قرآن کریم سے اپنا تعلق مضبوط کرتے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ نزول قرآن کے اس مہینے میں محض تلاوت ہی پر اکتفا نہ کیا جائے بلکہ کسی مستند ترجمہ اور تفسیر کی مدد سے ایک پروگرام کے تحت روزانہ چند آیات قرآنی کے معانی

اور مطالب کو سمجھنے کی کوشش کی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اہل ایمان کو اس پر غور و تدبر کرنے کی بار بار تلقین فرمائی ہے۔ اس ماہ مبارک میں ہر شخص کو قرآن کریم کو سمجھنے کے مواقع زیادہ ملتے ہیں اور طبیعت بھی اس طرف زیادہ مائل ہوتی ہے اگر دوران رمضان قرآن کریم کے مطالعہ کا آغاز کر دیا جائے تو رمضان کے بعد بھی اس مطالعہ کو آسانی سے جاری رکھا جا سکتا ہے اور اس طرح قرآن کریم کے پیغام ہدایت کو سمجھ کر اس پر عمل کرنا ممکن ہے۔

اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی طرف ہمہ تن متوجہ رہنا۔

حضرات گرامی!

تزکیہ نفس کے اعتبار سے یہ بات بھی بہت اہم ہے کہ آدمی ہمہ تن اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی طرف متوجہ رہے اور کسی لمحہ بھی اس کے ذکر اور یاد سے غافل نہ ہو۔ روزہ کی عبادت روزہ دار کو ہمہ تن ذکر الٰہی کی طرف متوجہ رکھتی ہے۔ روزہ دار دن بھر روزہ رکھ کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہتا ہے اور اس کی نافرمانی سے بچنے کی پوری کوشش کرتا ہے۔ رات کے اوقات میں نماز تراویح میں بھی وہ اللہ تعالیٰ کے حضور قیام کر کے اس کی کتاب کی تلاوت کرتا اور تلاوت سنتا ہے۔ نماز تراویح کے بعد چند گھنٹے آرام کر کے وہ رات کے آخری لمحات سحری کھانے اور نماز تہجد کی ادائیگی میں گزارتا ہے۔ اس طرح پورا ایک ماہ وہ ہمہ وقت اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی مختلف عبادات میں مشغول رہتا ہے اگر غور کیا جائے تو عبادت کی یہ کیفیات روزہ کے سوا کسی دوسری عبادت میں نہیں پائی جاتیں۔ اس اعتبار سے بجا طور پر یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ فقر و درویشی' ترک دنیا اور ہر چیز سے کٹ کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جانے کی جو شان اس عبادت میں ہے' وہ اس کا خاص حصہ ہے۔ بلکہ یہ کہنا بے جا نہیں کہ رہبانیت جس حد تک اسلام میں جائز رکھی گئی ہے اور جس حد تک اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے تربیت و تزکیہ نفس کے لیے اسے پسند فرمایا ہے اسلام میں یہی عبادت اس کا مظہر ہے۔

روزے میں ہر چیز سے کٹ کر اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جانے کی کیفیت کی تکمیل کے لیے رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف کرنا مسنون ہے۔ اگر آدمی رمضان کا آخری عشرہ اعتکاف میں گزارے تو وہ روزے کے اصل جوہر اور مقصود کو کمال درجے میں حاصل کر سکتا ہے۔ آخری عشرہ کا اعتکاف اگرچہ سنت کفایہ ہے اور ہر شخص کے لیے ضروری نہیں ہے لیکن تزکیہ نفس کے نقطہ نظر سے اس کی بڑی اہمیت ہے۔ اور اس اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے۔ اور آپ کی وفات کے بعد آپ کی ازواج مطہرات اس سنت نبوی پر عمل فرمایا کرتی تھیں۔

حضرات محترم!

روزہ کی مختلف برکات کا علم ہو جانے کے بعد اب آخر میں ہمیں ایک بار پھر اس بات کو ذہن میں تازہ کر لینا چاہیے جو خطبہ کے آغاز میں پیش کی گئی تھی کہ اسلام میں عبادت کا تصور یہ ہے کہ مسلمان کی زندگی کا ہر لمحہ اپنے رب کی اطاعت میں بسر ہو دنیا میں رہتے ہوئے وہ جو کچھ بھی کرے اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی شریعت کے مطابق کرے۔ اسلامی عبادات کو اگر شعور کے ساتھ ادا کیا جائے تو یہ انسان کی پوری زندگی کو عبادت میں تبدیل کرنے میں مدد و معاون ثابت ہوتی ہیں۔

روزہ کے ذریعہ سے تزکیہ نفس اسی وقت ممکن ہے جب روزہ اخلاص نیت سے پورے آداب و شرائط کے ساتھ رکھا جائے۔ دل میں اللہ تعالیٰ' معبود حقیقی کی اطاعت کا جذبہ ہو' رضائے الٰہی کی طلب ہو اور فلاح آخرت کی آرزو ہو یعنی نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق روزہ "ایمان اور احتساب" کی روح کے ساتھ رکھا جائے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح روح اور کامل شعور کے ساتھ روزے کی اس اہم عبادت کو ادا کرنے کی توفیق نصیب فرمائے اور اس کی برکات بھی ہمیں عطا کرے۔ آمین۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

روزہ۔ تقویٰ کا سرچشمہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰٓى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَهْلِ بَيْتِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ:

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم

آیت مبارکہ:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۳﴾ (البقرہ ۲: ۱۸۳)

اے ایمان لانے والو! تم پر روزے فرض کر دیئے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے انبیاء کے پیروؤں پر فرض کیے گئے تھے اس سے توقع ہے کہ تم میں تقویٰ کی صفت پیدا ہو گی۔

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ﴿۴۰﴾ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ﴿۴۱﴾ (النّٰزعٰت ۷۹: ۴۰-۴۱)

اور جس نے اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے کا خوف کیا تھا اور نفس کو بری خواہشات سے باز رکھا تھا جنت اس کا ٹھکانا ہو گی۔

حدیث شریف:

الصوم جنة فاذا کان یوم صوم احدکم فلا یرفث یومئذ ولا یصخب فان سابه احد او قاتله فلیقل انی صائم انی صائم (مسلم باب فضل الصیام)

روزہ (دنیا میں گناہوں اور آخرت میں دوزخ سے بچانے والی) ڈھال ہے۔ لہذا جب تم میں سے کسی

کا روزہ ہو تو چاہیے کہ وہ نہ بدکلامی کرے نہ غل مچائے اور کوئی اس سے گالی گلوچ کرنے یا لڑنے جھگڑنے پر اتر آئے تو کہہ دے کہ میں روزے سے ہوں' میں روزے سے ہوں۔

محترم و مکرم سامعین!

اسلام کا چوتھا رکن "روزہ" ہے روزے کا شرعی اور اصطلاحی نام "صوم" یا "صیام" ہے۔ جس کے لغوی معنی رکنے کے ہیں۔ یعنی اس عمل کی وجہ سے روزہ دار طلوع فجر سے غروب آفتاب تک کھانے پینے اور جنسی خواہشات کی تکمیل سے رکا رہتا ہے۔

روزہ کے سلسلے میں جو احکام و ہدایات قرآن کریم اور احادیث نبوی میں ہمیں ملتی ہیں ان پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ روزہ متعدد مقاصد اور مصلحتوں کا حامل ہے جن میں سے کچھ دینی اعتبار سے بنیادی مقاصد ہیں اور روزے کی بعض خصوصیات' امتیازی قسم کی ہیں۔ روزے کے مقاصد اور خصوصیات کو سمجھنے کے لیے اس کے مختلف پہلوؤں کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ آیئے روزے کے بعض اہم مقاصد اور خصوصیات پر غور کریں۔

(۱) روزہ۔ تقویٰ کا سرچشمہ

روزہ کی سب سے پہلی اور نمایاں چیز یہ ہے کہ روزہ انسان میں خدا ترسی کی صفت اور تقویٰ کا جوہر پیدا کرتا ہے۔ اس بارے میں کتاب اور سنت اور عقل' سب کی شہادتیں آپ کو موجود ملیں گی۔ چنانچہ قرآن مجید نے روزے کی فرضیت کا جو اعلان کیا ہے اس میں یہ حقیقت صراحت سے مذکور ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿۱۸۳﴾ (بقرہ ۲:۱۸۳)

اے ایمان لانے والو! تم پر روزہ فرض کیا گیا ہے جس طرح کہ تم سے پہلے کے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا تاکہ تمہارے اندر تقویٰ پیدا ہو سکے۔

اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

الصوم جنة (مسلم' جلد اول' باب فضل الصيام)

روزہ (دنیا میں گناہوں سے اور آخرت میں دوزخ سے بچانے والی) ڈھال ہے۔

"روزہ گناہوں سے بچانے والی ڈھال ہے"۔ اس جملے کا مفہوم بعینہ وہی ہے جو اس بات کا ہے کہ روزہ انسان میں تقویٰ کی صفت پیدا کرتا ہے۔ اسی سلسلے میں آگے مزید ارشاد ہوتا ہے کہ:

فاذا كان يوم صوم احدكم فلا يرفث يومئذ ولا يصخب فان سابه احد او قاتله فليقتل انى صائم انى صائم (مسلم' جلد اول' باب فضل الصيام)

پس جب تم میں سے کسی کا روزہ ہو تو چاہئے کہ وہ نہ بدکلامی کرے نہ غل مچائے۔ اور اگر کوئی اس سے گالی گلوچ کرنے یا لڑنے جھگڑنے پر اتر آئے تو (اس سے بھی اور اپنے جی میں بھی) کہے کہ میں روزے سے ہوں' میں روزے سے ہوں۔

مطلب یہ ہے کہ اگرچہ بدکلامی' گالی گلوچ اور لڑائی جھگڑے وغیرہ بری حرکتوں سے بچنا ایک مومن کے لیے ہر حال میں ضروری ہے' لیکن جب وہ روزے سے ہو تو سلامت روی کا یہ رویہ اس کے لیے اور زیادہ ضروری ہو جاتا ہے۔ عام حالات میں

اگر وہ اس طرح کی لغزشوں سے پوری طرح محفوظ نہیں رہ پاتا تو کم سے کم روزے کی حالت میں تو اسے اس کے قریب ہرگز نہ جانا چاہیے۔ آپؐ کا یہ فرمان دراصل اس بات کا اعلان ہے کہ روزہ نیک روی اور خدا ترسی کی ایک مسلمہ تدبیر ہے' اور مسلمہ تدبیر بھی ایسی جس کی قوت تاثیر کسی نہ کسی پہلو سے اپنی مثال آپ ہے۔

قرآن و حدیث کی شہادتوں کے بعد اگرچہ کسی اور دلیل کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں۔ لیکن دل کے مزید اطمینان کے لیے عقلی طور پر یہ جاننا اور سمجھنا بھی بہتر ہو گا کہ روزے سے تقویٰ کس طرح پیدا ہوتا ہے؟

اس سلسلے میں سب سے پہلے یہ جان لینا ضروری ہے کہ خود یہ تقویٰ کیا چیز ہے؟ یہ جان لینے کے بعد ہی یہ سمجھا جا سکے گا کہ روزے سے تقویٰ کس طرح پیدا ہوتا ہے۔ تقویٰ اللہ کی ناراضی سے بچنے کے اس گہرے احساس کا نام ہے جو آدمی کو ہر بھلے کام پر ابھارتا اور ہر برے کام سے روکتا ہے۔ یا یوں کہیے کہ تقویٰ ایک خاص قلبی کیفیت ہے جس سے ایک خاص عملی رویہ وجود میں آتا ہے۔ یہ عملی رویہ اللہ کی اطاعت اور رضا جوئی کا رویہ ہوتا ہے۔ اس خاص کیفیت سے جو دل بہرہ ور ہوتا ہے وہ ہر وقت یہ دیکھتا رہتا ہے کہ میرا خدا مجھ سے ناراض نہ ہونے پائے۔ میں کوئی ایسی حرکت نہ کر جاؤں جس کو وہ پسند نہیں کرتا اور کسی ایسے کام کے کر گزرنے سے محروم نہ رہوں جسے وہ پسند کرتا ہے۔

اللہ کی ناراضی سے بچنے کی اور اس کی خوشنودی حاصل کر لینے کی یہ خواہش اور کوشش سوچیے عملاً کب پوری ہو سکتی ہے؟ کوئی شک نہیں کہ یہ خواہش اور یہ کوشش اسی وقت پوری ہو سکتی ہے جبکہ انسان اپنے آپ کو قابو میں رکھے اور اپنے نفس کو من مانی کرنے سے روکے رہے۔ گویا تقویٰ کا مقام پا لینے کی واحد سبیل یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کو لگام لگائے' اور اپنی خواہشوں میں اسے آزاد نہ چھوڑے۔ جیسا کہ قرآن مجید کی اس آیت سے صراحتہً معلوم ہوتا ہے۔

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ﴿۴۰﴾
فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِىَ الْمَاْوٰى ﴿۴۱﴾ (النازعات:۴۰-۴۱)

اور جس شخص نے اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے کا خوف کیا تھا اور نفس کو بری خواہشات سے باز رکھا تھا' جنت اس کا ٹھکانا ہو گی۔

اب روزے کو دیکھیے کہ وہ کیا چیز ہے؟ روزے کا بنیادی اور قانونی وجود تین باتوں پر منحصر ہے' صبح صادق سے سورج ڈوبنے تک کچھ نہ کھایا جائے' کچھ نہ پیا جائے' جنسی خواہش پوری نہ کی جائے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ کھانے' پینے اور جنسی ملاپ' نفس کے ان تین مطالبات سے بالکلیہ رک جایا جائے۔ ان تینوں چیزوں کو نفس کے مجموعی مطالبات میں جو مقام حاصل ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ ایسی کسی اور خواہش نفس کا نام نہیں لیا جا سکتا جو اتنی ہمہ گیر' اتنی پرزور اور اتنی بے پناہ ہو جیسی کہ یہ ہیں۔ ایک تو بجائے خود ان میں ایسی بلا کی قوت ہے کہ انسان کو آسانی سے زیر کر لیتی ہیں' دوسرے یہ صرف خواہشیں ہی نہیں ہیں بلکہ انسان کی فطری ضرورتیں بھی ہیں۔ انہی پر اس کی بقائے ذات بھی موقوف ہے اور بقائے جنس بھی۔ وہ زندہ رہنے کے لیے کھانے پینے کا اور اپنی نسل کا سلسلہ جاری رکھنے کے لیے جنسی ملاپ کا ضرورت مند ہے۔

ان چیزوں کی یہ دوسری حیثیت ان کی قوت و اثر کو بھی لازماً دو آتشہ بنا دیتی ہے اور ان کا مقابلہ مشکل سے مشکل تر ہو جاتا ہے۔ روزے میں انہی تینوں سب سے زبردست خواہشوں پر قدغن ہوتی ہے۔ مسلسل ایک مہینے تک روزانہ بارہ بارہ اور

چودہ چودہ گھنٹے انسان اپنے نفس کے ان مطالبات پر قفل ڈالے رہتا ہے۔ پیاس کی شدت سے حلق میں کانٹے پڑے ہوتے ہیں۔ منہ سے آواز تک اچھی طرح نکل نہیں پاتی۔ ٹھنڈا پانی پاس رکھا ہوتا ہے۔ نفس بے تاب ہو کر اسے ہونٹوں سے لگا لینا چاہتا ہے مگر روزہ اس کا ہاتھ پکڑ لیتا ہے اور وہ بے بس ہو کر رہ جاتا ہے۔ کچھ یہی عالم دوسری دونوں خواہشوں کا بھی ہوتا ہے۔ اندازہ کیجیے کہ مسلسل تیس دنوں کی یہ مشق انسان میں صبر و ضبط کی کیسی کچھ قوت نہ پیدا کر دے گی؟ جو شخص اپنے نفس کی ان سب سے زیادہ مضبوط اور بے قرار خواہشوں کو بھی ایک قابل لحاظ وقت تک دبائے رکھنے کی مشق بہم پہنچا لیتا ہے۔ اس سے توقع یہی رکھی جائے گی کہ وہ دوسری خواہشوں کو اور زیادہ آسانی اور کامیابی سے قابو میں رکھ سکے گا۔ یہ ایک ایسی کھلی ہوئی حقیقت ہے جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اور اس حقیقت کا اعتراف دراصل اس امر کا اعتراف ہے کہ روزہ انسان کے اندر اپنے نفس کو اور اس کی ساری خواہشوں کو کنٹرول کرنے کی پوری قوت پیدا کر دیتا ہے۔ ایسی طاقت جس کو پا کر وہ دین کی پیروی اور احکام الٰہی کی اطاعت میں نفس اور شیطان کی ساری مزاحمتوں سے بخوبی نمٹ سکتا ہے۔ یعنی وہ صحیح معنوں میں ایک خدا ترس اور متقی انسان بن جاتا ہے۔

عبادات میں روزہ کی ایک امتیازی حیثیت

حضرات گرامی!

اس کے علاوہ ایک وجہ اور بھی ہے جس سے روزے تقویٰ کا غیر معمولی ذریعہ ثابت ہوتے ہیں اور جس کی طرف خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لفظوں میں اشارہ کیا ہے:

لیس فی الصیام ریاء (فتح الباری جلد ۴)

روزے میں ریا نہیں ہوا کرتی۔

کسی عبادت میں ریا کا نہ ہونا اس بات کی سب سے بڑی ضمانت ہے کہ وہ بندے کو خدا سے قریب کرنے والی ہے' اور یہ کہ ایسی عبادت سے زیادہ تقویٰ کا قابل اعتماد سرچشمہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ غلط نہ ہو گا اگر اسے تقویٰ کی سب سے زیادہ قوت بخش خوراک کہا جائے۔ رسولؐ خدا کے ارشاد کے مطابق جب روزے کی یہ ایک مستقل صفت ہے کہ اس میں ریا نہیں ہو سکتی' تو اس کے تقویٰ کا موثر ذریعہ ہونے میں کیا کلام ہو سکتا ہے؟ اگر وہ عبادتیں انسان کو تقویٰ کی دولت سے مالا مال کر سکتی ہیں جن میں ریا کا دخل ہوتا رہتا ہے۔ تو ظاہر ہے کہ وہ عبادت ایسا بدرجہ اولیٰ کر سکے گی جو اس روگ سے لازماً" پاک ہی رہتی ہے۔

یہ بات کہ روزے میں ریا نہیں ہو سکتی۔ کوئی چھپا ہوا راز نہیں ہے' بلکہ آسانی سے سمجھ میں آ جانے والی حقیقت ہے۔ سب جانتے ہیں کہ روزہ ایک ایسی عبادت ہے جس کی نوعیت سرتا سر منفی ہے۔ یعنی وہ کچھ اعمال یا حرکات کے کرنے سے وجود میں نہیں آتی (جیسا کہ نماز اور زکوٰۃ اور حج کا حال ہے)۔ بلکہ کچھ کاموں کے نہ کرنے سے وجود میں آتی ہے۔ ظاہر بات ہے کہ اس طرح کی عبادت دوسروں کے نہ دیکھنے میں آ سکتی ہے نہ سننے میں۔ اور جب کسی عبادت کا حال یہ ہو کہ اسے کوئی نہ دیکھ سکتا ہو نہ سن سکتا ہو' تو اس میں ریا اور دکھاوے کا کوئی امکان بھی کہاں پیدا ہو سکتا ہے۔ اس لیے سارے ارکان اسلام میں یہ امتیاز صرف ایک روزے ہی کو حاصل ہے کہ ریاکاری کا خطرناک شیطان اس پر شب خون نہیں مار سکتا۔

بظاہر روزے کی یہی امتیازی حیثیت تھی جس کی بناء پر قرآن حکیم نے لعلکم تتقون صرف روزے کے حکم کے ساتھ

فرمایا ہے۔ کسی اور عبادت کے حکم کے ساتھ ان لفظوں کا اعادہ نہیں کیا ہے۔ حالانکہ یہ حقیقت اپنی جگہ مسلم تھی کہ انسان میں نیکی کا جوہر اور تقویٰ کا نور ہر عبادت پیدا کرتی ہے۔ پھر غالباً" روزے کی یہی امتیازی حیثیت تھی جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مخصوص اسی ایک فعل عبادت کو اپنا' یا' اپنے لیے فرمایا ہے۔ اور اجر و میزان میں بھی اسے سب سے زیادہ باوزن عمل قرار دیا ہے:

کل عمل بن آدم یضاعف الحسنۃ عشر امثالھا الی سبعمائۃ ضعف قال اللہ تعالی الا الصوم فانہ لی وانا اجزی بہ یدع شھوتہ و طعامہ من اجلی (مسلم' ج اول' باب' فضل الصیام)۔

انسان کے ہر عمل خیر کا اجر دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک ملے گا۔ لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے روزہ اس سے مستثنیٰ ہے کیونکہ وہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا (جتنا چاہوں گا) بدلہ دوں گا (آخر) انسان اپنی شہوت نفس اور اپنا کھانا پینا میری ہی خاطر تو روکے رہتا ہے۔

روزہ میرے لیے ہے' یہ ارشاد دراصل اسی حقیقت کی ایک دلنواز تعبیر ہے کہ روزے میں ریا نہیں ہوا کرتی۔

روزہ تقوے کا لازمی ذریعہ

روزے کی دوسری بڑی اہمیت یہ ہے کہ وہ انسان کے اندر تقویٰ کی مطلوبہ صفت پیدا کرنے کے لیے ناگزیر ہے۔ یعنی بات صرف اتنی ہی نہیں ہے کہ روزہ تقویٰ پیدا کرتا ہے بلکہ یہ بھی ہے کہ اس کے بغیر صحیح تقویٰ پیدا ہو ہی نہیں سکتا۔ بلا شبہ ایسی بہت سی چیزیں ہیں جو تقویٰ کو نشو و نما دیتی ہیں مگر روزہ اس سلسلہ میں جو کام کرتا ہے وہ اسی کا حصہ ہے۔ دوسرا کوئی عمل اس کا بدل نہیں ہو سکتا۔ یہ حقیقت ہمیں مذکورہ آیت کے الفاظ کما کتب علی الذین من قبلکم کے اندر دکھائی دیتی ہے۔ غور کیجیے اس آیت کا منشا اگر صرف یہ بتانا ہوتا کہ روزے مسلمانوں پر اس لیے فرض کیے گئے تاکہ ان میں تقویٰ کی صفت پیدا ہو سکے تو ان لفظوں کے اضافے کی قطعاً" کوئی ضرورت نہ تھی۔ اس لیے کہ اس صورت میں ان لفظوں کا اضافہ تاریخ کے ایک واقعہ کے اظہار و بیان سے زیادہ کوئی حیثیت نہ رکھتا۔ حالانکہ ہم سب جانتے ہیں کہ قرآن حکیم مجرد تاریخ نگاری سے بہت بلند ہے' اور وہ اس وقت تک کوئی ایک لفظ بھی نہیں بولتا جب تک کہ اس سے کوئی دینی غرض وابستہ نہ ہو اس لیے ان لفظوں کے بارے میں بھی اسے ایک طے شدہ حقیقت سمجھنا چاہیے کہ ان کا اضافہ یقیناً کسی نہ کسی دینی غرض اور مصلحت ہی سے کیا گیا ہے۔ یہ دینی غرض اور مصلحت اس کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتی کہ ساتھ ساتھ حصول تقویٰ کے بارے میں روزے کی ناگزیر ضرورت کا بھی اظہار ہو جائے۔ لوگوں کو روزے کی فرضیت اور اس کی غرض و غایت کے ساتھ یہ بھی معلوم ہو جائے کہ تقویٰ کے مقام مطلوب تک پہنچنے کے لیے روزے بہرحال ضروری ہیں۔ کوئی بھی دوسری چیز اس سلسلے میں وہ کام نہیں کر سکتی جسے یہ روزہ انجام دے سکتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو روزہ ہر آسمانی شریعت کا ستون نہ بنا رہتا۔ اگر کوئی شریعت اس سے خالی نہیں رکھی گئی تو یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اللہ کے دین کے ساتھ نماز اور زکوٰۃ کی طرح روزے کو بھی ایک فطری مناسبت ہے۔ اور اس کے بغیر اس کا تربیتی نظام عبادت کسی طرح مکمل ہو ہی نہیں سکتا۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ روزہ تقویٰ کا مطلوبہ جوہر پیدا کرنے کے لیے کیوں ضروری ہے' اس کے سمجھنے کے لیے ہمیں روزہ کی یہ صفت سامنے رکھنی چاہیے کہ روزہ انسان میں ضبط نفس پیدا کرنے کا بڑا موثر اور بہت قریب کا راستہ ہے اور یہ حقیقت کہ روزہ ہی ایک ایسی عبادت ہے جس میں ریا دخیل نہیں ہو سکتی' یہ دونوں چیزیں اس بات کے سمجھا دینے کے

لیے بہت کافی ہیں۔ وہ اس راز کو اگر پوری طرح نہیں تو ایک بڑی حد تک ضرور کھول دیتی ہیں کہ ایک عام انسان کے لیے روزے کیوں ناگزیر ہیں۔

روزہ' اسلامی تصور تقویٰ کا آئینہ

حضرات گرامی!

روزے کی تیسری اہمیت یہ ہے کہ وہ بعض اعتبار سے اسلام کے اصل مزاج کا سب سے بڑا شارح ہے اور دین کا جو تصور قرآن نے دیا ہے اس کے امتیازی خد و خال روزے کے آئینے میں سب سے زیادہ واضح شکل میں دکھائی دیتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ روزہ انسان کو صرف عمل ہی کا متقی نہیں بناتا بلکہ فکر و نظر کا بھی متقی بناتا ہے۔ وہ انسان کو صرف تقویٰ نہیں دیتا بلکہ تقویٰ کا جامع اور مانع مفہوم بھی دیتا ہے۔ اس اجمال کی شرح یا اس حقیقت کا سراغ ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات سے ملتا ہے:

(۱) لاصام من صام الدھر (بخاری' جلد اول' کتاب الصوم)
جس نے زندگی بھر مسلسل روزے رکھے اس کا روزہ' روزہ نہیں۔

(۲) ایاکم والوصال (مسلم' جلد اول' کتاب الصیام)
تم دو یا دو سے زائد دنوں کے مسلسل (بلا سحری و افطار) روزہ رکھنے کے قریب بھی مت پھٹکنا۔

(۳) ایک سفر کے دوران میں آپؐ نے دیکھا کہ ایک شخص کے گرد لوگ جمع ہیں اور اس کے اوپر سایہ کیا ہوا ہے۔ دریافت فرمایا کہ "کیا معاملہ ہے؟" بتایا گیا کہ "ایک روزہ دار ہے"۔ ارشاد ہوا کہ:
لیس من البر الصوم فی السفر (بخاری' جلد اول' کتاب الصوم)
یہ کوئی نیکی کا کام نہیں ہے کہ سفر میں (اس طرح کا) روزہ رکھا جائے۔ (جس کی مشقتیں قوت برداشت سے باہر ہوں)۔

(۴) بیرون مدینہ کے رہنے والے ایک صحابی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے' ملاقات کی اور واپس چلے گئے۔ سال بھر بعد دوبارہ آئے تو اس حال میں تھے کہ ان کی شکل و صورت بالکل بدلی ہوئی تھی۔ آپؐ نے دریافت فرمایا "تم کون ہو؟" جواب دیا "میں وہی شخص تو ہوں جو گزشتہ سال حاضر خدمت ہوا تھا"۔ ارشاد ہوا "کس چیز نے تمہاری ہیئت بدل کر رکھ دی ہے؟ تم تو بڑی اچھی شکل و صورت کے تھے؟" انہوں نے بتایا کہ "یہاں سے واپس جانے کے بعد سے لے کر آج تک میں نے رات کے سوا کبھی کھانا نہیں کھایا (یعنی مسلسل روزے رکھتا رہا)۔ یہ سن کر آپؐ نے فرمایا:
لم عذبت نفسک (ابو داؤد' جلد اول' کتاب الصیام)
تم نے اپنے آپ کو کیوں عذاب دیا؟

حضرات محترم!

ان حدیثوں کے دور رس تقاضوں پر نظر ڈالیے تو معلوم ہو گا کہ روزہ دینداری کا ایک انقلابی تصور دیتا ہے۔ وہ زور دے کر کہتا ہے کہ جس تقوے کو میرا مقصد زندگی قرار دیا گیا ہے اس کا منشا نفس کشی نہیں بلکہ صرف ضبط نفس ہے۔ گویا روزہ تقویٰ

صرف پیدا ہی نہیں کرتا بلکہ اس کی ایک ایسی حقیقت بھی سمجھاتا ہے جو عام طور سے بہت کم سمجھی جاتی ہے۔ کیونکہ تقویٰ کا لفظ سنتے ہی ذہنوں کے اندر عموماً کچھ اس طرح کا تصور ابھرنے لگتا ہے کہ انسان اپنے نفس کے مطالبات ٹھکرا دینے میں زیادہ سے زیادہ آگے بڑھتا جائے۔ جو شخص اپنے نفس کو جتنا زیادہ مارے گا تقویٰ کا اتنا ہی اونچا مقام حاصل کرلے گا۔ لیکن رسول خدا کے یہ ارشادات کہتے ہیں اور روزہ اپنے وجود سے تلقین کرتا ہے کہ اسلام میں تقویٰ کا جو مفہوم ہے وہ اس سے بالکل مختلف چیز ہے۔ وہ جس طرز عمل کا انسان سے مطالبہ کرتا ہے اور جس چیز کو بر (نیکی) اور تقویٰ (خدا ترسی) ٹھہراتا ہے وہ صرف یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کو سرکش نہ ہونے دے' اور اسے من مانی کرنے سے روک کر احکام شریعت کا تابع بنائے رکھے۔ یہ نہیں ہے کہ اسے اذیتیں دے دے کر بے دم بنا لے اور اس کے جبلی مطالبات کو ختم کر کے رکھ دے۔ دوسروں کے نزدیک یہ دینداری کا چاہے کتنا ہی بلند اور مقدس تصور کیوں نہ ہو اسلام کے نزدیک قطعاً ایک ناپسندیدہ چیز ہے۔ وہ اسے حقیقی دینداری اور صحیح بندگی کا طریقہ نہیں کہتا۔ اس کے تصور دین کی رو سے یہ تقویٰ نہیں ہے' بلکہ اپنے آپ کو عذاب دینا ہے۔ روزہ کا وجود اس حقیقت کی ایک مستقل یاد دہانی ہے۔ اس کے بعد چند اور ارشادات سنیے' آپؐ فرماتے ہیں:

(۱) تسحروا فان فی السحور برکۃ (مسلم' جلد اول' باب فضل السحور)
سحری کھا لیا کرو کیونکہ سحری کھانے میں بڑی برکت ہے۔

(۲) لا یزال الناس بخیر ما عجلوا الفطر (مسلم' جلد اول' باب فضل السحور)
جب تک لوگ افطار کرنے میں جلدی کرتے رہیں گے حالت خیر میں رہیں گے۔

(۳) لا یزال الدین ظاھرا ما عجل الناس الفطر (ابو داؤد' جلد اول' کتاب الصیام)
دین اس وقت تک برابر غالب رہے گا جب تک کہ لوگ افطار کرنے میں عجلت سے کام لیتے رہیں گے۔

(۴) قال اللہ عزوجل احب عبادی الی اعجلھم فطرا (ترمذی' بحوالہ ریاض الصالحین)
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرا سب سے زیادہ محبوب بندہ وہ ہے جو افطار کرنے میں سب سے زیادہ جلدی کرتا ہے۔

حضرات گرامی!

ان ارشادات سے یہ حقیقت معلوم ہوتی ہے کہ انسان کو خدا کی بندگی' نفیاً اور اثباتاً ہر حالت سے ٹھیک اسی شکل میں کرنی چاہیے جس کی اسے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے ہدایت ملی ہو۔ وہ جس طرح اپنے نفس کی ان خواہشوں کو دیوار پر دے مارتا ہے جو اسے احکام دین بجا آوری سے روک رہی ہوں' اسی طرح ان احکام کی بجا آوری کی شکلیں اور حدیں مقرر کرنے میں بھی اپنے جی کی کوئی بات نہ سنے۔ وہ اللہ کی بندگی اور تقویٰ کی زندگی صرف اس چیز کو سمجھے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ نے جس کام کو جس طرح اور جس شکل میں کرنے کو کہا ہے اسے ٹھیک ٹھیک اسی طرح اور اسی شکل میں انجام دیا جائے اور جس بات سے جس حد تک اور جس شکل میں روکا ہے اس سے بس اسی حد تک اور اسی شکل میں رکا جائے۔ اس کا دل اس حقیقت پر مطمئن ہو کہ جس طرح فلاں کام دین کا حکم ہے اور اس کا کرنا نیکی اور تقاضائے بندگی ہے اسی طرح یہ بھی نیکی اور تقاضائے بندگی ہی ہے کہ جذبہ اطاعت کے تحت بھی اس کی حدود اور مقدار میں اپنی طرف سے کوئی اضافہ نہ کیا جائے۔

روزہ ضبط نفس کے ساتھ ضبط رائے اور ضبط ذوق کو بھی تقویٰ کے مفہوم میں جس طرح شامل بتاتا ہے وہ کسی لمبی چوڑی توضیح کا محتاج نہیں۔ ایک طرف تو یہ بات کہ روزے کے فرض کیے جانے کی غرض و غایت تقویٰ کا حصول ہے۔ دوسری طرف یہ تنبیہ کہ سحری کھائے بغیر روزہ رکھنا ایک بڑی برکت سے محروم ہونا اور افطار میں دیر لگانا حالت خیر اور غلبہ دین کے ختم ہو جانے

کی علامت ہے۔ ان دونوں باتوں کو ایک ساتھ رکھ کر دیکھئے تو صاف معلوم ہو گا کہ سحری نہ کھانا اور افطار دیر سے کرنا منشائے تقویٰ کے خلاف ہے۔ حالانکہ ان باتوں سے نفس کو کوئی رعایت نہیں ملتی' بلکہ بظاہر اس کی سرکشی کو ختم کرنے میں کچھ اور مدد ہی ملتی ہے۔ اس لیے یہ باتیں بادی النظر میں روزے کے مقصد (یعنی تقویٰ) کے حصول میں سازگار ہی دکھائی دیتی ہیں۔ لیکن اللہ کا رسولؐ فرماتا ہے کہ حقیقت اس کے خلاف ہے۔ کیوں؟ اس لیے کہ اس طرح روزہ رکھنے میں اپنی رائے اور اپنے ذوق کو بھی دخیل بنا لیا جاتا ہے۔ اور وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے روزے کی جو ابتدا اور جو انتہا مقرر کر دی ہے سحری نہ کھانے اور افطار میں دیر لگانے سے ان کا پورا پورا احترام باقی نہیں رہ جاتا۔ بلکہ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ روزے کی اس متعینہ مدت کو کافی نہیں سمجھا جاتا اور اسے بڑھا دینا مقصد برآری کے لیے زیادہ موزوں اور مفید خیال کیا جاتا ہے۔ اور کوئی شک نہیں کہ یہ صاف طور پر اپنی رائے اور اپنے ذوق کو عبادت کے معاملہ میں دخیل قرار دینا ہے۔ اگر سحری نہ کھانے اور افطار دیر سے کرنے کو باعث محرومی اور خلاف تقویٰ ٹھہرائے جانے کی وجہ اس ایک بات کے سوا اور کوئی نہیں ہے' جیسا کہ بظاہر یقیناً" نہیں ہے' تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ روزہ تقویٰ کا صحیح مفہوم و منشاء صرف ضبط نفس ہی کو نہیں بتاتا بلکہ ضبط رائے اور ضبط ذوق کو بھی اس میں لازماً" شامل قرار دیتا ہے۔ وہ حقیقی تقویٰ کی تعبیر یہ کرتا ہے کہ نفس کی خواہشوں کی طرح ذوق و رائے کی آزادیاں بھی احکام الٰہی کی پوری پوری پابند ہوں۔

یہ روزے کی وہ اہم خصوصیات ہیں جن کے سبب' روزہ وہ عبادت بن گیا ہے جس کے ذریعے سے انسان میں سب سے زیادہ تقویٰ کی صفت پیدا ہوتی ہے اور اس کی غیر معمولی صفات کے سبب ہی اسے دین کا ایک ستون قرار دیا گیا ہے۔

حضرات گرامی!

بلاشبہ روزہ اپنے اندر گوناگوں صفات رکھتا ہے لیکن روزہ کے یہ فوائد اسی وقت حاصل ہو سکتے ہیں جب کہ ہم روزہ' پورے شعور کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ایک فرض سمجھتے ہوئے رکھیں اور اس کی پابندیوں کو پوری خوشدلی کے ساتھ قبول کریں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں یہ عبادت پورے شعور اور خوش دلی کے ساتھ ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اقول قولی ھذا و استغفراللہ لی ولکم

غزوات الرسول (غزوہ بدر)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَهْلِ بَيْتِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ:

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آیات مبارکہ:

اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰي نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُۨ ؀ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ۭ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۭ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ؀ (الحج ۲۲:۳۹-۴۰)

"اجازت دی گئی ان لوگوں کو جن کے خلاف جنگ کی جا رہی ہے' کیونکہ وہ مظلوم ہیں' اور اللہ یقیناً ان کی مدد پر قادر ہے' یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے گھروں سے ناحق نکال دیئے گئے' صرف اس قصور پر کہ وہ کہتے تھے کہ "ہمارا رب اللہ ہے"۔ اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعے سے دفع نہ کرتا رہے تو خانقاہیں اور گرجا اور معبد اور مسجدیں' جن میں اللہ کا کثرت سے نام لیا جاتا ہے' سب مسمار کر ڈالی جائیں۔ اللہ ضرور ان کی مدد کرے گا جو اس کی مدد کریں گے۔ اللہ بڑا طاقتور اور زبردست ہے"۔

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاۗءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ڌ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ؀ (النساء ۴:۷۵)

آخر کیا وجہ ہے کہ تم اللہ کی راہ میں بے بس مردوں' عورتوں اور بچوں کی خاطر نہ لڑو جو کمزور پا کر دبا لیے گئے اور فریاد کر رہے ہیں کہ خدایا ہم کو اس بستی سے نکال جس کے باشندے ظالم ہیں اور اپنی طرف سے کوئی حامی و مددگار پیدا کر دے۔

احادیث شریفہ:

عن انس قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لغدوة فی سبیل او روحة خیر من الدنیا و ما فیها (متفق علیہ)

انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی راہ میں ایک صبح یا ایک شام جانا دنیا اور جو کچھ اس میں ہے' اس سے بہتر ہے۔

عن ابن عباس عن النبی صلی الله علیه وسلم قال یوم الفتح لا هجره بعد الفتح ولکن جهاد و نیة و اذا استنفرتم فانفروا (متفق علیہ)

ابن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن فرمایا' فتح مکہ کے بعد اب ہجرت نہیں ہے لیکن جہاد اور نیت باقی رہے گی۔ جس وقت تمہیں جہاد کے لیے بلایا جائے تو تم جہاد کے لیے نکلو۔

عن انس عن النبی صلی الله علیه وسلم قال جاهدوا المشرکین باموالکم و انفسکم و السنتکم (رواہ ابوداؤد' والنسائی والدارمی)

انس رضی اللہ عنہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا مشرکوں کے ساتھ اپنے مالوں' اپنی جانوں اور اپنی زبانوں سے جہاد کرو۔

حضرات گرامی!

جہاد اسلام کے اہم ارکان میں سے ہے اور بعض مواقع پر تو اس کو فرض نماز اور دیگر فرائض پر بھی ترجیح حاصل ہو جاتی ہے۔ مثلاً غزوہ خندق کے دوران میں جب خندق کی کھدائی ہو رہی تھی' حضرات صحابہ کرام اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم جہاد کی تیاری میں اس قدر مشغول تھے کہ ان کی تین نمازیں قضا ہوئیں۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اس وقت جہاد کی اہمیت اس قدر زیادہ ہو گئی تھی کہ نماز جیسی اہم عبادت اور اولین فریضہ کو بھی اس کی خاطر موخر کیا گیا۔

اس لیے حضور کا فرمان ہے کہ: الجهاد ماض الی یوم القیمة لا یبطله جور جائر ولا عدل عادل

"جہاد مسلمانوں میں قیامت تک جاری رہے گا جسے کسی ظالم کا ظلم اور کسی عادل کا عدل ختم نہیں کر سکے گا"۔

حضورؐ کی تو تمام زندگی جہاد ہی جہاد ہے۔ آپؐ نے مکی زندگی میں سخت ترین مشکلات اور رکاوٹوں کے باوجود دعوت و تبلیغ

کا کام جاری رکھا۔ اور اس راہ میں کسی قسم کی تکلیف کو خاطر میں نہیں لائے۔ مخالفین کی طرف سے بے انتہا اذیتیں دی گئیں ان کے راستے میں کانٹے بچھائے گئے۔ ان کی باتوں کو بے اثر بنانے کے لیے عجیب و غریب ہتھکنڈے استعمال کیے گئے' ابو جہل اور طائف والوں نے زد و کوب کیا' لوگوں کو ان کی بات سننے سے منع کیا گیا' ان کے ساتھیوں اور ایمان لانے والوں کو سخت ترین اذیتیں پہنچائی گئیں۔ ان کو دوپہر کی تپتی ریت پر لٹا کر سینے پر گرم اور بھاری پتھر رکھے گئے ان تمام مصائب کا مقابلہ آنحضرتؐ اور ان کے صحابہ رضی اللہ عنہ نے نہایت پامردی اور مستقل مزاجی سے کیا۔ انہوں نے عذاب سہ سہ کر جان دے دی۔ مگر ان کے پائے استقلال میں لغزش نہیں آئی۔ ان تمام مشکلات اور مصیبتوں کا مقابلہ کرتے ہوئے دعوت کا پیغام دیتے رہنا اور اپنا مشن جاری رکھنا۔ ایک عظیم جہاد نہیں تو اور کیا ہے؟

حضور کی مکی زندگی بھی جہاد ہے اور پھر جب مدینہ منورہ میں اسلامی ریاست کی داغ بیل پڑ گئی تو پھر آپؐ کو ہجرت کے دوسرے سال اللہ کی طرف سے باقاعدہ جہاد کرنے اور قتال کرنے کی اجازت دے دی گئی۔ ہجرت کے بعد مسلمانوں کو جب تھوڑی سی قوت حاصل ہوئی تو اس کے بعد رسول اللہ کی ساری زندگی میدان جہاد میں یا اس کی تیاریوں میں گزری۔

جہاد کی ضرورت

لفظ اسلام کا مادہ سلم ہے جس کے معنی صلح اور فروتنی کے ہیں۔ جو مذہب دنیا کے لیے صلح کا پیغام لے کر آیا ہو' جس مذہب کے پیرو کاروں کو منکسر اور متواضع رہنے کا حکم دیا گیا ہو وہ کیوں جنگ کرتے۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے گھروں اور املاک کو مکہ میں چھوڑ دیا اور حبشہ یا مدینہ چلے گئے تھے۔ لیکن اب اگر ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے رہتے تو بکریوں کی طرح ذبح ہو جاتے اور توحید کی منادی کرنے والا دنیا میں کوئی نہ رہ جاتا۔ جیسا کہ حضرت مسیحؑ نے پونے تین سال کے وعظ کے حالات سے مجبور ہو کر اپنے حواریوں کو حکم دیا تھا کہ کپڑوں لتوں' اور نقدی کے بدلے ہتھیار خرید کر مسلح ہو جائیں (لوقا ۲۲/۳۶) اسی ضرورت کی وجہ سے خدائے بزرگ و برتر نے مسلمانوں کی حالت پر رحم فرما کر ان کو بھی ۱۴ سال تک صبر کرنے اور ظلم و ستم برداشت کرتے رہنے کے بعد عملاً" جہاد و قتال کی اجازت دے دی۔

اجازت جہاد کا پہلا حکم

حضرات گرامی!

جہاد کا سب سے پہلا حکم سورہ الحج کی آیت نمبر ۳۹ میں دیا گیا ہے جو آپ کے سامنے پڑھی گئی۔

اس حکم میں مفصل طور پر وہ وجوہات درج ہیں جو مسلمانوں کو جنگ کرنے کی اجازت ملنے کا باعث ہوئیں۔

پہلی وجہ مدافعت کرنے والوں کا مظلوم اور حملہ آوروں کا ظالم ہونا ہے۔ اور یہ وہ وجہ ہے جسے آج کل مروجہ قانون بھی حفاظت خود اختیاری کے نام سے جائز ٹھہراتا ہے۔

دوسری وجہ ان کا گھر بار سے نکالا جانا اور املاک سے بے دخل کیا جانا اور وہ بھی صرف اختلاف عقیدہ کی بنیاد پر ہو۔ یہ مظلوم مسلمان سب کے سب وہی تھے جن کو ہر قسم کی ایذائیں اور جلاوطنی کی سزا محض عقیدہ توحید کی وجہ سے دی گئی تھیں لہذا اپنے عقیدے کی حفاظت کے لیے اجازت دی گئی۔

تیسری وجہ ایسی عام ہے جو یہ ثابت کرتی ہے کہ مسلمانوں کو جنگ کی اجازت صرف انہی کے ذاتی قومی' مذہبی فوائد کے لحاظ سے نہیں دی گئی۔ بلکہ اس لیے بھی کہ مسلمانوں نے جو معاہدات یہودیوں' عیسائیوں اور دیگر مختلف اقوام کے ساتھ ابھی حال میں کیے تھے اور جس فراخ دلی سے ہر ایک مذہب کو مذہبی آزادی عطا کی تھی اب اگر اس معاہدہ کی حفاظت میں مسلمان اپنی جانوں کو نہ لڑائیں گے تو سب مذہبوں کی آزادی ملیا میٹ ہو جائے گی اور سب کے مندر' سب کے گرجے تہ خاک ہو جائیں گے۔ کیونکہ جب کوئی قوم معاہدہ کی حفاظت کرنے والی ہی نہ رہے تو معاہدہ پر عمل کیوں کر ہو سکتا ہے ان سب ضروری وجوہات نے مسلمانوں کے لیے ضروری ٹھہرا دیا کہ وہ باوجود بے سر و سامان ہونے اور باوجود قلیل التعداد ہونے کے بھی ان حملہ آوروں کو مدینہ سے دور ہی روکے رکھیں۔

مستشرقین کا اعتراض اور اس کا جواب

اہل مغرب اور مستشرقین کا یہ بہت پرانا اور مشہور اعتراض ہے کہ اسلام ایک جابرانہ مذہب ہے جو تلوار کے زور سے پھیلا ہے اپنے اس دعوے کے ثبوت کے طور پر وہ اسلامی غزوات کو پیش کرتے ہیں کہ ان جنگوں ہی کے بل بوتے پر اسلام پھیلا ہے۔ مگر یہ لوگ اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ تلوار کے زور سے کسی کے جسم کو تو ختم یا قید کیا جا سکتا ہے لیکن کسی کے دل میں تلوار کے زور سے یا کسی قسم کی زبردستی سے کوئی عقیدہ نہیں بٹھایا جا سکتا۔ عقیدہ اگر کسی کے دل میں بیٹھتا ہے تو وہ اپنی حقانیت کی بناء پر لوگوں کے دلوں پر اثر کرتا ہے اور جب سننے والا یہ محسوس کرتا ہے کہ یہ حق ہے تو چاہے یا نہ چاہے وہ عقیدہ اس کے رگ و پے میں سرایت کر جاتا ہے۔ اور پھر اعمال بھی اس کے مطابق ہی ڈھل جاتے ہیں۔

اسلام کے فروغ کے بڑے اسباب میں سے اولین سبب تو اس عقیدے کی حقانیت ہے جبکہ دوسرے دین اکثر توہمات اور دور ازکار عقائد پر مشتمل ہیں۔ علاوہ ازیں وہ دور از عقل اور فطرت کے خلاف اعمال کا مجموعہ ہیں۔ ان کے مقابلے میں اسلام ایک فطری دین' عقل کے مطابق اور انسانی ضروریات اور صلاحیتوں سے مطابقت رکھنے والا ایک نظام حیات پیش کرتا ہے۔ اس لیے لوگ اس میں سکون اور اطمینان محسوس کرتے ہیں۔

اس کے علاوہ اسلام کے مقبول ہونے کا ایک بڑا سبب یہ تھا کہ اس کے داعی جہاں بھی گئے انہوں نے اپنے اخلاق اور کردار سے گرد و پیش کو متاثر کیا۔ ان کے حسن سلوک سے لوگ متاثر ہو کر ان کے دین کے دامن میں پناہ لیتے تھے۔ اس کے علاوہ یہ کہ اس دور میں انسانیت کے ساتھ جو ظلم ہو رہا تھا۔ اور جاگیردارانہ نظام نے ان کو شکنجے میں جکڑ دیا تھا اسلام کے اندر رواداری' حسن سلوک' عدل و انصاف اور حقوق کا تحفظ دیکھ کر لوگ خود بخود اس کی طرف کھنچے چلے آنے لگے۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کو فوج کا سربراہ بنا کر بھیجتے تو اسے ہدایت اور تاکید فرماتے کہ کسی کمزور اور ضعیف پر ہاتھ نہ اٹھانا۔ کسی بوڑھے کو یا عورت کو یا کسی بچے کو قتل نہ کرنا۔ کسی گوشہ نشین راہب عبادت گزار کو مت چھیڑنا یا اس کو جو جنگ سے لاتعلق ہو۔ کسی درخت کو نہ کاٹنا فصلوں کو تباہ نہ کرنا' عمارتوں اور راستوں کو تباہ نہ کرنا۔ ان تمام ہدایات کا مقصد یہ تھا کہ معاشرے کو نقصان نہ ہو۔ کسی پر زیادتی نہ ہو' صرف تخریبی اور ظالمانہ عنصر کو کچل دیا جائے جس کے کچلنے میں سب کی خیر ہوتی ہے۔

اسلام نے جہاد کا حکم اس لیے دیا کہ ہر دور میں دنیا کے طول و عرض میں انسانوں نے دوسرے انسانوں کو غلام بنایا ہوا ہوتا ہے اور انہیں یہ بات بھی کسی طور گوارا نہیں ہوتی کہ لوگ ان کی غلامی اور چاکری سے نکل کر اپنی آزاد مرضی سے اللہ تعالیٰ پر

ایمان بھی لا سکیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ لوگوں کو اس ظالمانہ نظام کی جکڑ بندیوں سے نکال کر آزاد کیا جائے اور پھر ان میں سے جو اسلام قبول کرنا چاہے وہ اس دین حق کو قبول کر سکے۔ یہ ضرورت جب اور جہاں بھی ہو گی جہاد ضروری ہو گا۔ دور اول میں ان مظلوموں نے جب دیکھا کہ اس ظلم سے نجات دلانے والا نظام صرف اسلام ہی ہے تو وہ تیزی کے ساتھ اسلام کی طرف آئے اور اس میں امن و سلامتی، باہمی رواداری، اخوت محبت اور ہمدردی دیکھ کر اس میں سکون محسوس کیا۔ یہی وجہ تھی کہ انتہائی مختصر عرصہ میں بڑی تعداد میں لوگ اسلام میں شامل ہوئے۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے یوں بیان کیا ہے:

إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ ﴿١﴾ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا ﴿٢﴾ (النصر ۱۱۰:۲)

جب مسلمانوں کو جنگ کی اجازت دی گئی اس وقت مشرکین نے ان پر ہر قسم کا ظلم روا رکھا ہوا تھا۔ حتیٰ کہ ان کو وطن چھوڑنے پر مجبور کر دیا اور جب وہ پناہ لینے کے لیے حبشہ پہنچے تو ان کے پیچھے اپنے نمائندے دوڑائے۔ شاہ حبشہ سے پرزور مطالبہ کیا کہ ان مسلمانوں کو ہمارے حوالے کرو یہ ہمارے باغی ہیں۔ اب انصاف کی بات کیجیے کہ مشرکین ہی نے ان کو مکہ سے چلے جانے پر مجبور کیا اور جب وہ چلے گئے تو وہاں ان کو ٹھکانہ ملنے پر بھی راضی نہیں ہوئے بلکہ ان کو واپس حاصل کر کے اذیتیں پہنچا پہنچا کر نیست و نابود کرنا ان کو مقصود تھا۔ اسی طرح جب مسلمان بعد میں مدینہ منورہ ہجرت کر گئے تو قریش نے اہل مدینہ کو لکھا کہ ہمارے دشمن (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو یا تو جان سے مار ڈالو یا انہیں اپنے ملک سے نکال دو ورنہ ہم کوئی مناسب تدبیر اختیار کریں گے۔ یہ فوجی حملے کی کھلی دھمکی تھی۔

اسلامی ریاست کو خطرے کا احساس اور احتیاطی تدابیر

ان حالات کے پیش نظر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکین کی طرف سے خطرے کا احساس ہوا اور انہوں نے حفظ ما تقدم کے طور پر احتیاطی تدابیر اور انتظامات شروع کیے۔ اس سلسلے میں پہلے میثاق مدینہ منعقد کیا۔ جس میں مدینہ میں رہنے والے تمام قبائل اوس، خزرج، بنو قریظہ، بنو قینقاع اور دوسرے بڑے چھوٹے قبائل شریک ہوئے۔ اور تمام نے باہم دفاعی معاہدہ کیا اس معاہدہ کی مرکزی شخصیت فطری طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی تھی۔ اس کے بعد بیرونی حصار کو مضبوط کرنے کے لیے آس پاس مدینہ سے باہر رہنے والے قبائل سے معاہدات کیے گئے اور اس طرح مدینہ منورہ کی نئی اسلامی ریاست چاروں طرف سے اندرونی اور بیرونی دونوں پہلوؤں سے محفوظ ہوئی۔

ابتدائی معاہدات جو مدینہ کے اطراف کے قبیلوں سے کیے گئے تھے۔ وہ مکے والوں کی دشمنی اور انتقام سے بچاؤ کی ایک صورت تھی۔ مکے والوں نے مسلمانوں کو ستایا، ان کو قتل کیا اور جب وہاں سے ہجرت کر کے مدینے آئے تو ان کی جائیدادیں ضبط کیں۔ لہٰذا مسلمانوں کو قانون فطرت کے تحت یہ حق حاصل تھا کہ ان سے جان و مال دونوں طرح کا بدلہ لیں۔

غزوہ بدر

حضرات محترم!

اسلامی جہاد کے بارے میں اس پس منظر کو سمجھنے کے بعد آئیے اب ہم غزوہ بدر کے متعلق کچھ معلومات حاصل کریں۔ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات میں سب سے پہلا اور سب سے اہم غزوہ تھا۔ رسول اللہؐ کو معلوم ہوا کہ کفار مکہ کا ایک قافلہ شام کی طرف گیا ہے تو آپؐ نے یہ سوچ کر کہ دشمن اسی راستے سے واپس آئے گا، کسی اور راستے سے وہ نکل نہیں سکتا

دو جاسوس مقرر کیے کہ تم بھی شام جاؤ اور اس کارواں کے قریب ہی رہو۔ جیسے ہی وہ واپسی کا ارادہ کریں تیزی سے آ کر ہمیں اطلاع دو کہ دشمن اب آنے والا ہے۔ دلچسپ بات یہ کہ جب یہ دونوں مدینہ واپس آئے تو دیکھا کہ رسول اکرمؐ کو کارواں کی آمد کی اطلاع دیگر وسائل سے ہو چکی ہے۔ اور وہ مدینے سے روانہ بھی ہو چکے ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ضروری وسائل اختیار فرماتے تھے تاکہ دشمن کی خبریں مسلمانوں تک پہنچتی رہیں۔ اور اس کی بھی کوشش کرتے تھے کہ ہماری خبریں دشمن تک نہ پہنچنے پائیں۔ آپؐ فوجی فراست سے کام لیتے ہوئے مدینے کے شمال کی طرف جانے کے بجائے مدینے کے جنوب کی طرف روانہ ہوئے تاکہ دشمن سے پہلے کسی بہتر مقام پر پہنچ جائیں جہاں دشمن کو روکنا ممکن ہو اس کے لیے بدر کا مقام منتخب کیا گیا۔ مسلمانوں کی جانب سے حملے کے امکان کے پیش نظر ابو سفیان قافلے کو بدر سے باہر سمندر کے کنارے ہی کنارے ایک منزل کی جگہ دو منزل کرتا ہوا آگے بڑھتا گیا اور مسلمانوں کی دسترس سے بچ نکلا۔ اس سے پہلے اس نے ایک شخص کو انعام دے کر یہ کہا کہ پوری تیزی کے ساتھ مکہ جاؤ اور مکے کے لوگوں کو اطلاع دو کہ دشمن (مسلمان) ہم پر حملہ کر رہے ہیں۔ تمہارا مال لٹ جائے گا لہٰذا ہماری مدد کو آؤ۔ اس احتیاطی تدبیر کے بعد جب ابو سفیان کا کارواں خطرے کی حدود سے نکل گیا تو پھر اس نے ایک نیا پیام رساں اہل مکہ کی طرف روانہ کیا کہ تمہارے آنے کی ضرورت نہیں میں بچ نکلا ہوں۔ مگر جو فوج مکہ سے روانہ ہو چکی تھی اس کے سردار ابو جہل نے کہا کہ ہم ایسے دشمن کا خاتمہ کر دینا چاہتے ہیں جو آج نہیں تو کل ہمیں نقصان پہنچائے گا۔ ہم کافی جمعیت کے ساتھ نکلے ہیں اور ہم میں یہ قوت ہے کہ اس خطرے کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیں۔

آپؐ نے اپنے صحابہ کے مشورہ سے لشکر کا مقابلہ کرنے کے لیے وہ جگہ منتخب کی جہاں کنواں تھا۔ اس میں مصلحت یہ تھی کہ مکہ والے بدر آئیں گے تو انہیں پانی کی ضرورت ہو گی پانی کا صرف یہی ایک کنواں تھا۔ اس پر قبضہ سے مسلمانوں نے دشمن پر جنگی نقطہ نظر سے فوقیت حاصل کر لی۔ صحابہ کے مشورے سے ایک بڑا گڑھا بھی کھودا گیا تاکہ اس کو پانی سے بھر دیں اور مسلمان مجاہد وہاں سے حسب ضرورت پانی لے سکیں۔ دشمن اگر یہاں آئے اور پانی پینا چاہے تو اس کی نگرانی کے لیے کچھ لوگ یہاں متعین رہیں گے۔ یہ تدبیریں فوجی نقطہ نظر سے نہایت کار آمد تھیں۔

جب مکہ سے آنے والی دشمن کی فوج ابوجہل کی قیادت میں وہاں پہنچ گئی۔ تو اس کی تعداد معلوم کرنے کے لیے ایک نگران دستہ بھیجا گیا۔ اس نے دو آدمیوں کو گرفتار کیا جو کنوئیں کی طرف پانی بھرنے کے لیے آ رہے تھے۔ انہیں پکڑ کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا۔ آپؐ نے ان سے پوچھا تم کون ہو؟ کہا "ہم مکہ سے آنے والی فوج کے لوگ ہیں" بہت اچھا تم کتنے آدمی ہو؟ جواب دیا ہمیں معلوم نہیں۔ رسول اکرمؐ نے ان سے پوچھا یہ بتاؤ روزانہ کتنے اونٹ ذبح کرتے ہو؟ انہوں نے کہا ایک دن نو ایک دن دس تو رسول اکرم نے فوراً" استنباط کیا کہ ان کی تعداد نو سو سے ایک ہزار کے مابین ہو گی۔ کیونکہ ایک اونٹ ایک سو افراد کے لیے کافی ہوتا ہے۔ حقیقتاً" ان کی تعداد ۹۵۰ تھی۔ ان سے پوچھا گیا فوج میں کون کون سے لوگ ہیں؟ فلاں فلاں سردار؟ اس سے آپ نے اندازہ لگایا کہ جنگ کے وقت فوج کی کمانداری کون کون کرے گا؟ میمنہ میں کون ہو گا؟ میسرہ میں کون ہو گا؟ مختلف مقامات پر کون کون ہوں گے؟ ان کے ناموں سے حضور اکرمؐ واقف تھے۔ اس طرح کچھ معلومات ان آدمیوں سے حاصل کی گئیں۔ صبح بہت سویرے اپنی چھوٹی سی فوج جس میں ۳۱۳ آدمی تھے اس کی تقسیم کی کہ یہ فوج کا مقدمہ ہے یہ سامنے رہے گا' یہ دائیں ہاتھ پر میمنہ' یہ بائیں ہاتھ پر میسرہ' یہ قلب اور یہ ساقہ۔ گویا فوج کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا اس تقسیم کے بعد ہر ایک کے افسر مقرر کیے اس کا سردار فلاں ہو گا' اس کا سردار فلاں ہو گا۔ یہ انصاری یہ مہاجر وغیرہ اس کے بعد کچھ تفصیلات اور ملتی ہیں جو فوجی نقطہ نظر سے آئندہ آنے والے سپہ سالاروں کے لیے نمونہ ہیں۔ نبی ہونے اور خدا کی

حفاظت میں ہونے کے باوجود انتظامی طور پر آپؐ یہ تدبیر اختیار کرتے ہیں کہ ایک چھوٹی سی پہاڑی پر ایک جھونپڑہ تعمیر کیا گیا۔ تاکہ جنگ کے وقت رسول اکرمؐ اس جھونپڑے کے اندر رہ کر مشاہدہ کرتے رہیں۔ اور حسب ضرورت فوج کو آگے بڑھائیں یا پیچھے ہٹائیں تاکہ دشمن کے کمزور حصے کو دیکھ کر اس پر حملہ کیا جائے۔ جہاں مسلمانوں کی پوزیشن کمزور ہوتی محسوس ہو وہاں کمک بھیجی جائے۔ مسلمانوں کے تین سو تیرہ اور دشمن کے نو سو پچاس آدمی تھے۔ مسلمانوں کی پوری فوج میں شاید دو گھوڑے تھے اور دشمن کے پاس ایک سو سے زائد گھوڑے تھے۔ مسلمانوں کے پاس دس بارہ زرہ بکتر ہوں گے۔ دشمن کے پاس دو سو زرہ بکتر تھے۔ گویا ہر لحاظ سے دشمن' مسلمان فوج سے طاقت ور اور قوی تھا۔ اپنی استعداد بھر مکمل انتظام کرنے کے بعد رسول اکرمؐ نے کامیابی کے لیے اللہ تعالیٰ ہی سے لو لگائی۔ آپؐ خدا کے سامنے سجدے میں گر پڑے اور نہایت موثر دعا کی کہ اے اللہ اگر تو چاہتا ہے کہ دنیا میں تیری عبادت ہوتی رہے تو اس چھوٹے سے دستے کو بڑے دستے پر غلبہ عطا فرما" اس کے بعد آپؐ نے فوج سے مخاطب ہو کر کہا کہ تم اس وقت دنیا میں خدا کی خدائی کے واحد ذمہ دار ہو۔ یہ ولولہ دلوں میں پیدا کیا کہ ہم ہی وہ واحد جماعت ہیں جو اس وقت خدا کی خاطر لڑ رہے ہیں۔ باقی سب خدا کے دشمن ہیں۔ اس جوش و ولولہ کے باعث ایک ایک آدمی کو ہزار ہزار آدمی کی قوت حاصل ہو جاتی ہے اور وہ جان پر کھیل جانے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ نتیجہ معلوم ہے کہ مٹھی بھر انسانوں نے دشمن کو شکست دی' دشمن کے ستر آدمی قتل ہوئے اور ستر یا اس سے زیادہ آدمیوں کو گرفتار کیا گیا۔

اس لیے کہ اللہ کی مدد ان کے شامل حال رہی۔ ان کو اپنی قوت ایمانی پر اعتماد تھا۔ مادی وسائل پر بھروسہ نہ تھا۔ اسی لیے اللہ نے مجاہدین بدر کا درجہ سب سے بلند فرما دیا ہے۔ اور صحابہ کرام میں یہ بات بڑے فخر کی بات سمجھی جاتی تھی کہ فلاں بدری صحابی ہے۔ بعض مفسرین نے اس آیت سے بدری مجاہدین کو مراد لیا ہے۔ رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ

غزوہ بدر کے نتائج

غزوہ بدر سے لاتعداد حیرت انگیز نتائج اخذ کیے گئے ہیں جن میں سے چیدہ چیدہ' سطور ذیل میں ذکر کیے جاتے ہیں۔

(۱) یہ حق و باطل کا پہلا منظم اور بڑے پیمانے والا معرکہ تھا۔ جس پر تمام اہل عرب اور آس پاس کی قوموں کی نظریں لگی ہوئی تھیں اور جب حق کو فتح ہوئی تو اقوام عالم سمجھنے لگے کہ مسلمانوں کی یہ مٹھی بھر جماعت اور ان کی نئی ریاست مٹنے کے لیے نہیں بلکہ نشو و نما پانے اور غلبہ حاصل کرنے کے لیے ہے۔

(۲) آس پاس کے قبائل جو ابھی تک مسلمانوں کو طاقتور اور مضبوط گروہ نہیں سمجھتے تھے اس فتح سے ان کے ارادے بدل گئے اور مسلمانوں سے دشمنی کے بجائے دوستی کے خواہاں ہوئے۔ اور ان کی قوت ایمانی سے متاثر ہوئے۔

(۳) اس سے اسلام کی حقانیت لوگوں پر واضح ہوئی اور وہ اسلام کی طرف راغب ہونے لگے۔

(۴) دشمن کو شکست دے کر خود مسلمانوں کے اعتماد میں اضافہ ہوا۔ اور مدینہ کی حفاظت کے ساتھ ساتھ پورے علاقے کی حفاظت کے لیے کمربستہ ہو گئے۔

(۵) مسلمانوں نے دعوت و تبلیغ کا کام تیز کر دیا کیونکہ ان کو اب بیشتر رکاوٹیں ہٹانے میں کوئی دقت نہیں ہوئی۔

(۶) منافقین اور دیگر یہود قبائل جو اس تاک میں تھے کہ مسلمانوں کی مٹھی بھر جماعت قریش مکہ کے ہاتھوں نیست و نابود ہو جائے تو مدینہ پر ہمارا تسلط قائم ہو جائے گا۔ فتح حاصل ہونے سے یہ مخالفین چوکس ہو گئے اور مسلمانوں کے خلاف ریشہ دوانیاں اور سازشیں اور تیزی سے کرنے لگیں۔

(۷) قریش مکہ سمجھ رہے تھے کہ ان کو یہ شکست اتفاقی طور پر ہوئی ہے۔ اس لیے وہ آئندہ سال کے لیے جنگی تیاریوں میں زور شور سے مصروف ہوگئے تاکہ آئندہ اپنا بدلہ لے کر شکست کا داغ دھولیں۔

(۸) مسلمانوں کو بھی احساس ہوا کہ آئندہ کے لیے آلات حرب جمع کرنا ضروری ہے چنانچہ قیدیوں سے خون بہا لے کر اس کو زیادہ تر ہتھیاروں کی تیاری پر خرچ کیا گیا۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

جشن نزول قرآن

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِیْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ یُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِیَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْکَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَعَلٰٓی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَهْلِ بَیْتِهٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ :

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم

آیات مبارکہ:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ (البقرہ ۲:۱۸۵)

رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا۔

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ ﴿۱﴾ وَمَآ اَدْرٰىکَ مَا لَیْلَةُ الْقَدْرِ ﴿۲﴾ لَیْلَةُ الْقَدْرِ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ﴿۳﴾ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِکَةُ وَالرُّوْحُ فِیْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِّنْ کُلِّ اَمْرٍ ﴿۴﴾ سَلٰمٌ هِیَ حَتّٰی مَطْلَعِ الْفَجْرِ ﴿۵﴾

(القدر ۹۷:۱-۵)

ہم نے اس (قرآن) کو شب قدر میں نازل کیا اور تم کیا جانو شب قدر کیا ہے؟ شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ فرشتے اور روح اس میں اپنے رب کے اذن سے ہر حکم لے کر اترتے ہیں۔ وہ رات سراسر سلامتی ہے طلوع فجر تک۔

احادیث شریفہ:

عن ابی ھریرہ رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من قام لیلۃ القدر ایمانا واحتسابا غفرلہ ما تقدم من ذنبہ (متفق علیہ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا جس شخص نے لیلۃ القدر میں قیام کیا ایمان کے ساتھ اور محض آخرت کے اجر و ثواب کی خاطر تو معاف کر دیے جائیں گے اس کے وہ سب گناہ جو اس نے پہلے کیے ہوں۔ (بخاری و مسلم)

عن انس قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا کان لیلة القدر نزل جبریل فی کبکبة من الملائکة یصلون علی کل عبد قائم او قاعد یذکر الله عزوجل

حضرت انس رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا جب لیلتہ القدر ہوتی ہے تو جبریل علیہ السلام ملا ئکہ کے ایک جھرمٹ میں اترتے ہیں اور ہر اس بندے کے لیے دعا کرتے ہیں جو اس وقت کھڑا ہوا یا بیٹھا ہوا ذکر کر رہا ہو (یعنی جاگ رہا ہو اور عبادت کر رہا ہو)۔

حضرات محترم!

رمضان وہ مبارک مہینہ ہے جسے اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے نزول صحف کے لیے منتخب فرمایا۔ مسند احمد میں حضرت واثلہ بن اسقع سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم کے صحیفے رمضان کی پہلی تاریخ کو نازل ہوئے اور تورات چھ رمضان کو' انجیل تیرہ رمضان اور قرآن چوبیس رمضان کو نازل ہوا اور حضرت جابرؓ کی روایت میں یہ بھی ہے کہ زبور بارہ رمضان اور انجیل اٹھارہ رمضان کو نازل ہوئی (ابن کثیر)

حدیث مذکور میں پچھلی کتابوں کا نزول جس تاریخ کو ذکر کیا گیا ہے' اسی تاریخ کو وہ کتابیں پوی کی پوری انبیاء پر نازل کر دی گئیں۔ قرآن کریم کی یہ خصوصیت ہے کہ یہ رمضان کی ایک رات میں پورا کا پورا لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر نازل کر دیا گیا۔ مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کا نزول ۲۳ برس میں رفتہ رفتہ ہوا۔ رمضان کی وہ رات جس میں قرآن نازل ہوا قرآن ہی کی تصریحات کے مطابق شب قدر تھی۔ انا انزلناہ فی لیلة القدر۔ ہم نے اس (قرآن) کو شب قدر میں نازل کیا۔

رمضان کے مہینہ کو اللہ تعالیٰ نے روزوں کے لیے کیوں منتخب فرمایا

قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت شهر رمضان الذی انزل فیه القرآن میں واضح کیا گیا ہے کہ رمضان کے مہینہ کو اللہ نے روزوں کے لیے کیوں منتخب فرمایا۔ سورہ بقرہ میں یہی حقیقت اس طرح واضح کی گئی کہ یہی مبارک مہینہ ہے جس میں دنیا کی ہدایت کے لیے قرآن کے نزول کا آغاز ہوا۔ قرآن کریم کی خصوصیات کے متعلق فرمایا کہ یہ خود بھی ہدایت ہے اور اس میں ہدایت اور فرقان کی بینات بھی ہیں۔ یعنی یہ صراط مستقیم کی رہنمائی کے ساتھ ساتھ عقل کی رہنمائی اور حق و باطل کے درمیان امتیاز کے لیے وہ واضح اور قاطع دلائل بھی اپنے اندر رکھتی ہے جو کبھی پرانے ہونے والے نہیں ہیں۔

جونہی رمضان المبارک کی آمد ہوتی ہے۔ مسلمانوں میں روحانی جوش پیدا ہو جاتا ہے۔ اور وہ روزوں کی تیاریوں کے ساتھ قرآن پاک کی تلاوت کثرت کے ساتھ شروع کر دیتے ہیں اس لیے کہ رمضان کا مہینہ قرآن کی سالگرہ کا مہینہ ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ رمضان میں حضرت جبریل علیہ السلام آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قرآن پاک کی تلاوت کرتے اور پورے قرآن پاک کو دہراتے۔ آخری سال یعنی رسول پاک کی وفات کے سال دو دفعہ اس طرح قرآن پاک کا ختم کیا گیا۔

الحمد للہ اس مبارک مہینہ میں پاکستان کے طول و عرض میں بلکہ پوری دنیا میں قرآن کی تلاوت مسجدوں اور گھروں میں کثرت کے ساتھ کی جاتی ہے اور نماز تراویح میں قرآن پاک سننے اور سنانے کا بڑا اہتمام کیا جاتا ہے خصوصیت کے ساتھ حرم کعبہ میں پورے رمضان المبارک کے مہینہ میں رات بھر نماز تراویح میں قرآن پاک سنایا جاتا ہے۔ اور دنیا بھر کے ممالک سے مسلمان آ کر اس میں جوق درجوق شامل ہوتے ہیں روحانی مسرت کی ایک عجیب فضا ہوتی ہے۔ مسجد حرام میں دنیا کے مختلف ممالک سے آئے ہوئے لوگ اسلامی اخوت اور یکجہتی کا مکمل مظاہرہ کرتے ہوئے قرآن عظیم کی تلاوت سے محظوظ ہوتے ہیں۔

رب ذوالجلال کے سامنے سر جھکاتے ہوئے گڑگڑاتے ہیں' اپنے گناہوں کی مغفرت کی دعا مانگتے ہیں اور قرآنی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر اللہ سے اپنی نجات اور کامیابی کے لیے دعائیں مانگتے ہیں۔ جشن قرآن کا یہ سماں پورے عالم اسلام میں رمضان المبارک کے پورے مہینے کے دوران میں بڑے جوش و خروش سے قائم رہتا ہے۔

رمضان المبارک کی چند خصوصیات ہیں جو دوسرے مہینوں میں نہیں پائی جاتیں۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ اس مہینے میں قرآن پاک کا نزول شروع ہوا۔ دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ایک رات ایسی آتی ہے جس میں عبادت کرنا ہزار مہینے مسلسل عبادت کرنے کے برابر ہی نہیں بلکہ اس سے افضل ہے۔ تیسری خصوصیت یہ ہے کہ اس مہینے کے آخری عشرے میں مسنون اعتکاف کیا جاتا ہے۔ چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ اس مہینے میں نفل عبادت کا ثواب فرض کے برابر ہے اور فرائض کا اجر ستر گنا ہے۔ یعنی ایک فرض نماز پڑھنے سے نمازی کو ستر فرض نمازوں کے برابر اجر ملے گا۔

اہل پاکستان کے لیے ماہ رمضان المبارک کی ایک خصوصیت اور عظیم برکت یہ ہے کہ اس ماہ ہمارا محبوب ملک پاکستان انگریزوں اور ہندوؤں کے تسلط سے آزاد ہو کر ایک مستقل اسلامی ریاست کے طور پر وجود میں آیا۔ جس کا مطالبہ ہمارے بزرگ ایک عرصہ سے کر رہے تھے اور جس کے حصول کی راہ میں جان و مال کی بے پناہ قربانیوں کو پیش کیا تھا۔ رمضان المبارک کی خصوصیات توضیح و تشریح کی محتاج نہیں۔ البتہ یہاں صرف اعتکاف اور لیلتہ القدر کی اہمیت کے پیش نظران کے فضائل و احکام کے سلسلے میں بعض توضیحات پیش کی جا رہی ہیں۔

اعتکاف

حضرات گرامی!

یوں تو رمضان کا ہر دن مبارک ہے پورے مہینہ میں اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا نزول ہوتا ہے لیکن اس مہینہ کا آخری عشرہ اپنی خصوصیات کے اعتبار سے خاص اہمیت رکھتا ہے۔ اس عشرہ میں اعتکاف کرنا مسنون ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے۔ لغت میں کسی جگہ میں بند ہونے یا کسی مقام پر ٹھہرنے کو اعتکاف کہتے ہیں۔ شریعت کی اصطلاح میں اعتکاف سے مراد یہ ہے کہ آدمی دنیوی تعلقات و مصروفیات اور بیوی بچوں سے الگ ہو کر مسجد میں قیام کرے۔

اعتکاف کی حکمت

اعتکاف یہی تو ہے کہ آدمی دنیوی کاروبار اور تعلقات سے کٹ کر اور گھریلو مصروفیات اور نفسانی خواہشات سے بے تعلق ہو کر فکر و عمل کی ساری قوتوں کو خدا کی یاد اور عبادت میں لگا دے اور سب سے الگ تھلگ ہو کر خدا کے پڑوس میں جا بسے اس عمل سے ایک طرف تو آدمی ہر طرح کی لغو باتوں اور برائیوں سے محفوظ رہے گا' دوسری طرف خدا سے اس کا تعلق مضبوط ہو گا۔ اس کا قرب حاصل ہو گا اور اس کی یاد اور عبادت سے قلب و روح کو سکون اور سرور محسوس ہو گا اور چند دن کی تربیت کا یہ عمل اس کے دل پر یہ گہرا اثر چھوڑے گا کہ دنیا میں چاروں طرف ہر طرح کی رنگینیاں اور دل کشیاں دیکھنے کے باوجود خدا سے تعلق مضبوط رکھے' خدا کی نافرمانی سے بچے اور اس کی اطاعت میں قلب و روح کا سکون و سرور تلاش کرے۔ اور پوری زندگی خدا کی بندگی میں گزارے۔

اعتکاف کی قسمیں

اعتکاف کی تین قسمیں ہیں (۱) واجب (۲) سنت موکدہ (۳) مستحب

(۱) اعتکاف واجب

نذر کا اعتکاف واجب ہے۔ کسی نے یونہی اعتکاف کی نذر مانی یا کسی شرط کے ساتھ مانی۔ مثلاً یہ کہا کہ اگر میں کامیاب ہو گیا یا میرا فلاں کام پورا ہوا تو میں اعتکاف کروں گا تو یہ اعتکاف واجب ہے اور اس کا پورا کرنا ضروری ہے۔

(۲) اعتکاف سنت موکدہ

رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف کرنا سنت موکدہ کفایہ ہے۔ یعنی مسلمانوں کو بحیثیت اجتماعی اس سنت کا اہتمام کرنا چاہیے کیونکہ احادیث میں اس کی انتہائی تاکید کی گئی ہے خود قرآن میں بھی اس کا ذکر ہے۔

(۳) اعتکاف مستحب

رمضان کے اخیر عشرے کے علاوہ جو بھی اعتکاف کیا جاتا ہے وہ مستحب ہے' چاہے رمضان کے پہلے اور دوسرے عشرے میں کیا جائے یا کسی اور مہینے میں۔

وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ (البقرہ ۲:۱۸۷)

"اور اپنی بیویوں سے نہ ملو' جب تم مسجدوں میں اعتکاف میں ہو"۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پابندی کے ساتھ ہر سال اعتکاف فرماتے تھے وفات تک آپؐ کا یہی معمول رہا۔ اس لیے اگر مسلمان اس سنت کو اجتماعی طور پر چھوڑ دیں گے تو سب ہی گنہگار ہوں گے۔ یہ بات انتہائی تشویش کی ہو گی کہ پورا مسلمان معاشرہ اس سے بے پروائی برتے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ محبوب سنت بالکل مٹ جائے۔ البتہ اگر بستی کے کچھ افراد بھی اس سنت کا اہتمام کرلیں تو چونکہ یہ سنت کفایہ ہے اس لیے چند افراد کا اعتکاف سب کی طرف سے کافی ہو جائے گا۔

حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے وفات تک آپؐ کا یہی معمول رہا اور آپؐ کے بعد آپؐ کی ازواج اعتکاف کا اہتمام کرتی رہیں"۔ (بخاری) اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص حضرت انس کا بیان ہے کہ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے ایک سال آپؐ اعتکاف نہ فرما سکے تو اگلے سال آپؐ نے بیس دن کا اعتکاف فرمایا"۔ (جامع ترمذی)

لیلتہ القدر

رمضان کے آخری عشرے کی دوسری بڑی اہمیت یہ بھی ہے کہ اس میں ایک رات ہے جس کو قرآن کریم نے لیلتہ القدر اور لیلتہ مبارکہ کہا ہے اور اس رات میں عبادت کرنے کو ہزار مہینے کی مسلسل عبادت سے بہتر قرار دیا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةٍ مُّبَارَكَةٍ (الدخان ۴۴:۳)

بے شک ہم نے اسے ایک بڑی خیر و برکت والی رات میں نازل کیا ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

إِنَّآ أَنزَلْنَٰهُ فِى لَيْلَةِ ٱلْقَدْرِ (القدر ۹۷:۱)

بے شک ہم نے اس قرآن کو عظمت والی رات میں نازل کیا ہے۔

لیلتہ القدر کے معنی

لفظ قدر کے دو معنی مفسرین نے بیان کیے ہیں۔

(۱) اندازہ کرنا' وقت معین کرنا اور فیصلہ کرنا۔ یعنی لیلتہ القدر وہ رات ہے جس میں خدا ہر چیز کا صحیح اندازہ قائم فرماتا ہے' اس کا وقت معین کرتا ہے' احکام نازل فرماتا ہے اور ہر چیز کی تقدیر مقرر فرماتا ہے۔ سورہ دخان کی اس آیت میں

فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ ۝ أَمْرًا مِّنْ عِندِنَا (الدخان ۴۴:۴-۵)

یہ وہ رات تھی جس میں ہر معاملہ کا حکیمانہ فیصلہ ہمارے حکم سے صادر کیا جاتا ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

تَنَزَّلُ ٱلْمَلَٰٓئِكَةُ وَٱلرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِم مِّن كُلِّ أَمْرٍ ۝ (القدر ۹۷:۴)

فرشتے اور روح اس میں اپنے رب کے اذن سے ہر حکم لے کر اترتے ہیں۔

قدر کے دوسرے معنی ہیں عظمت اور بزرگی۔ یعنی لیلتہ القدر وہ رات ہے جس کو خدا کے نزدیک بڑی عظمت اور فضیلت حاصل ہے۔ اور اس کی قدر و عظمت کے لیے یہ دلیل کافی ہے کہ خدا نے اس میں قرآن جیسی عظیم نعمت نازل فرمائی۔ اس سے زیادہ عظیم نعمت کا نہ انسان تصور کر سکتا ہے نہ آرزو۔ اسی خیر و برکت اور عظمت و فضیلت کی بناء پر قرآن نے اس کو ایک ہزار مہینوں سے زیادہ افضل قرار دیا ہے۔

لیلتہ القدر کا تعین

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں سے کوئی رات ہے۔ یعنی اکیسویں' تیئیسویں' پچیسویں' ستائیسویں اور انتیسویں راتوں میں سے کوئی رات ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔

قال تحرّوا لیلۃ القدر فی الوتر من العشر الاواخر من رمضان

(البخاری کتاب الصوم باب تحری لیلتہ القدر)۔

لیلتہ القدر کو رمضان کی آخری دس راتوں میں سے طاق راتوں میں تلاش کرو!

اس رات کے واضح تعین نہ کرنے کے بارے میں حکمت یہ ہے کہ رمضان کے اس پورے عشرے میں خاص طور پر ذکر و عبادت کا زیادہ اہتمام کیا جائے۔ چنانچہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں:

عن عائشہ قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یجتھد فی العشر الاواخر مالا یجتھد فی غیرہ (رواہ مسلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرے میں عبادت کا وہ اہتمام فرماتے تھے جو دوسرے ایام میں نہ فرماتے تھے۔

اس شب میں زیادہ سے زیادہ قیام و سجود اور ذکر و تسبیح کی ترغیب دیتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "جب

لیلۃ القدر آتی ہے تو جبریل ملائکہ کے جھرمٹ میں زمین پر اترتے ہیں اور ہر بندے کے لیے دعائے رحمت و مغفرت کرتے ہیں جو کھڑا یا بیٹھا خدا کی یاد اور عبادت میں مشغول ہوتا ہے۔ (بیہقی شعب الایمان)

اور ارشاد فرمایا:

"لوگو! تم پر ایک مہینہ آیا ہے جس میں ایک رات ہے۔ جو ہزار مہینوں سے افضل ہے۔ جو شخص اس رات سے محروم رہ گیا۔ وہ سارے کے سارے خیر سے محروم رہ گیا۔ اور اس شب کی خیر و برکت سے وہی محروم رہتا ہے جو واقعی محروم ہے"۔ (ابن ماجہ)

حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا۔ یا رسول اللہ اگر مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ کونسی رات لیلۃ القدر ہے تو بتایئے میں اس رات میں خدا سے کیا دعا کروں؟

ارشاد فرمایا یہ پڑھو:

اللھم انک عفو کریم تحب العفو فاعف عنی

اے اللہ تو بہت ہی معاف فرمانے والا ہے۔ اور بڑا ہی کرم والا ہے۔ معاف کر دینا تجھے پسند ہے۔ پس میری خطاؤں کو معاف فرما دے۔

جہاد فی سبیل اللہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰٓی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَھْلِ بَیْتِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ:

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم ○ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آیات مبارکہ:

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۴﴾ (التوبہ ۹:۲۴)

اے نبیؐ کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ، اور تمہارے بیٹے، اور تمہارے بھائی، اور تمہاری بیویاں، اور تمہارے عزیز و اقارب اور تمہارے وہ مال جو تم نے کمائے ہیں، اور تمہارے وہ کاروبار جن کے ماند پڑ جانے کا تم کو خوف ہے اور تمہارے وہ گھر جو تم کو پسند ہیں، تم کو اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد سے عزیز تر ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ تمہارے سامنے لے آئے اور اللہ فاسق لوگوں کی رہنمائی نہیں کیا کرتا۔

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ ۙ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۵۱﴾ (البقرہ ۲۵۱:۲)

اگر اس طرح اللہ انسانوں کے ایک گروہ کو دوسرے گروہ کے ذریعے سے ہٹاتا نہ رہتا تو زمین کا نظام

بگڑ جاتا' لیکن دنیا کے لوگوں پر اللہ کا بڑا فضل ہے۔ (کہ وہ اس طرح دفع فساد کا انتظام کرتا رہتا ہے)

فَلْيُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يَشْرُونَ الْحَيَوٰةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ وَمَنْ يُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيُقْتَلْ أَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿٧٤﴾ وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَل لَّنَا مِن لَّدُنكَ وَلِيًّا وَاجْعَل لَّنَا مِن لَّدُنكَ نَصِيرًا ﴿٧٥﴾ (النساء ۴: ۷۴-۷۵)

اللہ کی راہ میں لڑنا چاہیے ان لوگوں کو جو آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی کو فروخت کردیں' پھر جو اللہ کی راہ میں لڑے گا اور مارا جائے گا یا غالب رہے گا' اسے ضرور ہم عظیم اجر عطا کریں گے۔ آخر کیا وجہ ہے کہ تم اللہ کی راہ میں ان بے بس مردوں' عورتوں اور بچوں کی خاطر نہ لڑو جو کمزور پا کر دبا لیے گئے ہیں اور فریاد کر رہے ہیں کہ خدایا ہم کو اس بستی سے نکال جس کے باشندے ظالم ہیں' اور اپنی طرف سے ہمارا کوئی حامی و مددگار پیدا کردے۔

احادیث شریفہ:

عن ابی هریرة رضی الله عنه قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ای الاعمال افضل؟ قال: ایمان بالله و رسوله قیل ثم ماذا؟ قال: الجهاد فی سبیل الله قیل ثم ماذا؟ قال: "حج مبرور" (متفق علیہ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ نیک اعمال میں سے کونسا عمل افضل ہے؟ آپؐ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لانا" کہا گیا کہ اس کے بعد کون سا؟ آپؐ نے فرمایا: "اللہ کی راہ میں جہاد کرنا" اس پر کہا گیا' پھر کون سا عمل ہے؟ آپؐ نے فرمایا: "نیکی کے ساتھ حج کرنا"۔

عن ابی موسیٰ رضی الله عنه ان اعرابیا اتی النبی صلی الله علیه وسلم فقال یا رسول الله الرجل یقاتل للمغنم و الرجل یقاتل للذکر والرجل یقاتل لیری مکانه فمن فی سبیل الله؟ فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "من قاتل لتکون کلمة الله هی العلیا فهو فی سبیل الله" (متفق علیہ)

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے روایت کی کہ ایک اعرابی (دیہاتی) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے عرض کی یا رسول اللہ' ایک آدمی مال غنیمت حاصل کرنے کے لیے لڑتا ہے' ایک آدمی شہرت و ناموری کے لیے لڑتا ہے اور ایک آدمی بہادری دکھانے کے لیے لڑتا ہے۔ پس ان میں سے کس کا

لڑنا فی سبیل اللہ (اللہ کی راہ میں) شمار ہو گا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "وہ شخص جو اس لیے لڑتا ہے تاکہ اللہ کا کلمہ اونچا ہو' وہ اللہ کی راہ میں ہے"۔

عن ابی ھریرة رضی اللہ عنہ قال' قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "من مات ولم یغز ولم یحدث نفسہ بالغزو' مات علی شعبة من النفاق" (مسلم)

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص فوت ہو اور اس نے اسلام کے لیے جنگ نہیں کی اور نہ ہی اپنے دل میں اسلام کی خاطر جنگ کا سوچا تو ایسا شخص نفاق کی ایک خصلت پر فوت ہوا"

واجب الاحترام حضرات!

دین اسلام میں جہاد کی کتنی اہمیت و ضرورت ہے اور اس کا کتنا اونچا مقام و مرتبہ ہے اس کا تھوڑا سا اندازہ قرآن مجید کی ان آیات و احکامات سے کیجیے جو اللہ کے کلام میں وارد ہوئے ہیں۔ جہاد و قتال کے مضمون پر جو آیات قرآن مجید میں آئی ہیں یا جن سے اشارہ و کنایہ سے جہاد کے احکام و ہدایات اور اس کی ترغیب معلوم ہوتی ہے یہ تقریباً" اڑھائی پارے کے قریب پہنچتی ہیں۔ اس مقدار کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید کا بارھواں حصہ جہاد کے متعلق ہے۔

پھر جہاد کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ اور آپؐ کے ارشادات مبارکہ کا مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کی پوری زندگی جہاد میں گزری ہے۔ مکی زندگی جہاد کی زندگی ہے' مدنی زندگی جہاد کی زندگی ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگیاں بھی جہاد کی زندگیاں ہیں۔

شریعت میں جہاد کو عبادات میں شمار کیا گیا ہے۔ بہت سے علماء نے قرآن و حدیث کی تعلیمات کو مدنظر رکھتے ہوئے اسلام کے پانچ ارکان کے بعد جہاد کو رکھا ہے اور دین کے بنیادی ارکان میں گنا ہے۔ البتہ جہاد کی نوعیت و کیفیت میں فرق ہے۔ مکہ میں یہ نوعیت اور تھی اور مدینہ میں اور تھی۔

دین کا بنیادی حکم ہونے کے باوجود جہاد کا تصور اور اس کی صورت اکثر مسلمانوں میں پوری طرح واضح نہیں ہے۔ مختلف لوگ اس کا مختلف تصور رکھتے ہیں اور جتنی آیات و احادیث اس بارے میں آئی ہیں ان کی اپنے تصور کے مطابق تاویل' تعبیر اور تفسیر کر لیتے ہیں اور پھر کوشش کرتے ہیں کہ تمام مسلمان اس کی وہی تفسیر و تاویل قبول کریں۔ بات یہیں پر ختم نہیں ہوتی بلکہ بعض لوگ آگے بڑھ کر دوسری تاویلوں اور تعبیروں کو غلط بھی قرار دیتے ہیں۔

جہاد کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے لفظ جہاد کے معنی پر غور کرتے ہیں۔ جہاد کا کلمہ جہد اور جھد سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں کوشش کرنا اور طاقت لگانا۔ یہ لفظ اسی معنی میں اردو زبان میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ اسی سے جہاد اور مجاہدہ کے کلمے باب مفاعلہ کے لیے بنے ہیں۔ باب مفاعلہ میں آنے کے بعد ان کے معنی میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ یعنی کسی کے مقابلے میں کوشش کرنا' کشمکش کرنا اور طاقت لگانا' اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ (الحج ۲۲: ۷۸)

اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے۔

جہاد کے اصطلاحی معنی ہیں "اللہ کی رضا کی خاطر اس کے دین کی اشاعت اور سربلندی کے لیے ہر قسم کی کوشش کرنا"۔ یہ کلمہ محض جنگ کا ہم معنی نہیں ہے۔ جنگ کے لیے قتال کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ جہاد اس سے وسیع مفہوم اور معنی رکھتا ہے

اور اس میں ہر قسم کی جدوجہد شامل ہے۔ مجاہد وہ شخص ہے جو ہر وقت اپنے مقصد کی دھن میں لگا رہے' دماغ سے اس کے لیے تدبیریں سوچے' زبان و قلم سے اس کی تبلیغ کرے' ہاتھ پاؤں سے اس کے لیے دوڑ دھوپ اور محنت کرے۔ اپنے تمام امکانی وسائل اس کو فروغ دینے میں صرف کر دے اور ہر اس مزاحمت کا پوری قوت کے ساتھ مقابلہ کرے جو اس راہ میں پیش آئے' حتیٰ کہ جان کی بازی لگانے کی ضرورت ہو تو اس سے بھی دریغ نہ کرے۔ اس کا نام ہے "جہاد"۔ اور جب اس کے ساتھ فی سبیل اللہ ہو تو اس کا مطلب ہے کہ یہ سب کچھ صرف اللہ کی رضا کے لیے اور اس غرض کے لیے کیا جائے کہ اللہ کا دین اس کی زمین پر قائم ہو جائے اور اللہ کا کلمہ سارے کلموں پر غالب آ جائے۔ اس کے سوا کوئی غرض مجاہد کے پیش نظر نہ ہو۔

مجاہدہ کا لفظ مقابلہ اور باہمی کشمکش کا تقاضا کرتا ہے سو اس کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ جو قوتیں اللہ کی راہ میں رکاوٹ بنی ہوئی ہیں' جو خدا کی مرضی کے مطابق چلنے سے روکتی اور اس کی راہ سے ہٹانے کی کوشش کرتی ہیں' جو پوری طرح خدا کا بندہ بن کر نہیں رہنے دیتیں اور انسان کو اپنا یا کسی غیر اللہ کا بندہ بننے پر مجبور کرتی ہیں' ان کے خلاف اپنی تمام امکانی طاقتوں سے کوشش اور جدوجہد کی جائے۔ اسی جدوجہد پر انسان کی فلاح و کامیابی کا اور اللہ سے تقرب کا دارومدار ہے۔

جہاد کا حکم بندہ مومن کو ہر محاذ پر چومکھی لڑائی لڑنے کی ہدایت کرتا ہے۔ ایک طرف شیطان مردود اور اس کا شیطانی لشکر ہے۔ دوسری طرف آدمی کا اپنا نفس اور اس کی سرکش خواہشات ہیں۔ تیسری طرف خدا سے پھرے ہوئے بہت سے انسان ہیں جن کے ساتھ آدمی مختلف قسم کے معاشرتی' تمدنی اور معاشی تعلقات میں بندھا ہوا ہے۔ چوتھی طرف وہ غلط مذہبی' تمدنی اور سیاسی نظام ہیں جو خدا سے بغاوت پر قائم ہوئے ہیں' اور حق کی بندگی کے بجائے باطل کی بندگی پر انسان کو مجبور کرتے ہیں۔ ان سب کے حربے مختلف ہیں مگر سب کی ایک ہی کوشش ہے کہ آدمی کو خدا کے بجائے اپنا مطیع بنائیں۔ بخلاف اس کے آدمی کی ترقی کا اور تقرب خداوندی کے مقام تک پہنچنے کا انحصار اس پر ہے کہ وہ سراسر خدا کا مطیع اور باطن سے ظاہر تک خالصتاً" اس کا بندہ بن جائے۔ لہٰذا اپنے مقصود تک اس کا پہنچنا اس کے بغیر ممکن نہیں ہے کہ وہ ان تمام مزاحم اور رکاوٹ بننے والی قوتوں کے خلاف بیک وقت جنگ آزما ہو۔ ہر وقت' ہر حال میں ان سے کشمکش کرتا رہے اور ان ساری رکاوٹوں کو روندتا ہوا خدا کی راہ میں بڑھتا چلا جائے۔

گرامی قدر حضرات!

قرآن مجید و حدیث شریف میں جہاد' قتال اور شہید کے ذکر کے ساتھ عام طور پر فی سبیل اللہ (اللہ کی راہ میں) کی قید لگائی گئی ہے۔ اسلام میں جہاد کے لیے' یہ بنیادی شرط بھی ہے اور جہاد کا مقصد بھی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص یا گروہ اور جماعت جب نظام زندگی میں تبدیلی لانے اور انقلاب برپا کرنے اور اسلامی نظریے کے مطابق نیا نظام مرتب کرنے کے لیے اٹھے' تو اس جدوجہد اور اس سرفروشی و جاں نثاری میں اس کی اپنی کوئی نفسانی غرض نہ ہو۔ اس کا مقصد ہرگز یہ نہ ہو کہ کسی بادشاہ کو ہٹا کر خود بادشاہ بن بیٹھے۔ اپنی ذات کے لیے مال و دولت' شہرت و ناموری' یا عزت و جاہ حاصل کرنے کا شائبہ تک اس کی جدوجہد کے مقاصد میں شامل نہ ہو۔ اس کی تمام قربانیوں اور ساری محنتوں کا مدعا صرف یہ ہو کہ بندگان خدا کے درمیان زندگی کا ایک عادلانہ نظام قائم کیا جائے۔ اس کے معاوضے میں اسے خدا کی خوشنودی کے سوا کچھ بھی مطلوب نہ ہو۔

خطبے کے شروع میں آپ کے سامنے ایک حدیث پیش کی گئی جس میں نبی کریمؐ نے سائل سے فرمایا کہ فی سبیل اللہ صرف اس شخص کی جنگ ہے جو خدا کا بول بالا کرنے کے سوا کوئی مقصد نہیں رکھتا۔ ایک دوسری حدیث میں ہے "اگر کسی شخص نے جنگ کی اور اس کے دل میں اونٹ باندھنے کی ایک رسی حاصل کرنے کی بھی نیت ہوئی تو اس کا اجر ضائع گیا"۔ اللہ تعالیٰ صرف

اس عمل کو قبول کرتا ہے جو محض اس کی خوشنودی کے لیے ہو اور کوئی شخصی یا جماعتی غرض پیش نظر نہ ہو۔ سو جہاد کے لیے فی سبیل اللہ کی شرط اسلامی نقطہ نظر سے خاص اہمیت رکھتی ہے۔ مجرد جہاد تو دنیا میں سب ہی جاندار کرتے ہیں۔ ہر ایک اپنے مقصد کی تحصیل و تکمیل کے لیے اپنا پورا زور صرف کر رہا ہے۔ لیکن مسلمان جس انقلابی جماعت کا نام ہے اس کے انقلابی نظریات میں سے ایک اہم بلکہ بنیادی نظریہ یہ ہے کہ اپنی جان و مال کھپاؤ' دنیا کی ساری سرکش طاقتوں سے لڑو' اپنے جسم و جان کی ساری طاقتیں اور صلاحیتیں خرچ کر دو اس لیے نہیں کہ دوسرے سرکشوں کو ہٹا کر تم ان کی جگہ لے لو بلکہ صرف اس لیے کہ دنیا سے سرکشی و طغیانی' ظلم و بدامنی' استحصال و مفلسی مٹ جائے اور خدا کا قانون نافذ ہو جائے۔

محترم سامعین!

جہاد کے بارے میں بیان کردہ ان اجمالی باتوں سے آپ کو جہاد کی وسعت' اس کا دائرہ کار اور پوری زندگی پر اس کے محیط ہونے کا اندازہ ہو گیا ہو گا۔ اب آپ کے سامنے اس کی چند اقسام کا تذکرہ کیا جاتا ہے تاکہ ہر مسلمان جہاد کے عمل میں مصروف ہو کر اپنا فریضہ ادا کرے اور اجر و ثواب کا مستحق ہو اور امت مسلمہ کے رکن کی حیثیت سے اپنی ذمہ داری پوری کرے۔

(الف) جہاد بالنفس

مومن کا اپنے نفس سے جہاد کرنا' جہاد کا ابتدائی درجہ بھی ہے اور بڑے جہاد یعنی قتال و جدال کے لیے تیاری بھی ہے۔ اس لیے کہ جب تک انسان کے اندر انقلاب برپا نہیں ہو گا اس وقت تک انسان اس عظیم کام کے لیے تیار نہیں ہو گا۔ لہذا اپنے نفس سے کشاکش کر کے اس کے ناجائز تقاضوں کو دبانا' اس میں پرورش پانے والی برائیوں اور خامیوں کو دور کرنا پہلا عمل ہے۔ پھر اسے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا عادی بنانا' اس میں نیکیوں کو راسخ کرنا' فرائض کا پابند کرنا اور کبائر سے بچانا بہت بڑا کام ہے۔ آپؐ نے فرمایا المجاہد من جاہد نفسہ (ابن حبان) "یعنی مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس سے جہاد کرے"۔ ایک اور حدیث میں آپؐ نے ارشاد فرمایا:

لا یومن احدکم حتی یکون ھواہ تبعا لما جئت بہ (بخاری)

تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کی خواہشات نفس میری لائی ہوئی ہدایت کے تابع نہ ہو جائیں۔

(ب) جہاد باللسان

مومن اپنے نفس کی اصلاح کے ساتھ ساتھ معاشرے کی اصلاح کے لیے بھی جرات و ہمت سے آگے بڑھے گا۔ یہ دوسرا درجہ زبان سے جہاد کرنے کا ہے۔ حق بات' انصاف و عدل کی بات اور سچی بات لوگوں سے کہے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

افضل الجہاد کلمۃ عدل عند سلطان جائر (ابوداؤد اور ترمذی)

افضل جہاد ظالم بادشاہ یا حکمران کے سامنے انصاف کی بات (ایک روایت میں حق کی بات) کہنا ہے۔

پھر ایسے لوگوں کو گونگا شیطان کہا گیا ہے جو حق بات کہنے کے موقع پر خاموش ہو جاتے ہیں یا گول مول باتیں کرتے ہیں یا موقع کے مطابق بات کر جاتے ہیں اور حق بات نہیں کرتے۔ اس لیے حق بات کہنا اور وہ بھی کسی طاقتور کے سامنے' جہاد میں شمار ہوتا ہے۔

(ج) جہاد بالقلم

آج کا دور میڈیا کا دور ہے۔ ایک اچھے اخبار' رسالے اور کتاب میں چھپی ہوئی بات ہزاروں لاکھوں انسان پڑھتے ہیں۔ اسی طرح الیکٹرانک میڈیا پر کہی ہوئی بات لاکھوں کروڑوں انسان سنتے اور دیکھتے ہیں اور اثر لیتے ہیں۔ اس لیے اس محاذ پر منصوبہ بنا کر کام کرنا' مال خرچ کرنا اور کام کرنا بھی جہاد ہے۔ لہٰذا جو لوگ میڈیا کے ذریعے سے دین کی اشاعت کرتے ہیں اس کے بارے میں لوگوں کے شکوک و شبہات دور کرتے ہیں' دین پر وارد ہونے والے اعتراضات کا جواب دیتے ہیں' یہ لوگ بھی جہاد میں حصہ لیتے ہیں۔

(د) جہاد بالمال

قرآن مجید اور احادیث مبارکہ میں مال سے جہاد کرنے' اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے مال خرچ کرنے' مجاہدوں اور غازیوں کو سامان فراہم کرنے' ان کے خاندانوں کی دیکھ بھال اور ان کی مالی کفالت کرنے والوں کو مجاہدوں کے برابر شمار کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۶۰﴾ (الانفال ۸:۶۰)

اور تم لوگ' جہاں تک تمہارا بس چلے' زیادہ سے زیادہ طاقت اور تیار بندھے رہنے والے گھوڑے ان کے مقابلہ کے لیے مہیا رکھو تاکہ اس کے ذریعہ سے اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو اور ان دوسرے اعداء کو خوف زدہ کردو جنہیں تم نہیں جانتے مگر اللہ جانتا ہے۔ اللہ کی راہ میں جو کچھ تم خرچ کرو گے اس کا پورا پورا بدل تمہاری طرف پلٹایا جائے گا اور تمہارے ساتھ ہرگز ظلم نہ ہو گا۔

اور ارشاد فرمایا:

وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۚ وَاَحْسِنُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۹۵﴾ (البقرہ ۲:۱۹۵)

اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ احسان کا طریقہ اختیار کرو کہ اللہ محسنوں کو پسند کرتا ہے۔

مالی جہاد کے بارے میں ایک حدیث سنیے:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من جهز غازياً فى سبيل الله عزوجل فقد غزا و من خلفه فى اهله بخير فقد غزا (بخاری و ابو داؤد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس شخص نے اللہ کی راہ میں کسی غازی کو جہاد کے لیے تیار کیا تو اس نے جہاد کیا اور جس نے اس کے گھر والوں سے بھلائی کی تو اس نے جہاد کیا"۔

الغرض اللہ کے دین کی سربلندی اور غلبے کے لیے مال خرچ کرنا جہاد ہے اور ایسا آدمی مجاہدوں کی صف میں شامل ہے۔ خاص طور پر ایسا شخص جو اپنے ہاتھ سے کچھ نہیں کر سکتا اس کے لیے جہاد کی یہ بہترین صورت ہے۔

(ج) جہاد بالسیف

جہاد کی اعلیٰ ترین اور بہترین صورت یہ ہے کہ مومن اللہ کی راہ میں اس کے دین کی سربلندی اور قیام کے لیے میدان جنگ میں نکل آئے۔ قرآن و حدیث کے مطالعے اور فقہاء کے ارشادات سے واضح ہوتا ہے کہ دین کی اشاعت' اس کے نفاذ اور قیام کے لیے قتال و جدال ضروری ہے۔ جب دین دشمن قوتیں اسلام کو مٹانے کے درپے ہو جائیں' اسلام اور مسلمانوں پر حملہ آور ہوں' انسانوں کو غلامی و محکومی کی زنجیروں میں جکڑ دیں' اللہ واحد کی عبادت کے راستے بند کر دیں اور اللہ واحد کے نام لیواؤں کو نقصان پہنچانے کے درپے ہوں تو ایسے حالات میں اسلام اپنے پیروکاروں کو ہتھیار اٹھانے' کفر کا غلبہ توڑنے' مسلمانوں کو آزاد کرانے' انسانیت کو ظلم و جور سے نکالنے اور دین حق کو غالب کرنے کے لیے جہاد و قتال پر ابھارتا ہے اور قتال کا حکم دیتا ہے۔

یہ جہاد کا اعلیٰ ترین درجہ اور آخری مرحلہ ہے۔ اس درجے کے برابر جہاد کی دوسری قسمیں ہرگز نہیں ہیں۔ قرآن مجید میں آمدہ آیات کا بڑا حصہ اس درجے کے فضائل' احکام اور تفصیل کے بارے میں ہے۔ اس کی نہ تو کوئی اور تعبیرو تاویل کی جا سکتی ہے اور نہ ہی کسی طریقے سے اس کا انکار کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح احادیث میں بھی جہاد کی اس قسم کی تفصیل بہت زیادہ بیان ہوئی ہے۔ یہی جہاد اکبر اور اس کا اہم حصہ ہے۔

بعض لوگ دین کی پوری تعلیم نہ ہونے یا مغربیت سے مرعوب ہونے کی بنا پر اعلیٰ جہاد اور قتال سے راہ فرار اختیار کرنے اور نفس کی خواہشات کے غلبے کی بناء پر قتال' غزا اور اللہ کی راہ میں لڑنے کے عمل سے مختلف بہانے کر کے جان چھڑانا چاہتے ہیں۔ یہ طریقے قرآن و حدیث کے خلاف ہیں اور امت مسلمہ کو اپنے مقام سے غافل کرنے اور ذلت و پستی میں رکھنے کے مترادف ہیں۔ ان دو فرمانوں پر غور کریں:

يَآأَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ (الانفال ۸:۶۵)

اے نبیؐ مومنوں کو جنگ پر ابھارو۔

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًّا كَأَنَّهُم بُنْيَانٌ مَّرْصُوصٌ ﴿۴﴾

(الصف ۶۱:۴)

اللہ کو تو پسند وہ لوگ ہیں جو اس کی راہ میں اس طرح صف بستہ ہو کر لڑتے ہیں گویا کہ وہ ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

"اللہ کی راہ میں لڑو' جو شخص اللہ کی راہ میں اونٹنی دوہنے کی مقدار جتنا وقت لڑا تو اس کے لیے جنت واجب ہو گئی اور تم میں سے کسی ایک کا' لشکر کی صف میں کھڑا ہونا' ساٹھ سال کی نماز سے بہتر ہے۔

(الترمذی و احمد)

حضراتِ گرامی !

مسلم امہ آج جس مقام پر کھڑی ہے اور جن حالات میں مبتلا ہے ان کا تقاضا ہے کہ امت کا ہر فرد اس فرض کو محسوس کرتے ہوئے جہاد کے کسی نہ کسی درجے میں شامل ہو کر اپنا کردار ادا کرے اور اس کے ذمہ جو فریضہ ہے وہ ادا کرے۔ تاکہ دنیا میں آزادی' امن و سکون' عدل و انصاف اور عزت و وقار کی زندگی بسر کرے اور آخرت میں اجر و ثواب اور جنت نعیم کا حقدار بنے۔

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

ہماری رسمیں اور رواج

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰٓی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَھْلِ بَیْتِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ:

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم

آیات مبارکہ:

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَہٗ مَکْتُوْبًا عِنْدَھُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ یَاْمُرُھُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْھٰىھُمْ عَنِ الْمُنْکَرِ وَیُحِلُّ لَھُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْھِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَیَضَعُ عَنْھُمْ اِصْرَھُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ کَانَتْ عَلَیْھِمْ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِہٖ وَعَزَّرُوْہُ وَنَصَرُوْہُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَہٗٓ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ (الاعراف۷:۱۵۷)

(آج یہ رحمت ان لوگوں کا حصہ ہے) جو اس پیغمبر نبی امی کی پیروی اختیار کریں جس کا ذکر انہیں اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا ملتا ہے۔ وہ انہیں نیکی کا حکم دیتا ہے، بدی سے روکتا ہے، ان کے لیے پاک چیزیں حلال اور ناپاک چیزیں حرام کرتا ہے۔ اور ان پر سے وہ بوجھ اتارتا ہے جو ان پر لدے ہوئے تھے اور وہ بندشیں کھولتا ہے جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے۔ لہٰذا جو لوگ اس پر ایمان لائیں اور اس کی حمایت اور نصرت کریں اور اس روشنی کی پیروی اختیار کریں جو اس کے ساتھ نازل کی گئی ہے وہی فلاح پانے والے ہیں۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطٰنُ يَدْعُوْهُمْ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ﴿۲۱﴾ (لقمان ۲۱:۳۱)

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ پیروی کرو اس چیز کی جو اللہ نے نازل کی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم تو اس چیز کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔ کیا یہ انہی کی پیروی کریں گے خواہ شیطان ان کو بھڑکتی ہوئی آگ ہی کی طرف کیوں نہ بلاتا رہا ہو۔

وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۷﴾ (الحشر ۵۹:۷)

جو کچھ رسول تمہیں دے وہ لے لو اور جس چیز سے وہ تم کو روک دے اس سے رک جاؤ۔ اللہ سے ڈرو' اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔

احادیث شریفہ:

عن عائشة رضی اللہ عنها قالت قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من احدث فی امرنا هذا مالیس منه فهورد (متفق علیہ)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس شخص نے ہمارے اس معاملے (دین اسلام) میں کوئی نئی بات نکالی جو اس میں پہلے سے نہیں ہے تو ایسی بات ناقابل قبول ہے"۔

عن ابن عباس رضی الله عنهما قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ابغض الناس الی الله ثلثۃ ملحد فی الحرم و مبتغ فی الاسلام سنة الجاهلية و مطلب دم امرئ مسلم بغیر حق لیهریق دمه (رواہ البخاری)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تین قسم کے لوگ اللہ کو لوگوں میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ ہیں۔ ایک حرم میں الحاد اور بے دینی پھیلانے والا' دوسرا اسلام میں جاہلیت کا طریقہ چاہنے والا' اور تیسرا کسی مسلمان کا ناحق درپے قتل ہونے والا تاکہ اس کا خون بہائے"۔

عن ابی هريرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم کفیٰ بالمرء کذباً ان یحدث بکل ماسمع (رواہ مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ جو کچھ سنے اسے (بغیر تحقیق و تصدیق کے) بیان کر دے"۔

حضرات گرامی!

آج مسلم معاشرے کی حالت پر نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ پورا معاشرہ مختلف قسم کی رسموں' رسموں اور رواجوں سے بھرا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ یہ رسمیں اور رواج عقائد و ایمانی تصورات سے لے کر زندگی کے تمام معاملات جیسے تعبدی' معاشرتی' معاشی' تمدنی و تہذیبی' روحانی اور اخلاقی اعمال میں موجود ہیں۔ زندگی کا کوئی گوشہ اور کوئی پہلو ایسا نہیں جس میں کچھ نہ

کچھ رسمیں اور رواج موجود نہ ہوں۔ شادی کا موقع ہو کہ غمی کا' تقاریب و تہوار ہوں کہ بیماری و مصیبت کا موقع ہو غرض یہ کہ قدم قدم پر درجنوں بلکہ سینکڑوں رسمیں موجود ہیں۔ تجربے کے طور پر کسی منگنی اور شادی کے موقع پر کسی بڑی بوڑھی خاتون یا کسی بڑی عمر کے کم علم بزرگ سے اس موقع کی رسموں کا معلوم کیجیے تو وہ ایک کتاب کھول دیں گے جس میں ہر مرحلے پر پیش آنے والی رسموں' رواجوں اور کاموں کی تفصیل ہو گی۔ کہیں ہندوانہ رسمیں ہیں تو کہیں توہم پرستی اور شرک کی رسمیں ہیں۔ کہیں باپ دادا اور بڑوں کی رسمیں ہیں تو کہیں برادری اور ماحول کی رسمیں ہیں۔ غرضیکہ اتنی زیادہ رسمیں ہیں اور اتنی قسم کی ہیں اور ہر علاقے اور خطے میں پائی جاتی ہیں کہ ان کو شمار کرنا بھی بہت مشکل ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انسان ان رسموں رواجوں میں جکڑا ہوا ہے اور معاشرے اور ماحول کا دباؤ ایسا سخت ہے کہ ہر شخص ان کے کرنے پر مجبور و بے بس ہے۔

حضرات!

جب ہم ان رسموں اور رواجوں کی ابتداء کا تجزیہ کرتے ہیں تو یہ بات سامنے آئی ہے کہ ہمارے معاشرے میں خوشی اور غم کے موقع پر جو رسمیں رائج ہیں ان میں سے بعض کے جائز ہونے سے انکار کرنا مشکل ہے۔ لیکن بعض دوسری مکروہ' ناجائز اور حرام ہیں۔ ان میں سے بہت سی رسمیں ایسی ہیں جو انسانوں کو باپ دادا سے وراثت میں ملی ہیں اور انہیں ان لوگوں نے بے چوں و چرا اختیار کر لیا ہے۔ پھر ان پر اتنے پابند اور پکے جم گئے ہیں کہ ان کے مفید ہونے یا نہ ہونے اور صحیح یا غلط ہونے پر سوچنے کے لیے بھی تیار نہیں ہیں۔

کچھ رسمیں اور رواج خواہشات نفس کی وجہ سے یا لوگوں کی دیکھا دیکھی گھڑ لی گئی ہیں اور روایات بن گئی ہیں۔ لیکن بعض رسمیں ایسی بھی ہیں جو معاشرتی ضروریات اور تمدنی حاجتوں کو پیش نظر رکھ کر بنائی گئی ہیں۔ ان میں کچھ بے ضرر ہیں اور نقصان رساں نہیں ہیں۔ بعض رسمیں ایسی ہیں جو دوسرے معاشروں اور اقوام سے متاثر ہو کر اختیار کر لی گئی ہیں۔ جیسے شب برات میں آتش بازی' سالگرہ منانا' خاص تقریبات پر چراغاں کرنا۔ تقریبات و تہواروں میں خاص قسم کے کھانے پکانا جیسے عیدالفطر کی سویاں' محرم کا کھچڑا' شب برات کا حلوہ وغیرہ۔

اسلام ایک دین فطرت ہے اور انسان کی فطری' معاشرتی' تہذیبی اور تمدنی ضروریات و حاجات کا لحاظ رکھتا ہے۔ چنانچہ اس نے آتے ہی تمام رسوم و رواجات کو یکسر ختم نہیں کیا۔ بلکہ ان میں سے جو لغو' لایعنی اور بے فائدہ تھیں یا جن میں شرک توہم اور غیراللہ سے خوف کا پہلو تھا ان کو ختم کر دیا۔ روایات میں آیا ہے کہ عرب میں مردے کے دفن کے وقت کئی غلط رسمیں رائج تھیں۔ مثلاً میت کے ساتھ آگ لے جانا' جانوروں کو قبر تک ساتھ لے جانا وغیرہ۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان باتوں سے روک دیا۔

کچھ رسمیں ایسی تھیں جن کے بدلے میں دوسرے اچھے طریقے اور تہوار دیے گئے جیسے سنن ابوداؤد میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینے تشریف لائے تو اس وقت مدینے والوں کے دو دن خوشی کے تھے (شارح کہتے ہیں کہ یہ نو روز اور مہرجان کے تہوار تھے) جس میں وہ جشن مناتے اور کھیلتے تھے۔ آپؐ نے پوچھا کہ یہ دن کیا ہیں۔ انہوں نے کہا کہ جاہلیت کے دور میں ہم ان میں خوشی مناتے اور کھیل کود کرتے تھے۔ اس پر آپؐ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے ان کے بدلے دو بہتر دن یعنی یوم الاضحیٰ اور یوم الفطر دے دیے ہیں"۔

بعض رسمیں ایسی تھیں جن میں بہتری اور بھلائی کے پہلو تھے اور خرابیاں نہیں تھیں انہیں برقرار رکھا اور ان کے کرنے کی اجازت دی۔ جیسے شادی بیاہ کے موقع پر خوشی کا اظہار کرنا' عزیز و اقارب' دوست و احباب کا جمع ہونا' مبارک باد دینا' ہدیہ

اور تحفہ دینا' دعوت ولیمہ کرنا' ڈھولک یا دف بجانا' چھوٹی بچیوں کا خوشی کے گیت گانا وغیرہ۔

محترم سامعین!

اسلام کی نعمت و رحمت کا ایک پہلو یہ ہے کہ یہ انسان کو ریتوں اور رسموں کے جال سے نکال کر آزاد' معتدل اور سیدھا سادہ بندہ خدا بناتا ہے۔ خطبہ کے شروع میں تلاوت کردہ آیت پر غور کیجیے کہ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمتوں اور برکتوں کو گناتے ہوئے ارشاد ہوا:

"اور ان پر سے وہ بوجھ اتارتا ہے جو ان پر لدے ہوئے تھے اور وہ طوق اور بندشیں کھولتا ہے جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے"۔

یہ بوجھ' بندشیں اور طوق' یہ ہماری رسمیں اور رواج ہی تو ہیں جن میں آج ہم جکڑے ہوئے ہیں۔ ہزاروں بیٹیوں کے رشتے اس لیے نہیں ہو رہے کہ اپنی ذات اور برادری میں رشتہ نہیں مل رہا ہے اور غیروں میں دینے کا رواج نہیں۔ لاکھوں لڑکیوں کے سروں میں چاندی اس لیے آ جاتی ہے اور شادی میں دیر ہوتی ہے کہ جہیز کا مناسب اور رواج کے مطابق بندوبست نہیں ہو رہا ہے۔ سینکڑوں گھرانے وٹے سٹے کی شادی کی وجہ سے اجڑ جاتے ہیں۔ نکاح بیوگان عیب ہونے کی وجہ سے ہزاروں بیوائیں بے بسی کی حالت میں زندگی گزارتی رہتی ہیں۔ بیسیوں گھرانے اس وجہ سے قرضوں میں ڈوب جاتے ہیں یا جائیدادیں بیچ کر قلاش بن جاتے ہیں کہ بیٹیوں کی شادی برادری کی رسم و رواج کے مطابق نہیں کی تو برادری میں ناک کٹ جائے گی۔ ملک عزیز کے لاکھوں روپے شادیوں کی آتش بازی میں پھونک دیے جاتے ہیں۔

الغرض یہ رسمیں اور رواجات ہزاروں کی تعداد میں پائے جاتے ہیں اور ہر علاقے میں اتنی نئی نئی رسمیں ملتی ہیں کہ ان کا شمار کرنا' ضبط تحریر میں لانا اور بیان کرنا مشکل ہے۔ شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

یہ امت خرافات میں کھو گئی
حقیقت' روایات میں کھو گئی

واجب الاحترام دینی برادران!

حضور صلی اللہ علیہ وسلم رحمتہ للعالمین بن کر ہمیں ان جالوں سے نکالنے اور ہمارے یہ بوجھ ہلکے کرنے اور ہمارا نظام زندگی آسان اور امن و سکون والا بنانے کے لیے تشریف لائے ہیں۔ اب یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ اپنے آپ کو ریتوں' رسموں اور غلط رواجات سے نکال کر دین حنیف اور روشن شریعت کے سائے تلے لے آئیں اور سکھ و سکون کی زندگی بسر کریں۔

آیئے اب اپنے معاشرے میں مروجہ رسموں پر کچھ غور کریں اور ان کا جائزہ لیں۔ اگرچہ ان کی اتنی بھرمار ہے کہ ان کا تفصیلی بیان کرنا' ان کا تجزیہ کرنا' ان کی درجہ بندی کرنا' ان کے حرام' مکروہ' مباح' جائز اور ضروری ہونے کا حکم لگانا بہت مشکل ہے۔ لہٰذا یہاں پر چند اصول بیان کیے جاتے ہیں۔ جتنی رسمیں اور رواج ہیں ان کو ان اصولوں پر ایمانداری' خداخوفی اور وسعت ظرف سے پرکھ کر اور جائزہ لے کر دیکھا جائے' جو ان اصولوں کے موافق و مطابق ہوں یا کم از کم ٹکراتی نہ ہوں انہیں اعتدال کے ساتھ اختیار کیا جا سکتا ہے۔

شرک اور توہم پرستی کی حامل رسمیں:

(الف) بعض رسمیں اور باتیں ایسی ہیں کہ جن میں شرک' شبہ شرک' توہم پرستی اور غیر اللہ کا خوف پایا جاتا ہے جیسے فال

کے نام کا یا فلاں تاریخ کا کھانا نہیں پکایا یا فلاں بزرگ کے نام کی خیرات نہیں کو تو یہ نقصان ہو جائے گا۔ مثلاً جانور مرجائے گا' اس کا دودھ خشک ہو جائے گا۔ اس طرح ٹونکے کے لیے بچے کے کان یا ناک چھیدنا' سہرا باندھنا' کسی پیر کے نام کی سر پہ چوٹی رکھنا یا پورے سر کے بال رکھنا' کسی مہینے اور تاریخ کو منحوس اور بے برکت سمجھنا اور اس میں شادی بیاہ نہ کرنا۔ ایسی رسموں اور باتوں کو لازماً" چھوڑ دینا چاہیے۔ اس لیے کہ ان باتوں سے مسلمان کے ایمان میں کمزوری واقع ہوتی ہے۔

خلاف شریعت رسمیں

(ب) ہمارے معاشرے کی بہت سی رسمیں اور رواج ایسے ہیں جو شریعت مطہرہ کے خلاف ہیں' جیسے باوجود ضرورت کے بیوہ کے نکاح کو معیوب سمجھنا اور نکاح نہ کرنا' شادی میں ناچ گانوں کا بندوبست کرنا' عورتوں کا بے پردہ ہو کر نا محرم مردوں کے سامنے آنا' مردوں اور عورتوں کی مخلوط محفلیں منعقد کرنا' نسب و نسل اور ذات پات پر فخر کرنا' جائز پیشوں اور بعض خاندانوں کو ذلیل سمجھنا' صرف دکھاوے کے لیے مہر مقرر کرنا اور دلہن کو ادا نہ کرنا' غمی میں چلا کر رونا' بین کرنا' منہ اور سینا پیٹنا' دکھلاوے کے لیے رونا' سونے اور چاندی کی سرمہ دانیاں اور برتن استعمال کرنا' بدن گودانا اور دکھلاوے کے لیے جہیز دینا اور اس کی نمائش کرنا' نکاح' ختنہ اور منگنی کی رسمیں اور برادری کی دیگر رسمیں لازماً" کرنا۔ اس میں کئی گناہ ہیں جو بعض کبیرہ گناہ ہیں اور بعض صغیرہ ہیں۔ لہٰذا انہیں چھوڑ دینا چاہیے۔

تشبہ بالغیر رسمیں

(ج) معاشرے میں کچھ رسومات ایسی ہیں جن میں ہندوؤں' عیسائیوں' یہودیوں اور دوسری غیر مسلم قوموں سے تشبہ پایا جاتا ہے۔ یہ رسمیں دراصل ان سے مسلمانوں میں آئی ہیں۔ جیسے نیوتا لینا دینا جو دراصل ایک قسم کا قرض ہے اور حقوق العباد کے ذمہ میں آتا ہے۔ لڑکی والوں سے تلک چڑھانے (یعنی روپے' جائیداد' سامان' جہیز' گاڑی اور بنگلہ وغیرہ دینے) کا مطالبہ کرنا' حالانکہ حضور اکرم نے فرمایا: عورتوں سے ان کے حسن و جمال کی وجہ سے شادی نہ کرو ہو سکتا ہے کہ ان کا حسن ان کو تباہ کر دے اور نہ ان کے مالدار ہونے کی وجہ سے شادی کرو ہو سکتا ہے کہ ان کا مال ان کو طغیان اور سرکشی میں مبتلا کر دے بلکہ دین و اخلاق کی بنیاد پر ان سے شادی کرو۔ اور سیاہ رنگ کی باندی جو دیندار ہو اللہ کی نگاہ میں گوری خاندانی عورت سے بہتر ہے"۔ (منتقی) دولہا کو خاص رنگین لباس پہنانا' زیور پہنانا' کنگنا اور سہرا باندھنا' سالگرہ اور برسی کرنا' تیجا' بارہواں وغیرہ کرنا۔ ان رسموں میں خوبی سے زیادہ خرابی ہے لہٰذا انہیں ترک کرنا چاہیے۔

تکبر و تفاخر کی رسمیں

(د) بعض رسمیں ایسی ہیں جن میں تکبر' غرور اور نسلی تفاخر پایا جاتا ہے۔ اسلام میں ہر قسم کا فخر و غرور اور تکبر ممنوع اور ناپسندیدہ ہے۔ تاہم نسلی فخر و غرور بہت ہی برا ہے۔ جبکہ ہمارے ہاں کئی رسمیں ایسی ہیں جن میں یہ برائی پائی جاتی ہے جیسے نکاح بیوگان سے روگردانی' اپنے خاندان کے باہر اپنی لڑکیوں کا نکاح نہ کرنا' تفاخر کی وجہ سے مہر زیادہ باندھنا۔ لڑکی کی ضرورت اور اپنی بساط سے زیادہ جہیز دینا۔

متکبر کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا: "وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہو گا جس کے دل میں رائی کے دانے برابر بھی تکبر ہو گا۔ اس پر ایک آدمی نے پوچھا کہ آدمی چاہتا ہے اس کا کپڑا بہترین ہو اور اس کا جوتا اچھا ہو۔ اس پر آپ نے فرمایا "اللہ صاحب جمال ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے۔ تکبر تو حق کو ٹھکرانا اور لوگوں کو حقیر سمجھنا ہے" (مسلم) الحاصل جتنی رسمیں ہیں اگر ان کے پس منظر میں تکبر و غرور پایا جاتا ہو تو انہیں لازماً" چھوڑ دینا چاہیے۔

ریا، نام و نمود کی رسمیں

(ہ) ان رسموں اور رواجوں میں عام طور پر ریاء، نام و نمود اور نمائش کا جذبہ بھی موجود ہوتا ہے جبکہ اسلام نے سوائے فرض اور لازمی نیکیوں کے دوسری نیکیوں تک کو ریا سے بچانے اور اللہ اور بندے کے درمیان رکھنے کی ترغیب دی ہے۔ لیکن ہماری یہ حالت ہے کہ سماجی رواجات اور رسوم کو محض دکھلاوے، اپنے نام و نمود، دوسروں کو نیچا دکھانے اور حسد و رشک پیدا کرنے کے لیے پورا کیا جاتا ہے۔ یہ طرز عمل اور طریقہ ایک مسلمان اور مسلم معاشرے کے لیے جائز نہیں ہے۔ اس میں خرابیاں ہی خرابیاں ہیں۔ جیسے جہیز کی نمائش کرنا، دلہن کے کپڑوں اور زیورات کی نمائش کرنا، نیوتے کی نمائش کرنا، صرف بچے کے ختنے کے موقع پر دھوم دھام سے شادی کے انداز پر دعوتیں کرنا، صرف دکھلاوے کے لیے سہرا مقرر کرنا۔ یہ تمام باتیں ریا میں شامل ہیں۔ ریا اور دکھلاوے کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو کوئی شہرت کا کپڑا پہنے، قیامت میں اللہ تعالیٰ اسے ذلت کا لباس پہنائے گا" اس حدیث کی تشریح میں ایک بزرگ لکھتے ہیں کہ جو کپڑا خاص شہرت اور ناموری کے لیے پہنا جائے اس پر عذاب ہوگا۔ تو معلوم ہوا کہ شہرت و ناموری کے لیے کوئی کام کرنا جائز نہیں ہے۔

اسراف و فضول خرچی

حضرات گرامی!

(و) ہماری بہت سی رسموں میں عام طور پر اسراف اور فضول خرچی پائی جاتی ہے۔ اپنی بساط سے بڑھ کر لوگوں کو بلانا، مالی گنجائش سے زیادہ کھانے کا بندوبست کرنا جو کام ایک ہزار میں ہو سکتا ہے اس پر دو ہزار خرچ کرنا، طعام کا ضائع کرنا، دولہا پر نچھاور کر کے روپے پیسے پھینکنا، آتش بازی کرنا، حیثیت اور ضرورت سے زیادہ جہیز دینا، کپڑے بنانا، ڈیکوریشن میں فضول خرچی کرنا۔ ان تمام کاموں کو سرانجام دینے کے لیے بعض اوقات سود پر قرض لیا جاتا ہے جو صراحتاً حرام ہے اور بعض موقعوں پر جائیداد تک بیچ دی جاتی ہے جو دنیا و آخرت کی بربادی کا سبب ہے۔ یہ سارے کام اسراف و تبذیر میں آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا ﴿٢٦﴾ إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ ۖ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُورًا ﴿٢٧﴾

"فضول خرچی نہ کرو، فضول خرچ لوگ شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا ناشکرا ہے"

اور دوسری جگہ فرمایا:

إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ ﴿٣١﴾ (الاعراف:۳۱)

اور کھاؤ پیو اور حد سے تجاوز نہ کرو اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

اخلاقی خرابیاں

(ز) بعض رسمیں ایسی ہیں جن میں دینی و اخلاقی خرابیاں اور گناہ کے کام ہیں۔ جس سے معاشرتی، اخلاقی اور تمدنی برائیاں پیدا ہوتی ہیں اور نتائج کے لحاظ سے بھی نقصان دہ ہوتی ہیں۔ جیسے عام طور پر شادیوں میں مردوں اور عورتوں کا آزادانہ اختلاط، بے پردگی، عورتوں کی وڈیو فلمیں بنانا، ناچ اور گانے، ولیمہ میں امیروں کو بلانا اور غریبوں اور حاجت مندوں کو نظر انداز کر دینا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بدترین کھانا اس ولیمے کا کھانا ہے جس میں مالداروں کو بلایا جائے اور غریبوں کو نظر انداز کر دیا جائے اور جس شخص نے دعوت ولیمہ (جو کہ سنت کے مطابق ہو) قبول نہ کی تو اس نے اللہ اور رسول کی نافرمانی کی"

(متفق علیہ) ختنہ کی رسم شادی کی طرح دھوم دھام سے کرنا اور لوگوں سے نیوتا لینا۔

دوسروں کی تکالیف کا باعث ہونا

(ح) کئی رسمیں ایسی ہیں جن سے خود رسموں کو ادا کرنے والے افراد اور دوسرے لوگ' پڑوسی اور اہل محلہ تکلیف میں مبتلا ہو جاتے ہیں' جیسے شادی اور خوشی کے موقع پر لاؤڈ اسپیکر لگا کر اونچی آواز سے گانے سنانا' جبکہ بعض گانے بے حیائی اور فحاشی کے ہوتے ہیں۔ اس طرح آتش بازی اور فائرنگ کرنا' فائرنگ سے بعض اوقات انسانی جانوں کا نقصان ہوتا ہے جو گناہ کبیرہ ہے اور بندوں کی حق تلفی ہے۔

پابندی میں غلو اور انتہا پسندی

(ط) مسلم معاشرے میں ایک برائی یہ ہے کہ رسموں کو ایسی پابندی سے ادا کرتے ہیں اور لازمی سمجھتے کہ فرائض اور واجبات کو تو ترک کر دیتے ہیں اور کبیرہ گناہ تک کا ارتکاب کر جاتے ہیں لیکن رسموں کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں۔ اس طرح بعض دینی احکام جو کہ مستحب و مباح ہیں ان کو اتنی سختی سے ادا کرتے ہیں لیکن فرائض کو ترک کر دیتے ہیں۔ اس بات کو شریعت میں غلو (انتہا پسندی) کہا جاتا ہے۔ ہماری بہت سی موت فوت کی رسموں اور رواجوں کو دیکھا جائے تو ان میں اچھا خاصا غلو پایا جاتا ہے ہم نے بہت سی باتوں کو اپنے اوپر لازم کر لیا ہے جیسے میت کے تیسرے' دسویں' بارہویں اور چالیسویں دن کا کھانا اور جمعرات کا کھانا وغیرہ جسے ایصال ثواب کے لیے کیا جاتا ہے اور کھاتے پیتے اور مالداروں کو بلا کر کھلایا جاتا ہے جبکہ ایصال ثواب اور صدقہ جاریہ کے کئی دوسرے طریقے موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يَاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ

(النساء ۱۷۳)

"اے اہل کتاب اپنے دین میں غلو (انتہا پسندی) اختیار نہ کرو اور اللہ کی طرف حق کے سوا کوئی بات منسوب نہ کرو"۔

اور آپؐ نے فرمایا: "نامناسب شدت اختیار کرنے والے ہلاک ہو گئے" (مسلم)

دوسروں کے لیے برا نمونہ

(ی) اکثر لوگ رسموں کی ادائیگی کر کے دوسرے لوگوں کے لیے برا نمونہ بنتے ہیں اور اس طرح دوسروں کو گناہ کی ترغیب اور برائی پھیلانے کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جس شخص نے اچھا طریقہ اور نمونہ رائج کیا تو اسے بھی اجر ملے گا اور جو لوگ وہ کام کریں گے ان کا بھی اجر ملے گا اور جو شخص برا طریقہ اور نمونہ پیش کرتا ہے تو وہ خود بھی گناہ گار ہو گا اور جو اس کو اختیار کریں گے ان کا وبال بھی اس کے سر ہو گا" بری رسموں سے چمٹنے والوں' ان کو رواج دینے والوں اور دوسروں کے لیے ترغیب کا سبب بننے والوں کو اس پر سوچنا چاہیے اور ایسے کاموں سے رک جانا چاہیے۔

محترم حضرات گرامی!

آیئے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات' ہدایات اور تعلیمات کی روشنی میں تمام رواجوں' رسموں اور روایتوں کو چھوڑ کر اور گلے میں پڑے ہوئے یہ طوق توڑ کر آزاد ہو جائیں اور اسلام کی روشن تعلیمات کے مطابق اپنی زندگیاں گزاریں اور دین کی آسانیوں اور سہولتوں اور رخصتوں

سے فائدہ اٹھائیں اور اعتدال و میانہ روی سے کامل مسلمان کی حیثیت سے معاشرتی زندگی بسر کریں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں لوگوں کے لیے اچھا نمونہ بننے کی توفیق عطا کرے اور برا نمونہ بننے سے بچائے اور حضور اکرمؐ کے اسوہ حسنہ پر چلنے کی توفیق بخشے۔ آمین۔

تربیت اولاد

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَهْلِ بَيْتِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ:

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آیات مبارکہ:

اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (الکہف ۱۸:۴۶)

یہ مال اور اولاد تو دنیوی زندگی کی رونق اور زینت ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا (التحریم ۶۶:۶)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو' بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو (دوزخ کی) آگ سے۔

وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ﴿۷۴﴾ (الفرقان ۲۵:۷۴)

جو دعائیں مانگا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب' ہمیں اپنی بیویوں اور اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک دے اور ہمیں پرہیز گاروں کا امام بنا۔

احادیث شریفہ:

من ولد لہ ولد فلیحسن اسمہ و ادبہ فاذا بلغ فلیزوجہ

(رواہ البیہقی۔ عن ابی سعیدؓ و عن ابن عباسؓ)

جس کو اللہ تعالیٰ اولاد دے تو اسے چاہیے کہ وہ اس کا اچھا نام رکھے اور اس کی عمدہ تربیت کرے اور جب وہ بالغ ہو جائے تو اس کا نکاح کر دے۔

الرجل راع علی اھل بیتہ و ھو مسئول عن رعیتہ والمرأۃ راعیۃ علی بیت زوجھا و ولدہ وھی مسئولۃ عنھم (بخاری و مسلم)

مرد اپنے گھر والوں کا نگران ہے اور اس سے اس کی رعیت (گھر والوں) کے بارے میں سوال ہو گا اور عورت شوہر کے گھر اور اس کی اولاد کی نگران ہے اور ان کے بارے میں اس سے پوچھا جائے گا۔

مانحل والد ولدا من نحل افضل من ادب حسن (رواہ الترمذی عن سعید بن العاصؓ)

کسی باپ نے اپنی اولاد کو کوئی عطیہ حسن ادب سے بہتر نہیں دیا۔

حضرات محترم!

بچہ چاہے کسی حیوان کا ہو یا انسان کا، اسے دیکھتے ہی بے اختیار دل میں پیار و محبت کے جذبات موجزن ہو جاتے ہیں۔ یہ ایک فطری بات ہے اسی پیار و محبت ہی کی بنا پر ماں باپ اپنے بچوں کی پرورش کرتے ہیں اور ان کی دیکھ بھال کی خاطر طرح طرح کی تکلیفیں بھی برداشت کرتے ہیں۔ ان کے آرام کی خاطر خود بے چین ہونا گوارا کرتے ہیں اور خود بھوکے رہ کر بھی انہیں اپنے بچوں کا پیٹ بھرنے کی فکر ہوتی ہے۔

ایسا کیوں ہے؟ آیئے ذرا اس پر غور کریں۔

حضرات!

دراصل دنیا میں دو ہی چیزیں ایسی ہیں جو انسان کے حال اور مستقبل کا سہارا ہیں اور انسان کی اکثر تگ و دو انہی دونوں کی خاطر ہوتی ہے۔ ان میں سے ایک چیز مال ہے اور دوسری چیز اولاد۔ قرآن کریم نے بھی ہمیں یہی بتایا ہے کہ انسانی زندگی کی زیب و زینت انہی دونوں چیزوں کے دم قدم سے ہے۔

ارشاد الٰہی ہے:

اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِیْنَةُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا (الکہف۴۶)

مال اور اولاد تو دنیوی زندگی کی رونق و زینت ہیں۔

محترم سامعین!

جس طرح مال کے متعلق انسان کو یہ فکر ہوتی ہے کہ اسے کس طرح زیادہ سے زیادہ جمع کیا جائے اور بچا بچا کر ناگزیر ضرورتوں کے لیے رکھا جائے بالکل اسی طرح پہلے تو ماں باپ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کے حضور اولاد عطا کیے جانے کی دعائیں مانگتے ہیں اور جب وہ اپنے فضل و کرم سے ان کو اولاد عطا کرتا ہے تو انہیں بچوں کی عمر بڑھنے کے ساتھ ساتھ یہی فکر لاحق رہتی ہے کہ ان کی صحیح تعلیم و تربیت کا کس طرح اہتمام کریں تاکہ وہ بڑے ہو کر ان کے لیے بڑھاپے کا سہارا اور معاشرہ کے لیے کارآمد انسان بن سکیں۔

حضرات گرامی قدر!

دین اسلام جو ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اور جس میں ہماری اور تمام انسانوں کی رہنمائی کے لیے ہر کام کے آداب اور اصول موجود ہیں۔ اس نے اولاد کی تربیت کے سلسلہ میں بھی نہایت مفید اصول دیئے ہیں جن پر اگر ہم عمل کریں تو ہمیں وہ شکایات پیدا نہ ہوں جو آج کل بچوں کی مختلف تکلیف دہ عادات سے پیدا ہو رہی ہیں۔ غور کیجیے تو یہ ساری بے راہ روی جو نئی نسل کے اندر ہمیں نظر آتی ہے وہ ان اسلامی اصولوں سے لاعلمی اور بے توجہی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔

تربیت اولاد کا اسلامی طریقہ کار

(۱) پیدائش کے بعد سب سے پہلا عمل

اسلام نے اولاد کی تربیت کا آغاز بچہ کی پیدائش ہی سے کرنے کی ہدایت کی ہے۔ چنانچہ بچہ کی پیدائش کے بعد مسنون عمل یہ ہے کہ اس کے داہنے کان میں اذان کہی جائے اور بائیں کان میں اقامت۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (اپنے نواسے) حسنؓ بن علیؓ کی ولادت کے بعد ان کے دائیں کان میں اذان کہی اور بائیں کان میں اقامت۔

بچہ کی پیدائش کے بعد اس مسنون عمل سے مقصود یہ ہے کہ پیدائش کے اول روز ہی سے بچہ کے کانوں کو اور کانوں کے ذریعے سے اس کے دل و دماغ کو اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کے نام' اس پر ایمان' اس کی توحید اور نماز کی دعوت و پکار سے آشنا کیا جائے۔ بعض احادیث نبوی میں اس عمل کی یہ تاثیر و خاصیت بھی بیان ہوئی ہے کہ اس سے بچہ شیطانی اثرات سے محفوظ رہتا ہے۔ اس طرح گویا اسلام نے پیدائش کے بعد ہی سے بچہ کی دینی تربیت کا آغاز کر دینے کی ہدایت کی ہے۔

(۲) دوسرا اہم عمل' تحنیک اور دعائے برکت

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نومولود بچے لائے جاتے تھے تاکہ آپؐ ان کے لیے خیر و برکت کی دعا فرمائیں اور کھجور یا کوئی دوسری چیز چبا کر ان کے تالو پر لگائیں اور اپنا لعاب دہن ان کے منہ میں ڈالیں جو ان کے لیے خیر و برکت کا باعث ہو۔ اس عمل کو شرعی اصطلاح میں تحنیک کہتے ہیں۔

اس سلسلہ میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے۔ وہ فرماتی ہیں:

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یوتیٰ بالصبیان فیبرک علیھم و یحنکھم (صحیح مسلم)

لوگ اپنے بچوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا کرتے تھے تو آپ ان کے لیے خیر و برکت کی دعا فرماتے تھے اور تحنیک فرماتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب کسی گھرانے میں بچہ پیدا ہو تو مستحب (بہتر یہ ہے) اس کو کسی صالح و متقی آدمی کے پاس لے جایا جائے اور اس سے تحنیک کروائی جائے اور اس کے لیے خیر و برکت کی دعا کرائی جائے۔ یہ عمل چونکہ سنت نبوی اور سنت صحابہ ہے جس کا آج بہت کم رواج ہے۔ لہٰذا اسے زیادہ سے زیادہ رواج دینا چاہیے۔

(۳) تیسرا اہم عمل' نام رکھنا۔ سر منڈانا اور عقیقہ کرنا۔

بچہ کی پیدائش کے ساتویں روز یہ عمل بھی مسنون ہے کہ بچے کا سر منڈایا جائے اس کا نام رکھا جائے اور والدین استطاعت رکھتے ہوں تو ایک یا دو بکریاں ذبح کر کے اس کا عقیقہ کیا جائے اور بچہ کے بالوں کے برابر وزن کی چاندی یا اس کی قیمت صدقہ کر دی جائے۔ اس عمل سے نعمت اولاد پر اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کا شکر بھی ادا ہوتا ہے اور اس نعمت کے ملنے پر اظہار

مسرت بھی ہو جاتا ہے۔

اس سلسلہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

کل غلام رهینة بعقیقته تذبح عنه یوم سابعه و یحلق و یسمی (ابوداؤد الترمذی من سمرہ بن جندبؓ)

ہر بچہ اپنے عقیقہ کے جانور کے عوض رہن ہوتا ہے جو ساتویں دن اس کی طرف سے کیا جائے' اس کا سر منڈایا جائے اور نام رکھا جائے۔

(رہن ہونے کا مطلب یہ ہے کہ بچہ اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے اور صاحب استطاعت کے لیے اس کا عقیقہ کرنا ضروری ہے۔ جب تک یہ شکرانہ نہ ادا کیا جائے یہ بار والدین کے ذمے باقی رہے گا اور بچہ گویا اس کے عوض رہن رہے گا)۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا عمل بھی اس ارشاد کے مطابق تھا۔ حضرت علیؓ ابن ابی طالب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسنؓ کے عقیقہ میں ایک بکری ذبح کی اور ان کی والدہ (سیدہ فاطمہؓ) سے فرمایا اس کا سر صاف کر دو اور بالوں کے وزن بھر چاندی صدقہ کر دو۔ حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ ہم نے بالوں کا وزن کیا تو وہ ایک درہم کے برابر یا اس سے کچھ کم تھے۔ (جامع ترمذی)

تربیت اولاد کی اہمیت

حضرات گرامی!

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ بچہ اپنی فطرت پر پیدا ہوتا ہے' مگر یہ والدین ہوتے ہیں جو اسے یہودی اور نصرانی بنادیتے ہیں۔ گویا والدین کے ذاتی عقائد' نظریات اور ان کا ذاتی رہن سہن' اخلاق و کردار' بچوں کی عادات' خیالات اور نظریات پر اثر انداز ہوتا ہے اور وہ ان سے سیکھتا' اخذ کرتا اور اثر لیتا ہوا بڑا ہوتا ہے۔ لہٰذا ایک سچے مسلمان کی حیثیت سے ہمیں خود کو بھی اسلامی سانچے میں ڈھالنا ہو گا اور بچے کو بھی اسی کے مطابق تربیت دینا ہو گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَآيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا (التحریم ۶:۶۶)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو دوزخ کی آگ سے۔

اور دوزخ کی آگ سے تب ہی بچ سکے گا جبکہ اس کی تعلیم و تربیت' اسلامی تعلیمات و احکامات کے عین مطابق ہو۔ دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا (طٰہٰ ۲۰: ۱۳۲)

اپنے اہل و عیال کو نماز کی تلقین کرو اور خود بھی اس کے پابند رہو۔

وانذر عشیرتک الاقربین

اے نبیؐ اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو خدا کے عذاب سے ڈراؤ۔

ان تمام آیات سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ اسلامی تعلیمات کی رو سے والدین کا اولین فرض یہ ہے کہ وہ بچہ کو اسلامی عقائد و اخلاق کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کریں۔ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ کسی باپ کا بہترعطیہ اولاد کی اچھی تعلیم و تربیت

ہے (مشکوۃ) مزید فرمایا۔ اپنی اولاد کو نماز کی تلقین کرو۔ جب دس سال کے ہوں تو نماز نہ پڑھنے پر سزا دو۔ اور اس عمر تک پہنچنے کے بعد ان کا بستر الگ کر دو (مشکوۃ شریف) تم قیامت کے دن اپنے والد کے نام سے پکارے جاؤ گے اس لیے نام اچھا رکھو (ابوداؤد) حضرت ابو وہبؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی اولاد کا نام پیغمبروں کے نام پر رکھو سب سے پیارے نام' عبداللہ اور عبدالرحمن ہیں اور سب سے سچے نام حارث اور ہمام ہیں (ابوداؤ' طبرانی) ناموں کے سلسلہ میں بعض اوقات ان ہدایات پر عمل کے بجائے ایسے لایعنی نام رکھے جاتے ہیں جن کے معانی والدین کو بھی نہیں آتے۔

ہمارے معاشرہ میں لڑکی کی پیدائش پر رواج یہ ہے کہ اتنی خوشی کا اظہار نہیں کیا جاتا' جس قدر بیٹے کی پیدائش پر ہوتا ہے اور یہ چیز ہماری معاشرتی زندگی میں لڑکیوں کے سلسلے میں والدین پر جہیز اور شادی کی بے جا رسومات کے بوجھ کا نتیجہ بھی ہے اور بگڑے ہوئے معاشرے میں بچیوں کی عزت و ناموس کی پاسداری کے شدید احساس کا رد عمل بھی ہے۔ ایسے حالات میں یہ احساس اور رد عمل قدرتی بات ہے' مگر دیکھا جائے تو معاشرے کی اس بگڑی ہوئی حالت کے باوجود بچوں کی نسبت سے بچیاں آج بھی تعلیمی' اخلاقی اور خدمت گزاری کے لحاظ سے لڑکوں سے بہتر ہیں' اگر کہیں کوئی ایسی خرابی موجود بھی ہے تو وہ ہماری اپنی پیدا کردہ اور اسلامی تعلیمات سے روگردانی کا نتیجہ ہے۔ ورنہ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ جب لڑکی پیدا ہوتی ہے تو خداوند تعالی اس گھر میں فرشتے بھیجتے ہیں جو آ کر کہتے ہیں کہ اے گھروالو! تم پر سلامتی ہو۔ فرشتے لڑکی کو پروں کے سائے میں لیتے ہیں' سر پر ہاتھ پھیرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ کمزور جان ہے جو کمزور جان سے پیدا ہوئی ہے جو اس کی پرورش کرے گا' قیامت تک خدا اس کی مدد کرے گا۔ (طبرانی) ایک دوسری حدیث میں آپؐ نے ارشاد فرمایا۔ جو شخص لڑکیوں کی پرورش کے ذریعے سے آزمایا جائے گا اور وہ ان کی صحیح پرورش کر کے آزمائش میں پورا اترے گا تو یہ لڑکیاں قیامت کے دن والدین کے لیے جہنم کی آگ کے سامنے ڈھال بن جائیں گی۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب آدمی مر جاتا ہے تو اس کے اعمال کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے لیکن تین ذریعے ایسے ہوتے ہیں جس سے اس کے لیے ثواب کا سلسلہ جاری رہتا ہے (۱) صدقہ جاریہ' یعنی ایسا کام جس کی وجہ سے لوگوں کا دینی اور دنیاوی نفع جاری رہے (۲) تعلیم' جس سے موجودہ اور آنے والی نسلیں فائدہ اٹھا سکیں (۳) صالح اور نیک اولاد جو والدین کی وفات کے بعد ان کی مغفرت کی دعا مانگتی رہے (ادب المفرد)

تربیت اولاد کے سلسلہ میں بعض اہم باتیں

حضرات گرامی!

بچہ چھوٹی عمر میں جو عادات اختیار کر لیتا ہے وہ ساری زندگی باقی رہتی ہیں۔ اس لیے ابتدا ہی سے والدین کا فرض ہے کہ وہ بچے میں اچھی عادات پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ سب سے پہلے اس بات کا خیال رکھا جائے کہ بچے کو دودھ پلانا ماں کی ذمہ داری ہے۔ طبی نقطہ نظر سے بھی اور دودھ کے روحانی اور اخلاقی اثرات کے لحاظ سے بھی۔ بچے کی ماں اپنی اس ذمہ داری سے گلو خلاصی حاصل کرنے کی کوشش نہ کرے۔ آج کل مائیں اس ذمہ داری اور پابندی سے آزاد ہونا چاہتی ہیں اور بچے کو بازاری دودھ پلایا جاتا ہے۔ یہ بات اسلامی قوانین کی پابندی سے گریز بھی ہے اور طبی اعتبار سے غلط بھی۔ اور اس لحاظ سے بھی کہ بچے میں ماں کے دودھ کے اثرات باقی نہ ہوں گے۔ اکبر الہ آبادی نے خوب کہا ہے۔

طفل سے بو آئے کیا ماں باپ کے اطوار کی
دودھ ڈبوں کا ہے اور تعلیم ہے سرکار کی

یہی وجہ ہے کہ آج کی اس قسم کی پروردہ نسل میں خاندانی روابط اور ماں باپ سے فطری محبت باقی نہیں رہی۔ دودھ کے معاملے میں یہ خیال ضرور رکھا جائے کہ اگر ماں اپنے دودھ کی کمی یا کسی وجہ سے پلانے کے قابل نہ ہو تو بچے کو ہر قسم کی عورتوں کا دودھ نہ پلایا جائے بلکہ نیک اور دین دار عورت کو ترجیح دی جائے دودھ اور کھانے کے اوقات مقرر ہوں تاکہ مقررہ اوقات کی عادت ساری عمر برقرار رہے اور ہر وقت دودھ کے لیے رونے اور کھانے کے لیے ضد پیدا نہ ہو۔ بعض مائیں بچوں کو چپ کرانے کے لیے مختلف چیزوں سے ڈراتی ہیں' ایسا نہ کیا جائے۔ اس طرح اس میں خوف اور بزدلی پیدا ہو جائے گی۔ بچے کو ہر وقت صاف ستھرا رکھا جائے اور صاف ستھرا رہنے کی عادت پیدا کی جائے۔ صفائی اور ستھرائی کا یہ مطلب نہیں کہ اسے بناؤ سنگھار اور ہمہ وقت کنگھی شیشہ کے استعمال کا عادی بنایا جائے۔ لڑکی کو پردہ میں بیٹھنے کی عمر تک زیور پہننے سے روکا جائے۔ کیونکہ باہر گھومتے ہوئے زیور کے گم ہونے اور چھینے جانے کے علاوہ خود اس کی اپنی زندگی کو بھی اس طرح خطرہ ہو گا۔ بچوں کے ذریعہ سے غریبوں محتاجوں کی امداد کی جائے۔ یہ امداد بچوں کے ہاتھ سے دلائی جائے تاکہ ان میں سخاوت اور غریبوں سے ہمدردی کا جذبہ پیدا ہو۔ گھر میں کھانے کی چیزیں تقسیم کرنا ہوں تو بچوں کے ذریعہ سے تقسیم کرائی جائیں تاکہ ان میں باہمی حسن سلوک' رواداری اور ایثار کا جذبہ پیدا ہو۔

کسی کا نام لیے بغیر اس کی بری عادات کا ذکر بچوں کے سامنے نفرت سے کیا جائے تاکہ ان عادات کے بارہ میں ان کے دلوں میں نفرت پیدا ہو اور انہیں معلوم ہو کہ یہ عادات بری ہیں۔ بچے کی ہر ضد پوری نہ کی جائے۔ اس سے مزاج بگڑ جائے گا۔ پھر اس کی ضدوں کو پورا کرنا مشکل ہو جائے گا۔ بلند آواز اور چلا کر بولنے سے سے روکا جائے غصہ' جھوٹ' حسد' چوری' چغلی' حرص' بے فائدہ باتوں اور بڑوں کی گفتگو میں دخل اندازی سے سختی کے ساتھ روکا جائے۔ صبح جلد جاگنے کی عادت ڈالی جائے اور رات کو بلاوجہ دیر تک جاگنے سے روکا جائے۔ سات برس کا ہو جائے تو نماز کا عادی بنایا جائے۔ پڑھنے کی عمر کا ہو تو قرآن کریم کی تعلیم دی جائے۔ دنیاوی تعلیم جو بھی دی جائے' لیکن کسی بااخلاق' باکردار استاد کا انتخاب کر کے قرآن کریم ناظرہ اور باترجمہ پڑھانے کا اہتمام ضرور کیا جائے۔ نماز' روزہ کے ضروری مسائل اور اوراد و وظائف اور قرآنی دعائیں ضرور یاد کرائی جائیں تاکہ حسب ضرورت دعا مانگ سکے۔

بچوں کے ساتھ میل جول

گھر میں والدین کو سب بچوں کے ساتھ مل بیٹھنے کا وقت ضرور مقرر کرنا چاہیے جس میں گھریلو مسائل' معاملات' خاندانی روابط' رشتہ داروں سے سلوک کے پند و نصائح ضرور بیان ہوں تاکہ بچے ان معاملات و مسائل میں اپنی ذمہ داری محسوس کریں اور انہیں ان معاملات سے مکمل آگاہی ہو سکے اگر کسی معاملے میں وہ رائے دینے کے قابل ہوں تو ان کی رائے سنی جائے۔ ایسی نہ ہو تو دلائل سے سمجھایا جائے۔ مشترکہ طور پر جو فیصلہ ہو اس پر مشترکہ عمل کیا جائے اور ہر ایک کو اس کی ذمہ داری کا احساس دلایا جائے۔ اس طرح معاملات میں اسے اپنی اہمیت کا احساس ہو گا۔ وہ غیر متعلق رہنے کے بجائے شریک ہو کر ذاتی دلچسپی لے گا۔ جس سے والدین کا بوجھ کم ہو جائے گا۔ اور عملی زندگی میں گھریلو ذمہ داریاں نبھانے کے قابل ہو گا۔

مسلمان باکردار لوگوں کا ذکر

اس قسم کی مشترکہ گھریلو محفلوں میں اسلامی سپہ سالاروں' نیکو کاروں کی کہانیاں شجاعت اور بہادری کے کارنامے ضرور

سنائے جائیں۔ فحش لٹریچر اور فحش باتوں سے دور رکھا جائے۔ دین کی باتیں کی جائیں۔ ان کے حقوق و فرائض سے آگاہ کیا جائے۔ دنیاداری کے معاملات سمجھائے جائیں۔ کھیل کود کا موقعہ دیا جائے۔ تعلیمی کھیل اور جسمانی کھیل کھیلنے دیئے جائیں تاکہ صحت برقرار رہے۔ سستی و کاہلی پیدا نہ ہو۔ کھیلوں میں چوٹ لگنے اور برائی سیکھنے کا کھیل نہ ہو۔ مثلاً آتش بازی' سٹہ اور جوئے کی قسم کی چیزیں اور گانے بجانے کے کھیل نہ ہوں۔

ہنر سکھانا

تعلیم کے ساتھ ساتھ ایسا ہنر ضرور سکھایا جائے کہ اپنی گذر اوقات کے لیے کوئی ذریعہ معاش اختیار کر سکے۔ لڑکیوں کو کھانا پکانا' گھریلو صفائی ' آرائش ' سینا پرونا' بننا اور زیادہ سے زیادہ دینی تعلیم دی جائے بچیوں کے مسائل سے آگاہی کے لیے دینی معلومات پر مبنی اور ایسی کتب پڑھائی جائیں جن سے بچوں کی نگہداشت' بیماریاں اور ان کے علاج' کھانے پکانے صابن سازی' اچار سازی وغیرہ کے طریقوں سے واقفیت ہو سکے۔ بچوں کو اپنا کام خود اپنے ہاتھوں کرنے کی عادت ڈالی جائے۔ بستر بچھانا' تہہ کرنا' کپڑے نکالنا' استری کرنا' اپنی کتابیں سنبھالنا' تعلیمی ضروریات کا خیال رکھنا وغیرہ۔

اچھی باتوں کی حوصلہ افزائی

اچھی باتوں اور اچھے کاموں پر حوصلہ افزائی کی جائے۔ شاباش دی جائے بلکہ انعام دیا جائے۔ بری باتوں اور حرکتوں پر سمجھایا جائے۔ علیحدگی میں نصیحت کی جائے۔ انداز غصے کا نہ ہو سمجھانے کا ہو۔ مثلاً یہ بری بات ہے' اس سے اللہ میاں ناراض ہوتے ہیں۔ لوگ کیا کہیں گے' نیک بچے ایسا نہیں کرتے' بدنامی ہوتی ہے' لوگ نفرت کریں گے وغیرہ وغیرہ۔ اس قسم کی باتوں کے بعد بھی دوبارہ بری بات یا کام کا اعادہ کرے تو پھر سزا دی جائے۔ اس سمجھانے میں ماں باپ دونوں کا رویہ ایک جیسا ہو۔ ایسا نہ ہو کہ باپ برا منائے تو ماں دلاسہ دے دے یا ایسی بری حرکت کو باپ سے چھپا کر اس کی حوصلہ افزائی کرے۔ ماں بچے کو باپ کی ناراضگی کا احساس دلاتی رہے۔ چھپا کر کوئی کام کرنے یا چھپا کر کھانے کی عادت نہ ڈالی جائے۔ سب کے سامنے کرے' سب کے ساتھ کھائے۔ بچے کو محنت طلب کام سپرد کیا جائے۔ بازار سے سودا سلف لانے کی ذمہ داری سونپی جائے تاکہ ذمہ داری کا احساس پیدا ہو اور ذمہ داری نبھانے کا عادی ہو سکے۔ بچے کی نشست و برخاست' چلنے پھرنے' گفتگو کرنے کے ہر انداز کا خیال رکھا جائے۔ گفتگو میں شیخیاں نہ بگھارے۔ بیٹھنے میں بے ادبی و گستاخی نہ ہو' چلنے میں اکڑ یا غرور نہ ہو بلکہ عاجزی و انکساری ہو۔

کھانا دائیں ہاتھ سے کھائے۔ شروع میں بسم اللہ پڑھنے کی عادت ڈالی جائے۔ محفل میں ہو تو دوسروں سے پہلے شروع نہ کرے۔ اپنے سامنے سے کھائے۔ دوسرے کھانے والوں کا خیال رکھے۔ بھوکے پن اور حرص کا مظاہرہ نہ کرے۔ کھانا نیچے نہ گرائے۔ محفل میں بیٹھے تو ادب اور نرمی سے بات کرے۔ جمائی یا چھینک آجائے تو منہ پر ہاتھ رکھے۔

اولاد کے ساتھ انصاف کا خیال رہے

ایک والد کی ساری اولاد اس کی اپنی ہوتی ہے' لیکن بعض والدین تعلیم و تربیت' لاڈ پیار اور حصہ داری میں سب اولاد سے یکساں سلوک نہیں کرتے بیٹیوں میں سے کسی کو بہت کچھ دے دیا اور کسی بے چاری کو محروم رکھا۔ بچوں میں سے کسی کے ساتھ امتیازی سلوک کیا اور بہت زیادہ مال دے دیا اور دوسرے غریب یا غیر محبوب بیوی کی اولاد یا پہلی بیوی کے یتیم بچوں کو سرے سے محروم کر دیا۔ یہ انتہائی ناانصافی اور گناہ کی بات ہے۔ اولاد کا حق تربیت اور باپ کی جائیداد میں سب کا حق ہے اور

اس حق سے کسی کی محرومی قیامت میں خدا کے غضب کو دعوت دینا ہوگی۔

فطری رجحان اور طبعی میلان کا خیال رکھنا

ہر بچہ خاص صلاحیت لے کر پیدا ہوتا ہے' اگر اسے اس کے فطری رجحان اور طبعی میلان کے خلاف کام پر مجبور کیا تو ناکامی ہوگی اور ظلم بھی ہوگا۔ اکثر لڑکے جنہیں نالائق' ست اور کند ذہن کہہ کر زیادتی اور سختی کا برتاؤ کیا جاتا ہے وہ دراصل ناموزوں اور نا مناسب کام پر لگا دیئے گئے ہوتے ہیں۔ کام خلاف طبع ہونے کی وجہ سے انہیں مارا پیٹا جاتا ہے۔ یہ تربیت کا فطری طریقہ نہیں ہے۔

حضرات!

تربیت کے سلسلہ میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے یہ زندگی کے تمام پہلوؤں پر حاوی تو نہیں ہے' لیکن اگر والدین ان باتوں کا خیال رکھیں اور بچوں کو ان عادات کے مطابق پروان چڑھائیں تو یقین ہے کہ وہ بچے کے حق تربیت سے ضرور سرخرو ہوں گے اور ان عادات کی حامل اولاد یقیناً" معیاری اور مثالی ہوگی اور ایسی اولاد ہی والدین کی آنکھوں کی ٹھنڈک بن سکے گی۔ اولاد کا ماں باپ پر سب سے بڑا حق ان کی تعلیم و تربیت کا حق ہے' باقی سب باتیں رواجی اور رسمی ہیں۔ تربیت سے بڑی نیکی اولاد کے حق میں اور کوئی نہیں ہے۔

بچوں کے مستقبل کے لیے مال و دولت جمع کرنے کی فکر

والدین کو عموماً" یہ فکر ہوتی ہے کہ وہ بچوں کے مستقبل کے لیے بہت سا مال و دولت جمع کر جائیں تاکہ ان کے مرنے کے بعد ان کی اولاد کو کسی قسم کی پریشانی نہ ہو۔ اولاد کی محبت کا یہ جذبہ قابل قدر ہے اور جائز ذرائع سے حدود کے اندر رہتے ہوئے اس کی کوشش بھی کرنی چاہیے لیکن اس مقصد کے لیے ناجائز ذرائع سے دولت جمع کرنا کسی طرح درست نہیں ہے بلکہ یہ والدین اور اولاد کے لیے آخرت میں عذاب الٰہی کا موجب ہے۔ اس سلسلہ میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا واقعہ ہے۔

عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنی وفات پر کل اکیس دینار اپنی اولاد کے لیے چھوڑے تھے۔ ان میں سے دو دینار قبر کے لیے زمین خریدنے پر صرف ہوئے۔ پانچ دینار ان کے کفن دفن پر خرچ ہوئے۔ باقی چودہ دینار وارثوں پر تقسیم ہوئے۔ ان کے ہر لڑکے کو انیس انیس درہم ترکہ ملا۔ یہ ترکہ تاریخ اسلام کے عظیم ترین حکمران کا تھا جو پانچواں خلیفہ راشد کہلاتا تھا' جس کی سلطنت میں سورج غروب نہ ہوتا تھا۔ ان کی زندگی میں ان کے پاس کپڑوں کا دوسرا جوڑا نہ ہوتا تھا۔ بیت المال کو عوامی خزانہ سمجھتے تھے۔ اس میں سے اپنی ذات اور اولاد پر خرچ نہ فرماتے۔ عمر بن عبدالعزیزؒ کے چچا زاد بھائی ہشام بن عبدالملک بھی اسی سلطنت کے بادشاہ تھے۔ وہ شاہانہ جاہ و جلال سے رہا کرتے تھے۔ ان کی وفات پر ایک ایک لڑکے کے حصے میں دس دس لاکھ درہم آئے تھے۔ ان دونوں حکمرانوں میں جو فرق تھا وہ یہ کہ ایک خدا سے ڈرنے والا اور دوسرا خدا سے غافل تھا۔

عمر بن عبدالعزیزؒ کا آخری وقت آیا تو مسلم بن عبدالملک نے انہیں کہا۔ آپ نے اپنی اولاد کا منہ خشک رکھا۔ انہیں ایسی حالت میں چھوڑ رہے ہیں کہ ان کے پاس کچھ نہیں۔ فرمایا' یہ غلط ہے کہ میں نے ان کا منہ خشک چھوڑا ہے۔ میں نے ان کا حق کبھی تلف نہیں کیا۔ البتہ جو ان کا حق نہ تھا وہ نہیں دیا۔ میں نے ان کا معاملہ خدا پر چھوڑا ہے۔ میری اولاد اگر اللہ سے ڈرے گی تو خدا خود ان کی کفالت کی صورت نکالے گا۔

وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ (الطلاق ۲:۶۵-۳)

جو شخص اللہ سے ڈرتے ہوئے کام کرے گا اللہ اس کے لئے مشکلات سے نکلنے کا کوئی راستہ پیدا کر دے گا۔

اور اگر میری اولاد بری نکلی تو میں ان کے لیے دولت چھوڑ کر خرابی کے اسباب کیوں پیدا کروں۔ پھر عمر بن عبدالعزیزؒ نے لڑکوں کو پاس بلایا۔ آنکھوں میں آنسو بھر کر فرمایا۔ تم پر میری جان قربان ہو۔ تمہارے لیے میں نے دولت و جائیداد تو نہیں چھوڑی' لیکن تمہاری بہترین تربیت ضرور کی ہے۔ تمہیں صراط مستقیم پر چھوڑا ہے۔ میرے بیٹو! مجھے دو باتوں کا اختیار تھا' ایک یہ کہ دولت چھوڑ کر جاتا تو تم گمراہیوں میں مبتلا ہو کر دوزخ میں جاتے۔ دوسرا دولت نہ چھوڑوں لیکن ایمان کی دولت سے مالا مال کر جاؤں۔ صراط مستقیم پر چلانے کی کوشش کروں۔ لہٰذا میں نے دوسرا راستہ اختیار کر کے تمہیں دوزخ کی آگ سے بچایا ہے۔ تم اللہ پر بھروسہ رکھو' خدا تمہارا حافظ و مددگار ہو گا اور تاریخ گواہ ہے کہ ہشام کے لڑکے جنہیں دس دس لاکھ درہم ملے۔ دو لقموں کے محتاج تھے۔ لوگ انہیں صدقہ و خیرات دیتے تو حلق تر ہو جاتا۔ ان کے مقابلے میں اولاد کی بہترین تربیت' ایمان اور خدا خوفی کی صفات پیدا کرنے والے عمر بن عبدالعزیزؒ کی اولاد کا یہ حال تھا کہ انہیں باپ کے ترکہ میں سے صرف انیس انیس درہم ملے تھے وہ ایسے دولت مند ہوئے کہ جہاد کا موقعہ آیا تو ایک ایک سو گھوڑے ہدیہ دیتے تھے۔ جو لوگ خدا ترس' متقی اور خدا پر توکل کرنے والے ہوتے ہیں' اللہ تعالیٰ اپنے ایسے دوستوں سے دوستی کا حق نبھانا جانتے ہیں۔ قرآن کریم میں سورہ کہف میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کے سفر کی تفصیل موجود ہے کہ خداوند تعالیٰ نے یتیم بچوں کے خزانہ کو محفوظ فرمانے کے لیے گری ہوئی دیوار کو تعمیر کرایا۔

وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِى الْمَدِيْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا (الکہف ۸۲:۱۸)

دیوار کا معاملہ یہ ہے کہ یہ دو یتیم لڑکوں کی ہے جو اس شہر میں رہتے ہیں۔ اس دیوار کے نیچے بچوں کے لیے خزانہ ہے۔ ان کا باپ نیک آدمی تھا' اس لیے تمہارے رب نے چاہا کہ یہ دونوں بچے بالغ ہوں اور اپنا خزانہ نکال لیں۔

والدین کی نیکی کا لحاظ و خیال اللہ نے ان کی ساتویں پشت میں بچوں کا خزانہ محفوظ فرما کر کیا کہ خدا کے ساتھ تعلق ساتویں پشت تک کو بھی فائدہ دیتا ہے۔ اس سورہ کہف میں اور آیت نمبر ۸۰'۸۱ میں نوجوان کے قتل کرنے کی وجہ یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے اس لیے قتل کیا کہ اس کے والدین مومن تھے اندیشہ تھا کہ یہ لڑکا اپنی سرکشی بغاوت اور کفر سے انہیں تنگ کرے گا۔ اس لیے اس کے بدلے میں مومن والدین کو ان کا رب ایسی اولاد دے جو اخلاق میں بھی بہتر ہو اور جس سے صلہ رحمی کی بھی توقع زیادہ ہو۔ سورہ کہف کی ان دو آیات سے یہ سبق ملتا ہے کہ بندہ کا خدا سے تعلق ہو اور یہ تعلق وہ ایک باپ اپنی اولاد تک پھیلا دے تو اللہ تعالیٰ اپنے تعلق کا پاس فرماتا ہے اور اپنے بندوں کی حفاظت فرماتا ہے۔ اور یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ مومن کا اعتماد دنیا اور اس کے اسباب پر نہ ہو کہ اولاد کے لیے یہ کروں' وہ کروں' وہ خدا کے ساتھ تعلق کو

برقرار رکھ کر اولاد کو بھی اسی تعلق سے جوڑ دے اور دنیاوی معاملات و اسباب پر بھروسے کے بجائے خدا پر توکل کرے۔

حضرات گرامی!

اولاد کی تعلیم و تربیت والدین کا دینی اور ملی فریضہ ہے۔ اس فریضہ کی ادائیگی ہی سے انسان کا دنیوی اور اخروی مستقبل محفوظ ہوتا ہے۔ اور معاشرہ میں اچھے انسان پیدا ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس فریضہ کی ادائیگی کی توفیق کما حقہٗ عطا کرے۔ آمین۔

و آخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

اسلامی ریاست

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِیْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَیْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ یُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِیَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَعَلٰۤی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَهْلِ بَیْتِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ ؛

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آیات مبارکہ:

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴿۴۱﴾ (الحج ۲۲:۴۱)

یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اگر ہم زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں گے' زکواۃ دیں گے' نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے منع کریں گے اور تمام معاملات کا انجام کار اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْهِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ (الحدید ۲۵)

"ہم نے اپنے رسولوں کو صاف صاف نشانیوں اور ہدایات کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں اور لوہا اتارا جس میں بڑا زور ہے اور لوگوں کے لیے

منافع ہیں"۔

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۴۴﴾ (المائدہ ۵:۴۴)

"اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی کافر ہیں"۔

يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا أَطِيْعُوا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّأَحْسَنُ تَأْوِيْلًا ﴿۵۹﴾ (النساء ۴:۵۹)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو' اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی' اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں' پھر اگر تمہارے درمیان کسی معاملے میں نزاع ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف پھیر دو اگر تم واقعی اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔ یہی ایک صحیح طریق کار ہے اور انجام کے اعتبار سے بھی بہتر ہے۔

احادیث مبارکہ:

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا کانت امراء کم خیارکم واغنیاء کم سمحاء کم و امرکم شوریٰ بینکم فظھر الارض خیر لکم من بطنھا واذا کانت امراء کم شرار کم و اغنیاء کم بخلاء کم و امرکم الی نساء کم فبطن الارض خیر لکم من ظھرھا (الترمذی)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب تمہارے حاکم تم میں سے اچھے لوگ ہوں اور تمہارے مالدار سخی ہوں اور تمہارے معاملات تمہارے درمیان مشورے سے طے ہوتے ہوں تو زمین کی پیٹھ تمہارے لیے اس کے پیٹ (قبر) سے اچھی ہے۔

اور جب تمہارے حاکم تم میں سے جو برے لوگ ہیں وہ ہوں اور تمہارے دولت مند کنجوس ہوں اور تمہارے معاملات تمہاری عورتوں کے مشورے سے طے ہوتے ہوں تو زمین کا پیٹ تمہارے لیے اس کی پیٹھ سے بہتر ہے۔

عن عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنھما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "ان المقسطین عنداللہ علی منابر من نور' الذین یعدلون فی حکمھم واھلیھم وما ولوا (رواہ مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ لوگ جو انصاف کرنے والے ہیں اللہ کے ہاں نور کے منبروں پر (براجمان) ہوں گے یہ لوگ اپنے فیصلوں میں اور اپنے گھر والوں کے ساتھ اور اپنی ذمہ داریوں میں عدل کرتے ہیں۔

اشد الناس عذابا یوم القیامۃ امام جائر (ابو یعلی)

قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب میں مبتلا ظالم حکمران ہو گا۔

اسلامی ریاست کی ضرورت

معزز سامعین!

الحمد للہ ہم مسلمان ہیں اور ہماری یہ بھرپور خواہش ہے کہ ہم دین اسلام پر پوری طرح عمل کریں۔ اس لیے یہ تصور ہمارے ذہنوں میں واضح ہونا چاہیے کہ دین اسلام کچھ مخصوص رسومات اور عبادات کا ایک مختصر سا مجموعہ نہیں ہے بلکہ انسانی زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہے۔ انفرادی اعمال ہوں یا اجتماعی افعال۔ عبادات ہوں یا معاملات۔ لڑائی جھگڑوں کے فیصلے ہوں یا اخلاقیات۔ تجارت' زراعت' صنعت' ملازمت اور خانگی امور' ضروریات زندگی کی فراہمی یا رہنے سہنے کے آداب' گفتگو کے آداب' اٹھنے بیٹھنے کے آداب ہوں یا مجلس کے آداب' ازدواجی زندگی کے طور طریقے' غرض نظام حیات کے تمام شعبوں کے بارے میں دین اسلام ہدایات دیتا ہے۔ اس سلسلے میں مشکل مرحلہ آپس میں ایک دوسرے کے حقوق کا تحفظ اور شریعت کے مقاصد خمسہ کو حاصل کرنا۔

شریعت کے پانچ مقاصد جن کی وضاحت امام شاطبی نے معرکتہ الآراء دینی کتاب (الموافقات) میں کی ہے یہ ہیں (ا) حفظ النفس (۲) حفظ المال (۳) حفظ النسل (۴) حفظ الدین اور (۵) حفظ العرض (عزت) ان پانچوں مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے شارع نے حدود مقرر کر دی ہیں۔ اور ہر جنایت (جرم) کے لیے' چاہے نفس کے خلاف' ہو یا کسی کے مال کے خلاف' کسی کے دین کے خلاف ہو یا عزت برباد کرنے کے لیے ہو یا معاشرے میں فساد پھیلانے کے لیے' باقاعدہ قرآنی آیات میں سزاؤں کا ذکر ہے۔ ان سزاؤں کا نافذ کرنا حدود اللہ کو قائم کرنا ہے۔

حضرات گرامی!

شریعت کے یہ پانچوں مقاصد حقوق العباد سے تعلق رکھتے ہیں کہ اسلامی شریعت نے بندوں کے حقوق کا بہت زیادہ لحاظ رکھا اور ان کی حفاظت کا بندوبست کیا ہے۔ ان کی ادائیگی کی تاکید کی ہے اور ان کے تلف کرنے پر دنیا اور آخرت میں سزائیں مقرر کی ہیں۔ دنیا کی سزائیں حدود کے قوانین نافذ کر کے دی ہیں اور آخرت کی سزا تو بڑی ہی سخت ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ اگر اسلامی معاشرے میں قوت نافذہ موجود نہ ہو تو انسانوں کے حقوق کا تحفظ کیسے ہو گا ان پر دست درازی کرنے والے کا ہاتھ کیسے روکا جائے گا۔ انہیں تلف کرنے والے سے کون حق وصول کرے گا اور مجرموں کو کون سزا دے گا؟ اس لیے ان امور کو سرانجام دینے کے لیے قوت نافذہ سلطہ (طاقت) اور ایک مضبوط ادارے کی ضرورت ہے۔ اس قوت اور ادارے کا نام اسلامی فلاحی مملکت و ریاست ہے۔

اس وضاحت سے یہ ثابت ہو گیا کہ اسلامی ریاست کا قیام نہایت لازمی ہے۔ اور ایک معاشرہ صرف انفرادی یا اجتماعی عبادات کی پابندی کرنے سے کامل اسلامی معاشرہ نہیں ہو سکتا۔

اصلاح معاشرہ

اصلاح معاشرہ کے دو نظریے بڑے مشہور ہیں۔ ایک یہ کہ ایک ایک فرد کی اصلاح کی جائے اور اس طرح سارے افراد کی اصلاح ہو کر ایک صالح معاشرہ خودبخود قائم ہو جائے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے ایک ایک فرد کی اصلاح کا بیڑہ اٹھانا پڑتا ہے۔ اس نظریے کے علمبرداروں کا کہنا ہے کہ اس طرح ایک ایک فرد کی اصلاح ہو جائے تو تمام معاشرہ نیک لوگوں کا ایک بڑا مجموعہ بن جاتا ہے۔ اور نیک لوگوں کا یہ معاشرہ خودبخود نیکی کے اصول پر عمل کرے گا نیکی کو عام کرے گا اور برائی کو ترک

کرے گا اس طرح کامیابی کی منزل مل جائے گی۔

مگر اس طریقے میں دقت یہ ہے کہ عملی طور پر موجودہ معاشرہ میں جتنے نیکی پھیلانے کے متوالے موجود ہیں ان کے مقابلے میں بدی پھیلانے والے عناصر کہیں زیادہ ہیں۔ نیکی کی قوتیں کمزور اور برائی کی مضبوط ہیں۔ معروف کو عام کرنے کی خواہشمند بہت کم اور منکر کو عام کرنے کے خواہاں بہت زیادہ ہیں۔ اگر ایک طرف ایک شخص کی اصلاح ہو جاتی ہے تو دوسری طرف دس افراد کے اخلاق خراب ہو جاتے ہیں اور رجحانات مادہ پرستانہ بنانے کا عمل تیزی سے جاری ہے۔ اس طرح اگر ایک سال کا گہرائی سے جائزہ لیا جائے تو نتیجہ سامنے آ جاتا ہے کہ اصلاح کا عمل اور نتائج کا گراف روز بروز نیچے گرتا جاتا ہے اور فساد و تخریب اخلاق کا عمل دن بدن بڑھتا جا رہا ہے ایسی صورت میں ہزاروں صدیوں میں بھی پورے معاشرے کی اصلاح ہوتی نظر نہیں آ رہی ہے۔

تجربے اور تحقیق کے مطابق اصلاح معاشرہ کا جو دوسرا طریقہ مناسب اور موثر ہے وہ یہ ہے کہ حکومت اور اقتدار پر دیندار، مخلص، دیانتدار اور قومی درد رکھنے والے صالح حضرات متمکن ہو جائیں اور وہ حکومت و ریاست کے لیے ایسے قوانین بنائیں جن کے نتیجے میں بدی کی تمام راہیں بند ہو جائیں۔ وہ تمام ذرائع اور وسائل ختم کیے جائیں جو منکر پھیلانے کے اسباب بنتے ہیں۔ اور سینما، الیکٹرانک میڈیا، اخبارات، کتابیں، پبلک پارک، تفریحی مقامات کے استعمال میں ایسی اصلاح ہو جائے کہ ان سے برائی کے بجائے نیکی پھیلنے لگے۔ قوم کے نوجوانوں اور بچوں میں فطری طور پر میڈیا، اخبارات، رسائل اور اجتماعی تقریبات سے بھرپور طور پر متاثر ہونے کی خاصیت پائی جاتی ہے۔ اس لیے انہی وسائل کو موثر انداز میں ہم بچوں اور نئی نسل کی اصلاح و تربیت کے لیے بھی استعمال کر سکتے ہیں۔

پھر ہماری قوم میں یہ رجحان بہت گہرا پایا جاتا ہے کہ وہ اپنے حکمرانوں کی تقلید کرتے ہیں چنانچہ دیکھا گیا ہے کہ اگر حکمران لمبی زلفیں رکھیں تو ہر نوجوان اس رنگ میں رنگ جاتا ہے۔ اگر لباس میں کوئی خاص اسٹائل اختیار کریں تو قوم کے سپوت بھی وہی اختیار کر لیتے ہیں۔

اس لیے اگر حکمران طبقہ نیک اور صالح ہو انکی وضع قطع، آداب گفتگو، آداب مجلس اور تمام معاشرتی اقدار نیکی اور معروف کے رنگ میں رنگے ہوئے ہوں تو وہ دن دور نہیں کہ اس ملک کے تمام نوجوان اسی صبغۃ اللہ میں رنگ جائیں۔ ہر طرف نیکی اور معروف کا دور دورہ ہو۔ آپس میں اسلامی برادری کا مظاہرہ ہو اور یہ دنیا جنت کا ایک نمونہ نظر آنے لگے۔

ظاہر ہے کہ اس کے لیے اسلامی ریاست کا قیام ضروری ہے۔ اگر ریاست اسلامی نہ ہو تو نیک لوگ برسراقتدار نہیں آ سکتے جو ان تمام اصلاحات کے ضامن ہیں، اور اگر نیک لوگ اقتدار پر نہ آئیں گے تو پھر اسلامی ریاست کا وجود میں آنا بھی ناممکن نظر آتا ہے گویا اسلامی ریاست اور نیک افراد کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔

اسلامی ریاست کے بنیادی عناصر

حضرات گرامی!

اسلامی ریاست کے بنیادی عناصر وہ نظریات اور اقدار ہیں جن پر اسلامی ریاست کی عمارت استوار ہے۔ یہ نظریات محض نظریات ہی نہیں بلکہ ایک اسلامی ریاست میں ان کا وجود عملاً ایسا ہوتا ہے جیسے ایک مشین کے پرزے اور ایک نظام کے ارکان۔

اس وقت ہم اسلامی ریاست کے اہم بنیادی اجزاء کی طرف مختصر اشارہ کریں گے:

اللہ کی ملکیت

اسلامی ریاست میں یہ نظریہ کارفرما ہوتا ہے کہ تمام کائنات کا مالک اللہ ہی ہے۔ اور اس ملکیت میں کوئی بھی کسی لحاظ سے بھی اس کے ساتھ شریک نہیں۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ (الاعراف:۵۴)

خبردار رہو، اسی کی خلق ہے اور اسی کا امر ہے۔

قُلْ لِمَنِ الْأَرْضُ وَمَنْ فِيهَا إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۸۴﴾ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ ۚ قُلْ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿۸۵﴾ (المومنون ۸۵:۲۳)

ان سے کہو، بتاؤ اگر تم جانتے ہو کہ یہ زمین اور اس کی ساری آبادی کس کی ہے؟ وہ ضرور کہیں گے اللہ کی ہے۔ کہو، پھر تم ہوش میں کیوں نہیں آتے؟

اللہ کی حاکمیت

اس بنیاد پر کہ تمام کائنات اللہ کی ملکیت ہے اور وہی اس کا خالق بھی ہے تو پھر اس کائنات میں حاکمیت بھی اسی کی ہے۔ اس لیے کہ یہ تو ناممکن ہے کہ ملکیت بلا شرکت غیرے ایک ذات کی ہو اور حاکمیت اس پر دوسرے کی ہو۔ ارشاد ہے:

إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ ۚ أَمَرَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ ۚ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ (یوسف ۴۰:۱۲)

فرمانروائی کا اقتدار اللہ کے سوا کسی کے لیے نہیں ہے۔ اس کا حکم ہے کہ خود اس کے سوا تم کسی کی بندگی نہ کرو یہی ٹھیٹھ سیدھا طریق زندگی ہے۔

نظریہ خلافت الٰہی

اصلی حاکم تو اللہ ہی ہے۔ اور حکم اسی کا چلے گا۔ مگر اللہ براہ راست انسانوں سے خطاب نہیں کرتا۔ بلکہ اس کا حکم نافذ کرنے کے لیے اس کے نائبین اور خلفاء اس دنیا میں منتخب ہوتے ہیں۔ قرآن میں ہے۔

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ (النور ۵۵:۲۴)

اللہ نے وعدہ کیا ہے تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں گے وہ ان کو اسی طرح زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح ان سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کو بنا چکا ہے۔

اس آیت میں چند اہم نکات نہایت قابل غور ہیں اول یہ کہ اسلام انسانی حاکمیت کے بجائے خلافت کی اصطلاح استعمال کرتا ہے چونکہ اسلام کے نزدیک اصل حاکمیت خدا کی ہے۔ لہٰذا جو کوئی اسلامی دستور کے تحت زمین پر حکمران ہو اسے لامحالہ حاکم اعلیٰ کا خلیفہ ہونا چاہیے۔ دوم یہ کہ خلیفہ بنانے کا وعدہ تمام مومنوں سے کیا گیا ہے یہ نہیں کہا کہ ان میں سے کسی کو خلیفہ بناؤں گا۔ اس لیے سب مومن خلافت الٰہی کے حامل ہیں اور یہ کسی شخص یا خاندان یا نسل یا طبقہ کے لیے مخصوص نہیں ہے۔ ہر مومن اپنی اپنی جگہ خدا کا خلیفہ ہے۔ خلیفہ ہونے کی حیثیت سے فرداً فرداً ہر ایک خدا کے سامنے جوابدہ ہے۔ جیسا کہ پیغمبر نے فرمایا

کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیتہ تم میں سے ہر ایک شخص راعی، نگران و نگہبان ہے۔ اور ہر شخص رعیت کے بارے میں خدا کے سامنے جوابدہ ہے۔

نبوت اور وحی پر مدار کار رکھنا

اسلامی ریاست میں مدار کار، نبوت اور وحی پر رکھا جاتا ہے۔ تمام قوانین اور معاملات کا حل وحی الٰہی کی روشنی میں تلاش کیا جاتا ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔ چاہے یہ وحی جلی ہو یا وحی خفی ہو، وحی متلو ہو یا غیر متلو اور جو حقیقی شکل میں قرآن و سنت کے خلاف نہیں بن سکتا اور نہ ہی چل سکتا۔ یہیں سے مغربی جمہوریت اور اسلامی شورائی نظام بالکل واضح طور پر ایک دوسرے سے متمیز ہو جاتے ہیں۔

اسلامی شورائی نظام میں قانون کے بنیادی اصول اور دستور بنانے کی اتھارٹی صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اسلامی قانون کے لیے اسی شارع کی طرف سے اساسی اصول اور قواعد مرتب کیے گئے ہیں اور اکثر اہم جزئی احکام بھی عام طور پر بیان کیے گئے ہیں اور جو نئے مسائل پیدا ہوتے ہیں ان کے لیے مجتہدین امت انہی بنیادی اصول اور مصادر شرعیہ کی روشنی میں قانون سازی کرتے ہیں۔ مگر مغربی جمہوریت میں عوام قوت کا سرچشمہ ہوتے ہیں اور قانون بنانا بھی ان کا ہی حق سمجھا جاتا ہے چونکہ انسان کی عقل ناقص اور نارسا ہے اور مستقبل سے بے خبر ہے۔ اس لیے جو قانون وہ بناتا ہے چند دنوں میں خود اس کی خامیاں محسوس کر کے اسے تبدیل کر دیتا ہے یا اس میں ترمیم کر دیتا ہے۔ دوسری طرف اسلامی ریاست میں اللہ کا بنایا ہوا الہامی اور اٹل قانون چلتا ہے۔ جو ہر زمانہ کے نت نئے مسائل کا حل پیش کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

چونکہ وحی اور نبوت نے زندگی کے ہر شعبہ کی رہنمائی کی ہے۔ اس لیے اسلامی ریاست میں شریعت (قانون) کے ساتھ اخلاق اور انسانی آداب کی پابندی بھی ضروری ہوتی ہے تاکہ مکمل دین جاری اور نافذ ہو، اور زندگی کا کوئی شعبہ بھی غلط کاری کا شکار نہ ہو سکے۔ اخلاقی تربیت کی وجہ سے معاشرے کے افراد پولیس کے ڈر ہی سے نہیں بلکہ وہاں بھی غلط کاریوں سے پرہیز کرتے ہیں جہاں ان کو دیکھنے والا کوئی نہ ہو کیونکہ ان کے عقیدے کے مطابق خدا تو انہیں دیکھ رہا ہوتا ہے۔

قانون خداوندی کی بالادستی

اسی بنیاد پر اسلامی ریاست میں بالادستی قانون خداوندی کو ہی حاصل ہوتی ہے اور اس کی خلاف ورزی کو گناہ کبیرہ بلکہ کفر و شرک کے برابر جرم سمجھا جاتا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰۤئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۴۷﴾ (المائدہ ۵:۴۷)

دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰۤئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۴۴﴾ (المائدہ ۵:۴۴)

جو اللہ کے نازل کیے ہوئے قانون کے مطابق حکم نہیں دیتا اور اس کے مطابق فیصلے نہیں کرتا وہ فاسقوں اور کافروں میں سے ہیں۔

عدل کا قیام

اسلامی ریاست کی ایک امتیازی خصوصیت عدل قائم کرنا ہے۔ اس میں امیر غریب' حکمران رعایا' چھوٹا بڑا' مقیم مسافر' مالک و ملازم اور زندگی کے ہر شعبہ سے تعلق رکھنے والے کے ساتھ برابر انصاف کیا جاتا ہے۔ حضرت علی خلیفۃ المسلمین ہوتے ہوئے مسلمان قاضی کی عدالت میں اس لیے مقدمہ ہار جاتے ہیں کہ ان کے پاس کافی ثبوت نہیں ہوتا اور فریق مخالف یہودی یہ انصاف دیکھ کر اس قدر متاثر ہو جاتا ہے کہ اس فیصلے کے بعد وہ مسلمان ہو جاتا ہے اور اقرار بھی کرتا ہے کہ زرہ (متنازعہ مال) حضرت علی کی (حقیقت میں) ملکیت ہے۔ جس پر اس نے دعویٰ کیا تھا۔

قرآن نے رسولوں کی بعثت کا مقصد ہی یہ بیان کیا ہے کہ وہ عدل قائم کریں۔ "ہم نے اپنے رسولوں کو روشن نشانیوں کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تاکہ انسان انصاف پر قائم ہوں"۔ (الحدید ۵۷:۲۵)

دوسری جگہ ارشاد ہے:

اِعۡدِلُوۡا ۟ هُوَ اَقۡرَبُ لِلتَّقۡوٰى (المائدہ ۵:۸)

انصاف کرو۔ یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔

امن و سلامتی کا انتظام

اسلامی ریاست کی ایک اہم ذمہ داری یہ ہے کہ وہ ملک کے طول و عرض میں بلکہ پوری دنیا میں امن و سلامتی قائم کرے تاکہ کسی کو خدا کے سوا اور کسی کا ڈر نہ ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مشہور پیشن گوئی ہے کہ جزیرۃ العرب پر ایسا وقت آئے گا کہ ایک عورت حضرموت تک مال و دولت سمیت جائے گی مگر اسے اللہ کے سوا اور کسی کا خوف نہیں ہو گا۔ اسلامی ریاست کا یہی نقشہ قرون اولیٰ میں دیکھا گیا عرب کی سرزمین جو خونریزی ڈاکہ زنی اور بدامنی کے لیے مشہور تھی امن و سلامتی کا گہوارہ بن گئی اور اس گئے گزرے دور میں بھی جب کہ پوری دنیا میں قتل' خونریزی' ڈاکہ زنی' چوری' تخریب کاری روز کا معمول ہے۔ سعودی عرب' جہاں پورا کا پورا اسلامی نظام مکمل شکل میں نافذ نہیں مگر حدود و تعزیرات اور کچھ دوسرے قوانین اسلام نافذ ہیں ان کی برکت سے وہاں دکان دار دکان کھلی چھوڑ کر نماز کے لیے یا کسی اور حاجت کے لیے چلا جاتا ہے۔ اور اسے چوری یا ڈاکے کا کوئی ڈر نہیں ہوتا۔ یہ اسلامی نظام کی برکات ہیں اور اسلامی ریاست کی کامیابی کا واضح ثبوت بھی۔

اجتماعی کفالت و ذمہ داری

اسلامی ریاست میں اجتماعی کفالت کا نظام اقتصادی مسائل کا ایک بہترین حل ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ مسلمان معاشرے کے افراد آپس میں ایک دوسرے کی کفالت کے ذمہ دار ہیں۔ ایک اجتماعی فنڈ زکوۃ و صدقات وغیرہ کا قائم کیا جاتا ہے۔ اور اس میں سے معذور محتاج اور مستحقین کی کفالت کی جاتی ہے۔ یہ فنڈ مسلمانوں کے متمول اور مخیر افراد جمع کرتے ہیں اور محتاجوں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔

مملکت کو مضبوط بنانا

مملکت اسلامی کو مضبوط بنانا اور اس کی حفاظت کو یقینی بنانا اسلامی ریاست کا ہدف ہے۔ ایک ریاست اس وقت تک مضبوط' مستحکم اور دشمن کی دستبرد سے محفوظ نہیں ہو سکتی جب تک وہ اسلحہ جنگی ساز و سامان' رسد اور دوسرے مادی اسباب و

متاع سے لیس نہ ہو اس کے ساتھ ساتھ اس کے محافظوں کے حوصلے بھی بلند ہونے چاہئیں۔ کیونکہ جنگ میں اولین مضبوط ترین ہتھیار اسلحہ نہیں بلکہ حوصلہ ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ (الانفال ۸:۶۰)

اور تم لوگ، جہاں تک تمہارا بس چلے، زیادہ سے زیادہ طاقت اور تیار بندھے رہنے والے گھوڑے ان کے مقابلے کے لیے تیار رکھو تاکہ اس کے ذریعے سے اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو اور ان دوسرے دشمنوں کو خوف زدہ کرو جنہیں تم نہیں جانتے مگر اللہ جانتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

رباط یوم ولیلة خیر من الدنیا و مافیها

اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے ایک دن رات چوکیداری کرنا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔

اصلاح معاشرہ

اسلامی ریاست کا ایک خاص شعبہ دعوت حق کو عام کرنا اور پوری دنیا تک پہنچانا ہے۔ اس کو وزارت امر بالمعروف و نہی عن المنکر یا الدعوۃ و الارشاد کہا جاتا ہے۔ چونکہ مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ خود بھی گمراہی اور ہلاکت سے بچو اور دوسرے انسانوں کو بھی بچاؤ۔ ارشاد ہے:

قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا (التحریم ۶۶:۶)

اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو آگ سے بچاؤ۔

اسی طرح تواصی بالحق کا حکم جو سورہ عصر میں دیا گیا ہے اس کا بھی مطلب یہی ہے کہ تمام دنیا کو حق پہنچانے کی ذمہ داری ہم پر ڈالی گئی ہے۔ اصلاح معاشرہ کے بارے میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ایک وسیع ترین موضوع قرآن و حدیث میں پھیلا ہوا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آل عمران ۳:۱۱۰)

اب دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت کے لیے میدان میں لایا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو؟

اقامتہ صلوۃ

ایک اسلامی ریاست میں یہ بھی لازمی ہوتا ہے کہ نماز کا نظام قائم کرنے کے لیے پورا پورا انتظام کیا جائے۔ قرآن پاک میں مختلف پیرایوں میں نماز کے وجوب کا ذکر آیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ مسلمان کی علامت یہ ہے کہ جب ان کو اقتدار مل جائے تو پہلا کام وہ یہ کرتے ہیں کہ نماز کا نظام قائم کرتے ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے:

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ (حج ۲۲:۴۱)

یہ وہ لوگ ہیں کہ جنہیں اگر ہم زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں گے۔

یاد رہے کہ قرآن میں جہاں بھی نماز کا حکم دیا گیا ہے۔ وہاں لفظ اقامتہ صلوۃ مذکور ہے ادائے صلوۃ نہیں۔ اس لیے کہ اللہ کو مطلوب نماز کا پورا نظام قائم کرنا ہے۔ اقامتہ کا لفظ عربی میں نظام قائم کرنے کے لیے آتا ہے۔

علوم کو ترقی دینا

اسلامی ریاست کے فرائض میں سے یہ بھی ایک اہم فرض ہے کہ علوم کی سرپرستی کرے ان کو ترقی دے۔ اس ضمن میں علوم کا مفہوم عام ہے۔ چاہے دینی علوم ہوں یا سائنسی' تاریخی' زرعی اور دوسرے دنیاوی علوم ہوں۔ اسلامی ریاست ان سب کی سرپرستی کرے گی اور ان کی ترقی کی راہیں ڈھونڈے گی۔ نبیؐ نے فرمایا: طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ علم کا طلب کرنا اور سیکھنا ہر مسلمان کا فریضہ ہے۔ چاہے بچہ اور جوان ہو یا بوڑھا ہو۔ کیونکہ الحکمۃ ضالۃ المومن یعنی دانائی کی بات مومن کی گمشدہ متاع ہے۔

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِى الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ (التوبہ ۹: ۱۲۲)

مگر ایسا کیوں نہ ہوا کہ ان کی آبادی کے ہر حصے میں سے کچھ لوگ نکل کر آتے اور دین کی سمجھ پیدا کرتے اور واپس جا کر اپنے علاقے کے باشندوں کو خبردار کرتے تاکہ وہ (غیر مسلمانہ روش سے) پرہیز کرتے۔

ان تمام نصوص کا مفہوم یہ ہے کہ علوم حاصل کرنا اور ان کو ترقی دینا مسلم معاشرہ کا اولین فرض ہے اور اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے کہ اس کام کے لیے سہولتیں فراہم کرے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان خلفاء نے علوم سیکھنے سکھانے کے لیے سہولتیں مہیا کرنے کے لیے بڑی جدوجہد کی ہے۔ حضورؐ نے خود اسیران بدر سے دیت کے بجائے یہ قبول کیا کہ وہ مسلمانوں کے بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھائیں۔ حضرت عمرؓ نے فوجی تربیتی مراکز میں علمی ادارے الگ منظم کیے۔ مامون' ہارون اور دیگر خلفائے عباسیہ نے دنیا بھر کے سائنس دان بغداد میں جمع کر کے ایک بڑی تجربہ گاہ قائم کی۔ مسلمان محققین نے نجی حیثیت سے علوم میں اس قدر ترقی کی کہ دنیا والے دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ عیسائی اور دوسری اقوام فرانس کے راستے اندلس جا کر اشبیلیہ' غرناطہ اور قرطبہ کی یونیورسٹیوں میں مسلمان اسکالروں سے علمی استفادہ کرتے رہے۔

نظم و ضبط اور مجاہدانہ زندگی

اسلامی ریاست کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ اس کی رعایا' سب کے سب ہر وقت چوکس اور مستعد رہتے ہیں اور مجاہدانہ زندگی گزارتے ہیں اولی الامر کا حکم بجا لانے میں کسی کو چون و چرا نہیں ہوتی۔ ایک مرتبہ حضورؐ نے دوران کلام میں فرمایا بیٹھ جاؤ! حضرت عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن مسعود مسجد میں آ رہے تھے عبداللہ بن عباس حکم سنتے ہی جوتوں کی جگہ بیٹھ گئے اور عبداللہ بن مسعود اتنی تیزی سے بیٹھے کہ ان کا توازن قائم نہ رہ سکا اور گر گئے۔ مگر حکم پورا کیا۔ اسلامی

ریاست کے مسلمان عوام اللہ رسول کے احکام کے ساتھ ساتھ مسلمان حکمران کی اطاعت کو عبادت سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ آیت قرآنی اطیعوا اللہ و اطیعوالرسول و اولی الامر منکم کا مفہوم ہے۔ اسلامی ریاست کے باشندے نظم و ضبط کے نہایت پابند ہوتے ہیں کیونکہ ان کی تربیت سراسر اس طرح کی ہوتی ہے۔ پانچوں وقت نماز مقررہ اوقات میں پڑھنے سے یہ تربیت روزانہ تازہ ہو جاتی ہے۔

الغرض اسلامی ریاست ایک فلاحی' رفاہی اور عوامی بھلائی کی حکومت ہوتی ہے۔ اس میں حاکم و محکوم' سرمایہ دار اور غریب کے طبقات و تصورات کے بجائے اخوت و مساوات' تعاون و توافق' ہمدردی و خیر خواہی' عدل و انصاف' امن و سلامتی اور باہمی عزت و احترام کا دور دورہ ہوتا ہے۔ خداوند کریم سے دعا ہے کہ ہمیں ایسی حکومت میں زندگی گزارنا نصیب کرے آمین۔

و آخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

رواداری

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰٓى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَهْلِ بَيْتِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ:

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم

آیات مبارکہ:

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًاۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ۠ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٠٨﴾ (الانعام ۶:۱۰۸)

اور (اے مسلمانو!) یہ لوگ اللہ کے سوا جن کو پکارتے ہیں انہیں گالیاں نہ دو' کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ شرک سے آگے بڑھ کر جہالت کی بنا پر اللہ کو گالیاں دینے لگیں۔ ہم نے تو اسی طرح ہر گروہ کے لیے اس کے عمل کو خوشنما بنا دیا ہے پھر انہیں اپنے رب ہی کی طرف پلٹ کر آنا ہے' اس وقت وہ انہیں بتا دے گا کہ وہ کیا کرتے ہیں۔

فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ۚ وَقُلْ اٰمَنْتُ
بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمُ ۭ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۭ لَنَآ
اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۭ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ ۭ اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ۚ وَاِلَيْهِ
الْمَصِيْرُ ۝۱۵ (الشوریٰ ۴۲:۱۵)

پس اس لیے اے محمدؐ اب تم اس دین کی طرف دعوت دو اور جس طرح تمہیں حکم دیا گیا ہے۔ اس پر مضبوطی کے ساتھ قائم ہو جاؤ' اور ان لوگوں کی خواہشات کا اتباع نہ کرو۔ اور ان سے کہہ دو کہ اللہ نے جو کتاب بھی نازل کی ہے میں اس پر ایمان لایا۔ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان انصاف کروں۔ اللہ ہی ہمارا رب بھی ہے اور تمہارا رب بھی۔ ہمارے اعمال ہمارے لیے ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے لیے۔ ہمارے درمیان کوئی جھگڑا نہیں اللہ ایک روز ہم سب کو جمع کرے گا اور اسی کی طرف سب کو جانا ہے۔

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ڐ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ

دین کے معاملے میں کوئی زور زبردستی نہیں ہے صحیح بات غلط خیالات سے الگ چھانٹ کر رکھ دی گئی ہے۔

حدیث شریف:

عن عبدالله بن عمرو رضی الله عنهما قال النبی صلی الله علیه وسلم من احب ان یزحزح عن النار و یدخل الجنة فلتاته منیته و هو یؤمن بالله والیوم الاخر ولیأت الی الناس الذی یحب ان یوتی الیه (رواہ مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اس بات کو پسند کرتا ہے کہ آگ سے دور کیا جائے اور بہشت میں داخل کیا جائے تو اسے موت اس حالت میں آنی چاہیے کہ وہ اللہ اور روز قیامت پر ایمان رکھتا ہو اور لوگوں سے وہی رویہ اختیار کرے جو رویہ وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

حضرات گرامی!

دین اسلام کی جو اہم خصوصیات ہیں ان میں سے ایک رواداری ہے۔ رواداری فارسی زبان کا کلمہ ہے جس کے لفظی معنی ہیں روا رکھنا' جائز رکھنا' جائز سمجھنا۔ اور یہ کہ دوسرے ادیان' نظریات' خیالات' مسالک اور ان کے ماننے والوں کو برداشت کرنا اور ان کے حقوق تسلیم کرنا۔ آج کل مسلم معاشرے میں یہ کلمہ زیادہ بولا تو جاتا ہے لیکن اس پر عمل نہیں کیا جاتا سو اس پر عمل کرنے کی بڑی ضرورت ہے۔

رواداری کے کلمے کے متعلق عام لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ دس مختلف خیالات رکھنے والے آدمیوں کے مختلف اور متضاد خیالات کو درست قرار دینا رواداری ہے۔ حالانکہ یہ رواداری نہیں ہے بلکہ عین منافقت ہے اور ایک گونہ جھوٹ بھی ہے۔ رواداری کے معنی یہ ہیں کہ جن لوگوں کے عقائد یا اعمال ہمارے نزدیک غلط ہیں ان کو ہم برداشت کریں' ان کے جذبات کا لحاظ کریں' ان پر ایسی نکتہ چینی نہ کریں جو ان کو رنج پہنچانے والی ہو' اور انہیں ان کے اعتقاد سے پھیرنے یا ان کے عمل سے

روکنے کے لیے زبردستی کا طریقہ اختیار نہ کریں۔ اس قسم کا تحمل و برداشت اور اس طریقے سے لوگوں کو اعتقاد و عمل کی آزادی دینا نہ صرف ایک مستحسن فعل ہے بلکہ مختلف الخیال جماعتوں میں امن و سلامتی برقرار رکھنے کے لیے ضروری ہے۔ لیکن اگر ہم خود ایک عقیدہ رکھنے کے باوجود محض دوسرے لوگوں کو خوش کرنے کے لیے ان کے مختلف عقیدوں کی تصدیق کریں اور خود ایک دستور العمل کے پیروکار ہوتے ہوئے دوسرے مختلف دستوروں کا اتباع کرنے والوں سے کہیں کہ آپ سب حضرات برحق ہیں' تو اس منافقانہ اظہار رائے کو کسی طرح رواداری سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔ مصلحت کے تحت خاموشی اختیار کرنے اور جان بوجھ کر جھوٹ بولنے میں آخر کچھ تو فرق ہونا چاہیے۔

الغرض رواداری کا مفہوم یہ ہے کہ کسی کو ناحق' غلط' اور گمراہی پر جانتے ہوئے اسے برداشت کرنا' اس کے حقوق حریت تسلیم کرنا' اسے اس کے عقائد کے مطابق عمل کرنے کا حق حاصل ہونے کو تسلیم کرنا رواداری ہے۔ اسلام نے رواداری برتنے کی نہ صرف اجازت دی ہے بلکہ اسے اختیار کرنے کی تعلیم اور اس کے بارے میں ایک لائحہ عمل بھی دیا ہے۔

واجب الاحترام حضرات!

رواداری کی بڑی دو قسمیں ہیں۔ ایک مسلمانوں کا غیر مسلموں کے ساتھ رواداری رکھنا اور دوسری مسلمانوں کے مختلف مسلکوں اور مذہبوں کے پیروکاروں کی باہمی رواداری۔ آج مسلم معاشرے کو دونوں قسم کی رواداریوں کی سخت ضرورت ہے۔ ایک طرف دعوت و تبلیغ کے لیے نوجوان نسل کو آزاد روی کے جدید نظریات کی زد سے بچانے کے لیے' دنیا کے سکڑنے اور لوگوں کے ایک دوسرے کے قریب آنے اور باہمی ربط پیدا کرنے کے لیے اور دنیا کو امن و سلامتی کا گہوارہ بنانے کے لیے۔ اسی طرح مسلمانوں کے مختلف مسلکوں اور گروہوں کے درمیان بھی رواداری کی بے حد ضرورت ہے کیونکہ دشمن کی بھرپور کوشش ہے کہ مسلمانوں کے مختلف مسلکوں' گروہوں اور فرقوں کی بنیاد پر ان کے درمیان جنگ و جدل اور باہمی چپقلش و آویزش چلتی رہے اور وہ اپنا کام اطمینان سے کرتا رہے۔

آیئے مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان رواداری کو لیتے ہیں۔ اس رواداری کی بنیاد امالہ اور رغبت پر ہے۔ یعنی غیر مسلموں کو اپنی طرف مائل کیا جائے اور رغبت دلائی جائے کہ وہ اسلام کے قریب آئیں۔ امام ابن تیمیہ نے لکھا ہے کہ "غیر مسلموں سے تعلق کی اصل صلح و امن ہے' نہ کہ جنگ و جدل اور عدل و انصاف پر ہے نہ کہ ظلم و ستم پر۔ اس رواداری کو واضح کرنے کے لیے چند اصول بیان کیے جاتے ہیں۔

ادیان سماویہ کا ایک سرچشمہ

اسلام کہتا ہے کہ تمام الہامی دین ایک سرچشمہ سے پھوٹے ہیں اور ان کی بنیاد ایک ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ (الشوریٰ ۴۲:۱۳)

اللہ نے تمہارے لیے دین کا وہی طریقہ مقرر کیا ہے جس کا حکم اس نے نوحؑ کو دیا تھا اور جسے (اے محمدﷺ) اب تمہاری طرف ہم نے وحی کے ذریعہ سے بھیجا ہے اور جس کی ہدایت ہم ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو دے چکے ہیں اس تاکید کے ساتھ کہ قائم کرو اس دین کو اور اس میں متفرق نہ ہو جاؤ۔

ظاہر ہے کہ جب تمام ادیان کو دینے والا ایک ہے تو ان دینوں میں اصولی طور پر یکسانیت اور تعلق ہو گا۔ جب تک ان میں تحریف نہ ہو جائے بنیادی اختلاف نہیں ہو گا اور یہ سب قابل احترام ہوں گے اور ان کے پیرو کاروں میں ایک دوسرے کے لیے احترام بھی ہو گا۔

تمام انبیاء برحق ہیں

اسلام واضح کرتا ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کا درجہ' رسالت کی حیثیت سے مساوی ہے اور ان کے درمیان رسول ہونے کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں کیا جائے۔ لہٰذا مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ تمام نبیوں پر ایمان لائیں اور ان کو برحق مانیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

قُولُوٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ
وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِىَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِىَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ
بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۖ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾ (البقرہ ۲:۱۳۶)

مسلمانو' کہو کہ "ہم ایمان لائے اللہ پر' اس ہدایت پر جو ہماری طرف نازل ہوئی ہے اور جو ابراہیم' اسماعیل' اسحاق' یعقوب' اور اولاد یعقوب' کی طرف نازل ہوئی تھی اور جو موسیٰ' اور عیسیٰ' اور دوسرے تمام پیغمبروں کو ان کے رب کی طرف سے دی گئی تھی ہم ان کے درمیان تفریق نہیں کرتے اور ہم اللہ کے مسلم ہیں۔

سامعین حضرات!

یہ ہے اسلام کی رواداری' وسعت ظرفی' آفاقیت اور ابدیت کا ایک پہلو کہ تمام انبیاء پر ایمان و ایقان ضروری ہے اور کسی میں بھی فرق نہیں کرتا ہے۔ جبکہ یہودی بعض انبیاء کو مانتے ہیں تو بعض کو نہیں مانتے' عیسائیوں کا بھی یہی حال ہے۔ اسی طرح دوسرے مذاہب کے لوگوں کا حال یہ ہے کہ وہ صرف اپنے اپنے دین کے رہنماؤں کو تو مانتے ہیں لیکن دوسروں کا انکار کرتے ہیں اس کے برخلاف اسلام جن انبیاء کے نام سامنے آئے ہیں ان کو بھی مانتا ہے اور جن کے نام نہیں آئے انہیں بھی اجمالی طور پر نبی تسلیم کرتا ہے۔

دین میں اکراہ و جبر نہیں

برادران اسلام!

دین اسلام کی رواداری کا ایک بنیادی اصول یہ ہے کہ وہ کسی انسان کو اسلام اختیار کرنے کے لیے مجبور نہیں کرتا' زور زبردستی نہیں کرتا بلکہ اپنی دعوت دے کر آزاد چھوڑ دیتا ہے چنانچہ یہ اصول بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا:

لَآ اِكْرَاهَ فِى الدِّيْنِ ۖ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَىِّ ۚ (البقرہ ۲:۲۵۶)

دین کے معاملے میں کوئی زور زبردستی نہیں صحیح بات غلط خیالات سے الگ چھانٹ کر رکھ دی گئی ہے۔

اور دوسری جگہ فرمایا:

اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿٩٩﴾ (یونس ۹۹:۱۰)

پھر کیا تم لوگوں کو مجبور کرو گے کہ وہ مومن ہو جائیں۔

اسلام نے دین کی دعوت تفصیل سے پہنچا کر انہیں دلائل و براہین سے مطمئن کر کے پھر انہیں اختیار دے دیا کہ وہ اب اپنی مرضی کے مالک ہیں اس بات کو اس طرح فرمایا: وھدینه النجدین (البلد ۱۰:۹۰) اور ہم نے اسے دونوں نمایاں راستے دکھا دیے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے دور حکومت میں کافر' مشرک' منافق' صابئ' یہودی اور عیسائی ہر قسم کے مذہب رکھنے والے موجود تھے۔ لیکن مذہب کی بنیاد پر کسی کو قتل نہیں کرایا اور نہ ہی کسی کو دین قبول کرنے پر مجبور کیا۔

مذہبی اختلافات میں شدت نہ کرنا

یعنی مذہبی اختلافات کی بنا پر ایک دوسرے پر تعدی و زیادتی نہ کرنا' لڑائی جھگڑا نہ کرنا اور نہ کسی کو قتل کرنا بلکہ باہمی تعاون کرنا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۠ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۠ (المائدہ ۲:۵)

جو کام نیکی اور خدا ترسی کے ہیں ان میں سب سے تعاون کرو اور جو گناہ اور زیادتی کے کام ہیں ان میں کسی سے تعاون نہ کرو۔

تمام ادیان کی عبادت گاہوں کا احترام کرنا

اسلامی رواداری میں ایک اصول یہ شامل ہے کہ تمام ادیان کی عبادت گاہوں کا احترام کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۭ (الحج ۴۰:۲۲)

اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعے سے دفع نہ کرتا رہے تو خانقاہیں اور گرجا اور عبادت گاہیں اور مسجدیں جن میں اللہ کا کثرت سے نام لیا جاتا ہے' سب مسمار کر ڈالی جائیں۔

لہٰذا عبادت گاہوں کا احترام کرنا' ان کی حفاظت کرنا اور ان میں جو لوگ اپنے طریقے کے مطابق عبادت اور ذکر و اذکار میں مصروف ہیں ان کو تنگ نہ کرنا مسلمانوں کی ذمہ داریوں اور روایات میں سے ہے۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے لشکر اسامہ روانہ کرتے وقت انہیں ہدایات دیتے ہوئے فرمایا..... "تم لوگوں کا گزر ایسے لوگوں پر ہو گا جنہوں نے اپنے آپ کو گرجوں میں عبادت کے لیے وقف کر رکھا ہے' ان کو ان کے حال پر چھوڑ دینا اور ان کو وہ کام کرنے دینا جس کے لیے وہ یکسو ہو گئے ہیں"۔ مسلمانوں کی رواداری کی ایسی زندہ مثالیں موجود ہیں کہ انہوں نے جو علاقے فتح کیے ان میں کہیں کوئی گرجا' صومعہ اور دوسری عبادت گاہیں نہیں گرائیں۔

احترام انسانیت اور فضیلت کا معیار

اسلام تمام انسانوں کا انسان ہونے کی حیثیت سے احترام کرتا ہے اور ان کی ابتداء ایک باپ اور ایک ماں سے قرار دیتا ہے۔ ارشاد ہے:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰي كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ؀ (الاسراء ۱۷:۷۰)

بے شک ہم نے بنی آدم (انسان) کو بزرگی دی اور انہیں خشکی و تری میں سواریاں عطا کیں اور ان کو پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا اور اپنی بہت سی مخلوق پر نمایاں فوقیت بخشی۔

اسلام نے انسانوں میں دین، زبان، قومیت اور علاقے کی وجہ سے تفریق روا نہیں رکھی بلکہ ان سب کو انسان کی حیثیت سے برابر قرار دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: الناس سواء کاسنان المشط یعنی لوگ کنگھی کے دندانوں کی طرح آپس میں برابر ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الناس کلھم عیال اللہ فاحبھم الیہ انفعھم لعیالہ

تمام لوگ اللہ تعالیٰ کے عیال کی طرح ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو ان میں سے زیادہ پیارا وہ ہے جو اس کے عیال کو زیادہ نفع پہنچاتا ہے۔

اسلام کسی انسان سے نفرت نہیں سکھاتا بلکہ کفر و شرک اور برائیوں سے نفرت کا درس دیتا ہے۔ تمام انسانوں میں اللہ کے نزدیک مکرم و معزز وہ ہے جو ایمان و تقویٰ سے مزین ہے۔ ارشاد باری ہے:

"نیکی اور پرہیز گاری میں باہمی تعاون کرو اور گناہ اور زیادتی میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون نہ کرو"۔ (المائدہ ۵:۲)

پھر یہ حقیقت بھی بتائی کہ دینی امور میں جو اختلافات رونما ہو چکے ہیں ان کا فیصلہ خود اللہ جل شانہٗ قیامت کے دن فرمائیں گے۔ ارشاد باری ہے:

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰي شَيْءٍ ۠ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰي شَيْءٍ ۙ وَّھُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ۭ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ؁ (البقرہ ۲:۱۱۳)

یہودی کہتے ہیں کہ عیسائیوں کے پاس کچھ نہیں اور عیسائی کہتے ہیں کہ یہودیوں کے پاس کچھ نہیں۔ حالانکہ وہ دونوں ہی کتاب پڑھتے ہیں۔ اسی قسم کے دعوے ان لوگوں کے بھی ہیں جن کے پاس کتاب کا علم نہیں ہے۔ یہ اختلافات جن میں یہ لوگ مبتلا ہیں ان کا فیصلہ اللہ قیامت کے روز کر دے گا۔

لہٰذا ہماری ذمہ داری یہ نہیں ہے کہ ہم اختلافات ختم کر کے ہی چھوڑیں اور جو اختلاف نہ چھوڑے اس پر زور و جبر کریں بلکہ ان کا آخری فیصلہ اللہ تعالیٰ خود کریں گے۔ اس لیے ان اختلافات کو برداشت کرنا چاہیے اور اختلاف ختم نہ ہونے پر پریشان نہیں ہونا چاہیے۔

اسی طرح لوگوں کو جس بات کی وجہ سے دوسروں پر فضیلت دی جائے وہ بھی تقویٰ ہی ہے ارشاد فرمایا ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم یعنی عزت و تکریم کا اصلی معیار ایمان و تقویٰ ہے۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع موقع پر فرمایا: "لوگو، خبردار رہو، تم سب کا خدا ایک ہے۔ کسی عرب کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عرب پر اور کسی گورے کو کسی کالے پر اور کسی کالے کو کسی گورے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے مگر تقویٰ کے اعتبار سے۔ اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہو"۔ (متفق علیہ)

عدل و انصاف میں مساوات و رواداری

اسلام نے اپنے پیروکاروں کو واضح تعلیم دی ہے کہ وہ تمام اقوام سے اور تمام ادیان و مذاہب کے پیروکاروں سے انصاف و عدل کریں۔ اس میں دین و مذاہب' رنگ و نسل اور زبان و مکان آڑے نہیں آنا چاہیے۔ بلکہ اگر کسی سے دشمنی ہے' جنگ ہو رہی ہے تو بھی انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے۔ اللہ تعالیٰ نے عدل کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

وَإِذَا حَكَمْتُم بَيْنَ النَّاسِ أَن تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ (النساء ۴:۵۸)

اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل سے فیصلہ کرو۔ (لوگوں میں مسلم و غیر مسلم سب شامل ہیں)

اور دوسری جگہ فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ ۖ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا ۚ اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝ (المائدہ ۵:۸)

اے ایمان والو' اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو۔ کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کر دے کہ انصاف سے پھر جاؤ' عدل کرو یہ خدا ترسی سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے اللہ سے ڈر کر کام کرتے رہو' جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔

یعنی آپ کا واسطہ چاہے یہودی اور عیسائی سے ہو یا ہندو اور مشرک سے' ہر حال میں ان سے انصاف کرو۔ مسلمان کسی حالت میں بھی بے انصافی نہیں کرتا۔

دینی اختلاف کی بنیاد پر دشمنی نہیں ہونی چاہیے

مختلف ادیان و مسالک کے درمیان جو اختلافات و افتراقات پائے جاتے ہیں ان کی بنیاد پر ایک دوسرے سے قطع تعلق نہیں ہونا چاہیے اور نہ ہی باہمی حسن سلوک' صلہ رحمی اور اخلاقی و مالی تعلق توڑنا چاہیے۔ ارشاد ربانی ہے:

الْيَوْمَ أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ ۖ وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۖ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ (المائدہ ۵:۵)

آج تمہارے لیے ساری پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئی ہیں اور ان لوگوں کا کھانا جن کو کتاب دی گئی ہے تمہارے لیے حلال ہے۔ اور محفوظ عورتیں بھی تمہارے لئے حلال ہیں خواہ وہ اہل ایمان کے گروہ میں سے ہوں یا ان قوموں میں سے جن کو پہلے کتاب دی گئی تھی۔

اسلامی رواداری اور وسعت ظرفی کا اندازہ کیجیے کہ ان کا ذبیحہ اور کھانا مسلمانوں کے لیے حلال اور ان کی عورتوں سے شادی جائز ہے تو دوسرے انسانی روابط و تعلقات اور اخلاقی و معاشرتی حقوق ادا کرنا بدرجہ اولیٰ لازم آئے گا۔ چنانچہ مسلمانوں نے اپنی روشن تاریخ میں ان حقوق کا اچھی طرح لحاظ رکھا ہے۔ انہوں نے غیر مسلموں سے عدل و انصاف کا برتاؤ کیا ہے۔ مروت'

حسن سلوک، اور مصالحت کا رویہ اختیار کیا ہے۔ ان سے معاہدے نبھائے ہیں اور رواداری کا ثبوت دیا ہے۔

غیر مسلموں کے ساتھ احسن انداز میں مباحثہ و مناظرہ

مسلمان دین اسلام کی افہام و تفہیم کے لیے غیر مسلموں کے ساتھ بحث و مباحثہ اور مناظرہ کر سکتے ہیں مگر اچھے انداز سے۔ وقار، متانت اور احترام کی حدود میں رہ کر معقولیت اور سنجیدگی کے ساتھ کریں گے۔ ارشاد ہے:

وَلَا تُجَادِلُوٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ (العنکبوت ۲۹:۴۶)

اور اہل کتاب سے بحث نہ کرو مگر عمدہ طریقہ سے۔

اسلام نے مخالفین کے ساتھ بدتمیزی کو روا نہیں رکھا اور نہ ہی ان کے باطل عقائد کی بنیاد پر ان کے معبودوں اور بزرگوں کو دشنام طرازی کی اجازت دی ہے۔ اگرچہ وہ بت ہی کیوں نہ ہوں۔ جیسا کہ خطبے کی ابتداء میں آیت پڑھی گئی کہ یہ لوگ اللہ کے سوا جن کو پکارتے ہیں انہیں گالیاں نہ دو، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ شرک سے آگے بڑھ کر جہالت کی بنا پر اللہ کو گالیاں دینے لگیں۔

اسلامی رواداری کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ جب امت مسلمہ اس قوم پر غالب آ جائے جس نے امت کے دین یا اس کی آزادی کے حق میں جارحیت اور ظلم و زیادتی کی روش اختیار کر رکھی تھی تو بھی امت کے لیے جائز نہیں رکھا گیا کہ وہ مفتوح قوم سے اس طرح انتقام لے کہ اسے اپنا دین ترک کرنے پر مجبور کرے یا اسے اپنے پسندیدہ عقائد رکھنے کے سبب اس پر سختی اور تشدد کرے۔ بلکہ یہ کافی ہے کہ وہ مفتوح قوم اسلامی حکومت کی اطاعت قبول کر لے اور خلوص کے ساتھ اس پر قائم رہے، تاکہ ان کی پوزیشن یہ ہو جائے کہ:

لھم مالنا و علیھم ما علینا

ان کے وہی حقوق ہیں جو ہمارے ہیں اور ان کے وہی فرائض ہیں جو ہمارے ہیں۔

اس رواداری سے اسلامی تاریخ بھری ہوئی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی فتح مکہ سے یہ سلسلہ شروع ہوتا ہے جو اسلام کی تاریخ میں مسلسل جاری رہتا ہے۔ اس سے بڑھ کر یہ تعلیم دی کہ جنگی حالات کے دوران میں کوئی مشرک پناہ طلب کرے تو اسے پناہ دیں پھر اسے قرآن کی دعوت دیں، اس کی حفاظت کریں پھر اس کے وطن پہنچانے کا بندوبست کریں، جبر و زیادتی نہ کریں۔ فرمایا:

وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۝۶ (التوبہ ۹:۶)

اور اگر مشرکین میں سے کوئی شخص پناہ مانگ کر تمہارے پاس آنا چاہے (تاکہ اللہ کا کلام سنے) تو اسے پناہ دے دو یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سن لے پھر اس کو جائے امان تک پہنچا دو۔ یہ اس لیے کرنا چاہیے کہ یہ لوگ علم نہیں رکھتے۔

حضرات محترم!

اسلام میں مذہبی رواداری کے بارے میں یہ وہ بنیادیں ہیں جن پر ہماری تہذیب اور ثقافت کی عمارت قائم ہے۔ ان

اصولوں کی بنا پر مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالٰی کے تمام نبیوں اور رسولوں پر ایمان لائیں اور تمام کا تذکرہ عزت و احترام سے کریں۔ ان میں سے کسی نبی کے پیروکاروں پر کوئی زیادتی نہ کرے ان کے ساتھ معاملات اور تعلقات اچھے رکھے۔ ان کے ساتھ نرمی سے پیش آئے' نرمی سے بات کرے' ان کا ایک اچھا پڑوسی ثابت ہو ان کی ضیافت و دعوت قبول کرے۔ اہل کتاب سے قرابتی تعلقات بھی قائم کرنے کی اجازت ہے تاکہ خاندانوں کے درمیان تعلقات پیدا ہوں اور خونی رشتے قائم ہوں۔ پھر اسلام نے اسلامی حکومت پر یہ بھی لازم کیا ہے کہ وہ غیر مسلموں کی عبادت گاہوں کی حفاظت کرے' ان کے عقائد میں مداخلت نہ کرے۔ کسی مقدمے کے فیصلے میں ان پر زیادتی نہ کرے اور عام حقوق و فرائض کے باب میں ان کو مسلمانوں کے مساوی درجہ دے۔ ان کی زندگی' ان کی آبرو اور ان کے مستقبل کی حفاظت کی اسی طرح ضمانت دے جس طرح وہ ایک مسلمان کی زندگی' اس کی آبرو' اور اس کے مستقبل کی حفاظت دیتی ہے۔

غور کرنے کی بات ہے کہ جس دین نے دیگر ادیان کے معاملے میں اس قدر مساوات' رواداری اور وسعت قلبی کا درس دیا ہے وہ خود اسلام کے اندر موجود دیگر مسالک اور علمی اختلاف رائے رکھنے والوں سے کس درجہ محبت' احترام' تعاون اور رواداری کا خواہاں ہو گا۔ آج اسلام کی ان تعلیمات پر عمل کی اشد ضرورت ہے۔

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

اسلامی معاشرہ میں خواتین کا کردار

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰٓی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَھْلِ بَیْتِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ:

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آیات مبارکہ:

۱۔ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُھُمْ بِالْاُنْثٰی ظَلَّ وَجْھُہٗ مُسْوَدًّا وَّھُوَ کَظِیْمٌ ﴿۵۸﴾ یَتَوَارٰی مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِہٖ اَیُمْسِکُہٗ عَلٰی ھُوْنٍ اَمْ یَدُسُّہٗ فِی التُّرَابِ اَلَا سَآءَ مَا یَحْکُمُوْنَ ﴿۵۹﴾ (النحل ۱۶: ۵۸، ۵۹)

جب ان میں سے کسی کو بیٹی پیدا ہونے کی خوشخبری دی جاتی ہے تو اس کے چہرے پر کلونس چھا جاتی ہے اور وہ بس خون کا سا گھونٹ پی کر رہ جاتا ہے۔ لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے کہ اس بری خبر کے بعد کیا کسی کو منہ دکھائے۔ سوچتا ہے کہ ذلت کے ساتھ بیٹی کو لیے رہے یا مٹی میں دبا دے۔

۲ (الف) وَاْمُرْ اَھْلَکَ بِالصَّلٰوۃِ وَاصْطَبِرْ عَلَیْھَا (طٰہٰ ۲۰: ۱۳۲)

اپنے گھر والوں کو نماز ادا کرنے کا حکم دیا کرو اور نماز پر ثابت قدم رہو۔

۲/ب۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا (التحریم ۶۶:۶)

اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ

۳۔ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ (النساء ۴:۳۴)

پس جو صالح عورتیں ہیں وہ اطاعت شعار ہوتی ہیں اور مردوں کے پیچھے اللہ کی حفاظت و نگرانی میں ان کے حقوق کی حفاظت کرتی ہیں۔

۴۔ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ (النساء ۴:۱۱)

مردوں کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے۔

۵۔ وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ (النساء ۴:۱۱)

اور اگر ایک ہی لڑکی وارث ہو تو آدھا ترکہ اس کا ہے۔

۶۔ فَإِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثَانِ مِمَّا تَرَكَ

اگر میت کی وارث دو بہنیں ہوں تو وہ ترکے میں سے دو تہائی کی حقدار ہوں گی۔

۷۔ وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ (الاحزاب ۳۳:۳۳)

اور گھروں میں ٹک کر رہو۔

۸۔ يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا ﴿۱﴾ (النساء ۴:۱)

اے لوگو اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی جان سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت مرد اور عورت دنیا میں پھیلا دیئے۔ اس اللہ سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنے حق مانگتے ہو' اور رشتہ اور قرابت کے تعلقات کو بگاڑنے سے پرہیز کرو۔ یقین جانو کہ اللہ تم پر نگرانی کر رہا ہے۔

۹۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ (التحریم ۶۶:۶)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو اس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے۔

۱۰۔ لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِمَّا اكْتَسَبُوا ۖ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِمَّا اكْتَسَبْنَ (النساء ۴:۳۲)

جو کچھ مردوں نے کمایا ہے اس کے مطابق ان کا حصہ ہے اور جو کچھ عورتوں نے کمایا ہے اس کے مطابق ان کا حصہ ہے۔

احادیث شریفہ :

واللہ انا کنا فی الجاھلیۃ ما نعد للنساء امرا حتی انزل اللہ فیھن ما انزل و قسم لھن ما قسم (ترمذی)

خدا کی قسم ہم جاہلیت کے زمانہ میں عورتوں کو کوئی حق نہیں دیتے تھے۔ یہاں تک کہ اللہ نے ان کے بارے میں احکام نازل فرمائے اور ان کے حصے مقرر کیے۔

الجنۃ تحت اقدام الامھات (بخاری)

جنت ماؤں کے قدموں تلے ہے۔

فانما ابنتی بضعۃ یریبنی ما رابھا و یوذینی ما آذاھا (حاکم بیہقی)

بے شک میری بیٹی میرے جسم کا ٹکڑا ہے۔ جو چیز اس کو پریشان کرے وہ مجھے پریشان کر دیتی ہے۔ اور جو اس کو اذیت دیتی ہے۔ وہ مجھے اذیت دیتی ہے۔

عن ابن عمر رضی اللہ عنھما قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیتہ الامام راع والرجل راع علی اھل بیتہ والمرأۃ راعیۃ لمعلی بیت زوجھا وولدہ و الخادم راع فی مال سیدہ فکلکم راع و کلکم مسئول عن رعیتہ (متفق علیہ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے ہوئے سنا: "تم میں سے ہر ایک نگران ہے اور ہر ایک سے اس کی رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ چنانچہ امام (حاکم) اپنی رعیت کا نگران، مرد اپنے گھر کا نگران ہے۔ عورت اپنے شوہر کے گھر اور اس کی اولاد کی نگران ہے اور خادم اپنے سردار کے مال کا نگران ہے۔ پس تم میں سے ہر ایک نگران ہے اور ہر ایک سے اس کی رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا"۔

عن ابی شریح الخزاعیؓ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: من کان یؤمن باللہ والیوم الاخر فلیحسن الی جارہ و من کان یومن باللہ والیوم الاخر فلیکرم ضیفہ و من کان یومن باللہ والیوم الاخر فلیقل خیرا او یصمت (متفق علیہ)

حضرت ابی شریح خزاعی نے روایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہے تو اسے چاہیے کہ اپنے پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کرے اور جو شخص اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہے تو اسے چاہیے کہ اپنے مہمان کی عزت کرے اور جو شخص اللہ پر اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہے تو اسے چاہیے کہ اچھی بات کہے یا خاموش رہے۔

حضرات گرامی!

اسلامی معاشرہ میں خواتین کے کردار سے متعلق گفتگو کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ معاشرے کا تعارف کروایا جائے پھر یہ جائزہ لیا جائے کہ معاشرہ میں مسلمان خواتین کا کردار کیا ہونا چاہیے۔ نیز دنیا میں موجود عام معاشروں اور اسلامی معاشرہ میں جو فرق ہے وہ بھی واضح ہو جائے۔ تو آیئے سب سے پہلے معاشرہ کا تعارف حاصل کریں۔

حضرات محترم! معاشرہ کسی غیر مرئی یا خیالی شے کا نام نہیں بلکہ یہ اجتماعیت کا نام ہے۔ اگر معاشرے کا جائزہ لیا جائے تو یہ

اندازہ ہوتا ہے کہ فرد ہی معاشرہ کا جزو اول ہے۔ افراد مل کر گھر بناتے ہیں اور مختلف گھروں سے محلے تشکیل پاتے ہیں اور یہ محلے شہروں میں تبدیل ہوتے ہیں۔ حالات کی تبدیلی کے ساتھ معاشرتی مسائل کی نوعیت بھی تبدیل ہوتی رہتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جنگلوں بیابانوں میں معاشرتی مسائل پیدا نہیں ہوتے جبکہ وہاں جانور بھی بڑی تعداد میں رہتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ معاشرہ اس اجتماعی نظام کو کہتے ہیں جہاں ہوش مند اور باشعور افراد مل جل کر رہتے ہیں۔ مفکر اسلام امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے سب سے پہلے اجتماع انسانی کو مثبت انداز میں فطرت کے تقاضوں کے مطابق قرار دیا ہے۔ انہوں نے اس کے دو اہم عوامل بیان کیے ہیں۔ ایک بقائے نسل اور دوسرا اسباب زندگی کی فراہمی۔ انہی دو عوامل نے انسان کو باہم مل جل کر زندگی بسر کرنے پر مجبور کیا لہٰذا انسان ابتدائے آفرینش سے ہی اجتماعیت پسند رہا ہے اور معاشرتی ارتقا کی منازل سے گزر کر آج یہاں تک پہنچا ہے۔

حضرات محترم!

اگر آج ہم اصلاح معاشرہ کی بات کرتے ہیں تو اس سے واضح ہوتا ہے کہ معاشرہ میں بگاڑ آچکا ہے اور معاشرے میں بگاڑ اسی وقت پیدا ہوتا ہے جب فطرت کے بنائے ہوئے قانون توازن توڑ دیئے جاتے ہیں اور معاشرتی اقدار سے غفلت برتی جاتی ہے۔ معاشرے میں تبدیلیاں اس طرح دبے پاؤں آتی ہیں کہ ہم انہیں محسوس بھی نہیں کر پاتے۔

حضرات محترم!

آج معاشرتی انحطاط اس حد تک ہو چکا ہے کہ کوئی شخص بھی حالات سے مطمئن نہیں اور روز بروز ہر شخص کی پریشانیوں میں اضافہ ہو رہا ہے۔ ہمارا روایتی معاشرہ ہر لحاظ سے مربوط تھا۔ لیکن آج اس کے اقدار کی کڑیاں ڈھیلی ہو چکی ہیں۔ ہم تمام وسائل کے باوجود خطرات کے سامنے بے بس نظر آتے ہیں۔ آپس کا میل ملاپ اور وابستگی۔ ایک دوسرے سے تعلق اور ذمہ داری لاپرواہی اور بے اعتنائی میں بدل گئی ہے' زندگی سے اعتدال اور رواداری اٹھ رہی ہے خاندان ٹوٹ رہے ہیں۔ رشتے بکھر رہے ہیں۔ الفت و رفاقت کا قحط واقع ہو رہا ہے۔

بظاہر ارکان دین پر عمل ہو رہا ہے اور ہم مسلمان بھی کہلاتے ہیں لیکن اضطراب' انتشار' بے چینی' خونریزی' توڑ پھوڑ' حادثات' ڈکیتیاں' اغوا' اسمگلنگ' رشوت خوری' حرام خوری' منشیات کا استعمال اور دھماکوں کے واقعات بھی عام ہیں۔ آج کل نہ تو زمین نہ ہی فضا نہ سمندر نہ ہی دریا کوئی جگہ خطرے سے خالی نہیں۔ نہ ہی کوئی مسکن محفوظ۔ آج ایک مرتبہ پھر یوں لگتا ہے کہ انسان وہ سب کچھ بھول کر اسفل السافلین کی طرف جا رہا ہے جس کا نقشہ قرآن مجید نے یوں کھینچا ہے۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ (سورہ الروم ۳۰:۴۱)

خشکی اور تری میں فساد برپا ہو گیا ہے لوگوں کی اپنی کمائی سے۔

حضرات گرامی!

یہ سب نتیجہ ہے ہمارے اپنے اعمال کا اللہ تعالیٰ اور رسولؐ کی ہدایت سے منہ موڑنے کا' انفرادی و اجتماعی طور پر شریعت پر نہ چلنے کا' حقوق العباد ادا نہ کرنے کا' بلکہ اس سے آگے بڑھ کر دوسروں کے حقوق مارنے کا' اور اسلام کے دیے ہوئے معاشرتی نظام کی ٹوٹ پھوٹ کا' جسے ہمارے اسلاف نے کسی حد تک اپنایا تھا۔ اسلام کے معاشرتی نظام میں عورت کا بڑا کردار ہے بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ عورت کا کردار مرد سے زیادہ ہی ہے تو بے جا نہ ہو گا۔ ہماری کتنی ہی معاشرتی' تمدنی اور تہذیبی روایات ہیں جن میں عورت نمایاں ہے۔ اس لیے آیئے عورت کے مقام و مرتبہ اور اس کے کردار کے بارے میں کچھ گفتگو کریں۔

معزز سامعین!

مذاہب عالم میں اسلام دنیا کا پہلا اور آخری دین ہے جس نے عورت کو ماں' بیٹی اور بیوی کی حیثیت سے باوقار رتبہ دیا۔ ماں کے پاؤں تلے جنت ملنے کی نوید سنائی' بیٹی والدین کے لیے دوزخ سے چھٹکارے کا موجب بنی اور رحمت الٰہی کی حیثیت ملی تو بیوی مرد کی شریک حیات' ہم دم و ہمراز اور غمخوار کہلائی۔

اسلام عورت اور مرد میں بحیثیت انسان کوئی فرق نہیں کرتا سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں ہر قدم پر عورتوں کے حقوق ان کی دل جوئی اور انتہا درجے کے حسن سلوک کا خیال رکھا وہاں اپنی تعلیمات و ارشادات کے ذریعہ سے مسلمان عورتوں کی ذمہ داریوں اور ان کے فرائض کا بھی جا بجا حکم فرمایا ہے۔ یہ انسانی فطرت ہے کہ اسے حقوق لینے کی تو جلدی ہوتی ہے لیکن دیتے وقت بددلی کی جاتی ہے۔ اسی لیے شریعت نے ایثار اور احسان سے کام لیتے ہوئے دوسروں کے حقوق کی ادائیگی پر زور دیا ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے کائنات کا نظام بنایا ہے اس طرح اس نے گھر کا نظام بھی قائم کیا ہے۔ گھر معاشرہ کی اکائی بھی ہے اور معاشرہ کا نقطہ آغاز بھی۔

اسلام گھر کے ماحول کو پرامن اور خوشگوار رکھ کر افراد کی تربیت کا مرکز بناتا ہے۔ کنبے کا محور عورت ہوتی ہے۔ انسان کی کردار سازی کا ادارہ اور اہم ترین تربیت گاہ اس کا گھر اور اس کی ماں کی گود ہے۔ جس ماحول میں بچہ پرورش پاتا ہے اس ماحول کی چھاپ اس کی شخصیت پر لگتی ہے عورت معاشرہ کی تعمیر کا لازمی جزو ہے۔ جس کا کردار و عمل معاشرہ کی ترقی کے لیے بہت اہم ہے۔ لہٰذا عورت کی اہمیت کے پیش نظر اگر محسن نسواں صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طرف عورت کے حقوق کی تلقین فرمائی تو دوسری طرف اپنی تعلیمات کے ذریعہ سے اس پر چند اہم فرائض بھی عائد فرمائے ہیں۔

محترم سامعین!

اسلام نے خواتین کو علم حاصل کرنے کا حق دیا ہے ساتھ ہی اس کا حصول فرض قرار دیا ہے۔ کیونکہ عورت کے لیے سب سے پہلے اپنے حقوق کی پہچان اور پھر ان کے حصول کے لیے علم نہایت ضروری ہے۔ اگر عورت خود صحیح تعلیم کے زیور سے آراستہ نہ ہوگی تو پھر وہ کیوں کر اپنی اولاد کو علم منتقل کر سکے گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک علم خیر و برکت کا سرچشمہ ہے۔ تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں بالخصوص حقوق و فرائض کا فلسفہ صحت مند معاشرے کے لیے بے حد ضروری قرار دیا گیا ہے۔ معاشرہ کو بگاڑ سے بچانے اور اس کی اصلاح کرنے میں ویسے تو مرد و زن دونوں برابر کے شریک ہیں' لیکن اگر غور کیا جائے تو کسی بھی فلاحی کام کے لیے اگر مرد اٹھے گا تو وہ صرف اپنی ذات کو ساتھ لے کر چلے گا اگر عورت اس مشن کو اپنے ہاتھ میں لے گی تو اس کے ساتھ پورا خاندان چلے گا۔ اس طرح اصلاح معاشرہ میں عورت زیادہ موثر ثابت ہو سکتی ہے۔ لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ مجموعی طور پر آج عورت اصلاح معاشرہ میں کوئی کردار ادا نہیں کر رہی بلکہ بدقسمتی سے مسلمان خواتین کچھ ایسی اخلاقی پستی کی طرف مائل ہیں اور ایسی روش اپنا رہی ہیں کہ جس کی وجہ سے وہ اپنے اس اہم کردار کو اور بنیادی فریضے کو نبھانے سے قاصر ہیں۔ جب ایک ماں خود صوم و صلوٰۃ' خیر و خیرات اور اطاعت و تشکر کی پابند نہیں ہوگی تو پھر وہ یہ صالح اوصاف اولاد کو کیوں کر منتقل کر سکے گی؟ اور کس طرح اپنے عیال کو معاشرے کا مفید عنصر بنا سکے گی؟

حضرات گرامی!

اگر خاتون خانہ کا اپنا اخلاق و کردار قابل تحسین و تقلید ہوگا تب ہی اس کی شخصیت کنبہ کے دیگر افراد پر اثر انداز ہوگی آج کل ہمارے گھروں میں اور گھروں کے باہر اسلامی اقدار کی کوئی پابندی نہیں کی جاتی حالانکہ یہ ہماری روایات کا حصہ تھیں۔

پہلے زمانے میں گھر کے بڑے بوڑھے اپنے بچوں کو اسلامی تاریخی واقعات اور قصے کہانیاں سناتے تھے جن سے بچوں کے کردار سنورتے تھے ان کے دلوں میں اچھائی اور نیکیاں جنم لیتی تھیں۔ وہ روایت اب ختم ہو چکی ہے۔ اس کی جگہ اب ٹی وی اور وی سی آر نے لے لی ہے جنھوں نے ہماری اخلاقی روایات کا جنازہ نکال دیا ہے۔ آج عورتیں اکثر و بیشتر اپنی گفتگوؤں اور مجلسوں میں دوسری عورتوں کی غیبت کرتی اور ہنسی مذاق اڑاتی ہیں اور یہ ان کا محبوب مشغلہ ہے۔ حالانکہ قرآن کریم میں ارشاد ربانی ہے۔

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ ﴿١﴾

تباہی ہے ہر اس شخص کے لیے (جو منہ در منہ) لوگوں پر طعن اور (پیٹھ پیچھے) برائیاں کرنے کا خوگر ہے۔

حضرات گرامی!

آج خواتین میں فضول خرچی و اسراف کی عادت بھی بدرجہ اتم پائی جاتی ہے۔ گھروں میں اخراجات اس قدر بڑھا دیے گئے ہیں کہ کسب معاش کرنے والا پریشان ہو جاتا ہے۔ کبھی وہ قرض کے بوجھ تلے دبا رہتا ہے تو کبھی حرام روزی حاصل کرنے کی طرف مائل ہو جاتا ہے پھر یہ عمل معاشرے کے لیے ناسور کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ چادر سے زیادہ پیر پھیلانے سے انسان ہر وقت قلبی پریشانی اور ذہنی دباؤ کا شکار رہتا ہے۔ یہ اعصابی تناؤ کئی ایک بیماریوں کا پیش خیمہ بن جاتا ہے۔ خصوصاً شادی بیاہ کے مواقع پر تہواروں پر 'رسوم و رواج' کو ضروری سمجھ کر کرتے رہنا' ہر طرف عام ہے۔

حضرات گرامی!

قرآنی تعلیمات نے ستر پوشی و حجاب پر بہت زور دیا ہے۔ شرعی ستر و حجاب کی پابندی نہ کرنا گناہ بھی ہے اور معاشرتی بگاڑ کا ذریعہ بھی ہے۔ اگر خواتین اس بگاڑ کو روکنے کی کوشش کریں تو معاشرہ کی اصلاح بہت آسان ہو جائے گی۔ پردہ پوشی صحیح معنی میں کسی بھی طرح ترقی و فلاح میں حائل نہیں ہوتی۔ نیک اخلاق فطری ہیں۔ اسلام دین فطرت ہے اور فطرت انسان کو نقصان نہیں دیتی۔ جائز پردے سے عورت کی عفت و عصمت محفوظ رہتی ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ وہ مردوں کے فاسد ارادوں اور شر سے محفوظ رہتی ہے۔ اس دینی حکم سے غفلت برتنے میں عورت نہ صرف خود گناہ گار ہوتی ہے بلکہ مخالف جنس کو بھی گناہ گار بناتی ہے۔

مسلمان عورت تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے ہی ان حادثات سے محفوظ ہے جس سے دنیا کی دیگر عورتوں کو دوچار ہونا پڑتا ہے۔ دین اسلام نے خواتین کو منظر عام یا مخلوط محفلوں سے گریز کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔ وہ اپنے گھروں کی زیب و زینت بننے کے ساتھ معاشرہ کا مفید فرد بن سکتی ہے۔ سورہ احزاب میں ارشاد ربانی ہے

وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ (الاحزاب ۳۳:۳۳)

اپنے گھروں میں ٹک کر رہو اور سابق دور جاہلیت کی سی سج دھج نہ دکھاتی پھرو۔

شرم و حیا عورت کی زینت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حیا کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرمایا الحیاء شعبة من الایمان حیا ایمان کا حصہ ہے اور یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ بے حیائی بداخلاقی ہے اور بداخلاق معاشرہ کی جڑیں کھوکھلی کر دیتی ہے۔ خواتین کو خصوصاً اس فعل سے بچنا چاہیے۔

اسلام نے عورت کا اصل دائرہ کار اس کے گھر کو قرار دیا ہے۔ نیز تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے نقطہ نظر سے عورت کے لیے تربیت کا یہ بھی ایک حصہ ہے کہ اس کے لیے حدود کار متعین کیے جائیں ایسا کرنے سے اس کی آزادی کسی بھی طرح سے سلب نہیں ہوتی۔ عورت کی تعلیم میں یہ بھی شامل ہے کہ اس کو فکری طور پر ذہن نشین کرایا جائے کہ اس کی عملی

زندگی کی بھلائی کے لیے یہ حدود مناسب ہیں۔ معاشرہ کی فلاح کے لیے لازم ہے کہ عورت کی زندگی سے وہ تمام مواقع ختم کر دیئے جائیں جن کا اس کی تربیت پر اثر انداز ہونے کا خدشہ ہے۔ اور جس سے معاشرے کے بگاڑ کا خطرہ ہے۔

اس تعلیم و تربیت کے نتیجے میں ایک ایسا معاشرہ وجود میں آتا ہے جس سے مرد اپنی حدود پہچانتا ہے اور عورت اپنے اعمال کا تعین کرتی ہے۔ اس ذمہ داری سے اسلامی معاشرہ پرسکون باوقار اور مستحکم ہوتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا ۖ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ (النساء۴:۳۲)

جو کچھ مردوں نے کمایا ہے اس کے مطابق ان کا حصہ ہے اور جو کچھ عورتوں نے کمایا ہے اس کے مطابق ان کا حصہ ہے۔

حضرات گرامی!

اولاد میں بیٹے بیٹیاں دونوں شامل ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے مطابق اگر بیٹے دنیا کی نعمت ہیں تو بیٹیاں اللہ کی رحمت ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے تین بیٹیوں کی پرورش عمدگی سے کی وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔ پرورش میں جسمانی آرام کے ساتھ روحانی اور جذباتی تربیت بھی شامل ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ بیٹوں کی دینی تعلیم و تربیت کے ساتھ ساتھ بیٹیوں کی بھی دینی تعلیم و تربیت کی جائے۔

حضرات!

ہمارے معاشرے میں ساس بہوؤں کے جھگڑے والدین اور بچوں کے فساد نے گھر کے ماحول کو مکدر بنایا ہوا ہے۔ اس کی اصلاح میں بھی خواتین ہی اہم کردار ادا کر سکتی ہیں۔ اسلام نے صلہ رحمی کرنے اور بڑے بوڑھوں کے احترام کا حکم دیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے والدین کی نافرمانی کو بڑے گناہوں میں شمار کیا ہے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کی ایک مقبول حدیث ہے۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ کون سا عمل افضل ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وقت پر نماز ادا کرنا۔ عرض کیا پھر' فرمایا: والدین سے نیک سلوک۔ بعض احادیث مبارکہ میں ماں کی خدمت میں حاضری کو جہاد پر ترجیح دی گئی ہے۔ بعض احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ صلہ رحمی کے نتیجے میں رزق کی فراخی اور کشائش ہوتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے وزنی چیز جو قیامت کے دن مومن کے ترازو میں رکھی جائیگی وہ اس کا حسن اخلاق ہوگا۔

محترم سامعین!

جب تک اسلامی معاشرہ میں خواتین اپنی سوچ و فکر قرآن و سنت کے مطابق نہیں ڈھال لیتیں' اس وقت تک معاشرے کی خرابیاں دور نہیں کی جا سکتیں۔ جو مومنات عملاً اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتی ہیں وہ گفتار میں سچی اور اپنے معاملات میں کھری ہوتی ہیں۔ جھوٹ' مکر و فریب' بدنیتی' حسد و بغض سے پاک ہوتی ہیں۔ کفایت شعاری و قناعت' صبر و شکر ان کی سرشت میں شامل ہوتا ہے اور ان کے ہر کام میں راستی و صداقت کا پہلو نمایاں ہوتا ہے۔ کوئی خوف' کوئی لالچ' خواہش نفس کا کوئی تقاضا ان کو سیدھی راہ سے ہٹانے میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ عورت جب ان خصوصیات کی مالک ہو تو وہ اپنے اخلاق صالح کے ذریعے سے اپنے اہل خانہ اور خاندان کو بھی متاثر کرتی ہے۔ یہی افراد معاشرے کی اصلاح کے علمبردار بن جاتے ہیں۔ اس طرح شمع سے شمع جلتی رہتی ہے۔ اسلامی معاشرہ میں مادہ پرستی کے بجائے اخلاقی اور روحانی قدروں کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔ اخلاقی تعلیمات کی رو سے مادہ پرستی کے بجائے معیار انسانیت کو بلند کرنے پر زیادہ زور دیا جاتا ہے۔ کیونکہ اسلام کی اساس عقیدہ توحید

اور عقیدہ آخرت پر ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے اور یوم سزا و جزا پر ایمان و یقین رکھتا ہے، وہ اپنا تزکیہ نفس کر لیتا ہے۔ اگر عورت معاشرہ کا ایک فرد ہونے کی حیثیت سے اسلامی سوچ و فکر کے تابع زندگی گزارے اور مضبوط عمل و کردار کی مالک ہو تو وہ معاشرہ کی اصلاح کا کام بڑی خوش اسلوبی سے کر سکے گی۔

دین اسلام چاہتا ہے کہ اسلامی معاشرہ کی ہر خاتون دین و اخلاق حمیدہ کا مجسمہ ہو اور اسلامی تعلیمات کی پابند ہو۔ عورت کے لیے اخلاق کی پختگی اور اس کی سیرت کی تعمیر معاشرے کی صحت کے لیے بے حد ضروری ہے۔ اس کے حصول کا سرچشمہ تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور اسوہ حسنہ ہے۔

و آخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

تجارت اور کاروبار کے اسلامی اصول (۱)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَهْلِ بَيْتِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ:

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم

آیات مبارکہ:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۔ (النساء ۴:۲۹)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو' آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل طریقوں سے نہ کھاؤ' لین دین ہونا چاہیے آپس کی رضامندی سے۔

وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۝ (بنی اسرائیل ۱۷:۳۵)

پیمانے سے دو تو پورا بھر کر دو' اور تولو تو ٹھیک ترازو سے تولو۔ یہ اچھا طریقہ ہے اور بلحاظ انجام بھی یہی بہتر ہے۔

أَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿۸۵﴾ بَقِيَّتُ اللَّهِ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ۚ (ھود ۸۶،۸۵:۱۱)

(حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا) اور اے برادران قوم، ٹھیک ٹھیک انصاف کے ساتھ پورا ناپو اور تولو اور لوگوں کو ان کی چیزوں میں گھاٹا نہ دیا کرو اور زمین میں فساد نہ پھیلاتے پھرو۔ اللہ کی دی ہوئی بچت تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم مومن ہو"۔

احادیث شریفہ:

عن رافع بن خديج قال قيل يا رسول الله اى الكسب اطيب؟ قال: عمل الرجل بيده و كل بيع مبرور (رواه احمد۔ مشكوة باب الكسب و طلب الحلال)

رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کونسی کمائی پاکیزہ ہے؟ آپؐ نے فرمایا آدمی کا اپنے ہاتھ سے (محنت کر کے) کمانا اور ہر ایسی بیع (تجارت) جس میں جھوٹ اور خیانت نہ ہو۔

عن ابى سعيد قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم التاجر الصدوق الامين مع النبيين و الصديقين والشهداء (رواه الترمذى۔ مشكوة)

ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سچ بولنے والا ایمان دار تاجر (قیامت کے دن) نبیوں، صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہو گا۔

عن ابى قتادة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اياكم و كثرة الحلف فى البيع فانه ينفق ثم يمحق (رواه مسلم)

ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خرید و فروخت میں زیادہ قسمیں کھانے سے بچو کہ یہ سامان کے بکنے کا سبب تو بنتی ہیں (لیکن اس سے) برکت مٹ جاتی ہے۔

حضرات گرامی!

باعزت زندگی گزارنے کے لیے ضروری ہے کہ آدمی اپنی روزی خود اپنے ہاتھوں سے کمائے اور کسی پر بوجھ نہ بنے یوں تو حلال روزی کمانے کے بہت سے ذرائع اور پیشے دنیا میں موجود ہیں مگر اسلام میں جو مقام تجارت کو حاصل ہے وہ کسی اور پیشہ کو نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام، صحابہ کرام، صالحین امت اور بہت سے ائمہ وقت نے بھی اسے اپنا ذریعہ معاش بنایا۔ خود ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عملی زندگی کا آغاز تجارت ہی سے فرمایا تھا اور اپنی صداقت اور امانت کے سبب اپنے معاشرہ میں وہ مقام حاصل کیا جو کسی اور کو میسر نہ ہوا۔ حتیٰ کہ آپؐ کا لقب صادق و امین مشہور ہو گیا۔ آپؐ کا ارشاد ہے سب سے بہتر کمائی اپنے ہاتھ کی کمائی اور ہر وہ کاروبار ہے جس میں جھوٹ اور خیانت نہ ہو نیز آپؐ نے تجارت کی معاشی فضیلت ان الفاظ میں بیان فرمائی۔ "اگر دنیا کی معاش کو دس حصوں میں تقسیم کیا جائے تو اس کے نو حصے تجارت میں ہیں"

تجارت کی اس فضیلت اور برکت کی بناء پر بڑا خوش نصیب ہے وہ تاجر جو دنیا میں اپنے معاش کے حصول کے ساتھ ساتھ آخرت میں بھی بلند و بالا مقام پائے۔ اور بڑا بدبخت اور بدنصیب ہے وہ تاجر جو جھوٹ اور بے ایمانی کے ذریعے سے اپنی حلال روزی کو حرام بنا کر حاصل کرے اور اپنی دنیا و آخرت دونوں کو تباہ کر لے۔

حضرات محترم!

تجارت کے ایک مقدس اور اہم پیشہ ہونے کے بارے میں ابھی جو کچھ عرض کیا گیا اسی تقاضے کے پیش نظر اسلام نے جہاں ہمیں زندگی کے دوسرے معاملات کو درست کرنے اور درست رکھنے کے لیے بنیادی ہدایات دی ہیں اس پیشہ کے تقدس کو برقرار رکھنے اور تجارتی معاملات کی بہتری کے لیے بھی قرآن کریم اور احادیث نبوی میں اہم ہدایات دی گئی ہیں۔ پیشتر اس کے کہ ہم تجارت کے سلسلہ میں قرآن و سنت کی دی ہوئی ہدایات جاننے کی کوشش کریں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم تجارت کی حیثیت اور اہمیت پر غور کریں جو قرآن و سنت میں بیان ہوئی ہے۔

تجارت کی اہمیت قرآن کریم اور سنت نبوی کی روشنی میں

محترم سامعین!

تجارت کا تعلق چونکہ معاش کے ذریعوں سے ہے اس لیے آیئے سب سے پہلے ہم ذرائع معاش سے متعلق چند آیات قرآنی پر غور کریں۔ اس غور و فکر کے نتیجے میں ہمیں یہ معلوم ہو سکے گا کہ اس پیشہ تجارت کی حیثیت اور اہمیت کیا ہے۔ اس کے بعد ہی ہم صحیح طور پر یہ معلوم کر سکیں گے کہ اسلام نے تجارت سے متعلق جو اخلاقی ضابطے مقرر کیے ہیں' ایک تاجر کے لیے ان پر عمل کیوں اور کتنا ضروری ہے اور ان اخلاقی ضوابط پر عمل سے تجارت کا پیشہ کس طرح معاشرہ کے افراد کے لیے مفید و مددگار بن سکتا ہے۔ قرآن کریم کے کچھ ارشادات یہ ہیں:

وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ ﴿۱۹﴾ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ ﴿۲۰﴾ (الحجر ۱۵: ۲۰)

ہم نے زمین کو پھیلایا' اس میں پہاڑ جمائے' اس میں ہر نوع کی نباتات ٹھیک ٹھیک نپی تلی مقدار کے ساتھ اگائی اور اس میں معیشت کے اسباب فراہم کیے' تمہارے لیے بھی اور ان بہت سی مخلوقات کے لیے بھی جن کے رازق تم نہیں ہو۔

وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۰﴾
(الاعراف ۷: ۱۰)

ہم نے تمہیں زمین میں اختیارات کے ساتھ بسایا اور تمہارے لیے یہاں سامان زیست (یعنی روزی کے اسباب) فراہم کیے' مگر تم لوگ کم ہی شکرگزار ہوتے ہو۔

اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ۭ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا ۭ وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۳۲﴾ (الزخرف ۴۳: ۳۲)

کیا تیرے رب کی رحمت یہ لوگ تقسیم کرتے ہیں؟ دنیا کی زندگی میں ان کی گزر بسر کے ذرائع تو ہم نے ان کے درمیان تقسیم کیے ہیں' اور ان میں سے کچھ لوگوں کو کچھ دوسرے لوگوں پر بدرجہا فوقیت دی

ہے تاکہ یہ ایک دوسرے سے خدمت لیں۔ اور تیرے رب کی رحمت (یعنی نبوت) اس دولت سے زیادہ قیمتی ہے جو (ان کے رئیس) سمیٹ رہے ہیں۔

ان آیات کے مفہوم پر غور و فکر کرنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی زندگی خوشگوار طریقے سے گزارنے کے لیے دنیا میں جو بے شمار نعمتیں عطا فرمائی ہیں مختلف ذرائع معاش بھی ان نعمتوں میں سے بڑی نعمت ہیں۔ اس اہم نکتہ کے ساتھ اگر آپ تجارت کی اس فضیلت اور اہمیت کو بھی سامنے رکھیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف ارشادات میں بیان فرمائی ہیں تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ذرائع معاش میں سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کے نزدیک فضیلت اور مالی فوائد کے اعتبار سے تجارت سب سے بہتر پیشہ اور کاروبار ہے۔ جیسا کہ نبی کریمؐ کے یہ ارشادات آپ سن چکے ہیں کہ "سچا اور ایماندار تاجر قیامت کے دن نبیوں' صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ اٹھایا جائے گا" یعنی اسے اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ پسندیدہ بندوں کا قرب نصیب ہو گا۔ اور آپؐ کا یہ ارشاد کہ دنیا کی معاش کو اگر دس حصوں میں تقسیم کیا جائے تو اس کے نو حصے تجارت میں ہیں۔ یعنی دنیا میں تجارت سب سے زیادہ منافع بخش کاروبار ہے۔

حضرات!

تجارت کی اس فضیلت اور اہمیت کو جان لینے کے بعد اسلامی معاشرہ کے افراد میں سے جو لوگ بھی اس مقدس اور اہم پیشہ کو اختیار کریں انہیں ہمیشہ اپنے دل میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار رہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک مقدس اور مفید پیشہ سے منسلک ہونے کا اعزاز بخشا ہے۔ انہیں اہم پیشہ سے منسلک ہونے کا عملی شکر ان اصولوں پر عمل کر کے ادا کرنا چاہیے جو قرآن و سنت میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تجارت سے متعلق بیان فرمائے ہیں اور اس پیشہ تجارت کا تعلق چونکہ براہ راست افراد کی معاشرتی زندگی کے ساتھ ہے لہذا اس پیشہ کے معاشرتی تقاضوں کو ملحوظ رکھنا بھی ضروری ہے۔ اس سلسلہ میں انہیں اپنی تجارت اور کاروبار کو دیانت' امانت اور خدمت کے جذبے کے تحت انجام دینا ہو گا اور ایک مثالی تاجر کی حیثیت سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ حسنہ اپنے پیش نظر رکھنا ہو گا۔ اس طرح ان کی خالص معاشی سرگرمیوں کو بھی عبادت کا درجہ حاصل ہو جائے گا اور وہ اپنا کاروبار کرتے ہوئے بھی گویا ہمہ وقت عبادت الٰہی میں مصروف رہیں گے۔ اس لیے کہ اسلام میں عبادت کا مفہوم دیگر مذاہب کی طرح محض پوجا اور پرستش تک محدود نہیں بلکہ ایک مسلمان اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات کو ملحوظ رکھ کر جو بھی عمل کرتا ہے وہ عبادت اور بندگی ہی ہے کیوں کہ عبادت کا اصل مطلب فرمانبرداری اور تابعداری ہے۔

حضرات گرامی!

اب آیئے ہم ان ہدایات کو معلوم کریں جو قرآن و سنت میں تجارت سے متعلق بیان ہوئی ہیں یہ وہ اصول ہیں جو اسلام نے اس پیشہ کے متعلق مقرر کیے ہیں۔ اور بحیثیت ایک مسلمان تاجر کے تجارت اور کاروبار میں ان اصولوں کی پابندی ضروری ہے۔ اس سلسلہ میں چند اہم ہدایات یہ ہیں:

(۱) دیانت و امانت

دیانت و امانت ایمان کے اہم تقاضوں میں سے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ لا ایمان لمن لا امانت لہ اس ارشاد کی رو سے یوں تو مسلمان کو اپنے تمام معاملات میں دیانت داری ملحوظ رکھنی چاہیے لیکن مالی معاملات میں اس صفت کو ملحوظ رکھنا اشد ضروری ہے اس لیے کہ اسلام نے مالی معاملات میں سچائی اور ایمانداری پر بہت زور دیا ہے اور اس کو اعلیٰ

درجہ کی نیکی اور قرب الٰہی کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ تجارت بڑے پیمانے پر ہو یا چھوٹی دکان یا کاروبار ہو' اس کے بہتر طور پر چلنے کا انحصار دیانت اور امانت پر ہے۔ خریداروں کو اپنی دیانت و امانت ہی سے اعتماد میں لیا جا سکتا ہے تاکہ وہ یہ سمجھیں کہ تاجر یا دوکاندار محض نفع ہی نہیں کمانا چاہتا بلکہ یہ ہمارا خیرخواہ بھی ہے۔ اس طرح ان کو اس بات کا پورا بھروسہ اور اطمینان ہو گا کہ اس شخص کے ہاں ہمارے ساتھ کبھی کوئی دھوکہ نہیں ہو گا اور اس سے جو چیز بھی ہمیں ملے گی وہ ہر اعتبار سے صحیح اور درست ہو گی۔

حضرات محترم!

دیانت و امانت کا اولین پہلو یہ ہے کہ ناپ تول اور اوزان اور پیمانوں میں انصاف سے کام لیا جائے اور ان میں ہرگز کمی بیشی نہ کی جائے۔ جیسا کہ ابتداء میں پیش کی گئی آیت میں کہا گیا ہے کہ:

پیمانے سے کوئی چیز دو تو پورا بھر کر دو اور تولو تو ٹھیک (سیدھی) ترازو سے تولو۔

حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم تجارت پیشہ تھی اور ناپ تول میں کمی بیشی اس کا وطیرہ تھا چنانچہ آپ نے بھی اپنی قوم کو یہی ہدایت فرمائی تھی کہ اے برادران قوم! ٹھیک ٹھیک انصاف کے ساتھ ناپو اور تولو اور لوگوں کو ان کی چیزوں میں گھاٹا نہ دیا کرو۔ قوم نے آپ کی اس ہدایت کی پروا نہ کی اور اپنی تجارتی دھوکا دہی میں منہمک رہی اور آخر کار اللہ تعالیٰ کے عذاب سے تباہ و برباد ہو کر رہی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو تجارت میں امانت و دیانت کی اہمیت کی طرف اس طرح متوجہ فرمایا ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاصحاب الکیل والمیزان انکم قد ولیتم امرین هلکت فیه الامم السابقة قبلکم (ترمذی عن ابن عباسؓ)

آپؐ نے پیمانہ اور ترازو والے دوکانداروں اور تاجروں سے فرمایا دو ایسے اہم امور (ناپ تول کے پیمانے اور ترازو) تمہارے سپرد کیے گئے ہیں کہ جن میں کمی بیشی کرنے کے سبب پہلی قومیں ہلاکت سے دوچار ہوئیں۔

اسی طرح آپؐ نے ایک مرتبہ بازار میں ایک شخص کو دیکھا جو کوئی چیز ترازو سے تول رہا تھا تو آپؐ نے اسے تاکید فرمائی کہ:

"زن وارجح" یعنی تولنے میں ترازو کا پلڑا جھکتا ہوا تولا کرو (ابو داؤد۔ کتاب البیوع)

مطلب یہ تھا کہ ترازو سے کوئی چیز بالکل برابر تولنے میں بھی کمی کا احتمال رہتا ہے لہٰذا آپؐ نے اسے ہدایت فرمائی کہ وہ تولنے میں اصل وزن سے کچھ زیادہ تولا کرے تاکہ خریدار کو چیز مطلوبہ وزن سے کم نہ ملے۔

(۲) تقویٰ اختیار کرنا اور سچ بولنا

تجارت و کاروبار میں اسلام نے دیانت و امانت کے بعد جو دوسرا اہم اصول مقرر فرمایا ہے وہ تقویٰ اختیار کرنا ہے۔ اسی تقویٰ کا ایک مظہر سچ بولنا ہے۔ حضرت عبیدہ بن رفاعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا:

التجار یحشرون یوم القیامة فجاراً الا من اتقی و برو صدق (ترمذی)

یعنی روز حشر تاجر نافرمانوں کے ساتھ اٹھائے جائیں گے۔ سوائے اس تاجر کے جس نے تقویٰ اختیار کیا' نیکی کی اور سچ بولا"۔

تجارت میں تقویٰ یہ ہے کہ تاجر ہمیشہ اللہ تعالیٰ کا خوف اپنے دل میں رکھے اور عملاً ان تمام باتوں سے پرہیز کرے جس سے گاہک کو کسی طور پر بھی نقصان پہنچ سکتا ہو۔ مثلاً ناپ تول میں گڑبڑ نہ کرے عیب دار اور نقلی مال نہ فروخت کرے' اشیاء میں ملاوٹ نہ کرے اور منافع بھی جائز وصول کرے۔

اس طرح گاہک کو سچ بول کر اعتماد میں لے۔ جھوٹ بول کر اسے فریب اور دھوکا نہ دے۔ خصوصاً" اپنا مال بیچنے کے لیے جھوٹی قسموں سے پرہیز کرے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تجارت اور کاروبار میں جھوٹی قسمیں کھانے سے بھی سختی سے منع فرمایا ہے۔ آپؐ کا ارشاد ہے:

ایاکم و کثرة الحلف فی البیع فانه ینفق ثم یمحق (مسلم)

لوگو! تجارت و کاروبار میں زیادہ قسمیں کھانے سے بچو اس لیے کہ اس سے بلاشبہ مال تو زیادہ بکتا ہے مگر آخر کار اس کے نتیجے میں تجارت سے برکت ختم ہو جاتی ہے۔

اس سے پہلے جو حدیث نبوی بیان ہوئی ہے اس میں آپؐ نے ایک اچھے تاجر کی صفت میں اس کا نیک ہونا بھی بتایا ہے۔ تجارت میں نیکی کا مفہوم یہ ہے کہ تاجر اپنے گاہکوں کے حق میں خیر خواہی اور خدمت کا جذبہ اپنے دل میں رکھے اور لین دین میں امانت و دیانت اور صداقت کا عملی مظاہرہ کرے۔ اس بات کا یقین رکھے کہ جائز منافع ہی سے اس کے کاروبار میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے برکت ہو گی اور اس کا کاروبار چمکے گا۔ مال و دولت جمع کرنے کی حرص میں جو لوگ اپنی تجارت اور کاروبار میں غیر اخلاقی اور غیر قانونی طریقے اختیار کرتے ہیں اور جن پر راتوں رات امیر کبیر بننے کی دھن سوار رہتی ہے اور حلال و حرام اور جائز و ناجائز کی پروا نہیں کرتے' ایک مسلمان کو ان کے نقش قدم پر چلنے سے پرہیز کرنا چاہیے۔ قرآن کریم کی سورہ طٰہٰ میں مسلمانوں کو یہ ہدایت فرمائی گئی ہے:

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا
لِنَفْتِنَهُمْ فِيهِ ۚ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ ﴿١٣١﴾ (طٰہٰ ۲۰-۱۳۱)

اور نگاہ اٹھا کر بھی نہ دیکھو دنیوی زندگی کی اس شان و شوکت کو جو ہم نے ان میں سے مختلف لوگوں کو دے رکھی ہے' وہ تو ہم نے انہیں آزمائش میں ڈالنے کے لیے دی ہے' اور تیرے رب کا دیا ہوا رزق حلال ہی بہتر اور پائندہ تر ہے"۔

قرآن کریم کی سورہ ہود کی آیت ۸۶ میں حضرت شعیب علیہ السلام کی اپنی قوم کو جو ہدایت نقل کی گئی ہے ایک مسلمان تاجر کو اسے بھی پیش نظر رکھنا چاہیے۔ آپ نے اپنی قوم سے فرمایا تھا

بَقِيَّتُ اللَّهِ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ۚ

(برادران قوم!) "اللہ کی دی ہوئی بچت ہی تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم مومن ہو"

محترم حضرات!

ان چند گزارشات سے آپ کو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ تجارت کا پیشہ شریعت اسلامی میں کتنی اہمیت اور فضیلت کا حامل ہے اور اس کی اسی تقدیس و تعظیم کا تقاضہ ہے کہ اس کاروبار کو اس انداز سے کیا جائے جو اس کے وقار کے شایان شان ہو۔ یعنی دین اسلام کے بتائے ہوئے آداب و اطوار کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے کاروبار کیا جائے تو دنیا میں بھی سکھ' چین اور آرام میسر آئے

گا اور آخرت میں بھی اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل ہو سکے گی۔

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

تجارت و کاروبار کے اسلامی اصول (۲)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ
عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ
يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ
لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ
رَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَهْلِ بَيْتِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ:

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم

آیات مبارکہ:

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ﴿۱﴾ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ﴿۲﴾ وَاِذَا كَالُوْ
هُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ﴿۳﴾ اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ﴿۴﴾ لِيَوْمٍ
عَظِيْمٍ ﴿۵﴾ يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶﴾ (المطففین ۸۳: ۱-۶)

تباہی ہے ڈنڈی مارنے والوں کے لیے جن کا حال یہ ہے کہ جب لوگوں سے لیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں' اور جب ان کو ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو انہیں گھاٹا دیتے ہیں۔ کیا یہ لوگ نہیں سمجھتے کہ ایک بڑے دن یہ اٹھا کر لائے جانے والے ہیں؟ اس دن جبکہ لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے۔

وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ
(النساء ۴: ۱۶۱)

اور سود لیتے ہیں جس سے انہیں منع کیا گیا تھا' اور لوگوں کے مال ناجائز طریقوں سے کھاتے ہیں۔

(یہ یہود کے طرز عمل کی مذمت ہے)

احادیث شریفہ:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و رحم اللہ رجلا سمحا اذا باع و اذا اشتری و اذا اقتضی (مشکوۃ عن جابرؓ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم کرے جو نرمی کرتا ہے جب بیچتا ہے اور جب خریدتا ہے اور جب وہ کسی سے قرض کا تقاضا کرتا ہے۔

عن عبداللہ بن مسعود عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یکسب عبد مال حرام فیتصدق منہ فیقبل منہ فیبارک لہ فیہ ولا یترکہ خلف ظھرہ الا کان زادہ الی النار (مسند احمد)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا۔ ایسا نہیں ہوتا کہ کوئی بندہ (کسی ناجائز طریقہ سے) حرام مال کمائے اور اس میں سے اللہ کی راہ میں صدقہ کرے تو اس کا صدقہ قبول ہو' اور اس میں سے (اپنے اوپر) خرچ کرے تو اس میں برکت ہو اور جو شخص حرام مال (مرنے کے بعد) پیچھے چھوڑ کے جائے گا تو وہ اس کے لیے جہنم کا توشہ ہی ہو گا۔

حضرات محترم!

اس سے پہلے آپ کے سامنے تجارت و کاروبار کے اسلامی اصولوں کے متعلق چند اہم باتیں بیان ہو چکی ہیں۔ آج اس سلسلہ میں کچھ اور باتیں عرض کی جائیں گی۔

تجارت و کاروبار میں دیانت و امانت کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگائیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب پاک میں تجارتی بددیانتی سے روکنے کے لیے ایک علیحدہ سورت نازل فرمائی ہے جس کا نام سورہ المطففین ہے۔ مطففین کے معنی ہیں ناپ تول میں کمی کرنے والے یا ناپ تول میں ڈنڈی مارنے والے لوگ۔

اس سورہ کا مرکزی مضمون انسانوں کو تجارتی بددیانتی سے روکنا ہے۔

اس سورہ کی ابتدائی چھ آیات میں ان لوگوں کے طرز عمل کی بڑی سختی کے ساتھ مذمت کی گئی ہے جو لوگوں سے جب کوئی چیز خریدتے ہیں تو پورا پورا ناپ تول کرتے ہیں اور جب خود لوگوں کو کوئی چیز فروخت کرتے ہیں تو ناپ تول میں کمی بیشی کرتے ہیں۔ انہیں آخرت میں اللہ رب العالمین کے حضور جوابدہی کا خوف دلا کر اس بددیانتی سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے۔

گراں فروشی اور ذخیرہ اندوزی

حضرات گرامی!

تجارتی اخلاقیات میں یہ بات بھی نہایت اہم ہے کہ مروجہ اور مناسب نرخوں پر چیزوں کو فروخت کیا جائے اور مناسب نفع حاصل کیا جائے۔ زیادہ نفع کمانے کی غرض سے خریداروں کی مجبوریوں سے فائدہ اٹھانا اور اشیاء کو مہنگے داموں بیچنا یا بلیک کرنا ایک مذموم حرکت ہے۔ اسلام نے اس کی سختی کے ساتھ ممانعت کی ہے۔ تجارت میں اتار چڑھاؤ سے تاجر عموماً ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں اور اس خیال سے چیزوں کی ذخیرہ اندوزی کر لیتے ہیں کہ جب کسی چیز کی مارکیٹ میں قلت ہو جائے تو پھر اسے بازار

میں لا کر مہنگے داموں بیچا جائے۔ یہ چیز شرعاً حرام اور ناجائز ہے۔ فقہی اصطلاح میں اس عمل کو "احتکار" کہتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

من احتکر فهو خاطئ (صحیح مسلم عن معمرؓ)

جس نے ذخیرہ اندوزی کی وہ گناہ گار ہے۔

ایک دوسری حدیث میں ارشاد نبوی ہے:

بدترین بندہ ذخیرہ اندوزی کرنے والا ہے اگر اللہ تعالیٰ نرخ ارزاں کر دے تو اسے رنج و ملال ہوتا ہے اور اگر گراں کر دے تو وہ خوش ہوتا ہے۔ (بیہقی عن معاذؓ)

ایک اور حدیث میں اس فعل کی برائی اس طرح بیان فرمائی گئی ہے:

الجالب مرزوق والمحتکر ملعون

باہر سے غلہ لا کر موجودہ نرخ پر شہر میں بیچنے والا رزق الٰہی کا حامل ہوتا ہے۔ (اس کی روزی میں برکت دی جاتی ہے)۔ اور گرانی کے انتظار میں غلہ روکنے والا ملعون ہے (یعنی اللہ کی رحمت سے دور ہے)

اسی طرح کسی چیز کی نقد اور ادھار کی صورت میں دو قیمتیں وصول کرنا بھی ممنوع ہے۔ مثلاً ایک چیز نقد اتنے روپے کی اور ادھار اتنے روپے کی۔ یا فلاں تاریخ تک بل ادا کر دو تو قیمت یہ ہوگی اور اس کے بعد رقم اس قدر بڑھ جائے گی۔ یہ بھی سود خوری کی ایک قسم ہے جس کی حدیث نبوی میں ممانعت یوں آئی ہے

نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن بيعتين في صفقة واحدة (شرح السنہ۔ مشکوٰۃ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چیز کے دو طرح سے سودا کرنے سے منع فرمایا ہے۔

عیب دار اور ملاوٹ شدہ چیزیں بیچنے سے پرہیز

محترم سامعین!

کاروباری دیانت اور امانت کے اعتبار سے یہ بات بھی نہایت اہم ہے کہ ایسی چیزوں کو فروخت نہ کیا جائے جن میں کوئی عیب یا نقص ہو۔ اسی طرح کسی چیز میں ملاوٹ کرنا خصوصاً ادویہ اور کھانے پینے کی چیزوں میں ملاوٹ تو سنگین معاشرتی جرم ہے۔ اگر کسی چیز کے اندر کوئی عیب ہے تو دیانت و امانت کا تقاضا یہ ہے کہ تاجر خریدار کو اس عیب سے آگاہ کر دے اور اس چیز کی خریداری کے سلسلے میں اسے مناسب مشورہ دے۔ اسی طرح گاہک کو اچھی چیز دکھا کر خراب چیز دینا بھی بڑا اخلاقی جرم ہے۔

ایک دفعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بازار میں غلہ کے ایک ڈھیر کے پاس سے گزرے، آپؐ نے اپنا ہاتھ اس ڈھیر میں ڈالا تو انگلیوں میں کچھ تری محسوس ہوئی۔ آپؐ نے غلے کے مالک سے پوچھا یہ کیا؟ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس ڈھیر پر بارش ہو گئی تھی۔ آپؐ نے فرمایا "پھر تم نے اس بھیگے ہوئے غلے کو اوپر کیوں نہ کر دیا۔ تاکہ لوگ اس کو دیکھ لیتے۔ اس کے بعد فرمایا جو شخص دھوکا دے اس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

ایک اور حدیث میں آپؐ نے فرمایا

"جو شخص عیب دار شے بیچے اور خریدار کو عیب سے آگاہ نہ کرے وہ ہمیشہ غضب الٰہی میں رہے گا

اور فرشتے اس پر ہمیشہ لعنت کرتے رہیں گے (ابن ماجہ۔ مشکوٰۃ)

خریداروں کے ساتھ نرمی اور خوش اخلاقی کا برتاؤ

حضرات گرامی!

اسلامی اخلاق کا تقاضہ ہی نہیں تجارت کے فروغ میں بھی یہ بات نہایت اہم ہے کہ تاجر ہمیشہ خریداروں کے ساتھ خندہ پیشانی، خوش اخلاقی، حسن سلوک اور نرمی سے پیش آئے۔ محبت آمیز گفتگو اور مہربانی کے چند الفاظ اور چیزوں کی عمومی قیمت میں ادنیٰ سی رعایت لوگوں کو مستقل گاہک بنا دیتی ہے اور اس کے مقابلے میں بے رخی، تلخ کلامی اور بدمزاجی گاہک سے ہمیشہ کے لیے دکان چھڑا دیتی ہے۔

اسی طرح قرض داروں سے قرض کی وصولی میں بھی ہمیشہ نرمی کا معاملہ کرنا چاہئے اور ان سے قرض کے تقاضے میں بھی سختی نہیں کرنی چاہئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

رحم اللہ رجلا سمحا اذا باع واذا اشتریٰ واذا اقتضیٰ (بخاری مشکوٰۃ من جابرؓ)

اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم کرے جو نرمی کرتا ہے، جب بیچتا ہے اور خریدتا ہے اور جب کسی سے (قرض کا) تقاضا کرتا ہے۔

نیز آپؐ کا ارشاد ہے:

من سرہ ان ینجیہ اللہ من کرب یوم القیمۃ فلینفس عن معسر او یضع عنہ (مسلم۔ عن ابی قتادہؓ)

جس کو یہ بات پسند ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن کی سختیوں سے نجات بخشے تو اسے چاہیے کہ وہ محتاج کو مہلت دے یا اس کو معاف کر دے۔

اس سلسلہ میں یہ بات بھی واضح رہے کہ مقروض کی بھی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ قرض کی ادائیگی کو تمام امور پر اہمیت دے اور اپنے ہر خرچ پر مقدم سمجھے۔ قرض کی ادائیگی حقوق العباد میں سے ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قرض داروں کو انتہائی تاکید فرمائی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو وہ جلد سے جلد قرض ادا کرنے کی کوشش کریں ایسا نہ ہو کہ قرض دار ہونے کی صورت میں وہ دنیا سے چلے جائیں اور بندوں کے حقوق ان کے ذمے باقی رہ جائیں اور وہ آخرت میں اس حق کی ادائیگی کے باعث گرفتار عذاب ہو جائیں۔

ایک حدیث میں ارشاد نبوی ہے

ان اعظم الذنوب عند اللہ ان یلقاہ بھا عبد بعد الکبائر التی نھی اللہ عنھا ان یموت رجل و علیہ دین لا یدع لہ قضاء (احمد و ابو داؤد، مشکوٰۃ عن ابی موسیٰؓ)

بے شک اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ ان کبائر کے بعد جن سے اس نے منع فرمایا ہے، یہ ہے کہ آدمی اس حالت میں مرجائے کہ اس کے ذمے کسی کا قرض ہو اور اس کی ادائیگی کے لیے کچھ نہ چھوڑ کر جائے۔

قرض کی ادائیگی کی آپؐ کے نزدیک اتنی اہمیت تھی کہ آپؐ کسی مقروض شخص کی نماز جنازہ نہیں پڑھایا کرتے تھے۔ سلمہؓ

بن اکوعؓ روایت کرتے ہیں کہ ہم ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے ایک شخص کی میت آپ کے پاس لائی گئی اور عرض کیا گیا کہ حضورؐ اس کی نماز جنازہ پڑھائیں۔ آپؐ نے دریافت فرمایا اس شخص پر کسی کا قرض تو نہیں ہے؟ عرض کیا گیا نہیں' تو آپؐ نے اس شخص کی نماز جنازہ پڑھی۔ پھر ایک دوسرے شخص کی میت' نماز جنازہ کے لیے لائی گئی آپؐ نے اس کے متعلق بھی وہی بات پوچھی کہ اس کے ذمے کسی کا قرض تو نہیں؟ عرض کیا گیا کہ اس کے ذمے کچھ قرض ہے۔ آپؐ نے فرمایا اس نے کوئی چیز چھوڑی ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا۔ اس نے تین دینار چھوڑے ہیں۔ پھر آپؐ نے اس کی نماز جنازہ پڑھی۔ پھر آپؐ کی خدمت میں ایک اور شخص کی میت' نماز جنازہ پڑھانے کے لیے لائی گئی۔ اس کے بارے میں بھی آپ نے پوچھا کیا اس کے ذمے کسی کا قرض ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا۔ جی ہاں! آپؐ نے فرمایا تم اپنے اس ساتھی کی نماز جنازہ پڑھ لو میں اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھوں گا۔ ابو قتادہؓ نے عرض کیا حضور' آپؐ اس کی نماز جنازہ پڑھیں اس کا قرض میرے ذمے ہے میں ادا کروں گا۔ پھر آپؐ نے اس کی نماز جنازہ پڑھی (بخاری' مشکوٰۃ' باب الافلاس و انظار)

حرام اشیاء کی تجارت بھی حرام ہے

حضرات محترم!

دولت کمانے کے ذرائع میں اسلام نے جتنی باریک بینی کے ساتھ جائز ناجائز کی تفریق کی ہے' دنیا کے کسی قانون نے نہیں کی۔ وہ بڑی تفصیل کے ساتھ ان ذرائع کو حرام قرار دیتا ہے جن سے ایک شخص دوسرے اشخاص کو' یا بحیثیت مجموعی معاشرہ کو' اخلاقی یا مادی نقصان پہنچا کر اپنی روزی حاصل کرتا ہے۔ چنانچہ شراب اور نشہ آور چیزوں کا بنانا اور بیچنا' فحش و بے حیائی پھیلانے کے تمام ذرائع اور آلات رقص و سرود کا پیشہ' جوا' سٹہ' لاٹری' سود' دھوکے اور جھگڑے کے سودے اور ایسے تجارتی طریقے جن میں ایک فریق کا فائدہ یقینی اور دوسرے کا مشتبہ ہو' ضرورت کی چیزیں روک کر ان کی قیمتیں بڑھانا اور اسی طرح کے تمام کاروبار جو اجتماعی طور پر ضرر رساں ہیں اسلامی قانون میں قطعی حرام کر دیئے گئے ہیں۔

اگر آپ اسلام کے معاشی قانون کا مطالعہ کریں تو آپ کو ان حرام طریقوں کی ایک طویل فہرست نظر آئے گی۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اسلام ان تمام ناجائز طریقوں کو بند کرنا چاہتا ہے جن کو اختیار کر کے عموماً" سرمایہ دار لوگ تو زیادہ سے زیادہ دولت جمع کرتے رہتے ہیں اور عوام الناس اپنی مختصر سی پونجی سے' جائز و حلال ذرائع سے اپنے گزارے کی روزی کمانے کے قابل بھی نہیں رہتے۔ اسلام ان سب ناجائز طریقوں کو از روئے قانون بند کر کے معاشرہ کے افراد کو ان حلال طریقوں سے روزی کمانے کی آزادی دیتا ہے جن سے وہ دوسروں کی کوئی حقیقی اور مفید خدمت انجام دے کر انصاف کے ساتھ اس کا معاوضہ حاصل کرے۔

مال تجارت پر صدقہ و زکواۃ

محترم سامعین!

جائز کاروبار چاہے آدمی خود کرے یا کسی دوسرے کو روپے' زمین یا آلات و اسباب کی صورت میں اپنا سرمایہ دے کر نفع و نقصان میں شریک ہو جائے۔ یہ دونوں صورتیں جائز ہیں۔ ان حدود کے اندر اگر آدمی کروڑ پتی' ارب پتی بھی بن جائے تو اسلام کی نگاہ میں یہ کوئی قابل اعتراض چیز نہیں ہے' بلکہ اللہ تعالیٰ کا ایک انعام ہے۔ لیکن اجتماعی مفاد کی غرض سے اسلام ہر تاجر اور

زمین دار پر دو شرطیں عائد کرتا ہے۔ ایک یہ کہ وہ اپنے تجارتی مال پر زکواۃ اور زرعی پیداوار پر عشر ادا کرے۔ دوسرے یہ کہ وہ اپنی تجارت یا صنعت یا زراعت میں جن لوگوں کے ساتھ شرکت یا اجرت کا معاملہ کرے ان سے انصاف کرے۔ یہ انصاف اگر وہ خود نہ کرے گا تو اسلامی حکومت اسے انصاف پر مجبور کرے گی۔

مال تجارت پر زکواۃ ادا کرنے کے ساتھ ساتھ تجارتی کوتاہیوں کے کفارے کے طور پر ہر تاجر کو دل کھول کر عام صدقہ و خیرات بھی کرنی چاہیے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سلسلہ میں تاجروں کو یہ ہدایت فرمائی ہے:

یا معشر التجار ان البیع یحضر اللغو والحلف فشوبوا بالصدقة (مشکوٰۃ عن قیس بن ابی غرزۃ)

اے کاروبار کرنے والو! خرید و فروخت میں لغو باتوں اور جھوٹی قسم کھا جانے کا اندیشہ رہتا ہے اس لیے تم اپنے مالوں میں سے صدقہ ضرور دیا کرو۔

حضرات گرامی!

قومی معیشت میں تجارت کلیدی حیثیت رکھتی ہے۔ بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کا یہ ارشاد بھی نہایت اہم ہے کہ "پاکستان کے لیے تاجر وہی درجہ رکھتے ہیں جو کاشتکاروں اور سول ملازمین کو حاصل ہے"۔ قیام پاکستان کے بعد چیمبر آف کامرس کراچی سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا "میری دلی تمنا ہے کہ پاکستانی اشیاء اپنے معیار کے اعتبار سے دنیا کی تمام منڈیوں میں ایک علامت' ایک نمونہ اور ایک مثال کی حیثیت میں جانی پہچانی جائیں"۔

بانی پاکستان کی یہ تمنا اسی صورت میں عملی شکل اختیار کر سکتی ہے جب تاجر اسلامی تجارت کے اصول امانت' دیانت اور خدمت کو پیش نظر رکھ کر اپنی تجارت اور کاروبار کو منظم کریں۔ اور یہ بات ہمیشہ ان کے پیش نظر رہے کہ صحیح طور پر تجارت کرنے میں جتنی برکت' جتنا اجر اور جتنی فضیلت ہے ناجائز طریقے سے تجارت اور کاروبار کرنے پر اتنی ہی سخت وعید ہے۔ اور یہ طریقے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی کا موجب ہیں۔ مشہور حدیث نبوی ہے کہ من غش فلیس منا جس نے دھوکہ دہی کی وہ ہم میں سے نہیں۔ کیا کوئی مسلمان تاجر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے باوجود اپنی تجارت میں ناجائز ذرائع اختیار کر کے یہ خطرہ مول لے سکتا ہے کہ آپؐ کی امت سے ہی خارج ہو جائے؟ یقیناً" کوئی بھی مسلمان تاجر ایسا سوچ بھی نہیں سکتا۔ ہر مسلمان تاجر کو تو اپنی تجارت میں امانت' دیانت اور خدمت کا وہ معیار قائم کرنا چاہیے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنے دور میں قائم فرمایا تھا۔

مسلمان تاجر تو اسلام کے سفیر اور قرآن کریم کی جیتی جاگتی تصویر ہوا کرتے تھے اور انہوں نے اسلام کے اصول تجارت اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ کو اپنا رہنما بنا کر چار دانگ عالم میں اپنی تجارت کو بھی پھیلایا تھا اور اسلام کے ابدی پیغام سے بھی انسانیت کو روشناس کرایا تھا۔ یعنی مسلمان تاجر' تاجر ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے عمل سے مبلغ اسلام بھی ہوا کرتے تھے۔ کاش آج بھی ہمارے تاجر بھائی بحیثیت مسلمان تاجر اپنے اسلاف کے اسوہ حسنہ پر عمل کرنے والے بن جائیں۔ اور اپنی تجارت میں ان اصولوں کا مظاہرہ کریں جو اسلام نے تجارت کے سلسلہ میں اپنے ماننے والوں کو دیے ہیں۔

و اخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

خواتین کے حقوق و فرائض اسلامی معاشرہ میں

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَهْلِ بَيْتِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ:

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم

آیات مبارکہ:

فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ (النساء ۴:۳۴)

پس جو صالح عورتیں ہیں وہ اطاعت شعار ہوتی ہیں اور مردوں کے پیچھے اللہ کی حفاظت و نگرانی میں ان کے حقوق کی حفاظت کرتی ہیں۔

لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ (النساء ۴:۱۱)

مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے۔

وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ (النساء ۴:۱۱)

اور اگر ایک ہی لڑکی وارث ہو تو آدھا ترکہ اس کا ہے۔

احادیث شریفہ:

حبب الی من الدنیا النساء والطیب

دنیا کی چیزوں میں مجھے عورت اور خوشبو پسند ہے۔

فانما ابنتی بضعة منی یریبنی ما رابها

میری بچی میرے بدن کا ٹکڑا ہے جو چیز اس کے لیے باعث تشویش ہے وہ میرے لیے بھی باعث پریشانی ہے۔

الجنة تحت اقدام الامهات

جنت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے۔

حضرات گرامی!

عورت نصف انسانیت ہے۔ مرد انسانیت کے ایک حصے کی ترجمانی کرتا ہے تو دوسرے حصے کی ترجمانی عورت کرتی ہے۔ عورت کو نظرانداز کر کے نوع انسانی کے لیے جو پروگرام بنے گا وہ ناقص اور ادھورا ہو گا۔ ہم ایسی کسی سوسائٹی کا تصور نہیں کر سکتے جو تنہا مردوں پر مشتمل ہو اور جس میں عورت کی ضرورت نہ ہو۔ نہ عورت مرد سے مستغنی ہو سکتی ہے اور نہ مرد عورت سے بے نیاز رہ سکتا ہے۔ ان کے احتیاج کی نوعیت سماجی و معاشرتی بھی ہے اور جنسی اور نفسیاتی بھی۔

اجتماعی زندگی اس وقت ترقی کرتی ہے جبکہ دونوں کا سیاسی و سماجی رشتہ بھی ٹھیک ہو اور جنسی تعلق بھی صحیح ہو۔ عورت کی سعی اور جدوجہد میں جو خلا رہ جائے اس کو مرد پر کرے اور مرد کی دوڑ دھوپ میں جو نقص اور کمی ہو اس کو عورت دور کرے۔ اسی طرح جنسی تعلق کو اپنی فطری حد تک رہنے دیا جائے اور محض لذت کشی کا ذریعہ نہ سمجھ لیا جائے۔

عورت دور قدیم میں

قدیم تاریخ کے متعلق کسی قدر مفصل اور مستند معلومات ہمیں یونانیوں اور رومیوں کے عہد سے ملتی ہیں۔ انہوں نے تہذیب و تمدن اور علوم و فنون میں اس قدر ترقی کی کہ اس کی بنیاد پر بہت سی تہذیبیں اور بہت سے علوم وجود میں آئے لیکن اس کے باوجود ان کے ہاں عورت کا مقام بہت ہی پست تھا۔ وہ اس کو انسانیت پر بار سمجھتے تھے۔ اس کے وجود کا مقصد ان کے ہاں اس کے علاوہ کچھ نہیں تھا کہ وہ ایک خادمہ کی طرح گھر کی خدمت کرے۔ ان کا قول تھا آگ سے جلنے اور سانپ کے ڈسنے کا علاج ممکن ہے لیکن عورت کے شر کا مداوا محال ہے۔ تاریخ اخلاق یورپ کے مصنف لیکی کے بقول عورت کے ساتھ سلوک نہایت برا تھا۔ گھر کا سربراہ جب بھی چاہے اس کو گھر سے نکال سکتا تھا۔ وراثت سے وہ محروم تھی۔ مردوں کے مقابلے میں اس کی کوئی حیثیت نہیں تھی رومی قانون میں عورت کو ایک پست درجہ ہستی قرار دیا گیا تھا۔ اس کو اپنی ذات پر کوئی اختیار نہ تھا شادی بھی وہ اپنی مرضی سے نہیں کر سکتی تھی۔

عرب اور عورت

اہل عرب عورت کے وجود کو موجب ذلت و رسوائی سمجھتے۔ ان کے ہاں لڑکی پیدا ہونا عار اور غم و اندوہ کا بڑا سبب تھا۔ قرآن پاک نے ان کی وہ کیفیت بیان کی ہے جو لڑکی پیدا ہوتے وقت ان کے اوپر طاری ہو جاتی تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "قسم بخدا ہم دور جاہلیت میں عورتوں کو کوئی حیثیت ہی نہیں دیتے تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں اپنی ہدایات نازل کیں اور ان کے لیے جو کچھ حصہ مقرر کرنا تھا مقرر کیا"۔

قیس بن عاصم نے جاہلیت میں آٹھ دس لڑکیاں زندہ دفن کی تھیں۔ بیویوں کی تعداد پر بھی کوئی پابندی نہیں تھی لوگ جب چاہتے کسی عورت سے شادی کرتے اور جب چاہتے اسے طلاق دے دیتے۔ وہب اسدی اور غیلان ثقفی جب مسلمان ہوئے تو دونوں کے عقد میں دس دس بیویاں تھیں۔

شوہر کے مرنے کے بعد مال متروکہ کی طرح وہ بھی وارث کی ملکیت میں آ جاتی۔ چاہیں تو نکاح میں رکھیں اور چاہیں تو دوسرے کے عقد میں دے دیں۔ سوتیلی ماں سے شادی کر لیتے تھے۔ میراث سے عملاً عورت کو محروم رکھا گیا تھا۔ بیوہ کے مال پر قبضہ کرنے کے لیے مختلف حیلے بناتے تھے۔ اسلام نے عورت کی میراث کا حصہ متعین کیا تو عربوں کو سخت تعجب ہوا۔

عورت اسلامی معاشرہ میں

اسلام نے عورت کو ذلت و رسوائی کے مقام سے اٹھایا اور حقوق و مراعات سے نوازا' اس کو میراث میں مناسب طور پر حصہ دار بنایا مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے لیکن اگر ایک ہی لڑکی وارث ہو تو اس کو مال کا نصف دیا گیا۔ قرآن نے اعلان کیا:

لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ (النساء ۴:۱۱)

بعض صورتوں میں اگر لڑکیاں یا بہنیں دو ہوں تو ان کو ثلثان (دو تہائی) دیا جاتا ہے۔

فَإِن كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثَانِ مِمَّا تَرَكَ (النساء ۴:۱۷۶)

اس کے ساتھ حسن سلوک کی بار بار تاکید کی گئی۔ قرآن پاک نے فرمایا:

وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ (النساء ۴:۱۹)

ان کے ساتھ ہمیشہ نیکی کا سلوک کرو!

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حبب الی من الدنیا النساء والطیب و جعلت قرہ عینی فی الصلاۃ (نسائی)

دنیا کی چیزوں میں مجھے عورت اور خوشبو پسند ہے۔ لیکن میرے لیے آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے۔

اسلام نے عورت کو ہر حیثیت سے احترام دیا۔ بیوی کی حیثیت سے اس کے حقوق متعین کیے۔ والدہ کی حیثیت سے اس کو معاشرے میں اعلیٰ مقام دیا۔ بیٹی کی حیثیت سے اس کو پیار دیا۔ بہن کی حیثیت سے اس کی قدر و منزلت میں اضافہ کیا۔

اپنی بیٹی حضرت فاطمہ کے بارے میں حضور نے فرمایا:

فانما ابنتی بضعۃ منی یریبنی ما رابھا یؤذینی ما اذاھا (بخاری و مسلم)

میری بچی میرے بدن کا ٹکڑا ہے جو چیز اس کے لیے باعث تشویش ہے۔ وہ میرے لیے بھی پریشانی کا باعث ہے اور جس بات سے اس کو اذیت ہو اس سے مجھے بھی اذیت ہوتی ہے۔

اور یہ فرمایا کہ:

الجنۃ تحت اقدام الامھات

جنت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے۔

معاشرے میں اس کو اعلیٰ مقام دیا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جب حضور کے پاس آتیں تو حضور ان کے لیے کھڑے ہو جاتے۔ ایک موقعہ پر حضور کی رضاعی ماں حضرت حلیمہ ان سے ملنے تشریف لائیں تو حضورؐ ان کے احترام میں کھڑے ہو گئے اور اپنی چادر بچھائی تاکہ وہ بیٹھ جائیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سب سے اچھے لوگ وہ ہیں جو اپنی بیویوں کے حق میں سب سے اچھے ہوں (ترمذی)

قرآن میں بیوی بچوں کی تربیت کا حکم

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا (التحریم ۶:۶۶)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو آگ سے۔

نیز ہدایت کی گئی:

وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا (طٰہٰ ۲۰:۱۳۲)

اپنے اہل و عیال کو نماز کی تلقین کرو اور خود بھی اس کے پابند رہو۔

اسلام نے مردوں کو پابند بنایا کہ حقوق زوجیت ادا کریں، ان کے نان نفقہ کا بندوبست کریں ان کی ہر حاجت پوری کریں۔ اور ان کی اخلاقی اور دینی تربیت بھی کریں۔

اسلامی معاشرہ میں خواتین کے فرائض

اسلام نے بیوی کو حکم دیا ہے کہ وہ نہایت خوش دلی کے ساتھ اپنے شوہر کی اطاعت کریں۔ قرآن میں ارشاد ہے:

فالصالحت قانتات

صالح عورتیں اطاعت شعار ہوتی ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ "دو قسم کے آدمی وہ ہیں جن کی نمازیں ان کے سر سے اونچی نہیں اٹھتیں۔ اس غلام کی نماز جو اپنے آقا سے فرار ہو جائے جب تک وہ لوٹ نہ آئے۔ اور اس عورت کی نماز جو شوہر کی نافرمانی کرے۔ جب تک شوہر کی نافرمانی سے باز نہ آئے (الترغیب و الترہیب)

عورت کے فرائض میں یہ بھی ہے کہ وہ اپنی آبرو اور عصمت کی حفاظت کرے۔ اور ان تمام باتوں اور کاموں سے دور رہے جن سے دامن عصمت پر دھبہ لگنے کا خدشہ ہو۔ اس سے اللہ بھی راضی ہوتا ہے اور ازدواجی زندگی بھی خوشگوار رہتی ہے۔ اس معاملے میں معمولی سی کوتاہی سے بھی شیطان کو شوہر کے دل میں شبہ ڈالنے کا موقع مل جاتا ہے۔ عورت کا فرض ہے کہ شوہر کی اجازت اور مرضی کے بغیر گھر سے باہر نہ جائے۔ اور نہ ایسے گھروں میں جائے جہاں شوہر اس کا جانا پسند نہ کرے۔ اور نہ ایسے لوگوں کو گھر میں آنے کی اجازت دے جن کا آنا شوہر کو ناگوار ہو۔

ہمیشہ اپنے قول و عمل سے اور انداز و اطوار سے اپنے شوہر کو خوش رکھنے کی کوشش کریں۔ یہی کامیاب ازدواجی زندگی کا راز ہے۔ اپنے شوہر سے محبت کریں اور ان کی رفاقت کی قدر کریں۔ شوہر زندگی کی زینت، زندگی کا سہارا اور راہ حیات میں

عظیم معین و مددگار ہے۔ چاہیے کہ عورت شوہر کا احسان مانے اور ہمیشہ اس کی شکر گزار رہے۔ عورت کے لیے ضروری ہے کہ شوہر کے گھربار اور مال و اسباب کی حفاظت کرے۔ شادی کے بعد شوہر کے گھر ہی کو اپنا گھر سمجھے اور بچوں کا مستقبل سنوارنے کے لیے کوشش کرے۔ شوہر کی خدمت میں خوشی محسوس کرنا اور گھر کو خوش اسلوبی اور سلیقہ سے سنبھالنے کی کوشش کرنا اس کے لیے ضروری تعلیم حاصل کرنا' گھر کی صفائی' سلیقہ اور زیبائش کا پورا اہتمام کرنا اچھی بیوی کی صفات میں سے ہے۔ جس گھر میں تمام افراد ایک دوسرے کے حقوق ادا کر رہے ہوں اور حقوق کی ادائیگی میں خوشی محسوس کرتے ہوں وہ گھر جنت کا نمونہ بن جاتا ہے۔

حضرات محترم!

چونکہ اسلامی معاشرہ کا قیام مرد و زن دونوں کا مرہون منت ہے اس لیے معاشرے کی ترقی اور متوازن جدوجہد کے لیے ہر ایک کے حقوق و فرائض کا تعین لازمی امر ہے۔

اسلام دین فطرت ہے اور فطرت کا تقاضا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات درست طریقے سے پھلیں پھولیں۔ چنانچہ اس اصول کا تقاضا ہے کہ ہر مخلوق کو اس کی ضروریات مہیا کی جائیں تاکہ اس سے کام لے کر اپنی بقاء کی جدوجہد میں وہ کامیاب ہو۔ مرد و زن دونوں کو ایک ایسا معاشرہ تشکیل دینا ہے جس میں انسان کی بقاء کی ضمانت دی گئی ہو اور یہ تب ہو سکتا ہے کہ ان دونوں فریقوں کے درمیان ایسا متوازن رشتہ قائم ہو جس کے ذریعے سے یہ دونوں شانہ بشانہ فطرت کے تقاضوں کو پورا کر سکیں اور یہی وہ امر ہے جس کی تکمیل دونوں فریقوں کے درمیان حقوق و فرائض کی متقاضی ہے۔ چنانچہ اسلام واضح طور سے دونوں کے حقوق و فرائض متعین کرتا ہے۔ عورت اگر اسلام کے متعین کردہ حقوق و فرائض کا خیال رکھے تو اسے معاشرہ میں عزت و احترام کا وہ مقام ملتا ہے جو اسے کسی دوسرے انسانی معاشرہ نے نہیں دیا۔

عورتوں کی انفرادی اور آزاد حیثیت برقرار رکھتے ہوئے اسلام نے ان کو قانونی تحفظ مہیا کیا ہے۔ معاشرہ کتنا ہی ترقی یافتہ اور جدید کیوں نہ ہو انسان کو اللہ تعالیٰ نے جس فطرت پر پیدا کیا ہے وہ تبدیل نہیں ہو سکتی۔ یعنی مرد اور عورت کی جسمانی ساخت میں جو حیاتیاتی اور نفسیاتی فرق ہے وہ ختم نہیں ہو سکتا اور نہ ان حقائق سے آنکھیں بند کی جا سکتی ہیں۔ چنانچہ اسلام نے عورت کے لیے فرائض متعین کرتے ہوئے اسے ایک اہم حکم یہ دیا ہے کہ:

وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ (الاحزاب ۳۳:۳۳)

اپنے گھروں میں ٹک کر رہو۔

اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ خانگی معاملات عورت کے سپرد ہیں اور یہ اس کا حق ہے کہ تمام گھریلو معاملات بطریق احسن سرانجام دے۔ اس ضمن میں سلیقہ شعاری' صفائی' بچوں کی تربیت اور علم کے حصول کے سلسلے میں کوششیں عورت کے فرائض میں آ جاتے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ اسے واضح طور سے بتایا گیا ہے کہ مرد ان پر قوام (سرپرست) ہیں۔ قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ (النساء ۴:۳۴)

اس سے واضح طور سے اس کے حقوق و فرائض دونوں کا تعین ہو جاتا ہے۔ فرائض یہ کہ وہ مرد کی سرپرستی قبول کر لے۔ اس کو گھر کی طرف سے ہر قسم کی سہولت مہیا کرے۔ اس کی غیر حاضری میں گھر کی مکمل طور سے نگہداشت کرے۔ بچوں کی تعلیم و تربیت کا انتظام کرے اور مرد کے ساتھ مکمل تعاون کر کے اسے اس قابل بنائے کہ وہ یکسوئی کے ساتھ گھر سے باہر کے معاشرے

میں اپنے فرائض ادا کرتے ہوئے اپنے آپ کو اپنے حقوق کا اہل ثابت کرے۔ مرد کے ذمے گھر کی طرف مکمل طور سے توجہ دینا بھی شامل ہے اور ظاہر ہے کہ گھر وہ مقام ہے جس کا اختیار عورت کے ہاتھ میں ہے۔ چنانچہ بالواسطہ مرد معاشرے سے عورت کے حقوق حاصل کرنے کا بھی ذمہ دار ٹھہرتا ہے۔ امور خانہ داری عورت تب سرانجام دے سکتی ہے جب مرد کی طرف سے اس سلسلہ میں ساری ضروریات اس کو مہیا ہوں۔ چنانچہ عورت کا یہ حق ہے کہ مرد سے یہ تمام ضروریات پوری کروائے اور مرد کا یہ فرض ہے کہ عورت کا مکمل طور سے ہاتھ بٹائے۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مرد و زن دونوں کے ایک دوسرے پر حقوق ہیں اور معاشرے میں ضرورت پڑنے پر دونوں اکٹھے اپنا کردار ادا کریں گے۔ چنانچہ بعض معاملات میں مثلاً علم کے حصول اور فنون سے واقفیت وغیرہ کے سلسلے میں گھر سے باہر نکل کر اپنا کردار ادا کرنے کے لیے عورت جدوجہد کا حق رکھتی ہے تاکہ وہ گھر سے باہر بھی اپنے فرائض کماحقہ انجام دے سکے اور مرد پر بھی لازم آتا ہے کہ گھرداری میں عورت کا ہاتھ بٹائے اور یہ عورت کے حقوق کا تقاضا ہے۔

حضرات!

اسلام نے ہرگز ہرگز دونوں فریقوں کے فرائض اور حقوق کا تعین کرتے ہوئے کسی کو کمتر قرار نہیں دیا اور نہ کسی فریق کو دوسرے پر برتری دی بلکہ انسانی نفسیات کو دیکھتے ہوئے دونوں کی فطرت کے مطابق ان سے کام لینے کے لیے ان کے علیحدہ علیحدہ حقوق و فرائض کا تعین کیا تاکہ ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرتے ہوئے دونوں اکٹھے انسانیت کی تکمیل کا سبب بنیں۔ عورت کی ایک حیثیت معاشرہ کے عمومی رکن کی ہے جو اسے حق دیتا ہے کہ ملک کی سیاست ہو کہ معیشت' علم کا میدان ہو یا معاشرت کا پہلو سب میں وہ اپنی صلاحیت کا بھرپور اظہار کرنے کے ساتھ ساتھ گھر کے فرائض سے بھی اغماض نہ برتے اور مرد بھی عورت کو اس کے حقوق دینے پر برضا و رغبت آمادہ ہو بلکہ ان کا ساتھ دے' خطرات کے موقع پر ان کی حفاظت کرے اور ہر قسم کی آفات و بلیات سے ان کو بچانے کے لیے اپنی تمام تر انسانی قوتوں اور کوششوں کو بروئے کار لائے تاکہ اسے بھی عورت کی طرف سے مکمل تعاون ملے اور وہ اس قابل ہو کہ معاشرہ میں اپنا صحیح کردار ادا کر سکے۔

محترم سامعین!

عورتوں کو اس بناء پر تعلیم سے روکنا کہ وہ خودسر ہو جائیں گی اور مرد کی تابع مہمل نہیں رہیں گی انتہائی گمراہ کن فعل ہے۔ اسلام اس کی شدت سے مخالفت کرتا ہے اور واضح طور سے بتاتا ہے کہ "علم کا حصول ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے" عورت کو تعلیم سے بے بہرہ رکھنا غیر اسلامی فعل ہے جس پر گمراہ لوگ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وعید کے مستحق ٹھہرتے ہیں۔ ان کو تعلیم دینا اس حسن سلوک کا حصہ ہے جس پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جزا کی خوشخبری دی ہے۔ اسلامی معاشرہ وسیع صورت میں حکومت کی شکل اختیار کرتا ہے اور اس حکومت کا یہ فرض ہے کہ اس کا کوئی باشندہ تعلیم سے محروم نہ رہے۔ چنانچہ عورت کا یہ حق ٹھہرتا ہے کہ حکومت اس کی تعلیم کی طرف پوری توجہ دے تاکہ وہ اس قابل ہو کہ ملک و قوم کو بہترین نسل اور لیڈر شپ مہیا کرے۔ تعلیم ہی کے ذریعے سے عورتوں میں حقوق و فرائض کا شعور پیدا ہوتا ہے جو خدا اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان کو عطا کرتے ہیں۔ اگر ان کو یہ "حق" نہ دیا گیا تو وہ اس کے حصول کے لیے جدوجہد کر سکتی ہیں۔ وہ سلائی کڑھائی سے لے کر وسیع بنیادوں پر صنعت و حرفت کو آگے بڑھانے میں اہم کردار ادا کر سکتی ہیں۔ چنانچہ یہ ان کا فرض ہے کہ ان امور میں حصہ لیں اور ساتھ ہی ان کا یہ بھی حق ہے کہ معاشرہ یا حکومت اسے اس سلسلہ میں تمام ضروریات اور مواقع مہیا کرے۔

حضرات گرامی!

عورت کا یہ حق ہے کہ اسے عصری تقاضوں کے مطابق بقدر ضرورت علم و فن سے آشنا کیا جائے تاکہ بعض خصوصی حالات میں مرد کی غیر موجودگی کی وجہ سے وہ معاشی تکالیف کا شکار نہ ہو۔ خود زندگی گزارنے کے لیے جائز کمائی کر سکے اور یہ حق ضمناً" اسے ملازمت کا حق بھی دیتا ہے۔ اسے بعض انتہائی اہم امور میں حصہ لینے کی اجازت ہونی چاہیے خصوصی طور پر ڈاکٹر اور استانی کی حیثیت سے وہ عورتوں کی وہ خدمات سرانجام دے سکتی ہے جو مرد سرانجام نہیں دے سکتا۔ اسلام اسے مکمل طور سے اپنی صلاحیت اور قابلیت کے اظہار کا حق دیتا ہے۔

اسلامی تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کے جو حقوق و فرائض اوپر بیان کیے گئے ہیں' مسلمان خواتین نے ماضی میں معاشرہ میں ان کے بل بوتے پر متعلقہ فرائض کو بطریق احسن سرانجام دیا ہے اور وہ معاشرہ کی ترقی کا سبب بنی ہیں۔

اس طرح اگر غور کیا جائے تو اسلام کے دیئے ہوئے حقوق اور بتائے ہوئے فرائض پر معاشرہ کے تمام افراد خوش دلی اور تن دہی سے عمل کریں تو معاشرہ نہ صرف امن و سکون کا گہوارہ بن سکتا ہے۔ بلکہ ترقی و کامرانی کی منازل بھی تیزی سے طے کر سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے فرائض بہ حسن و خوبی ادا کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین۔

و آخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

حج بیت اللہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَهْلِ بَيْتِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ:

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آیات مبارکہ:

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ۭ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٩٧﴾ (آل عمران ۳:۹۷)

لوگوں پر اللہ کا یہ حق ہے کہ جو اس کے گھر تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو وہ اس کا حج کرے اور جو کوئی اس حکم کی پیروی سے انکار کرے تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تمام دنیا والوں سے بے نیاز ہے۔ وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰي كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ﴿٢٧﴾ (الحج ۲۲:۲۷)

اور لوگوں کو حج کے لیے اذن عام دے دو کہ تمہارے پاس ہر دور دراز مقام سے پیدل اور اونٹوں پر سوار آئیں۔

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ ۙ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ۭ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ڼ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿١٩٧﴾ (البقرہ ۲:۱۹۷)

حج کے مہینے سب کو معلوم ہیں، جو شخص ان مقررہ مہینوں میں حج کی نیت کرے، اسے خبردار رہنا

چاہیے کہ حج کے دوران میں اس سے کوئی شہوانی فعل، کوئی بد عملی، کوئی لڑائی جھگڑے کی بات سرزد نہ ہو اور جو نیک کام تم کرو گے وہ اللہ کے علم میں ہو گا۔ سفر حج کے لیے زاد راہ ساتھ لے جاؤ اور سب سے بہتر زاد راہ پرہیزگاری ہے۔ پس اے ہوشمندو! میری نافرمانی سے پرہیز کرو۔

احادیث شریفہ:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی الاسلام علی خمس: شهادة ان لا الہ الا اللہ و ان محمداً عبدہ و رسولہ و اقام الصلوٰۃ و ایتاء الزکوٰۃ والحج و صوم رمضان (متفق علیہ۔ عن ابن عمرؓ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "اسلام کی بنیاد چار چیزوں پر رکھی گئی ہے (۱) اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں (۲) نماز قائم کرنا (۳) زکوٰۃ ادا کرنا (۴) حج کرنا اور (۵) رمضان کے روزے رکھنا۔

عن عبداللہ ابن عمر قال جاء رجل الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ ما یوجب الحج فقال الزاد والراحلة (ترمذی و ابن ماجہ)

حضرت عبداللہ بن عمر کہتے ہیں کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا چیز حج کو واجب کرتی ہے؟ آپ نے فرمایا زاد راہ اور سواری۔

عن ابی امامة قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من لم یمنعه من الحج حاجة ظاهرة اوسلطان جائر اومرض حابس فمات ولم یحج فلیمت ان شاء یهودیا وان شاء نصرانیاً (دارمی)

حضرت ابو امامہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو کوئی لازمی ضرورت حج سے نہ روکے اور نہ کوئی ظالم بادشاہ یا کوئی سخت مرض اسے روکے اور وہ حج کیے بغیر مرجائے تو وہ چاہے یہودی ہو کر مرجائے یا نصرانی ہو کر مرے۔

حضرات محترم!

ارکان اسلام میں سے آخری اور اہم رکن "حج" ہے۔ حج کے لغوی معنی زیارت کا ارادہ کرنے کے ہیں شریعت میں حج کی عبادت کو حج اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس میں حاجی معین دنوں میں بیت اللہ کی زیارت کے خاص احکام بجالاتا ہے۔

اہمیت

حج کی عبادت ہر اس بالغ مسلمان مرد و عورت پر عمر میں ایک مرتبہ فرض ہے جو مکہ معظمہ تک آنے جانے کی قدرت رکھتا ہو۔ اگر کوئی شخص قدرت و استطاعت کے باوجود حج نہیں کرتا تو وہ گویا اپنے مسلمان ہونے کی نفی کرتا ہے حج کی فرضیت سورہ آل عمران کی آیت ۹۷ سے ثابت ہوتی ہے جو آغاز میں آپ کے سامنے تلاوت کی گئی ہے یعنی وللہ علی الناس حج البیت اور ابی امامہؓ والی حدیث سے بھی حج کی فرضیت معلوم ہوتی ہے۔

دین اسلام میں حج کی یہ اہمیت بھی ہے کہ اس فریضہ کی صحیح طریقہ پر ادائیگی آدمی کے لیے بڑے اجر و ثواب اور گناہوں کی مغفرت کا باعث ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے الحج المبرور لیس لہ جزاء الا الجنة (مسلم) یعنی مقبول حج کا بدلہ جنت کے سوا اور کچھ نہیں۔

نیز آپؐ کا ارشاد ہے:

من حج ھذا البیت فلم یرفث ولم یفسق رجع کما ولدتہ امہ (بخاری)

یعنی جس نے اس گھر کا حج کیا اور اس دوران میں اس نے نہ کوئی شہوانی حرکت کی، نہ کسی معصیت اور گناہ کا ارتکاب کیا تو جب وہ حج کرکے لوٹتا ہے تو ایسا ہوتا ہے گویا آج ہی ماں کے پیٹ سے (گناہوں سے پاک صاف) پیدا ہوا ہے۔

حضرات محترم!

یہ جاننے کے لیے کہ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حج بیت اللہ کی ادائیگی کو اتنی اہمیت کیوں دی ہے کہ اس کی عدم ادائیگی کو اسلام کی نفی قرار دیا ہے اور اس کی ادائیگی پر جنت کی ضمانت اور گناہوں کی مغفرت کی بشارت دی گئی ہے۔ ہمیں یہ غور کرنا ہوگا کہ حج کی حقیقت کیا ہے؟ اور دین کی حقیقت اور اس کی روح سے اس کا کیا ربط و تعلق ہے؟ ایک مسلمان کے اندر اسلامی ذہن اور اسلامی سیرت و کردار پیدا کرنے میں وہ کیا حصہ لیتا ہے؟ اور اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت کی ذمہ داریاں ادا کرنے میں وہ کس طرح مدد و معاون ہوتا ہے؟

حضرات گرامی!

حج کی حقیقت، اس کی روح اور اس کے دوسرے اہم اوصاف کو سمجھنے کے لیے دو باتوں کا جان لینا ضروری ہے۔ ایک یہ کہ کعبہ یا بیت اللہ کیا چیز ہے کہ جس تک پہنچنے کے لیے حج کا یہ سفر اختیار کیا جاتا ہے اور اس کے قرب و جوار میں حج کے سارے مراسم ادا کیے جاتے ہیں اور دوسری یہ کہ حج کے جو مراسم یا مناسک ادا کیے جاتے ہیں وہ کیا ہیں؟ اور ان کے پیچھے کون سے تصورات کارفرما ہیں؟ یہ باتیں مختصراً بیان کی جاتی ہیں۔

بیت اللہ کی تعمیر اور اس کی حیثیت

حضرات گرامی!

بیت اللہ کی تعمیر آج سے تقریباً چار ہزار برس پہلے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کے ہاتھوں ہوئی تھی۔ اس سلسلہ میں قرآن کریم کا بیان ہے:

وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ۭ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ (۱۲۷) (البقرہ ۲:۱۲۷)

اور یاد کرو ابراہیمؑ اسماعیلؑ جب اس گھر کی دیواریں اٹھا رہے تھے تو دعا کرتے جاتے تھے اے ہمارے رب، ہم سے یہ خدمت قبول فرمالے، تو سب کی سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے

اور قرآن کریم میں اس گھر کی حیثیت کا ذکر اس طرح فرمایا گیا ہے:

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّھُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ (۹۶)
(آل عمران ۳:۹۶)

یقیناً پہلا گھر جو لوگوں کے لیے (مرکز عبادت کی حیثیت سے) بنایا گیا تھا وہی ہے جو مکے میں واقع

ہے جس کا حال یہ ہے کہ وہ برکتوں والا اور سارے جہان کے لیے ہدایت (کا سرچشمہ) ہے۔
اس مرکز عبادت کو توحید الٰہی کی منادی کا مرکز بنانے کی ہدایت بھی فرمائی گئی ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْئًا وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّاۤىِٕفِيْنَ وَالْقَاۤىِٕمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۲۶﴾ (الحج ۲۲:۲۶)

اور جب ہم نے ابراہیمؑ کے لیے اس گھر کی جگہ متعین کی تھی (اس ہدایت کے ساتھ) کہ کسی کو میرا شریک نہ ٹھہرانا اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں' قیام کرنے والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے (شرک کی آلودگیوں سے) پاک رکھنا۔

معلوم یہ ہوا کہ یہ گھر سراپا خیر و برکت ہے۔ ساری دنیا کے لیے ہدایت کا سرچشمہ ہے۔ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کے پرستاروں کا مرجع ہے۔ نماز قائم کرنے کی اصل جگہ ہے اور توحید الٰہی کی منادی کا مرکز ہے۔ بیت اللہ کے ان اوصاف کو سامنے رکھتے ہوئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ گھر دراصل دین اسلام کا گھر ہے اور پورے دین کا مرکز ہے۔ اس لیے کہ اعتقادی اور عملی طور پر توحید اور نماز دونوں پورے دین کا مغز ہیں اور بیت اللہ ان دونوں کا مرکز ہے۔

حج کے مراسم اور جذبات عبودیت

سامعین محترم!

دینی اعتبار سے بیت اللہ کی حیثیت جان لینے کے بعد آیئے اب ہم حج کے مراسم یا مناسک پر غور کریں اور دیکھیں کہ یہ مناسک ایک حاجی کے قلب و ذہن میں کیا جذبات عبودیت پیدا کرتے ہیں اور اسے دین اسلام کی کیا تعلیم دیتے ہیں؟

(۱) احرام

جب کوئی شخص حج کے لیے روانہ ہوتا ہے تو مکہ مکرمہ سے کافی دور ایک متعینہ مقام پر پہنچ کر وضو یا غسل کر کے اپنا معروف لباس اتار کر ایک تہبند اور چادر پہن لیتا ہے۔ جو احرام کہلاتا ہے اور دو رکعت نفل پڑھ کر حج کی باضابطہ نیت کرتا ہے اور تلبیہ "لبیک اللھم لبیک" بلند آواز سے پڑھتا ہے۔

احرام کا یہ لباس' لباس نہیں ہے بلکہ ایک طرف اپنی فقیری اور محتاجی کے احساس کا عملی اظہار ہے اور دوسری طرف فداکاری کے جذبہ کا منہ بولتا ثبوت۔ احرام کی حالت میں حاجی کی حیثیت خود بول بول کر یہ بتاتی ہے کہ یہ اللہ ہی کے در کا بھکاری ہے اور اس کی رضا کے علاوہ ہر چیز سے بے نیاز ہے۔ اور اس کا کفن بردوش سپاہی ہے اس کے علاوہ جب مختلف قوموں اور مختلف ملکوں سے تعلق رکھنے والے اور مختلف زبانیں بولنے والے لوگ احرام کا ایک ہی لباس پہن لیتے ہیں تو یہ اس بات کا اعلان ہوتا ہے کہ یہ سارے مسلمان ایک ہی رب کے بندے اور ایک ہی خدا کی فوج کے سپاہی ہیں اس طرح ان کے درمیان دین اور اپنے رب بزرگ و برتر کی محبت اور اس کی اطاعت کے جذبے کے علاوہ سارے امتیازات مٹ جاتے ہیں۔

(۲) تلبیہ

مناسک حج کی ادائیگی کے دوران میں ہر طرف تمام حجاج کی پکار صرف یہی ہوتی ہے۔

لبیک لبیک اللھم لبیک لاشریک لک لبیک إن الحمد والنعمة لک والملک لا شریک لک

حاضر ہوں' میں حاضر ہوں۔ میرے اللہ! میں حاضر ہوں۔ تیرا کوئی شریک نہیں ہے۔ میں حاضر ہوں۔
کوئی شک نہیں کہ حمد تیرے لیے ہے۔ نعمت تیری ہے۔ بادشاہی تیری ہے کوئی تیرا شریک نہیں۔

اللہ کے پیغمبر اور معمار کعبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے رب کے حکم سے وأذن فی الناس بالحج (الحج ۲۲:۲۷) کی تکمیل میں جو منادی کی تھی یہ پکار اس کا جواب ہے۔ ظاہر ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کی یہ منادی محض حج کی رسمیں ادا کرنے کی منادی نہیں تھی بلکہ اپنے آپ کو حقیقت اسلام میں ڈھال دینے کی منادی تھی۔ چنانچہ اسی منادی کے جواب میں حاجی یہ تلبیہ کہہ کر اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی توحید اور اس کی فرمانروائی کا اقرار کرتا ہے اور اپنے آپ کو اس کے سپرد کر دینے کا اعلان کرتا ہے۔

(۳) طواف بیت اللہ

جونہی حاجی کی نظر بیت اللہ پر پڑتی ہے تصور کی نگاہوں میں وہ منظر پھر جاتا ہے جو اس کی تعمیر سے وابستہ ہے۔ اسے یاد آ جاتا ہے کہ میں اسی امت کا ایک فرد ہوں جس کے ظہور کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کے حضور دعا مانگی تھی اور اس کا نام امت مسلمہ تجویز کیا تھا جس کی حیثیت یہ قرار پائی تھی کہ وہ اللہ رب العالمین کی فرمانبردار اور اس کے دین کی علمبردار ہو گی۔

بیت اللہ کا طواف کیا ہے؟ رضائے الٰہی کی خاطر اپنے آپ کو قربان کر دینے کا والہانہ جذبہ جب مرد مومن کعبہ کے گرد چکر لگاتا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا بندہ اپنے مولیٰ کے دربار میں مجسم فدویت اور سراپا عبدیت کا چلتا پھرتا نمونہ بن گیا ہے۔ اس کے دل پر آقا کی محبت کا اس قدر غلبہ ہو گیا ہے کہ اسے اپنے وجود کی بھی خبر نہیں۔ وہ مثل پروانہ' شمع کے گرد چکر لگا کر اس پر نثار ہونا چاہتا ہے اور اپنے رب کے اشاروں پر اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لیے تیار ہے۔

دنیا بھر سے آئے ہوئے اہل ایمان کا ایک مرکز پر جمع ہونا اور اس کے گرد اجتماعی طواف' اس حقیقت کی محسوس علامت ہے کہ اس دین پر ایمان رکھنے والے لوگ بے شمار اختلافات رکھتے ہوئے بھی اصل میں ایک ہیں اور ان کی وفاداریاں ایک ہی ذات حق کے لیے وقف ہیں۔

(۴) صفا و مروہ کے درمیان سعی

صفا و مروہ کے درمیان سعی اس عزم کا اظہار ہے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کا راستہ ہی ہمارا راستہ ہے۔ اور فرمانبرداری اور جان نثاری میں ان حضرات کی طرح ہمارے قدم کبھی سست نہ ہوں گے۔

(۵) حج کے دیگر ارکان

ساتویں سے دسویں ذی الحجہ تک سارے حاجی اجتماعی طور پر حج کے جو ارکان ادا کرتے ہیں۔ منیٰ کے میدان میں جمع ہوتے ہیں' مزدلفہ میں رات کو پڑاؤ ڈالتے ہیں پھر عرفات میں خیمہ زن ہوتے ہیں۔ اس دوران میں لبیک اللھم لبیک پکارتے ہیں۔ امام کا خطبہ سنتے ہیں۔ یہ ساری باتیں واضح طور پر ایک منظم فوجی زندگی کا نقشہ پیش کرتی ہیں۔ یہ صورتحال بتاتی ہے کہ امت مسلمہ ایک منظم اجتماعیت ہے اور اس کی ساری توانائیاں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی بندگی اور اس کے دین کی نصرت و اقامت کے لیے مخصوص ہیں۔

(۶) جمرات پر کنکریاں مارنا

یہ عمل دنیا کے سامنے اس بات کا عملی اظہار ہے کہ جو کوئی اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کے دین کو اور اسلامی اجتماعیت کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرے گا (جس طرح کہ ایمان کا دشمن شیطان کرتا ہے) ہم سب مل کر اس کی سرکوبی کریں گے اور اس کا منہ

پھیر دیں گے۔

(۷) قربانی

یہ اس ذبح عظیم کی یادگار ہے جسے اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کا فدیہ (بدلہ) قرار دیا ہے۔

وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ (الصّٰفّٰت ۳۷:۱۰۷)

ہم نے ایک بڑی قربانی فدیے میں دے کر اس بچے کو چھڑا لیا۔

اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی راہ میں جانور قربان کرنا دراصل اپنے آپ کو قربان کرنے کے قائمقام ہے اور اس بات کا اظہار اور پیش کش ہے کہ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی رضا کا جب بھی تقاضا ہو گا ہم اس کی راہ میں اپنی جان کا نذرانہ بھی پیش کر دیں گے۔ اور اس قربانی کی روح تقویٰ ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ

نہ ان کے گوشت اللہ کو پہنچتے ہیں نہ خون، مگر اسے تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔ (الحج ۲۲:۳۷)

حضرات گرامی!

غور کیجیے کہ ان مراسم حج کے پیچھے بندگی رب کے کس قدر اعلیٰ و ارفع جذبات کارفرما ہیں!

حاجی اپنے ظاہری لباس سے لے کر ساری نفسانی خواہشات کو ایک عرصہ کے لیے ترک کر دیتا ہے۔ اور اپنے آپ کو اپنے بزرگ و برتر رب کے سپرد کر دیتا ہے حج کے سارے ایام اپنے رب کی فرمانبرداری، اس سے دلی محبت، اس کی خاطر قربانی کی اداؤں میں گزارتا ہے۔ اسے ایک اجتماعیت کے تحت زندگی گزارنے کا سبق ملتا ہے اور وہ دین حق کی سربلندی کی خاطر جہاد کا عزم کرتا ہے۔

سامعین گرامی!

حقیقت یہ ہے کہ حج ایک ایسی جامع عبادت ہے کہ جس میں ساری اسلامی عبادتوں کی روح کارفرما ہے۔ یہ نماز بھی ہے کہ اس میں اللہ کا بے حد و حساب ذکر ہوتا ہے (جو نماز کی حقیقت ہے) یہ زکوٰۃ بھی ہے کہ اس میں کثیر رقم اللہ کی راہ میں خرچ کی جاتی ہے۔ یہ روزہ بھی ہے کہ اس میں نفسانی خواہشات کی قربانی دینی ہوتی ہے۔ اور اس دوران میں جنسی تعلقات بھی ممنوع ہو جاتے ہیں۔ اس میں توحید کی اعلیٰ تعلیم بھی ہے جو دین حق کی بنیاد ہے۔ اور میدان عرفات میں جمع ہونا آخرت میں جمع ہونے کی یاد بھی دلاتا ہے۔

حضرات محترم!

حج سمیت دین اسلام کے تمام ارکان محض چند اعمال اور عبادتیں ہی نہیں ہیں بلکہ یہ سب انسان کے اندر بندگی کا احساس ابھارنے اور بندگی کی تکمیل کے ذرائع بھی ہیں۔ ان کی ادائیگی سے مومن کے قلب و ذہن میں اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی محبت اور اطاعت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں اور عملی طور پر وہ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری کے لیے مستعد ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حج اور دوسرے اعمال کو دین کے ستون (ارکان) کا درجہ حاصل ہے۔ یعنی دین کے اہم اجزاء۔ ان ارکان کو شعور کے ساتھ ادا کر کے ہی مومن حق بندگی ادا کر سکتا ہے۔ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اپنی عبادت کما حقہٗ ادا کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین!

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

اخوت اور اتحاد بین المسلمین

(خطبہ حجۃ الوداع کی روشنی میں)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ
عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ
یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ
لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ
رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَھْلِ بَیْتِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ:

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم

آیات مبارکہ: اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْکُمْ وَاتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۰﴾
(الحجرات ۴۹:۱۰)

"مومن تو ایک دوسرے کے بھائی ہیں' لہٰذا اپنے بھائیوں کے درمیان تعلقات کو درست کرو اور اللہ سے ڈرو' امید ہے کہ تم پر رحم کیا جائے گا۔"

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾
وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْکُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ اِذْ کُنْتُمْ
اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِہٖٓ اِخْوَانًا (آل عمران ۳:۱۰۲'۱۰۳)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے تم کو موت نہ آئے مگر

اس حال میں کہ تم مسلم ہو۔ سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو اور تفرقہ میں نہ پڑو اور اللہ کے اس احسان کو یاد رکھو جو اس نے تم پر کیا ہے تم ایک دوسرے کے دشمن تھے اس نے تمہارے دل جوڑ دیے اور اس کے فضل و کرم سے تم بھائی بھائی بن گئے۔

احادیث شریفہ:

عن النعمان ابن بشیر رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مثل المومنین فی توادھم و تراحمھم وتعاطفھم مثل الجسد اذا اشتکی منہ عضو تداعی لہ سائر الجسد بالسھر والحمی (متفق علیہ)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مومنوں کی مثال باہمی محبت کرنے' ایک دوسرے پر رحم کھانے اور باہمی مہربانی کرنے میں ایک جسم کی طرح ہے کہ جب اس کے کسی ایک عضو میں تکلیف ہوتی ہے تو سارا جسم جاگ کر اور بخار میں مبتلا ہو کر اس کا ساتھ دیتا ہے۔

عن انس رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یؤمن احدکم حتی یحب لأخیہ مایحب لنفسہ (متفق علیہ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک (کامل مومن) نہیں بن سکتا جب تک اپنے مومن بھائی کے لیے بھی وہی کچھ پسند نہ کرے جو اپنے لیے کرتا ہے۔

عن ابی موسٰی رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: المؤمن للمؤمن کالبنیان یشد بعضہ بعضا و شبک بین اصابعہ (متفق علیہ)

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ایک مومن دوسرے مومن کے لیے ایسے ہے جیسے ایک دیوار' جس کی اینٹیں ایک دوسرے کو مضبوط کرتی ہیں۔ آپؐ نے (بات واضح کرنے کے لیے) اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں ڈال کر تشبیہ دی۔

حضرات گرامی!

مسلمانوں کے باہمی تعلقات' ایک دوسرے پر حقوق و فرائض' معاشرتی معاملات' بعض قانونی نکات' دین میں اعتدال اور عبادات کی اہمیت پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حج مبارک کے موقع پر جو خطبہ حجۃ الوداع کے نام سے مشہور ہے ایک جامع خطبہ ارشاد فرمایا۔ یہ خطبہ دین اسلام کی جامع اور بنیادی تعلیم کے ساتھ ساتھ حقوق انسانی کا ایک منشور اور انسانوں کی دنیا اور آخرت کی فوز و فلاح کا ذریعہ ہے۔ اس خطبہ کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے:

راوی کہتے ہیں کہ حج کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میدان عرفات میں پہنچ کر قیام فرمایا۔ جب سورج ڈھلنے لگا تو آپؐ نے اپنی اونٹنی قصواء کو تیار کرنے کا حکم دیا۔ جب اونٹنی آئی تو آپؐ (اس پر سوار ہوئے اور) خطبہ ارشاد فرمایا۔ حضورؐ نے اللہ کی حمد اور تعریف کرتے ہوئے خطبے کی یوں ابتدا کی۔

"اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں' اللہ تعالی نے اپنا وعدہ پورا کیا' اپنے

بندے (رسولؐ) کی مدد فرمائی اور تنہا اس ذات پاک نے باطل کی تمام قوتوں کو شکست دی۔

لوگو! میری بات سنو' میں نہیں سمجھتا کہ ہم اس سال کے بعد کبھی اس طرح ایسی مجلس میں جمع ہو سکیں گے۔

اے انسانو! اللہ کا فرمان ہے اے انسانو ہم نے تم سب کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہیں مختلف قوموں اور قبیلوں میں اس لیے تقسیم کیا کہ تم پہچانے جاؤ۔ خدا کے نزدیک تم میں سب سے عزت والا وہ ہے جو خدا سے زیادہ ڈرنے والا ہے لہٰذا اس آیت کی روشنی میں نہ کوئی عربی کسی عجمی سے بہتر ہے اور نہ ہی کوئی عجمی کسی عربی سے بہتر ہے۔ نہ کسی کالے سے کوئی گورا اور نہ کسی گورے سے کوئی کالا بہتر ہے۔ عزت کا تمام تر دارومدار تقویٰ (خداخوفی) پر ہے۔ سب انسان آدم کی اولاد ہیں اور آدم کو مٹی سے بنایا گیا۔

خبردار! تمام عزت' خونوں کے بدلے' مال اور انتقام میرے ان دونوں قدموں کے نیچے ہیں۔ فقط بیت اللہ کا متولی ہونے اور حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت بدستور رہے گی۔

اس کے بعد حضورؐ نے فرمایا اے گروہ قریش! خدا کے سامنے اس حالت میں حاضر نہ ہونا کہ تمہارے کاندھوں پر تو دولت کا بوجھ ہو اور دوسرے لوگ آخرت کا ثمر لے کر پہنچیں۔ اگر ایسا ہوا تو تم پر اللہ کی طرف سے نازل شدہ عذاب کو میں ٹال نہ سکوں گا۔

اے گروہ قریش! اللہ تعالیٰ نے تمہارے دور جاہلیت کے غرور کو ختم کر دیا ہے اور آباء و اجداد کے کارناموں پر فخر کرنے کو کوئی اہمیت حاصل نہیں ہے۔

اے انسانو! تمہارے خون' تمہارے مال اور تمہاری عزتیں تمہارے لیے ایک دوسرے پر ہمیشہ کے لیے حرام کر دیئے گئے ہیں۔ ان چیزوں کی حرمت ایسی ہی ہے جیسی تمہارے اس دن کی اور اس مبارک مہینے (ذوالحج) کی خاص طور پر اس شہر (مکہ شریف) کی! تم سب کو خدا کے سامنے حاضر ہونا ہے اور وہ تم سب سے تمہارے اعمال کی باز پرس کرے گا۔

دیکھنا کہیں میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔ جس کسی کے پاس کوئی بھی امانت موجود ہو تو اس پر لازم ہے کہ مالک کو واپس لوٹا دے۔

اے انسانو! ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے' اور سارے مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اپنے غلاموں کا خیال رکھو۔ انہیں وہی کھلاؤ جو تم خود کھاتے ہو اور انہیں وہی پہناؤ جو تم خود پہنتے ہو۔

خبردار! زمانہ جاہلیت کی ہر شے میرے پاؤں کے نیچے ہے (یعنی میں نے اسے پامال کر کے پھینک دیا ہے) زمانہ جاہلیت کے سارے خون معاف کیے جا رہے ہیں۔ پہلا خون جسے میں معاف کر رہا ہوں' وہ میرے اپنے خاندان کا ہے۔ یہ ربیعہ بن حارث کا خون ہے' جو بنو سعد کے پاس دودھ پینے کے زمانے میں تھا اور اسے ہذیل نے قتل کر دیا تھا۔ زمانہ جاہلیت کا سود بھی ختم کیا جا رہا ہے۔ پہلا سود' جسے میں معاف کر رہا ہوں' وہ عباس بن عبدالمطلب کا سود ہے۔ اب وہ سب ختم ہو گیا۔

اے انسانو! اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کو اس کا حق دے دیا ہے۔ اب کوئی بھی شخص اپنے کسی بھی وارث کے حق میں وصیت نہ کرے۔

اولاد اس کی تصور کی جائے گی جس کے بستر پر اس نے جنم لیا ہو گا۔ جس پر زنا ثابت ہو جائے گا اس کی سزا پتھر (سنگسار کرنا) ہے اور ان کا حساب اللہ کے ہاں ہو گا۔

جو شخص کسی غیر کو اپنا باپ بتلاتا ہے یا جو غلام اپنے آپ کو اصل مالک کے بجائے کسی دوسرے کا غلام بتلاتا ہے' اس

پر خدا کی لعنت ہے۔

قرض ضرور ادا کیا جائے گا۔ ادھار لی گئی چیز واپس کی جائے گی۔ تحفہ کا بدلا دینا ہو گا اور ضامن کو ہرجانہ ادا کرنا ہو گا۔

کسی شخص کے لیے جائز نہیں کہ اپنے بھائی کی کوئی چیز لے لے بشرطیکہ اس کے بھائی نے وہ چیز خوشی سے اس کو دی ہو۔ للذا تم اپنے آپ پر اور ایک دوسرے پر ظلم و زیادتی ہرگز نہ کرو۔

خبردار عورت کے لیے جائز نہیں کہ اپنے شوہر کا مال اس کی اجازت کے بغیر کسی اور کو دے۔

اے انسانو! تمہاری عورتوں پر تمہارے کچھ حقوق ہیں۔ اسی طرح سے تم پر ان کے حقوق ہیں۔ عورتوں پر تمہارا حق یہ ہے کہ وہ کسی اور کو تمہارے بستر پر آنے نہ دیں جو تم گوارا نہ کر سکو۔ نیز ان پر یہ حق بھی ہے کہ کھلی ہوئی بے حیائی اختیار نہ کریں۔ پھر اگر وہ ایسا کریں تو اللہ نے تمہیں اجازت دی ہے (کہ بطور تنبیہ) ان کو اپنے سے جدا رکھو (اور اگر پھر بھی باز نہ آئیں) تو انہیں جسمانی سزا دو لیکن وہ اتنی کہ چوٹ کے نشان نہ پڑیں۔ پھر اگر وہ ٹھیک ہو جائیں تو انہیں اچھے طریقے سے کھلاؤ اور پہناؤ۔

عورتوں کے بارے میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو اس لیے کہ وہ تمہاری پابند ہیں۔ وہ اپنے لیے کچھ نہیں کر سکتیں عورتوں کے حقوق کے سلسلے میں خدا سے ڈرو۔ انہیں تم نے خدا کے نام پر حاصل کیا ہے اور اسی کے احکام کے تحت ان کے جسم تمہارے لیے حلال کیے گئے ہیں۔

میں تمہارے پاس ایسی چیز چھوڑے جا رہا ہوں کہ جس کے ہوتے ہوئے تم کبھی گمراہ نہ ہو گے بشرطیکہ تم اسے مضبوطی سے پکڑے رکھو۔ وہ اللہ کی کتاب ہے۔ یاد رکھو' دینی معاملات میں غلو اور بلاوجہ کی سختیوں سے بچنا' دینی معاملات میں بلاوجہ کی سختی نے تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کر ڈالا۔

شیطان اس بات سے ناامید ہو چکا ہے کہ تمہاری اس سرزمین پر پھر کبھی اس کی بندگی کی جائے گی۔ مگر ہو سکتا ہے کہ ایسے معاملات میں اس کی تابع داری کی جائے جن کو تم کم اہمیت دیتے ہو۔ وہ اس پر راضی ہو جائے گا۔ اس لیے تم اس سے اپنے دین اور ایمان کی حفاظت کے سلسلے میں ہوشیار رہو۔

اے انسانو! میرے بعد کوئی (نیا) نبی نہیں ہے۔ اور تمہارے بعد کوئی امت نہیں ہے۔

خبردار! اپنے رب کی عبادت کرو' پانچ وقت نماز ادا کرو' ایک ماہ کے روزے رکھو' خوش دلی کے ساتھ اپنے مالوں کی زکواۃ ادا کرو' اپنے رب کے گھر کا حج کرو اور اپنے امیر کی اطاعت کرو تو تم اپنے رب کی رحمت سے جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔

سن لو' مجرم اپنے جرم کا خود ذمہ دار ہو گا' باپ کی جگہ بیٹے کو پکڑا نہ جائے گا اور نہ ہی بیٹے کا بدلا باپ سے لیا جائے گا۔

خبردار! جو لوگ یہاں موجود ہیں' انہیں چاہیے کہ یہ احکام اور یہ باتیں ان لوگوں تک پہنچائیں جو یہاں موجود نہیں ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ جو یہاں موجود نہیں ہیں ان میں سے کوئی ایسا ہو جو سننے والوں سے زیادہ سمجھ رکھتا ہو۔ اور ان باتوں کو محفوظ رکھنے والا ہو۔

تم سے میرے بارے میں (خدا کے ہاں) سوال کیا جائے گا۔ تو بتاؤ کیا جواب دو گے؟ لوگوں نے جواب دیا کہ ہم اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ آپ نے امانت (دین) پہنچا دی' آپ نے رسالت کا حق ادا کر دیا۔ اور ہماری خیرخواہی فرمائی۔

یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی شہادت کی انگلی آسمان کی طرف اٹھاتے ہوئے اور لوگوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔ اے اللہ! آپ گواہ رہیں۔ اے اللہ! آپ گواہ رہیں۔ اے اللہ! آپ گواہ رہیں۔ حضور کے خطبہ سے فارغ ہونے

کے بعد قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (المائدہ ۵:۳)

آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لیے مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور تمہارے لیے اسلام کو تمہارے دین کی حیثیت سے قبول کر لیا ہے۔

حضرات گرامی!

قرآن مجید کی تعلیمات' خطبہ حجتہ الوداع اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ نے مسلمانوں کے باہمی تعلقات اور حقوق و فرائض کا جو جامع اور مکمل تصور دیا ہے اس کا عنوان اخوت (بھائی چارہ) ہے۔ اخوت' اخ' اخوۃ اور اخوان کے معنی یہ ہیں کہ مسلمانوں کے باہمی تعلقات' حقوق اور فرائض ایسے ہونے چاہئیں جیسے کہ سگے بھائیوں کے آپس میں ہوتے ہیں۔ جیسے ان میں مساوات و یگانگت ہوتی ہے ویسی ہی تمام مسلمانوں میں ہونی چاہیے۔

اسلام' دین کی بنیاد پر مسلمانوں کی جو عالمگیر برادری قائم کرتا ہے ایسی برادری کسی دوسرے دین' مذہب و مسلک میں نہیں ملتی۔ دین اسلام نے مسلمانوں میں جو باہمی مساوات و وحدت قائم کی ہے اس کا دائرہ ایمان' عبادات' معاشرت' تمدن' اخلاق اور قانون تک پھیلا ہوا ہے۔ اس مساوات میں رنگ و نسل' علم و جہل' فقر و غنا' ذات پات اور علاقے و عہدے سے کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔

نسل و رنگ' زبان و وطن اور قومیت کا بت یہ کہہ کر پاش پاش کر دیا۔ "اے لوگو' ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہیں مختلف قوموں اور قبیلوں میں اس لیے تقسیم کیا کہ تم پہچانے جاؤ۔ اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو اللہ سے زیادہ ڈرنے والا ہے"۔ (الحجرات ۴۹:۱۳) یعنی دنیا میں اسلام کے نزدیک تمام انسانوں میں انسانیت کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں ہے البتہ آخرت میں اللہ کے ہاں اسی کی قدر و عزت زیادہ ہو گی جو اللہ سے زیادہ ڈرنے والا اور اس کی نافرمانی سے بچنے والا ہے۔

امت کی وحدت اور مساوات قائم کرنے اور عملی طور پر تربیت دینے کا بڑا ذریعہ چاروں عبادتیں ہیں۔ ان عبادات میں سے ایک نماز ہے۔ مسجد میں نماز کے لیے آنے والوں سے کسی قسم کا امتیاز و فرق روا نہیں رکھا گیا۔ اللہ تعالیٰ کے گھر میں اس کے سامنے سب برابر ہیں۔ نہ کسی کو دھن دولت کی وجہ سے آگے پیچھے کیا جاتا ہے اور نہ کسی کے رنگ و نسل کی وجہ سے تفریق برتی جاتی ہے اور نہ کسی سے زبان و علاقے کی وجہ سے امتیاز روا رکھا جاتا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے کیا خوب کہا ہے۔

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز
بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے
تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

اس سے بھی نمایاں صورت حج بیت اللہ کی ہے۔ جتنے امتیازات و علامات اور فرق و فاصلے مسلمانوں کے درمیان دنیاوی لحاظ سے پائے جاتے ہیں یہ تمام حج میں یکسر ختم کرا دیئے جاتے ہیں۔ زبان و علاقے کا فرق' رنگ و نسل کا فرق' دھن دولت کا فرق'

عہدے و مرتبے کا فرق' لباس و وضع قطع کا فرق' سب مٹا دیئے جاتے ہیں اور امت واحدہ بنانے کی تربیت دی جاتی ہے۔ یہ امت واحدہ بنانے کی وہ تربیت و تعلیم ہے جو امت مسلمہ کے افراد کو دی جاتی ہے۔ ارشاد ہے:

اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۖ وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ (۹۲) (الانبیاء ۲۱:۹۲)

بے شک تمہاری یہ امت حقیقت میں ایک ہی امت ہے اور میں تمہارا رب ہوں پس تم میری عبادت کرو۔

اسی قسم کی مساوات و وحدت کی تربیت و تعلیم روزہ اور زکواۃ میں دی گئی ہے۔ اسلام کے معاشرتی برتاؤ و احکام میں بھی اخوت و مساوات ہے۔ کوئی نسلی و قبائلی اونچ نیچ اور طبقہ واریت نہیں ہے۔ آقا اور غلام میں کوئی فرق نہیں ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رومیوں سے جہاد کے لیے جو لشکر ترتیب دیا تھا اس میں قریش و انصار کے بڑے بڑے سردار شامل تھے لیکن اس کا سپہ سالار ایک غلام زادہ اسامہ بن زید تھا۔ حضرت عمرؓ حضرت بلال کو سیدنا (ہمارے آقا) بلال کہہ کر خطاب کرتے تھے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے معاشرتی مساوات پر عمل اس طرح کر کے امت کے لیے ایک نمونہ قائم کیا کہ اپنی پھوپھی کی بیٹی زینب جو کہ قریش کے اعلیٰ خاندان سے تھیں' ان کا نکاح زید بن حارثہ سے کیا' جن کو مکے والے اپنا زر خرید غلام جانتے تھے۔ اسی طرح فاطمہ بنت ولید بن عتبہ قریشی کا نکاح ابو حذیفہؓ کے غلام سالم سے ہوا تھا۔ مسلمانوں میں عمومی تعلقات ہی میں نہیں' نکاح کے لیے بھی خاندان اور ذات پات کا کوئی فرق نہیں ہے اسلام کی یہ تعلیمات صرف الفاظ اور نظریات کی حد تک محدود نہیں رہی ہیں بلکہ اسلام نے ان کے مطابق مومنوں کی ایک عالمگیر و آفاقی برادری عملاً قائم کر کے دکھا دی ہے جس میں رنگ' نسل' زبان' وطن اور قومیت کی کوئی تمیز نہیں' جس میں اونچ نیچ اور چھوت چھات اور تفریق و تعصب کا کوئی تصور نہیں' جس میں شریک ہونے والے تمام انسان خواہ وہ کسی نسل و قوم اور ملک و وطن سے تعلق رکھتے ہوں بالکل مساویانہ حقوق کے ساتھ شریک ہو سکتے ہیں اور ہوئے ہیں۔ اسلام کے مخالفین تک کو یہ تسلیم کرنا پڑا ہے کہ انسانی مساوات اور وحدت کے اصولوں کو جس کامیابی کے ساتھ مسلم معاشرے میں عملی شکل دی گئی ہے اس کی کوئی نظیر دنیا کے کسی دین اور کسی نظام میں نہیں پائی جاتی اور نہ ہی کبھی پائی گئی ہے۔ صرف اسلام ہی وہ دین ہے جس نے روئے زمین کے تمام گوشوں میں پھیلی ہوئی بے شمار نسلوں کو ملا کر ایک امت بنا دیا ہے۔

حضرات گرامی!

مسلمانوں کے باہمی تعلقات کے بارے میں ہم ایک طرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ارشاد کی ہوئی اعلیٰ تعلیم و ہدایات کو دیکھتے ہیں اور دوسری طرف ہمارے سامنے آج کا مسلم معاشرہ ہے۔ جس میں قسما قسم کی خرابیاں اور برائیاں موجود ہیں اور پروان چڑھ رہی ہیں۔

- رنگ و نسل کا فخر و غرور اور ذات پات کی تفریق اور اونچ نیچ نے مسلمانوں کو برادریوں اور قبیلوں میں تقسیم کر رکھا ہے۔
- علاقائیت' لسانیت اور صوبائیت کا فتنہ پھیل رہا ہے اور مسلمانوں کی باہمی آویزش کا سبب بن رہا ہے۔ اس آویزش کے نتیجے میں مسلمانوں کے ہاتھوں دوسرے مسلمانوں کی جان' مال اور عزت کا ضیاع ہو رہا ہے۔
- مسلک و مذہب کے تعصب نے نوجوانوں کے ذہنوں کو دین کے بارے میں شکوک و شبہات میں مبتلا کر دیا ہے اور گروہی

تفرقے کی شدت نے امت کو فرقوں میں بانٹ دیا ہے۔ یہ فرقے ایک دوسرے کے ساتھ دست بہ گریباں ہیں۔

○ جماعتوں، تنظیموں اور پارٹیوں کی بے جا آویزش اور کشمکش نے قوم کو پراگندہ کر دیا ہے جسکی وجہ سے عوام ان میں بٹ کر رہ گئے ہیں۔

○ دین دشمن قوتوں یعنی یہود و ہنود و نصاریٰ اور ملحدوں نے امت مسلمہ کے ممالک کو معاشی اور سیاسی تسلط میں جکڑ لیا ہے اور تقریباً" تمام مسلمان ممالک ان کے اشاروں پر چل رہے ہیں۔

○ ایک دوسرے کی حق تلفی عام ہے۔ ایک مسلم کو دوسرے کے حقوق کا خیال نہیں ہوتا لیکن یہ چاہتا ہے کہ میرے جو حقوق دوسروں پر عائد ہوتے ہیں وہ ضرور ادا کریں۔

حضرات گرامی قدر!

یہ وہ افسوسناک حالات ہیں جن کا مختصر سا تذکرہ آپ کے سامنے کیا گیا اور جن میں امت مسلمہ مبتلا ہے۔ آیئے ان مسائل و مشکلات کا مداوا اور علاج، اللہ جل جلالہٗ اور رسول امین کی ہدایات کی روشنی میں سوچیں اور ان پر عمل کر کے دنیوی و اخروی نجات حاصل کریں اور امت مسلمہ کی حیثیت سے اپنا فریضہ بھی ادا کریں۔

(۱) مسلمانوں کا باہمی ایک دوسرے کی عزت و احترام کرنا۔ عمر میں، علم میں، نیکی میں بڑوں کی عزت و احترام ضروری ہے۔ آپؐ نے فرمایا "جو شخص ہمارے چھوٹوں پر شفقت نہیں کرتا اور ہمارے بڑوں کا احترام نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں ہے"۔ دوسری حدیث میں آپؐ نے فرمایا "سب سے اچھا مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان محفوظ ہوں"۔

(۲) مسلمانوں کی خیرخواہی کرنا۔ ان کے انفرادی و اجتماعی معاملات میں خیر خواہی کا جذبہ رکھنا، جریر بن عبداللہ بجلی ایک مشہور صحابی ہیں وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تین باتوں پر بیعت کی نماز قائم رکھنا، زکواۃ دینا اور ہر مسلمان کی خیر خواہی کرنا۔ اسی طرح وہ مشہور حدیث جو پہلے گزری ہے کہ مومن جو چیز اپنے لیے پسند کرے وہی اپنے بھائی کے لیے پسند کرے تب ہی کامل مومن بن سکتا ہے۔

(۳) ایک دوسرے کے لیے سلامتی و امن کا مظہر ہونا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا المسلم من سلم المسلمون من لسانہ و یدہ مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان سلامت رہیں، مسلمانوں کو باہمی جو سلام سکھایا گیا ہے اس کا مقصد بھی سلامتی اور امن کا اظہار کرنا ہے۔ جب ایک شخص دوسرے کو سلام کرتا ہے تو اعلان کرتا ہے کہ مجھ سے تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ میں تمہارے لیے امن و سلامتی کا مظہر ہوں۔

(۴) مسلمانوں میں باہمی تعلقات استوار اور مضبوط کرنے کے لیے رواداری اور وسعت نظری کا ہونا ضروری ہے۔ مسلمانوں میں مسلکی اور فقہی اختلافات موجود ہیں ان کی دین اسلام میں گنجائش ہے۔ اس گنجائش کی بنا پر فقہ کے چاروں پانچوں مسالک اور مقلد و غیر مقلد کے اختلاف کو جائز مانا گیا ہے۔ فقہاء اور علماء کہتے ہیں کہ یہ تمام فقہی مذاہب صحیح ہیں۔ جب اتنی گنجائش ہے تو ایک دوسرے کے ساتھ وسعت ظرفی اور رواداری کا مظاہرہ کرنا چاہیے اور مختلف مسلکوں کو دیکھ کر خوش ہونا چاہیے کہ تمام لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی نہ کسی سنت کو باقی رکھے ہوئے اور قائم کیے ہوئے ہیں۔

(۵) مسلمانوں کے باہمی جو حقوق ہیں ان حقوق کو ادا کرنا ضروری ہے۔ یہ حقوق بیسیوں ہیں جیسے عزیز و اقارب کی حیثیت سے، پڑوسی اور ہم پیشہ ہونے کی حیثیت سے، آجر و اجیر کی حیثیت سے، حاکم و محکوم کی حیثیت سے، بیمار و تندرست کی حیثیت سے، معذور و صحت مند ہونے کے لحاظ سے اور چھوٹے اور بڑے ہونے کی بناء پر ایک دوسرے پر حقوق ہیں انہیں ادا کرنا

ضروری ہے۔

(۶) مسلمانوں کے باہمی تعلقات کو مضبوط کرنے کا ایک بڑا ذریعہ ایک دوسرے کے کام آنا اور خدمت کرنا ہے۔ بیواؤں، یتیموں، معذوروں، بے سہارا لوگوں اور کمزور طبقات کی خدمت کرنا، ان کی جائز حاجات پوری کرنا، اور ان کے دکھ درد میں کام آنا بڑی نیکی کے کام ہیں۔ یہ اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے اور باہمی محبت بڑھانے کا ذریعہ ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بیوہ اور غریب کے لیے دوڑ دھوپ کرنے والا خدا کی راہ کے مجاہد کی طرح ہے اور اس کے برابر ہے جو دن بھر روزہ رکھتا اور رات بھر عبادت کرتا ہے"۔ (بخاری)

(۷) حسن اخلاق۔ مسلمان کی جو خصوصیات قرآن و حدیث میں بار بار بیان ہوئی ہیں ان میں حسن اخلاق نمایاں ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اخلاق حسنہ کو اختیار کرنا اور برے اخلاق سے دور رہنا ہی مسلمان کا خاص وصف ہے۔ اچھے اخلاق میں ایسی کشش ہے جو انسان کو گرویدہ بنالیتی ہے جبکہ بداخلاق انسان سے ہر شخص دور بھاگتا ہے۔

(۸) صبر و تحمل۔ صبر و تحمل برداشت مومن کی بنیادی صفات میں سے ہے۔ صبر کا جس طرح انفرادی زندگی میں ہونا ضروری ہے اسی طرح اجتماعی زندگی میں بھی لازم اور کامیابی کی شرط ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اے ایمان والو، صبر اختیار کرو اور صبر میں ایک دوسرے سے آگے بڑھو اور باہمی ربط قائم رکھو اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ" (آل عمران ۳:۲۰۰)

طبرانی کی روایت ہے کہ "صبر آدھا ایمان ہے اور یقین پورا ایمان ہے"۔

(۹) مسلمانوں کے باہمی تعلقات درست رکھنے اور حقوق ادا کرنے کے لیے ایک دوسرے کے لیے دعا کرنا اور مسلمانوں کے لیے خیر و بھلائی کا طلب گار بنے رہنا چاہیے۔ ایمان پر استقامت اور دلوں کو جوڑنے کی کوشش اور دعا کرتے رہنا ہی مسلمان کا وظیفہ زندگی ہوتا ہے۔

(۱۰) مسلمانوں کے اتحاد و اتفاق اور وحدت و یکجہتی کے لیے کوشش کرنا ہر مسلمان اپنی ذمہ داری سمجھے اور اس مقصد کے لیے ہر وقت کوشاں رہے۔ ہر شخص اجتماعی معاملات کو انفرادی باتوں پر ترجیح دے۔ امت کے مفاد کو اپنے مفاد پر ترجیح دے۔ نیز ہر مسلمان یہ سمجھے کہ امت کی عزت میری عزت ہے، امت کی قوت و طاقت میری قوت و طاقت ہے۔

حضرات یہ وہ چند بنیادی باتیں ہیں جنہیں اختیار کیا جائے تو امت کے افراد میں اخوت پیدا ہو گی اور اتحاد امت کا عظیم مقصد حاصل ہو گا:

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاک کاشغر

اللہ تبارک و تعالیٰ امت کے افراد کو آپس میں اتحاد و اتفاق پیدا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

علم کی نعمت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَهْلِ بَيْتِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ:

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آیات مبارکہ:

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِئُوْنِيْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝ (البقرہ ۳۲٬۳۱)

اللہ نے آدم کو ساری چیزوں کے نام سکھائے' پھر انہیں فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور فرمایا اگر تمہارا خیال صحیح ہے (کہ کسی خلیفہ کے تقرر سے انتظام بگڑ جائے گا) تو ذرا ان چیزوں کے نام بتاؤ۔ انہوں نے عرض کیا' نقص سے پاک تو آپ ہی کی ذات ہے۔ ہم تو بس اتنا ہی علم رکھتے ہیں' جتنا آپ نے ہم کو دیا ہے۔ حقیقت میں سب کچھ جاننے والا اور سمجھنے والا آپ کے سوا کوئی نہیں۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۝۱ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝۲ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝۳ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝۴ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝۵ (العلق ۹۶: ۱ تا ۵)

پڑھو (اے نبیؐ) اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا' جمے ہوئے خون کے ایک لوتھڑے سے انسان کی تخلیق کی۔ پڑھو اور تمہارا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعہ سے علم سکھایا' انسان کو وہ علم دیا جسے وہ نہ جانتا تھا۔

قُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا (۱۱۴) (طٰہٰ ۲۰:۱۱۴)

دعا کرو کہ اے پروردگار مجھے مزید علم عطا کر

احادیث شریفہ:

عن معاویۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من یرد اللہ بہ خیراً یفقھہ فی الدین و انما انا قاسم واللہ یعطی (متفق علیہ)

حضرت معاویہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جس سے بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اسے دین کی سمجھ و شعور عطا فرماتا ہے۔ اور میں صرف (علم) تقسیم کرنے والا ہوں اور دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہے۔

عن ابی ھریرۃؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا مات الانسان انقطع عنہ عملہ الا من ثلاثۃ صدقۃ جاریۃ او علم ینتفع بہ او ولد صالح یدعولہ (رواہ مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب انسان مرجاتا ہے تو اس کے عمل منقطع ہو جاتے ہیں۔ مگر تین عمل ایسے ہیں کہ ان کے ثواب کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ ایک' جاری رہنے والی نیکی' دوسرا ایسا علم جس سے نفع حاصل ہو رہا ہو اور تیسرا نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرے۔

عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من خرج فی طلب العلم فھو فی سبیل اللہ حتی یرجع (رواہ الترمذی والدارمی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص علم کی طلب میں نکلا تو وہ اس وقت تک اللہ کی راہ میں شمار ہو گا جب تک لوٹ نہ آئے۔

برادران اسلام!

اللہ تعالیٰ کی انسان پر جو ان گنت نعمتیں ہیں ان میں سے ایک بڑی نعمت علم کی دولت ہے۔ علم کی نعمت کی وجہ سے اسے تمام مخلوقات پر فضیلت حاصل ہوئی اور وہ اس کی بدولت فرشتوں جیسی نوری مخلوق سے بازی لے گیا خلافت ربانی کی ذمہ داری اٹھانے کے لائق ہوا اور کائنات کی تمام اشیاء سے نفع اٹھانے اور اس پر حکمرانی کرنے کا اہل بنا۔ چنانچہ حضرت انسان کی دنیاوی زندگی کا سفر شروع ہوا تو سب سے پہلے انسان یعنی حضرت آدم علیہ السلام کو دنیا کی تمام ضروری اشیاء کے نام بتا کر ان کا علم عطا کیا گیا پھر اس علم کا امتحان بھی لیا گیا اور اس میں فرشتوں کو بھی شامل کیا گیا۔ لیکن وہ جواب نہیں دے سکے اور آدم علیہ السلام نے تمام اشیاء کے نام بتا دیئے۔ اس سے عبادت پر علم کی فضیلت بھی ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ فرشتے عبادت میں اس قدر بڑھے

ہوئے ہیں کہ وہ معصوم ہیں اور ہر وقت عبادت میں مصروف رہتے ہیں مگر وہ علم میں انسان سے کم ہیں اس لیے خلافت کا مرتبہ انسان کو ہی حاصل ہوا۔ ایک اور پہلو سے غور کریں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ عبادت مخلوقات کا خاصہ اور صفت ہے لیکن علم اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ہے۔ اور انسان اللہ تعالیٰ کا خلیفہ اور نائب ہے اس لیے اس میں اس صفت کا ہونا ضروری ہے تاکہ وہ خلافت کی ذمہ داریاں اچھی طرح سے سرانجام دے سکے۔

حضرات گرامی!

علم اللہ تعالیٰ کی صفت کمال ہے جو اس سے کبھی جدا نہیں ہوتی اس لحاظ سے اس کی اہمیت تمام اشیاء سے زیادہ ہے۔ پھر جو لوگ اس صفت سے متصف ہیں وہ بھی دوسری مخلوق سے برتر ہیں۔ ارشاد باری ہے:

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ ﴿٩﴾ (الزمر ۳۹:۹)

ان سے پوچھو کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے دونوں کبھی یکساں ہو سکتے ہیں؟ نصیحت تو عقل رکھنے والے ہی قبول کرتے ہیں۔

یعنی عالم اور جاہل، دیکھنے والا اور اندھا اور باخبر و بے خبر کبھی ایک جیسے نہیں ہو سکتے۔ ضرور ان میں فرق ہو گا۔ ان کے رویے اور عمل میں فرق ہو گا۔ یہ سب کچھ علم کی دولت اور نعمت سے ہو گا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو علم بڑھانے اور خود علم میں آگے بڑھنے کی دعا سکھائی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

رَّبِّ زِدْنِي عِلْمًا ﴿١١٤﴾ (طٰہٰ ۲۰:۱۱۴)

اے میرے پروردگار میرے علم کو بڑھا۔

رسول کریمؐ پر پہلی وحی ہی علم کے بارے میں نازل ہوئی اس وحی کی پانچ آیتوں میں علم اور علم سے تعلق رکھنے والی چیزوں کا تذکرہ چھ مرتبہ فرمایا۔ چنانچہ اس وحی کی روشنی میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ اور نو مسلموں کے لیے تعلیم کا بہترین بندوبست کیا۔ مکہ مکرمہ میں جو مسلمان ہوتا اسے مسلمانوں میں سے اس کے حوالے کرتے جو اسے قرآن مجید کی تعلیم دے سکے۔ لہٰذا مکے کی گلیوں، پہاڑوں کی گھاٹیوں اور مختلف گھروں اور دار ارقم میں ہر وقت تعلیم ہوتی رہتی تھی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ نے تعلیم و تربیت کا مزید اہتمام اور بندوبست کیا۔ غزوہ بدر کے قیدیوں میں سے جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے ان کی رہائی کا فدیہ ہی یہ مقرر کیا کہ وہ انصار کے دس، دس لڑکوں کو لکھنے اور پڑھنے کی تعلیم دیں۔ یہ تعلیم لکھنے پڑھنے کی ابتدائی تعلیم تھی جسے ہم آج کی زبان میں دنیاوی تعلیم کہتے ہیں۔ آپؐ نے یہ تعلیم کفار سے نہ صرف حاصل کرنے کی اجازت دی بلکہ حکومت کی سطح پر اس کا بندوبست بھی کیا تاکہ تعلیم عام ہو۔ اسی طرح آپؐ نے علم حاصل کرنے والوں کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

جو شخص ایسی راہ پر چل رہا ہے جو علم طلب کرنے کی راہ ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اسے ایسی راہ پر چلائیں گے جو جنت کی راہ ہو گی۔ (مسلم)

یعنی علم کی راہ اور جنت کی راہ ایک ہیں جو انسان کو کامیابی اور فلاح کی منزل پر پہنچاتی ہیں۔

حضرات گرامی!

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی میں باقاعدہ ایک تعلیم گاہ بنائی تھی جسے صفہ کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اس تعلیم گاہ میں تعلیم و تدریس کے سلسلے میں مجمع لگا رہتا تھا آپؐ بھی ان کے ساتھ آکر بیٹھتے اور ان کی رہنمائی فرماتے تھے۔

دراصل کامل انسان بننے اور دنیا میں انسان کی آمد کے مقصد کو پورا کرنے کے لیے علم کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہونے کی حیثیت سے خلافت کی ذمہ داریوں کو انسان اس وقت نباہ سکے گا جب کائنات کی تمام اشیاء کو سمجھ کر ان کو اپنی دسترس میں لے کر استعمال کرے گا اور ان سے کام لے گا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے انسان کو کائنات کی پوری حقیقت سمجھائی اور ان سے کام لینے کا طریقہ بھی بتایا۔ چنانچہ آج انسان نے جتنی ترقی کی ہے' زمین سے بے شمار خزانے نکالے ہیں' آسمانوں پر انسان اڑا پھر رہا ہے' زمین کے پیٹ سے معدنیات کے ذخیرے نکال کر استعمال کر رہا ہے' قسم قسم کی ایجادات کر رہا ہے' یہ سب کچھ علم کے صدقے ہے۔ یہ سارے علم کے کارنامے ہیں۔ اگر علم کی دولت نہ ہو تو انسان حیوان کی مثل حیوان ہی رہ جاتا ہے۔ علم کی فضیلت بیان کرتے ہوئے امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے احیاء العلوم میں فرمایا: "وہ خاصہ کہ جس کی وجہ سے انسان چوپایوں سے ممتاز ہوتا ہے' علم ہے۔ انسان اس وقت تک انسان کہلائے گا جب اس میں وہ بات موجود ہو جس کی وجہ سے اسے شرف حاصل ہے اور وہ علم ہے۔ انسان کا شرف نہ تو جسم کے زور کے باعث ہے اس لیے کہ زور میں اس سے اونٹ زیادہ ہے' نہ بڑا بشہ ہونے کی وجہ سے ہے کیونکہ ہاتھی اس سے بڑا ہے' نہ شجاعت و بہادری کے سبب سے ہے کہ درندے اس سے بھی زیادہ شجاع ہیں اور نہ کھانے کی وجہ سے ہے اس لیے کہ بیل کا پیٹ اس سے بڑا ہے بلکہ اس کی شرافت محض علم کی وجہ سے ہے اور اس علم کے لیے وہ پیدا ہوا ہے۔ حکماء کا قول ہے کہ "ہمیں کوئی یہ بتائے کہ جس کو علم نہ ملا اسے کیا ملا اور جسے علم مل گیا اس سے اور کیا باقی رہا"۔

سامعین کرام!

انسان اپنی زندگی کی ضروریات اور آسائشات کے حصول کے لیے علم کا محتاج ہے انسان کی لازمی ضروریات و حاجات کی فراہمی و تکمیل کا دارومدار علم پر ہے۔ علم کی قوت و فن سے وہ اپنے کھانے پینے' اپنے اوڑھنے پہننے' اپنے رہنے سہنے' اپنے علاج معالجہ اور اپنے سیر و سفر کا انتظام کر سکتا ہے۔ لہٰذا انسان کو حصول علم کے لیے جدوجہد کرنی چاہیے اور علم کے زیور سے آراستہ ہو کر زندگی کی سہولتیں حاصل کرنی چاہئیں۔

محترم حضرات گرامی!

اپنے خالق و مالک کو پہچاننے اس کی صفات و کمالات کو جاننے اور اپنے رب سے تعلق جوڑنے کے لیے علم انسان کی بنیادی ضرورت ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ ۭ

اللہ نے خود اس بات کی شہادت دی ہے کہ اس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے اور فرشتے اور سب اہل علم بھی راستی اور انصاف کے ساتھ اس پر گواہ ہیں۔

یعنی علم والے ہر دور میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی گواہی دیتے رہے ہیں اور دیتے رہیں گے اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے توحید کی گواہی میں اپنے ساتھ فرشتوں اور علم والوں کو بھی شمار کیا ہے۔

شیخ سعدیؒ نے کیا خوب کہا:

میاموز جز علم گر عاقلی
کہ بے علم بودن بود غافلی

یعنی علم چھوڑ کر اور کچھ نہ سیکھو کیونکہ بے علم ہونا بڑی غفلت اور نادانی ہے۔
پھر وہ کہتے ہیں:

چو شمع پئے علم باید گداخت
کہ بے علم نتواں خدا را شناخت

علم حاصل کرنے کے لیے شمع کی طرح گھلنا چاہیے اس لیے کہ بے علم اللہ تعالیٰ کو نہیں پہچان سکتا۔
علم کی بنا پر خشیت خداوندی پیدا ہونے کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ غَفُورٌ ﴿۲۸﴾ (فاطر ۳۵:۲۸)

حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے بندوں میں سے صرف علم رکھنے والے لوگ ہی اس سے ڈرتے ہیں۔ بے شک اللہ زبردست اور درگزر فرمانے والا ہے۔

حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ نے اس آیت کی تشریح اس طرح فرمائی:

العالم من خشی الرحمٰن بالغیب و رغب فیما رغب اللہ فیہ و زھد فیما سخط اللہ فیہ

عالم وہ ہے جو اللہ سے بے دیکھے ڈرے' جو کچھ اللہ کو پسند ہے اس کی طرف وہ راغب ہے اور جس چیز سے اللہ ناراض ہے اس سے وہ کوئی دلچسپی نہ رکھے۔

حضرات گرامی!

مسلمان ہونے کے لیے بھی علم کی ضرورت ہے۔ کیونکہ مسلمان ہونے اور اسلام لانے کا مطلب یہ ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کی جو تعلیم دی ہے اس کو آدمی جان کر' سمجھ کر' دل سے قبول کرے اور اس کے مطابق عمل کرے جو ایسا کرے وہ مسلمان ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسلام پہلے علم کا نام ہے اور علم کے بعد عمل کا نام ہے۔ ایک شخص علم کے بغیر برہمن ہو سکتا ہے کیونکہ وہ برہمن کے گھر میں پیدا ہوا ہے اور برہمن ہی رہے گا۔ ایک آدمی علم کے بغیر جاٹ ہو سکتا ہے کیونکہ وہ جاٹ پیدا ہوا ہے اور جاٹ ہی رہے گا۔ مگر ایک شخص علم کے بغیر مسلمان نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ مسلمان پیدائش کی وجہ سے مسلمان نہیں ہوا کرتا بلکہ علم و ایمان سے ہوتا ہے۔ جب تک اس کو یہ علم نہ ہو کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کیا ہے وہ اس پر کیسے ایمان لا سکتا ہے اور اس کے مطابق کیسے عمل کر سکتا ہے۔ وہ جان کر اور سمجھ کر ایمان ہی نہ لایا تو کیسے پکا مسلمان ہو سکتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ جہالت کے ساتھ صحیح مسلمان رہنا مشکل ہے۔

حضرات!

یہ باتیں جو میں کہہ رہا ہوں ان پر ٹھنڈے دل سے غور کیجیے اور اچھی طرح سمجھ لیجیے کہ خدا کی سب سے بڑی نعمت جس پر آپ شکر اور احسان مندی کا اظہار کرتے ہیں' اس کا حاصل ہونا اور نہ ہونا علم پر موقوف ہے۔ اگر علم نہ ہو تو یہ نعمت آدمی کو حاصل نہیں ہو سکتی اور اگر تھوڑی بہت حاصل ہو جائے تو جہالت کی بنا پر ہر وقت یہ خطرہ رہتا ہے کہ یہ عظیم نعمت ہاتھ سے چلی نہ جائے۔

یہ علم جس کی ضرورت آپ سے بیان کی جا رہی ہے' اس پر آپ کے اور آپ کی اولاد کے مسلمان ہونے اور مسلمان رہنے کا دارومدار ہے اور یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے کہ اس سے بے پروائی برتی جائے۔ لہٰذا ہر شخص دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں سے صرف ایک گھنٹہ دین کا علم سیکھنے میں صرف کرے۔ کم از کم اتنا علم ہر مسلمان مرد' عورت' بچے' بوڑھے اور

جوان کو حاصل ہونا چاہیے کہ قرآن مجید جو تعلیم لے کر آیا ہے اس کا لب لباب جان لے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو دین لے کر آئے ہیں اسے وہ اچھی طرح سمجھ لے اور اس خاص طریق زندگی سے واقف ہو جائے جو اللہ اور اس کے رسولؐ نے مسلمانوں کے لیے مقرر کیا ہے۔

برادران اسلام!

علم سے انسان کے اخلاق و کردار کی تعمیر ہوتی ہے خاص طور پر دین کا صحیح علم حاصل کرنے سے انسان کا جو اخلاق بنتا ہے وہ تمام سے اعلیٰ ہوتا ہے' اور اس کے اثرات بڑے اچھے نکلتے ہیں اور سیرت کی تعمیر ہوتی ہے۔ اس کے برخلاف جاہل آدمی اخلاق و کردار اور اپنے رویے میں علم والے کے مقابلے میں کم تر ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرات داؤد اور حضرت سلیمان کو علم عطا کیا تھا۔ اس کا تذکرہ اس طرح فرمایا:

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا ۚ وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ فَضَّلَنَا عَلٰى كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵﴾ (النمل ۲۷:۱۵)

ہم نے داؤد اور سلیمان کو علم عطا کیا اور انہوں نے کہا کہ شکر ہے اس خدا کا جس نے ہم کو اپنے بہت سے مومن بندوں پر فضیلت عطا کی۔

انہیں علم دیا گیا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا شکر ادا کیا۔ اس کے برخلاف فرعون' ہامان اور قارون نے حقیقی علم نہ ہونے کی وجہ سے تکبر کیا اور محض اپنے دنیاوی علم پر ناز کیا جس کی وجہ سے ہدایت سے دور ہو گئے اور تباہی کے گڑھے میں جا گرے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے برباد ہو گئے۔

درحقیقت عام علم کے ساتھ دینی علم بھی ہو تو انسان کی عاقبت بھی سدھر جاتی ہے اور دنیا اور آخرت کی کامیابی سے ہمکنار ہو کر نجات بھی حاصل کر لیتا ہے۔

حضرات گرامی!

ہمارے معاشرے میں علم کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے ایک دینی علم اور دوسرا دنیاوی علم۔ پھر بعض نے صرف اس علم کو جسے وہ دینی کہتے ہیں' پڑھنے' پڑھانے اور اسے پھیلانے پر اکتفا کر لیا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ بعض اوقات تو دوسرے علوم کے پڑھنے پڑھانے کی مخالفت بھی کرتے ہیں۔ اسی طرح دوسرے گروہ نے دینی علوم سے صرف نظر کر لیا اور پوری طرح دنیاوی علوم کے حصول اور ان کی ترقی میں لگ گئے ہیں۔ یہ لوگ نہ صرف یہ کہ دینی علوم سے آگاہی حاصل نہیں کرتے بلکہ علم دین اور اس کے حاصل کرنے والوں کو کم تر خیال کرتے ہیں۔ پھر انہی علوم کی بنیادوں پر تعلیمی ادارے' نصاب' اسناد' اساتذہ سب علیحدہ علیحدہ ہو گئے۔ اس طرح یہ لوگ ایک دوسرے کے مدمقابل بن گئے' ایک دوسرے کی مخالفت کرنے لگے اور ایک دوسرے کو کم علم اور جاہل اور گناہ گار سمجھنے اور کہنے لگے۔ اس طرح ان کے درمیان خلیج حائل ہوتی گئی اور امت دو گروہوں میں منقسم ہو کر رہ گئی ہے۔ حالانکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

طلب العلم فریضة علی کل مسلم

علم کا طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

اس علم سے کون سا علم مراد ہے اس سوال کا جواب امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ کی کتاب احیاء العلوم سے اختصار سے دیا

جاتا ہے امام صاحب فرماتے ہیں کہ "جس مسلمان پر جو دینی فرض عائد اور لازم ہو جائے تو اس وقت اس فرض کا علم حاصل کرنا اس پر فرض ہے۔ جیسے کوئی شخص جونہی بالغ ہو تو اس پر نماز کا علم حاصل کرنا اور ضروری مسائل جاننا فرض عین ہے۔ جب رمضان المبارک آئے گا تو روزے کا علم حاصل کرنا فرض ہے۔ اسی طرح جب اس پر زکوٰۃ فرض ہو گی تو زکوٰۃ کے ضروری احکام کا علم حاصل کرنا فرض ہے۔ پھر جب اس پر حج فرض ہو جائے تو حج کے احکام کا علم حاصل کرنا اس پر ضروری ہے۔ اسی طرح کوئی شخص تجارت شروع کرتا ہے تو تجارت کا علم حاصل کرنا فرض ہے۔ پھر محرمات اور منہیات یعنی صریح حرام چیزوں اور اللہ اور رسول کی طرف سے منع کردہ چیزوں کا علم حاصل کرنا ضروری ہے۔ مثلاً اگر نو مسلم تاجر ہو اور اس شہر میں سود کا معاملہ رائج و جاری ہو تو اس شخص پر سود کو سمجھنا اور اس سے بچنے کے مسائل سیکھنا واجب ہو گا"۔

امام صاحب مزید لکھتے ہیں کہ: "وہ علوم جن سے دنیا کے معاملات کی بھلائی اور بہتری وابستہ ہے جیسے طب اور حساب وغیرہ تو ان کا سیکھنا فرض کفایہ ہے۔ اس طرح بنیادی صنعتوں' ہنروں وغیرہ کا علم سیکھنا فرض ہے۔ جب کسی بستی کا ایک آدمی اسے سیکھ لے تو سب سے فرض ساقط ہو جائے گا لیکن کسی ایک نے بھی یہ فرض ادا نہیں کیا تو سب لوگ گناہ گار ہوں گے۔" امام غزالی نے احیاء العلوم جلد اول باب اول کی ابتدا ہی میں علم کا بیان بڑی تفصیل سے کیا ہے۔ جس میں دینی و دنیاوی دونوں قسم کے علوم بڑی وضاحت سے بیان کیے ہیں۔

برادران اسلام!

اسلام نے تعلیم و تعلم کو بہت اہمیت دی ہے۔ اس کا تھوڑا سا بیان آپ کے سامنے کیا گیا ہے اس اہمیت کے چند پہلو اور باتیں پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) اسلام نے تعلیم کو عبادت کا درجہ دیا ہے۔ تعلیم دینے والے اور تعلیم حاصل کرنے والے دونوں گروہ دنیا کے بہترین افراد قرار دیئے گئے ہیں۔ جب تک تعلیم و تعلم میں مشغول ہیں تو اجر و ثواب اور اللہ کی رحمت کے مستحق ہیں۔ ان کے لیے فرشتے آسمانوں میں' عام مخلوق زمین پر اور مچھلیاں پانی میں دعائیں کرتی ہیں اور یہ لوگ فی سبیل اللہ (اللہ کی راہ میں) شمار ہوتے ہیں۔

(۲) اسلام نے ضرورت کے مطابق تعلیم ہر فرد کے لیے لازمی قرار دی۔ مرد عورت' شہری دیہاتی' چھوٹے بڑے اور امیر و غریب کا کوئی فرق روا نہیں رکھا۔ تمام طبقات' گروہوں اور لوگوں کے لیے تعلیم کو عام کر دیا اور کسی طبقے اور افراد سے اسے خاص نہیں کیا۔

(۳) اسلام میں ہر قسم کی تعلیم حاصل کرنے' تمام فنون سیکھنے' ان کی تعلیم و تدریس کا بندوبست کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ بعض علوم و فنون کا سیکھنا فرض عین اور فرض کفایہ قرار دیا گیا تو بعض کی تعلیم حاصل کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ اسلامی تاریخ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی حکومت کے ہر دور میں ایسے مدرسے اور ادارے موجود رہے ہیں جن میں طب' ہندسہ' کتابت اور صناعت' فلکیات' فلسفہ' ادب' تاریخ' منطق' کی تعلیم دی جاتی تھی۔ غرضیکہ اسلام نے ہر قسم کی تعلیم کی حوصلہ افزائی کی اور کسی تعلیم پر پابندی نہیں لگائی۔

(۴) اسلام نے تعلیم کو دنیاداری کمائی اور تجارت بننے نہیں دیا بلکہ مفت تعلیم کا بندوبست کیا۔ چونکہ تعلیم عبادت کا درجہ رکھتی ہے اس لیے لوگوں نے عبادت سمجھ کر اپنے اجر و ثواب کے لیے تعلیمی ادارے قائم کیے اور ان کی دل کھول کر امداد کی۔

(۵) مسلم حکومتوں میں طلبہ اور معلمین کے اقامتی ادارے قائم کیے گئے جس میں ہر قسم کے بندوبست ہوتے تھے۔ رہائش اور طعام کا بندوبست' ضروریات زندگی کی فراہمی اور علاج معالجہ کا انتظام کیا جاتا تھا۔ تعلیمی اداروں کی ضروریات پوری کرنے کے

لیے وقف قائم کیے گئے جن سے ان تعلیمی اداروں کے اخراجات کا پورا بندوبست ہوتا تھا۔

(۶) اسلام میں تعلیم کو حکومت کے تسلط سے آزاد رکھا گیا اور سرکاری اور پبلک سیکٹر میں آزادی سے تعلیمی ادارے قائم کرنے، نصاب مقرر کرنے اور انہیں چلانے کے لیے کوئی پابندی نہیں لگائی گئی۔ لہٰذا تعلیمی ادارے اپنی مرضی سے ہر حالت میں اور ہر دور میں جاری و ساری رہے۔ یہی وجہ ہے کہ چودہ صدیاں گزرنے کے بعد بھی ہمارے دینی مدارس تمام حالات کا مقابلہ کرتے ہوئے جاری ہیں اور دین کی تعلیم دے رہے ہیں۔

حضرات گرامی!

آیئے ہم من حیث القوم اور امت مسلمہ کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ کی یہ عظیم نعمت یعنی دینی و دنیاوی دونوں قسم کے علوم حاصل کرنے کا عزم کریں اور کسی علم سے نفرت نہ کریں، کسی علم کو بے کار اور بے فائدہ نہ سمجھیں اور اپنے آپ کو اس نعمت سے محروم نہ کریں۔ کیونکہ علم نعمت خداوندی ہے جس سے ملک و ملت ترقی کرتے ہیں اس کے ذریعے سے ہم اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتوں کو زمین کے خزانوں سے نکالتے ہیں، انہیں کار آمد بناتے ہیں اور انسانوں کی ضرورتیں پوری کرتے ہیں اور اپنی زندگی کی آسائشیں حاصل کرتے ہیں اور دنیا و آخرت کی فلاح سے ہمکنار ہوتے ہیں۔ علم کی دولت کی وجہ سے ہم دوسری قوموں کی غلامی سے چھٹکارا حاصل کرتے ہیں اور ان کے سامنے دست سوال دراز کرنے سے محفوظ رہتے ہیں۔

آیئے، اپنے بچوں، ملک و ملت کے نونہالوں اور جوانوں کو دینی و دنیاوی علم کے زیور سے آراستہ کریں اور انہیں ترقی کی راہ پر گامزن کر کے اپنی ذمہ داریاں ادا کریں اور دنیا اور آخرت کی کامیابی و کامرانی حاصل کریں۔

خداوند کریم سے دعا ہے کہ ہمیں علم کی نعمت سے نوازے، اس کی قدر کرنے کی توفیق عطا کرے اور بے قدری سے بچائے۔ آمین۔

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

صفات مومن

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَهْلِ بَيْتِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ:

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آیات مبارکہ:

اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ۗ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾
(التوبہ ۹: ۱۱۲)

اللہ کی طرف بار بار پلٹنے والے' اس کی بندگی بجا لانے والے' اس کی تعریف کے گن گانے والے اس کی خاطر زمین میں گردش کرنے والے' اس کے آگے رکوع اور سجدے کرنے والے' نیکی کا حکم دینے والے' بدی سے روکنے والے اور اللہ کے حدود کی حفاظت کرنے والے اور اے نبیؐ! ان مومنوں کو خوشخبری دے دو۔

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱﴾ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ
صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ﴿۲﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ﴿۳﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ
لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ﴿۴﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ﴿۵﴾ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ

اَیمَانُھُمْ فَاِنَّھُمْ غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ ﴿۶﴾ فَمَنِ ابْتَغٰی وَرَآءَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْعٰدُوْنَ ﴿۷﴾ وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِاَمٰنٰتِھِمْ وَعَھْدِھِمْ رٰعُوْنَ ﴿۸﴾ وَالَّذِیْنَ ھُمْ عَلٰی صَلَوٰتِھِمْ یُحَافِظُوْنَ ﴿۹﴾ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْوٰرِثُوْنَ ﴿۱۰﴾ الَّذِیْنَ یَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱﴾ (المومنون ۲۳:۱-۱۱)

یقیناً" فلاح پائی ہے ایمان لانے والوں نے جو اپنی نماز میں خشوع اختیار کرتے ہیں' لغویات سے دور رہتے ہیں' زکوۃ کے طریقے پر عامل ہوتے ہیں' اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں سوائے اپنی بیویوں کے اور ان عورتوں کے جو ان کی ملک یمین میں ہوں کہ ان پر محفوظ نہ رکھنے میں وہ قابل ملامت نہیں ہیں البتہ جو اس کے علاوہ کچھ اور چاہیں وہی زیادتی کرنے والے ہیں' اپنی امانتوں اور اپنے عہد و پیمان کا پاس رکھتے ہیں' اور اپنی نمازوں کی محافظت کرتے ہیں۔ یہی لوگ وہ وارث ہیں جو میراث میں فردوس پائیں گے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِیْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِیْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِیْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِیْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِیْنَ فُرُوْجَھُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰکِرِیْنَ اللّٰہَ کَثِیْرًا وَّالذّٰکِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰہُ لَھُمْ مَّغْفِرَۃً وَّاَجْرًا عَظِیْمًا ﴿۳۵﴾ (الاحزاب ۳۳:۳۵)

بالیقین جو مرد اور جو عورتیں مسلم ہیں' مومن ہیں' مطیع فرمان ہیں' راست باز ہیں' صابر ہیں' اللہ کے آگے جھکنے والے ہیں' صدقہ دینے والے ہیں' روزے رکھنے والے ہیں' اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں اور اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والے ہیں' اللہ نے ان کے لیے مغفرت اور بڑا اجر مہیا کر رکھا ہے۔

حضرات!

ہر مومن کے ایمان کا بنیادی اور بے انتہا اہم جز توحید ہے۔ وہ عقیدہ توحید کا حامل ہوتا ہے اور اس عقیدے کے اثرات اس کی تمام زندگی پر نمایاں نظر آتے ہیں۔ عقیدہ توحید رکھنے والا اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات کو تمام کائنات کا خالق' رازق' مختار کل' بے حاجت' بے پروا اور صاحب اقتدار سمجھتا ہے۔ اس لیے وہ کسی اور کو رزق دینے والا' عزت ذلت دینے والا' یا کسی قسم کی حاجت پوری کرنے والا نہیں سمجھتا۔ اسی کے نتیجے میں اس کے اندر شجاعت' بہادری اور اعلیٰ انسانی اقدار پیدا ہو جاتی ہیں وہ کسی کے آگے نہیں جھکتا سوائے اللہ کے۔ وہ اپنے آپ کو عبد اور اللہ کو معبود سمجھتا ہے۔ اور عبدیت کو اعلیٰ مقام اور بلند درجہ سمجھتا ہے۔ وہ زندگی کے تمام شعبوں میں اور اپنے تمام اعمال میں اپنی عبدیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے ایسا طریقہ اختیار کرتا ہے جو اس کے معبود نے پیغمبروں کے ذریعہ سے بتا دیا ہے یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اس پر عمل پیرا رہے ہوں۔ عقیدہ توحید کے ساتھ ایک مومن یوم آخرت پر بھی ایمان رکھتا ہے اور اس کو پختہ یقین ہوتا ہے کہ ایک دن ایسا آنے والا ہے جس میں

اسے ایک قادر مطلق کے سامنے پیش ہونا ہے اور اپنے تمام اعمال کا حساب دینا ہے۔ اس عقیدے کا اثر اس کی پوری دنیاوی زندگی پر یہ ہوتا ہے کہ ہر عمل کو کرتے ہوئے وہ یہ سوچتا ہے کہ قیامت کے دن اس عمل کا جواب دینا ہے۔ اس لیے وہ برائی سے رک جاتا ہے اور ہمیشہ نیکیوں پر کاربند رہتا ہے۔ اس طرح ایک مومن کی زندگی میں وہ مخصوص صفات پیدا ہو جاتی ہیں جو مومنین کا طرہ امتیاز ہیں۔

حضرات!

اللہ تبارک و تعالیٰ نے مومن کی صفات اپنے کلام مقدس میں جا بجا بیان فرمائی ہیں۔

مفسر قرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے ابتداء میں تلاوت کی گئی آیات کے بارے میں فرمایا ہے کہ مسلمان کے لیے جتنی علمی، عملی، اخلاقی صفات مطلوب ہیں وہ ان تینوں سورتوں کی چند آیات میں جمع کر دی گئی ہیں اور یہی وہ صفات و کلمات ہیں جن میں حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کا امتحان لیا گیا اور آیت واذ ابتلیٰ ابراھیم ربہ بکلمات میں انہی صفات کی طرف اشارہ ہے۔ اس لیے یہ بھی معلوم ہوا کہ خلق خدا کے امام و مقتدا اور پیشوا بننے کے لیے امتحان درکار ہے۔ یہ امتحان دنیا کے مدارس اور یونیورسٹیوں جیسا امتحان نہیں جس میں چند مسائل کی فنی تحقیق اور علمی موشگافیوں کو کامیابی کا اعلیٰ درجہ سمجھا جاتا ہے۔ بلکہ اس عہدے کے حاصل کرنے کے لیے ان اخلاقی اور عملی صفات میں کامل اور مکمل ہونا شرط ہے جن کا ذکر ابھی پیش کی گئی آیات میں آ چکا ہے۔

قرآن کریم نے ایک اور جگہ یہی مضمون اس طرح بیان فرمایا ہے:

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ۣوَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ ۝ (السجدہ ۳۲:۲۴)

جب انہوں نے صبر کیا اور ہماری آیات پر یقین لاتے رہے تو ہم نے ان کے اندر ایسے پیشوا پیدا کیے جو ہمارے حکم سے رہنمائی کرتے تھے۔

اس آیت میں امامت و پیشوائی کے لیے ان تمام صفات کا خلاصہ دو لفظوں میں بیان کر دیا گیا ہے۔ یعنی صبر و یقین۔ یقین علمی اور اعتقادی کمال ہے اور صبر عملی اور اخلاقی کمال ہے۔ اور وہ تمام صفات جن کا ذکر ابھی اوپر گزر چکا ہے سب کی سب انہی دو صفتوں میں سموئی ہوئی ہیں۔ صحابہ کرام صفات مومنین کے مجسم نمونے اور ان کا معاشرہ مثالی اسلامی معاشرہ تھا۔ اس وقت صبر و یقین کی زندہ مثالیں جا بجا دیکھنے کو ملتی ہیں۔ ان میں سے ایک مثال حضرت ابو طلحہ انصاریؓ کی ہے۔

ایک دن سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت کے درمیان رونق افروز تھے کہ ایک شخص پریشانی کے عالم میں آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی۔

"یا رسول اللہؐ مسافر ہوں اور مدینہ میں میرے قیام و طعام کا کوئی بندوبست نہیں، آپؐ کی اعانت کا محتاج ہوں۔

حضورؐ نے ازواج مطہراتؓ کے گھروں سے معلوم کروایا کہ گھر میں کھانے کو کچھ ہے۔ سب کی طرف سے جواب آیا کہ آج فاقہ ہے۔ اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کی طرف دیکھا اور فرمایا۔

"کوئی ہے جو اس اللہ کے بندے کو مہمان بنائے"۔

حضورؐ کا ارشاد سن کر حضرت ابو طلحہ انصاریؓ اٹھ کھڑے ہوئے اور عرض کی

"یا رسول اللہ اس کو میں اپنے ساتھ لے جاؤں گا"۔

یہ کہہ کر فوراً گھر گئے اور بیوی کو مہمان کے آنے کی اطلاع دی۔ انہوں نے کہا:

"بچوں کے لیے تھوڑا سا کھانا پکا ہے اس کے سوا' خدا کی قسم گھر میں کھانے کی کوئی چیز نہیں"۔

حضرت ابو طلحہؓ نے کہا "کوئی مضائقہ نہیں' بچوں کو بہلا کر سلا دو۔ جب وہ سو جائیں تو ہم ان کا کھانا مہمان کے آگے رکھ دیں گے۔ تم چراغ درست کرنے کے بہانے سے اٹھ کر اس کو بجھا دینا۔ اندھیرے میں مہمان کھانا کھا لے گا اور ہم یونہی منہ چلاتے رہیں گے"۔

غرض اس طرح مہمان کو کھانا کھلا کر میاں بیوی اور بچوں سب نے رات فاقہ سے گزاری۔

صبح کو جب یہ نرالے میزبان حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو زبان رسالتؐ پر سورہ حشر کی یہ آیت جاری تھی۔

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (الحشر ۹:۵۹)

اور وہ اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں خواہ اپنی جگہ خود محتاج ہوں۔

حضورؐ نے فرمایا "رات کو تمہارا اپنے مہمان کے ساتھ برتاؤ اللہ تعالیٰ کو بہت پسند آیا۔ ایک دن یہی حضرت ابو طلحہؓ بارگاہ رسالت میں حاضر تھے کہ سورہ آل عمران کی یہ آیت نازل ہوئی۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۥ (آل عمران ۹۲:۳)

تم نیکی کو نہیں پہنچ سکتے جب تک کہ اپنی وہ چیزیں (اللہ کی راہ میں) خرچ نہ کرو جنہیں تم عزیز رکھتے ہو۔

حضرت ابو طلحہؓ مسجد نبوی کے سامنے ایک وسیع اور پر فضا باغ کے مالک تھے۔ اس کے کنوئیں "بیرحاء" کا پانی بہت صاف شیریں اور خوشبودار تھا۔ اور حضورؐ اسے بڑے شوق سے پیا کرتے تھے۔ مدینہ منورہ میں اس قسم کی جائیداد بہت بڑی نعمت تھی لیکن حضرت طلحہؓ اٹھے اور عرض کی:

"یا رسول اللہؐ میری محبوب ترین جائیداد "بیرحاء" ہے۔ میں یہ راہ خدا میں وقف کرتا ہوں اور خدا کی قسم اگر یہ بات چھپ سکتی تو میں اسے کبھی ظاہر نہ کرتا"۔

ان کا جذبہ انفاق دیکھ کر حضورؐ کا روئے اقدس چمک اٹھا انہیں دعائے خیر دی اور فرمایا کہ اسے اپنے اعزا و اقارب میں تقسیم کر دو۔ انہوں نے فوراً" فرمان رسالتؐ کی تعمیل کی اور یہ ساری جائیداد اپنے رشتہ داروں میں تقسیم کر دی۔

صحابہ کرام کا جذبہ خیر و ایثار اور انفاق فی سبیل اللہ جس کی قرآن حکیم میں جابجا تعریف و تحسین کی گئی ہے اس کی انتہا یہ تھی کہ غزوہ تبوک کے موقع پر جب حضورؐ نے صحابہ کرام کو انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب دی تو تمام صحابہ کرامؓ نے اپنی استطاعت سے بڑھ کر مالی قربانی دی۔ صدیق اکبرؓ نے گھر کی سوئی سلائی تک راہ حق میں پیش کر دی اور جب حضورؐ نے پوچھا کہ ابوبکر گھر میں بھی کچھ چھوڑ آئے ہو تو عرض کیا "یا رسول اللہؐ اللہ اور اللہ کے رسولؐ کا نام ہی میرے لیے کافی ہے"۔

صحابہ کرامؓ ایسے اعلیٰ سیرت و کردار اور اخلاق و اعمال کے حامل تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے راستہ کو ایک معیاری راستہ قرار دیا اور ان کی مخالفت کو رسول اللہؐ کی مخالفت قرار دیا۔ سورہ النساء میں ارشاد ہوتا ہے:

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ۱۱۵

(سورہ النساء ۱۱۵:۴)

اور جو شخص رسول کی مخالفت پر کمربستہ ہو اور اہل ایمان کی روش کے سوا کسی اور روش پر چلے

درآں حالیکہ اس پر راہ راست واضح ہو چکی ہو تو ہم اس کو اسی طرف چلائیں گے جدھر وہ خود پھر گیا اور اسے جہنم میں جھونکیں گے جو بدترین جائے قرار ہے۔

مفسرین کے نزدیک یہاں "مومنین کی راہ" سے مراد صحابہ کرامؓ کی راہ ہے اور صحابہ کرامؓ وہی نفوس قدسی ہیں جن کے اوصاف و محاسن قرآن حکیم میں جابجا بیان کیے گئے ہیں۔ ان کا احاطہ کرنے کے لیے ایک ضخیم کتاب درکار ہے یہاں صرف چند اوصاف بیان کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

اللہ اور اللہ کے رسولؐ کے فرمانبردار، صادق الایمان، نیک نیت، نیکیوں میں سبقت کرنے والے، ہر بھلائی میں پیش پیش، حق کی خاطر سردھڑ کی بازی لگا دینے والے، راہ حق میں عزیز و اقارب، وطن، گھربار مال، جائیداد سب کچھ قربان کر دینے والے، حلال کمانے اور حلال کھانے والے، حرام سے بچنے والے، راستباز، امانت دار، عہد کو پورا کرنے والے، راہ حق میں ہر قسم کی مصیبت صبر و استقامت سے جھیلنے والے، حق و صداقت کے معاملے میں مداہنت سے بیزار، بے ریا، مخلص، راہ حق میں بڑھ چڑھ کر مالی قربانی دینے والے، اپنی ضرورت پر دوسروں کی ضرورت کو ترجیح دینے والے، اپنی زبانوں کو قابو میں رکھنے والے، آپس میں رحیم، کفار پر سخت، کبائر اور بے حیائی سے بچنے والے، اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے، غصہ آنے پر معاف کر دینے والے، نماز قائم کرنے والے، حج کرنے والے، روزہ رکھنے والے، زکوٰۃ دینے والے، علم سیکھنے والے، نیکی کی تلقین کرنے اور برائی سے روکنے والے، سچی گواہی دینے والے، اللہ کے ڈر سے رونے والے، مصیبت پر صبر کرنے والے، غرور اور فخر سے اجتناب کرنے والے، غریبوں، مسکینوں، یتیموں اور سائلوں کی مدد کرنے والے، پڑوسیوں سے اچھا سلوک کرنے والے، والدین کی خدمت کرنے والے، رات کی تنہائی میں کثرت سے سجدے کرنے والے، وعلیٰ ہذا القیاس۔

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے یہی اوصاف تھے جن کی بدولت وہ اللہ تعالیٰ کے محبوب اور پسندیدہ بندے بن گئے تھے۔ ان کی عظمت کی اس سے بڑی دلیل کیا ہو سکتی ہے کہ قرآن پاک میں انہیں دنیا اور آخرت میں شاندار کامیابی سے ہمکنار لوگ قرار دیا گیا۔ جن سے اللہ راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔

ایک مسلمان کی زندگی کا مقصد ہی یہی ہے کہ اسے رضائے رب حاصل ہو جائے اور یوں اس کی آخرت سنور جائے لیکن جن نفوس عظیم و جلیل کو خود اللہ تعالیٰ اپنے راضی ہونے کی بشارت دے رہا ہو ان کے مقام و مرتبہ اور عظمت کا اندازہ کون کر سکتا ہے؟ بلاشبہ وہ انبیاء علیہم السلام کے بعد کائنات کی بزرگ ترین ہستیاں ہیں اور اس شخص کی خوش بختی میں کیا کلام ہو سکتا ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو یہ توفیق عطا فرمائے۔

محترم بھائیو!

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تیئس (۲۳) سالہ نبوی زندگی میں ایک ایسا معاشرہ قائم فرمایا جو تمام مطلوبہ صفات حمیدہ کا حامل تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت، محنت اور توجہ سے اسی معاشرہ کے ارکان دوستی، ہمدردی، تقویٰ، صبر و استقامت غرض ہر طرح کی بہترین صفات اور اعمال صالحہ کے پیکر بنے ہوئے تھے جن کی زندگیوں کی مثالیں رہتی دنیا تک انسانیت کے لیے نمونے کا کام دیتی رہیں گی۔ ہر مومن کی دلی تمنا اور دعا یہی ہونی چاہیے اور ہوتی ہے کہ اللہ اسے بھی ان برگزیدہ ہستیوں کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عنایت فرمائے۔ آمین۔

و آخر دعوانا ان الحمدللہ رب العلمین